

جلد	03
شمارہ	04
فروری	2018

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
پاکی اسٹیڈیم کراچی؛ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



سرورق: صلہ حسین...... آرائش: عینی بائے سلیک ...... ملبوسات: جیمز بوتیک

عکاسی: ایم کاشف 0331-4546116

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات حیات
مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
فروری ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

میں اور میرے تمام رفقاء آپ سب بہنوں کا تہہ دل سے شکر گزار و مشکور ہیں کہ آپ نے سال نو کے موقع پر جس طرح مبارک باد کے پیغامات سے نوازا اس نے ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں' ان شاء اللہ آپ کو ہماری ٹیم کبھی مایوس نہیں کرے گی آپ کی خواہشات آپ کی فرمائشات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کا حجاب سنوارا سجایا جاتا ہے' اس کی سطر سطر آپ تمام بہنوں کی شرکت کی منتظر رہتی ہے آنچل اور حجاب آپ کے اپنے ماہنامے ہیں انہیں آپ جیسا دیکھنا چاہتی ہیں بلاتکلف اپنی آراء سے نوازتی رہا کریں آپ کی آرا' آپ کا تعاون ہی ہماری قدم قدم رہنمائی کا ذریعہ ہے، میں آپ سب بہنوں کی تہہ دل سے ممنوں ہوں۔

وطن عزیز میں سیاسی ہیجان نے جو افراتفری مچا رکھی ہے وہ سب کے سامنے ہے اس کے ساتھ ساتھ ان دیکھے ہاتھ بھی اپنی کارفرمائی سے باز نہیں آ رہے۔ کئی اقسام کی بے چینی بے اطمینانی دانستہ پھیلائی جارہی ہے کچھ اہل سیاست کا کہنا ہے کہ سینیٹ کے انتخابات کے باعث اور جلدی آنے والے قومی وصوبائی انتخابات کے سبب ہر سیاسی کارکن اور جماعت اہل سیاست اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق میدان میں اتر رہا ہے اور بھڑکیں مار رہا ہے۔ جس کا اثر براہ راست عوام پر پڑ رہا ہے عوام بے چاری کو نا صرف ہیجان میں مبتلا کیا جارہا ہے بلکہ مغالطے میں بھی ڈالا جارہا ہے تاکہ آنے والے الیکشن میں عوام بلاسوچے سمجھے ایک بار پھر ان ہی لوگوں کو منتخب کرلیں جنہیں آزما چکے ہیں یعنی ایک بار پھر خود کشی کے لیے وہی پرانے پھندے اپنے گلوں میں خود ڈال لیں اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری اور ہمارے وطن عزیز کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے اور ظالموں سے محفوظ فرمائے آمین' نیک اور صالح افراد کی خواہش تو ہم کرسکتے ہیں لیکن منتخب نہیں کرسکتے۔

اب آخر میں کچھ بہنوں کے شکوے وشکایات پر جواب شکوہ بھی عرض ہے بعض بہنوں کو یہ شکایت ہے کہ ان کی تحریریں آنچل کے بجائے حجاب میں شائع کردی جاتی ہیں اور یہ نا انصافی انہیں پسند نہیں آتی تو پیاری بہنوں بات صرف اتنی سی ہے کہ ہمارے نزدیک تو آنچل وحجاب دونوں برابر ہیں دونوں کو سجانے سنوارنے کا کام ہمارا اور آپ کا ہے' سراہنے اور پسند کرنے کا کام صرف اور صرف آپ کے ذمے ہے اگر سب بہنیں صرف آنچل میں ہی اشاعت کا مطالبہ کریں گی تو حجاب کے ساتھ تو یہ نا انصافی ہوگی اور ہمیں امید ہے ہماری قاری بہنیں اور مصنفین اپنے باشعور اور سمجھدار ہونے کا ثبوت دیتے آئندہ اس بات پر خفا نہیں ہوں گی۔

اب آیئے چلتے ہیں آپ کے اس ماہ کے حجاب کی جانب۔

طیبہ عنصر مغل، صباء ایشل، حمیرا علی، ماورا طلحہٰ، سلمیٰ فہیم گل، شبینہ گل، مونا شاہ قریشی، عاصمہ عزیز، بشریٰ ماہا، ریمل آرزو، اقرا کیاقت، عائشہ تنویر۔

دعاگو
قیصر آرا

حمد

خالق دو جہاں رب عظیم
ذات تیری ہے لائق تعظیم
تو نے بھیجا جہاں میں اپنا حبیب ﷺ
ہے جہاں میں جو صاحب تکریم
وہ نبی ﷺ جو ہے رحمت عالم
خلق جس ذات کا ہے خلق عظیم
رہنمائی ہماری کرتا کون
جو نہ آتے یہاں رسول ﷺ کریم
تو ہی غفار ہے تو ہی ستار
تیری ہی ذات ہے خبیر و علیم
ہے مگن تیری یاد میں کاوش
تیرے در پر ہے خم سر تسلیم

ماجد علی کاوش

نعت

سر طور کوئی جائے اسے آپ کیا کہیں گے
جسے خود خدا بلائے اسے آپ کیا کہیں گے
کوئی اس کی عظمتوں کی نہ مثال ہے نہ ہے حد ہے
جو خدا سے مل کے آئے اسے آپ کیا کہیں گے
جو خطا معاف کردے وہ خدائے لم یزل ہے
جو خطائیں بخشوائے اسے آپ کیا کہیں گے
جو کرے جہاں کو روشن وہ تو شمس ہے قمر ہے
جو دلوں کو جگمگائے اسے آپ کیا کہیں گے
جو قمر کو توڑتا ہو جو دلوں کو جوڑتا ہو
جو یہ معجزے دکھائے اسے آپ کیا کہیں گے
جو گناہ سے دور کر دے اسے کیا کہیں گے اعجاز
ہمیں رب سے جو ملائے اسے آپ کیا کہیں گے

اعجاز رحمانی

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

ثمینہ رباب

تمام خواتین کو میرا پیار بھرا اسلام امید' ہے کہ سب پر اللہ کا خاص کرم ہوگا۔ اس پیاری سی لڑکی کو ثمینہ رباب کہتے ہیں میں 8 مارچ 1999ء کو پیارے سے شہر ساہیوال میں پیدا ہوئی' میں اکلوتی ہوں میرا نام میری امی نے رکھا میں اپنی امی سے بہت پیار کرتی ہوں (آئی لو یو) میری تعلیم میٹرک ہے اس طرح میری پہلی بار شرکت ہے مجھے حجاب میں تعارف کا بڑا شوق تھا کچھ ماہ پہلے میں نے حجاب میں اپنا تعارف بھیجا تھا شاید وہ آپ کو ملا نہیں لیکن ہم بھی ہارنے والے نہیں سو ہم نے پھر بھیج دیا۔ جس دن حجاب آتا ہے وہ دن میرے لیے عید کا دن ہوتا ہے میں سب سے کہتی ہوں کہ اگر مجھے کسی نے خوش کرنا ہے تو حجاب دے دو میں خوش ہو جاؤں گی میری سب دوستیں بہت اچھی ہیں طیبہ، ارم، الفت، جویریہ، ماریہ، رباب، مہوش، صائمہ، بشریٰ (آئی مس یو) ڈائجسٹ میں نے اپنی خالہ شہلا کی دلچسپی دیکھ کر پڑھنے شروع کیے (کیونکہ وہ پڑھتی ہیں اور میں ان سے لے کر پڑھتی تھی) مجھے کھانے میں شوارما، گول گپے، کسٹرڈ پسند ہے ایکٹرز میں مجھے بلال عباس، ثنا جاوید، صنم بلوچ پسند ہے۔ الیف ایم 105 سننا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، آر جے ذیشان، آر جے بلال، آر جے سرفراز پسند ہے اور ان سے ملنے کی خواہش ہے مجھے پہاڑی علاقے پسند ہے ں لیکن دیکھے نہیں (کوئی نہیں' امید پر دنیا قائم ہے) کبھی تو دیکھیں گے ڈاکٹر عامر لیاقت تو میرا فیورٹ ہے بری عادت میری یہ کہ میں کنجوس ہوں (دوسرے کہتے ہیں کہ ست ہوں) لیکن مجھے نہیں لگتا جب ہم کام کرنے پر آتے ہیں تو تیز گام کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اچھی عادت یہ کہ نرم دل بہت ہوں ہر کسی کی بات مانتی ہوں پہلے میں بہت کم بولتی تھی لیکن اب کچھ عرصے سے بہت بولتی ہوں' میں ہنستی بہت ہوں' میری سب سے زیادہ دوستی ماموں کی ثمرہ سے ہے آپ لوگوں کو میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا مجھے خط لکھنے کا کوئی تجربہ نہیں اللہ کے سپرد کر کے میں نے خط لکھا اور بھیج دیا اب آپ سب سے اجازت چاہوں گی اللہ آپ سب کو اپنی رحمت کی چھاؤں میں رکھے، آمین۔

آخر میں میرا فیورٹ شعر۔

احتیاطاً بجھا بجھا سا رہتا ہوں
جلتا رہتا تو راکھ ہو جاتا

لیلیٰ رب نواز

میرا نام لیلیٰ رب نواز ہے ہم سات بہنیں اور میرے دو بھائی ہیں میں بھکر کے گاؤں ودھیوالی میں رہتی ہوں میرا قد پانچ فٹ ساڑھے چھ انچ ہے بائیس اگست کو میں پیدا ہوئی اور بہن بھائیوں میں میرا ساتواں نمبر ہے سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں میرا مشغلہ ڈائجسٹ' ناول اور کتابیں پڑھنا ہے (یہ اور بات ہے کہ مجھے کتابیں اور ناول پڑھنے کا موقع کم ملتا ہے) جس کی وجہ سے کافی ڈانٹ بھی پڑتی ہے کالج جانے سے میری جان جاتی ہے اخباروں میں کبھی کبھار اپنی شاعری اور کالم بھیج دیتی ہوں رنگ مجھے کالا سفید اور بے بی پنک پسند ہے پھولوں میں تقریباً سب پھول پسند ہیں لیکن سفید پھول سب سے زیادہ پسند ہیں چھٹی کلاس سے ہی ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے عاطف اسلم میرے فیورٹ سنگر ہیں کبھی کبھی گانے میں سن لیتی ہوں آرمی میں جانے کا بہت زیادہ شوق ہے (دعا کیجیے گا) ناولوں میں نازی آپی کا ''برف کے آنسو' اشفاق احمد کا ''من چلے کا سودا'' اور ''زاویہ'' عمیرہ احمد کا ''امر بیل'' اور ''پیر کامل'' نمرہ احمد کا ''جنت کے پتے'' اور نمل اینڈ سانس ساکن' ہاشم ندیم کا ''عبداللہ'' اور ''خدا اور محبت'' بہت زیادہ پسند ہیں کپڑوں میں سادہ شلوار قمیص اور فراک پسند ہیں چوڑیاں اور مہندی بھی بہت زیادہ پسند ہے کھانے میں جو مل جائے کھا لیتی ہوں اور جو مجھ میں خامی ہے وہ بھی آپ کو بتاتی چلوں کوکنگ مجھے بالکل نہیں آتی جس کی وجہ سے خاصی ڈانٹ پڑتی ہے اگر کوئی کام کہے تو تھوڑی دیر بعد بھول جاتی ہوں

ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے چاہے کتنا ہی شور کیوں نہ ہو مجھے پتا نہیں ہوتا میں جن سے پیار کرتی ہوں وہ میری فیملی اور فرینڈز ہیں ہادی، چاند فاطمہ اور روشن جہاں میرے پیارے بھانجی بھانجیاں ہیں پڑھائی میں دل نہیں لگتا بالکل بھی دعا کیجیے گا، رب راکھا اینڈ فی امان اللہ۔

تانیہ خادم حسین

سب سے پہلے تو تمام دوستوں کو دل سے سلام اور سال نو مبارک کافی عرصے سے آنچل پڑھ رہے ہیں مگر لکھنے کی جسارت آج کر رہے ہیں تو جناب مابدولت کو تانیہ کہتے ہیں پیار سے سب ''تانیہ'' ہی کہتے ہیں سوائے علی بھائی (بھئی جی جو کے) جو مجھے ''تانی'' کہتے ہیں اگر میرے نام کو الٹا لکھا جائے تو تب میں ''انیتا'' ہوں تو جناب میں پانچ جولائی سن دو ہزار کو رات کے وقت سوموار کے دن برستی بارش والی رات تشریف لائی۔ ہم نو بہن، بھائی ہیں چار بھائی چار بہنیں اور ہم تو سب سے چھوٹے اور کھوٹے ہیں سب کے لاڈلے خاص طور پر مما اور بہنوں کے اسٹارز پر یقین ہے اور ہمارا اسٹار سرطان ہے قد پانچ فٹ وزن چالیس کلو اسمارٹ ہیں معصوم بھی (ارے منہ مت بناؤ وہ تو پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہوا ہے) فیملی ممبرز سب ہی اچھے ہیں۔ اگر کوئی پیار سے کام کہے تو کرتی ہوں ورنہ کسی سے بھی نہیں ڈرتی (کیوں ڈریں جی؟) غصہ بہت آتا ہے اور غصے میں ردعمل کے طور پر چیزیں توڑتی ہوں دل کرتا ہے مر جاؤں یا ماردوں سب کو۔ کھانے میں بریانی، کسٹرڈ، فش، کھیر پسند ہے اور سبزیوں میں بھنڈی، کریلے، پالک پسند ہے۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے ڈائری لکھنا پسند ہے پانچ وقت کی نمازی بھی ہوں اور روزانہ باقاعدگی سے قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتی ہوں بہت مزاحیہ بھی ہوں سب سے فٹافٹ دوستی کر لیتی ہوں (ارے بھئی حیران مت ہوں سوائے لڑکوں کے) دوستوں میں حسینہ پروین، رمشا محسن، نادیہ محسن، شازیہ مشتاق، رمشا یاسین، رمشا عارف، روبینہ شبیر، آمنہ اختر، معافیہ برکت، اقرا شریف، فرزانہ صادق، عاصمہ، شفق، صائمہ نذر، ثمینہ، بشریٰ میری پیاری بہنیں شاہین آصف، تسلیم علی، شازیہ عمران، صائمہ عارف کیسی ہیں آپ سب فوزیہ بھابی بھی جی آپ حیران نہ ہوں میں حقیقت میں آگئی ہوں آنچل میں اور علی کیسے ہو حسنین، زینب، فاطمہ میرب میرے پیارے بھتیجے بھتیجیوں سب ٹھیک ہو ناں اے تم منہ کیوں بنا رہے ہو سب اکرام، اسلام، اقرا، علی شان، عائشہ، علی حمزہ، ریحان، (ہنی) میرے جان سے پیارے منان، عاطف کیسے ہو بھئی آنی کو بھول گئے ناں، ارے ارے علیشہ علی اور ارسل علی تم کہاں بھاگ رہے ہو بھئی اور رمضان تم تو بچوں کو مارنا چھوڑ دو یار اور حارث روما تم آتے کیوں نہیں گھر؟ پسندیدہ ہستی حضرت محمد ﷺ پھر قائد اعظم محمد علی جناح اس کے بعد میرے مما، پاپا اللہ تعالیٰ ان کی لمبی عمر کرے آمین سب سے زیادہ کلوز مما کے ہوں اور دوستوں میں حسینہ پروین اور مقدس سے کلوز ہوں ہائے مقدس کیسی ہو؟ اور تانیہ جہاں آپ کی عمر کتنی ہے اور جناب پروین افضل شاہین آپ کو اپنے ہزبینڈ سے بہت پیار ہے واہ جی واہ اللہ مزید پیار بڑھائے آمین، اس بار سب کا تعارف اچھا لگا مجھے پڑھ کے کیسا لگا ضرور آگاہ کیجیے گا کمپیوٹر چلانا اور مجھے بارش میں نہانا، دوستوں کی محفل اور روتے ہوئے بچے کے چہرے پر آنے والی اچانک ہنسی بہت پسند ہے خوشگوار موسم خاص طور پر سردیاں واؤ کتنا مزہ آتا ہے جی بھر کے سوتے ہیں میرے مشغلے ہیں کرکٹ کھیلنا، سائیکل چلانا، بائیک چلانا، ارے بھئی حیران مت ہوں لڑکا بننے کا شوق ہے بچپن میں لڑکوں والے کپڑے بھی پہنے میں بہت سے لوگ تو پوچھتے ہیں کہ آپ کا جو بیٹا تھا وہ کہاں ہے ہاہاہاہا بھئی شکل لڑکوں والی تھی شکر ہے اب پیاری سی اچھی سی لڑکی بن گئی ہوں۔ وصی شاہ، احمد فراز، پروین شاکر، محسن نقوی میرے پسندیدہ شاعر ہیں گلوکاروں میں راحت فتح علی خان نصرت فتح علی خان، عاطف اسلم، ندیم عباس پسند ہیں اور انڈیا کے گلوکاروں میں ارجیت سنگھ، ہانی سنگھ اور بادشاہ کے سونگ پسند ہیں مخلص دوست پسند ہیں ٹیچرز میں تسلیم علی، کوثر ملک، زنیرہ انور، عشرت اور فرزانہ، مہہ رخسار اور آمنہ پسند ہیں، ٹیچر

تسلیم آپ کو اپنی بیٹی کی بہت بہت مبارک ہو، ٹیچر عشرت اور کوثر اور زنیرہ سدرہ کو اپنے بیٹوں کی بہت مبارک ہو، سب ٹیچرز کیسی ہیں' آپ آئی مس یو سوچ پرفیوم میں ہوگو باس پسند ہے کلرز میں بلیک، ریڈ، جامنی اور گلابی پسند ہیں۔ ڈریسنگ میں پٹیالہ شلوار قمیص' پینٹ کے ساتھ لانگ شرٹس پسند ہیں مجھے میک اپ پسند نہیں آرمی بے حد پسند ہے اور سب رائٹرز بہترین لکھتی ہیں۔

فاخرہ صغیر (پری)

السلام علیکم جی تو ہمیں پیار، محبت، غصہ اور نفرت سے فاخرہ ہی کہتے ہیں البتہ کچھ فرینڈ فاخرہ پری کہہ کر بلاتی ہیں کیونکہ مابدولت کا بچپن میں نام فاخرہ پری رہ چکا ہے پھر کچھ عرصے بعد تبدیل کر کے فاخرہ صغیر رکھ دیا گیا تو جناب میں نے جون کی ایک تپتی دوپہر کو اٹھائیس جون انیس سو ننانوے کو آزاد کشمیر کے ایک شہر ہولاڑ کے ایک گاؤں دھیٹر میں پیدا ہو کر اپنے گاؤں کو جون کی سخت گرمی سے نجات دلائی ارے جناب مجھے برف والا مت سمجھ لینا نجات دلانا سے مراد جون کے بعد جولائی آتا ہے اور جولائی میں موسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے اب سمجھ آئی کچھ یا اگلی بھی گئی (ہاہاہاہاہا) جناب ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑے بھائی سیکنڈ نمبر پر مابدولت خود اور ہم سے چھوٹی بہن اور اس سے چھوٹا ایک بھائی ہے، ہم نے جناب ایف اے کر لیا ہے اب آگے اکنامکس میں بی ایس کرنے کا پروگرام ہے دعا کیجیے گا میری پسندیدہ شخصیت حضور پاک ﷺ پسندیدہ ہیرو قائداعظم، پسندیدہ شاعر علامہ اقبال اور پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے البتہ پڑھنے کا شوق بہت ہے نصابی کتابوں کے علاوہ جو مل جائے پڑھے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتا میں نے۔ بات ہو جائے خامیوں اور خوبیوں کی تو جناب خامیاں تو بہت ہیں غصہ کی بہت تیز ہوں ضدی ہوں انا پرست ہوں صاف گو ہوں جو بات سچی ہو اسے منہ پر کہہ دیتی ہوں چاہے کوئی ہرٹ ہوتا ہے میرے نزدیک یہ خوبی ہے پر کچھ لوگ خامی سمجھتے ہیں خوبیاں ایک دو ہی ہوں گی میں ناراضگی دل میں نہیں رکھتی، حتیٰ الامکان دوسروں کی مدد کرتی ہوں میں صاف دل ہوں بات زیادہ دیر تک دل میں نہیں رکھتی کھانے میں میٹھے چاول، کسٹرڈ، کھیر مکس، کباب، فش، بھنڈی، کریلے اور سردیوں میں آئسکریم کھانا اور چاکلیٹس فرینڈ سے چھین کر کھانا بہت پسند ہے کلر میں بلیک، وائٹ اور سی گرین پسند ہیں پہننے میں لانگ کرتا، ٹراؤزر اور بڑی سی شال پسند ہے جیولری میں لاکٹ، بریسلیٹ اور کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں۔ میری فرینڈز زیادہ تو نہیں پر کم بھی نہیں ہیں یسریٰ خالق، ثانیہ، سحرش اشرف، روزینہ ناز، انعم مصباح، صبا، میمونہ اور رابعہ آپی ہیں اگر کوئی اور مجھ سے دوستی کرنا چاہے تو ویلکم سیڈ سونگ، قوالیاں نعتیں اور ترانے مجھے بہت پسند ہیں۔ آرمی میں جانے کا بہت شوق ہے۔ میک اپ کے نام سے بھی الرجی ہے پرفیومز کی تو دیوانی ہوں ریڈ گلاب، مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو، بارش میں بھیگنا، شام کی اداسی، رات کا اندھیرا، ہلکی ہلکی ہوا، تنہائی میں دیر تک چاند کو دیکھنا خاموشی اور سورج طلوع اور غروب ہوتے وقت کا منظر بہت پسند ہے کوکنگ کرنا پسند نہیں لیکن کیا کریں مجبوری ہے کرنی پڑتی ہے منافق لوگوں سے سخت نفرت ہے بچے بہت پسند ہیں۔ میری ایک کیوٹ سی بھانجی اور بھتیجی ہے جن میں تو میری جان ہے کرکٹ اور بیڈمنٹن آئی لائک اٹ۔ ڈائری لکھنے کی عادت بچپن سے ہے شاعری تو حد سے بھی زیادہ پسند ہے خود بھی کرتی ہوں رائٹرز میں فاخرہ گل، عمیرہ احمد، نازیہ کنول نازی اچھی لگتی ہیں ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' اور بچپن کا دسمبر بہت پسند ہے سنگرز میں عاطف اسلم اور علی ظفر شاعروں میں وصی شاہ، ناصر کاظمی پسند ہیں پڑھنے کا بہت شوق ہے چاہے کوئی بھی کتاب ہو مہندی لگانا بہت پسند ہے اب ایک پیاری سی بات کے ساتھ اجازت دیں کہ بلاوجہ کسی کو الزام نہ دیں جو آپ کے ساتھ مخلص ہو اس کی قدر کریں، اتنی دیر برداشت کرنے کا شکریہ اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف کرنا دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔



رخ سخن

سباس گل

طیبہ عنصر مغل



السلام علیکم نرم گرم جذبات کی مالک شاعرہ و مصنفہ اور کالم نگار طیبہ عنصر مغل آپ کی خدمت میں حاضر 16 اکتوبر 1973 کو ضلع راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان میں پہلی سانس لی' لکھنے کا آغاز بچپن سے ہی کر دیا اور پھر لکھنے اور پڑھنے کے ساتھ مطالعے کے ساتھ بجمولی جیسا ناطہ جڑ گیا اور 1992ء تک یہ ناطہ بلا تعطل جاری رہا تعلیمی قابلیت ایم اے پولیٹیکل سائنس ہے لکھنے میں تعطل والدہ کی علالت کی وجہ سے آیا اور پھر شادی اور بچوں کی ذمہ داریوں سے نبرد آزما۔ قلم کی دنیا سے کنارہ کش رہنے کے بعد 2014ء اور 2015ء میں دوبارہ لکھنے کا عمل شروع کیا تخلص "عینی" ہے اور ننھیال کے کچھ لوگ بھی قلم قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

سوال: آپ کے لکھنے کی ابتدا کس طرح اور کس عمر میں ہوئی؟

جواب: جی پیاری سباس میری تاریخ پیدائش خطہ پوٹھوہار کے دل گوجر خان کی ہے مشغلہ ایک نہیں بہت سے رہے ڈرائنگ، میوزک، کہانیاں لکھنا پڑھنا اور کھیلنا تو لازمی جز رہا۔

سوال: آپ کے لکھنے کی ابتدا کس طرح اور کس عمر میں ہوئی؟

جواب: ہمارے ابو جی ہمارے لیے بہت سے ماہنامے منگواتے تھے ان میں جگنو، تعلیم و تربیت بچوں کی دنیا ہم زیادہ شوق سے پڑھتے تھے مجھے لگا کہ یہ کہانیاں تو بہت ہی آسان سی ہیں مجھے بھی لکھنا چاہیے سو تیسری جماعت کی طالبہ پیپر پین لے کر بیٹھ گئی اور بچوں کے جریدے کے لیے پہلی کہانی لکھ ڈالی، بھیجنے کے بعد نجانے کیوں یقین تھا کہ یہ شائع بھی ہو جائے گی اور الحمد للہ کہ وہ شائع ہوگئی عنوان "میری بلی تھا" آج بھی یاد ہے کہ وہ کیسی خوشی تھی جب اپنی تحریر کو اپنے نام کے ساتھ رسالے میں دیکھا بس پھر چل سو چل لکھتے چلے گئے۔

سوال: ادبی دنیا میں کن شخصیات سے آپ متاثر ہیں؟

جواب: ادبی دنیا میں بہت سے لوگوں سے متاثر ہوں موسٹ سینئرز سے لے کر اپنی ساتھی ہم عصر مصنفات اور اب تو جونئیر بچیاں لکھ رہی ہیں ان کا کام بھی حیران کن حد تک خوب صورت ہے عمیرہ احمد، نمرہ احمد تو خیر آل ٹائم فیورٹ ہیں ویسے باقی سب ہی دوست ہیں کسی ایک کا نام بھی نہیں لے پاؤں گی میں مطالعہ بہت کرتی ہوں اس لیے ایک نامکمل لسٹ ہے۔

سوال: ابھی تک ادب میں کتنی کامیابیاں سمیٹیں کتنے ایوارڈ حاصل کیے؟

جواب: ایوارڈز ہارڈ شیپ تو کچھ خاص نہیں کیونکہ اب تو جرائد میں بھی ایوارڈز کا رواج بس ختم ہی ہو چکا ہے اور میرے لکھنے کے درمیان تو تعطل بھی آیا، 1988ء میں نے پہلا افسانہ کم عمری میں لکھا اور بے شمار پذیرائی ملی مختلف اخبارات کی اعزازی رائٹر بھی رہی، جن میں نوائے وقت اور حیدر، اخبار جہاں سر فہرست ہیں 1992ء تک مسلسل لکھتی رہی لیکن پھر والدہ کی علالت کی وجہ سے لکھنا چھوڑ دیا پھر شادی اور بچے ایک لمبا عرصہ اپنے آپ کو فیملی کے لیے وقف کیے رکھا کہ یہی بچوں کے بڑے ہونے بننے اور بگڑنے کا وقت تھا ان کو بھرپور توجہ دی پھر شاید 2015ء

میں دوبارہ لکھنا شروع کیا، بچے سمجھدار ہوئے تو لگا کہ اب لکھنا چاہیے لیکن یہ ضروری ہے کہ الحمدللہ آئے اور چھا گئے والا معاملہ ہوا میرے ساتھ کہ اب میری بے شمار تحاریر مختلف جرائد میں شائع ہو چکی ہیں اور سب کو بے پناہ پزیرائی ملی ہے میرا ایوارڈ تو قارئین کی پزیرائی ہے اور یہی میری کامیابیوں کا سفر بھی۔

سوال: کیا ادبی سفر کے علاوہ کسی اور شعبے سے بھی آپ وابستہ ہیں؟

جواب: جی ایک نجی تعلیمی ادارے سے بحثیت بورڈ ڈائریکٹر وابستہ ہوں۔

سوال: آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے میرے خیال میں اچھا ادب وہ ہے جو کسی بھی موضوع پر ہو لیکن اس میں مقصدیت کا عنصر لازم ہو بے شک وہ بھاری بھرکم الفاظ سے مبرا تحریر ہو لیکن جامع اور مقصدیت سے بھرپور تحریر ہو۔

سوال: آپ کی نظر میں تخلیق کسے کہتے ہیں؟

جواب: سب کا اپنا ایک الگ نظریہ ہوتا ہے میری نظر میں تخلیق وہی ہوتی ہے جس کو آپ زبردستی ضبط تحریر میں نہ لائیں بلکہ آپ کے اندر سے اس کی تحریک ہو اس تخلیق کا کرب و راحت آپ اپنے اوپر جھیلیں اور جو لکھیں وہ پڑھنے والے کو مسحور کر دے اور مدتوں بعد بھی آپ اس کو بھلا نہ پائیں جیسے کہ سفال گر۔

سوال: آج کل کے ملکی حالات پر اپنی رائے کا اظہار کیجیے؟

جواب: ملکی حالات کے لیے صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے اس وقت وطن عزیز بدترین حالات سے گزر رہا ہے، بس ہم قلمکاروں کو اپنی تحاریر سے حقائق پر لکھنا ہے اور اس کی بہتری میں حصہ ڈالنا ہوگا میں اپنے افسانوں سے کالمز تک کوشش کرتی ہوں کہ کچھ ایسا پیغام لازمی دوں جو اس ارض پاک کے لیے بہتری کا پیغام لائے۔

سوال: معاشرہ کسے کہتے ہیں اور کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہمارے ملک میں اسلامی معاشرے کا نفاذ ہو؟

جواب: اس سوال کا بہترین جواب تو یہی ہے کہ معاشرہ تو تم بھی ہو معاشرہ تو ہم بھی ہیں معاشرہ ہم سب لوگوں ہی سے تشکیل پاتا ہے ہمارے آپس کے تعلقات رسم و رواج یہی معاشرہ ہے جی میں بھی یہ چاہتی ہوں ہمارے ملک میں اسلام کا عملاً نفاذ ہو لیکن کیسے؟ جس معاشرے میں جھوٹ اور منافقت کی علمداری ہو نفسا نفسی اور خود غرضی کا دور دورہ ہو، دو لوگ چار پیسوں کے لیے کسی پر بہتان باندھ دیں اور اسے سنگسار کروا دیں جھوٹا الزام لگا کر کسی کا ہاتھ کٹوا دیں تو ایسی جگہ اسلامی نظام کا پنپ جانا ناممکنات میں سے ہے۔

سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں انقلاب ہماری قوم کے لیے ناگزیر ہے؟

جواب: بالکل ناگزیر ہے لیکن اپنی اصل روح کے ساتھ چہرے اور محض چہرے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ نظام درست سمت میں نہیں جاتا انقلاب نہیں کہلائے گا۔

سوال: ادب کے فروغ کے حوالے سے تجاویز دیں؟

جواب: ادب کے فروغ کے حوالے سے میں اپنی ذات رائے یہ دوں گی کہ فلاحی ادب کی ترویج کی جائے سطحی ادب فروغ نہ پائے اس کے لیے کچھ ضروری اقدامات کیے جائیں جس طرح آپ کا ادارہ یا مختلف دیگر ادارے مختلف رسائل و جرائد جو مواد بھی شائع کرتے ہیں اس پر پہلے پوری طرح غور کیا جاتا ہے پھر اس کو قابل اشاعت بنانے کے لیے موزوں قرار دیا جاتا ہے ایسے ہی کتب کی اشاعت کی بھی کچھ شرائط وضوابط ہونے چاہیں ہر چیز پر چیک اینڈ بیلنس ہو کتنا لکھا اور کیسا لکھا یہ چیک ہو اس کے بعد ہی کتاب اشاعت کے مرحلے میں داخل ہو اور مارکیٹ میں جائے اور حکومت کو اچھے ادب کی سرپرستی کرنا چاہیے۔

سوال: ملکی سیاست میں کتنی دلچسپی ہے؟

جواب: جی کسی حد تک میں بھی ملکی سیاست میں دلچسپی

لیتی ہوں لیکن بہت کم اتنی کہ میری معلومات اپ ڈیٹ رہیں۔
سوال: کمپیوٹر کے آنے سے ادب پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟
جواب: ملے جلے اثرات ہیں پیاری، کمپیوٹر کے آنے سے جہاں بہت آسانیاں ہوئی ہیں وہاں کچھ بدنما خامیاں بھی ہیں جن میں سرفہرست کتاب سے قاری کی دوری ہے لیکن اب بھی کچھ ہم جیسے کتاب دوست ہیں جو کتاب میں ہی پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اس سب کے ساتھ یہ بھی اہم کہ ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ سب کچھ ایک کلک کے فاصلے پر آ گیا ہے معلومات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا ہے۔
سوال: زوال یافتہ اور ترقی یافتہ معاشرے کے ادب میں کیا فرق ہے؟
جواب: مجھے کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا ہے میری پیمائش کا پیمانہ شاید کچھ الگ ہے میں دونوں طرح کے ادب سے مستفید ہوتی ہوں اور اگر زوال یافتہ سے مراد ہمارا ادب ہے تو مجھے اختلاف ہے ہمارے ہاں کے ادب میں تنوع ہے جمالیاتی چاشنی ہے جو کہیں بھی اور اس طرح سے نظر نہیں آ رہا ہمارے ہاں کا مصنف ہر صنف پر طبع آزمائی کرتے جھجک نہیں محسوس کرتا۔
سوال: آپ کے پسندیدہ شاعر اور ادیب کون سے ہیں؟
جواب: ہاہاہاہا سا اس لگتا ہے آپ ہمارے دوستوں کو ہم سے ناراض کرا کے چھوڑیں گیں لیکن بھئی میں تو دوستوں کے نام ہی نہیں لیتی سب ہی باکمال ہیں۔ شعرا میں سے پروین شاکر، احمد فراز اور وصی شاہ کی شاعری بہت پسند ہے ویسے شعرا کی ایک لمبی لسٹ ہے جس میں آپ بھی شامل ہیں ویسے طبیعتاً میں کسی ایک کی مداح نہیں بن سکتی جب جس کی شاعری دل پر اثر کر جائے پھر چاہے وہ بھلے شاہ ہوں یا میرے شوہر کی شاعری۔ ادیب سارے ہی اچھے ہیں بانو قدسیہ سے لے کر اب جو پیاری پیاری بچیاں



لکھ رہی ہیں تو ان سب کی مداح ہوں۔
سوال: بڑے انسانوں کی نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے ورثا چھوڑ جاتے ہیں آپ کیا سمجھتی ہیں کہ ورثہ میں کیا چھوڑیں گی؟
جواب: میں اپنے آپ کو بڑے انسانوں میں تو گنتی ہوں لیکن عمر میں (ہنسی) اور رہی بات ورثہ کی تو میں ورثہ میں ادب آداب کی تعلیم چھوڑ جانا چاہتی ہوں کچھ ایسا لکھ لینا چاہتی ہوں جو آنے والی نسلوں کو ادب سے آگاہ کر سکے بے تکلفی اور بدتمیزی کے درمیان کا فاصلہ سمجھائے اور اپنی روایات کی پاسداری پر آمادہ کر سکے اپنی کاوشوں کا خزانہ چھوڑ جانا چاہتی ہوں محبت چھوڑ جانا چاہتی ہوں جو سب کے دلوں سے نفرت و کدورت مٹا دے۔
سوال: آپ نے شاعری کب شروع کی؟
جواب: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے بچپن سے ہی شروع کر دی تھی بچوں کی نظمیں لکھنے سے ابتدا کی تھی اس وقت تو خوب شاباشی ملی لیکن جب آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی تو پہلی غزل اخبار جہاں میں شائع ہوئی تو مت پوچھیں۔ پتا چلا کہ شامت اعمال کسے کہتے ہیں کافی سخت ردعمل ہوا تھا لیکن الحمدللہ بعد میں سب ٹھیک ہے میں تبدیل ہو گیا۔
سوال: آپ کے خیال میں شاعری شوق ہے صلاحیت ہے یا محض تک بندی؟

جواب: سراسر صلاحیت ہے اور شوق اس میں نکھار لاتا ہے لیکن آج کل جو نظر سے زیادہ تر گزر رہی ہے وہ تک بندی ہے۔

سوال: آپ کا موڈ، موسم کا مزاج، شاعری پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب: موسم کا جہاں تک معاملہ ہے تو شاعری کا باہر یا اندر کے موسم میں سے صرف اندر کے موسم سے تعلق ہوتا ہے باہر بارش ہو تو بھی اندر سے غمگین شاعری ہی نکلے گی اگر اندر کا موسم گھٹن زدہ ہے اور باہر کڑاکے کی گرمی یا سردی ہو اندر خوشی ہے تو خوشنما شاعری ہی جنم لے گی البتہ موڈ کا اثر بہت زیادہ پڑتا ہے۔

سوال: آپ کا شعری مجموعہ کب شائع ہوگا اور آپ کی تحاریر پر لوگوں کا رسپانس کیا تھا؟

جواب: مجھے ہمیشہ میری شاعری پر بے پناہ داد ملی ہے اور جتنا بھی لکھ چکی ہوں بے شمار کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں لیکن میں بھیڑ چال کا حصہ نہیں بننا چاہتی ہوں میں قاری کو اپنے ساتھ مانوس کرنا چاہتی ہوں پہلے اپنی شاعری کو کندن تو بنالوں پھر اس کے انمول رتن چن کر ایک کتاب شائع کرنا چاہتی ہوں جس کتاب کو خریدنے والا محض ایک شاعرہ کی کتاب نہ خریدے بلکہ وہ ایک اچھی شاعری کی کتاب خریدے اور پھر اس کو سجائے نہیں بلکہ پورے دل سے پڑھے۔ میری تحاریر پر مبنی کتب جلد ہی آپ کو پڑھنے کو دستیاب ہوں گی لیکن معیاری۔

سوال: شوہر نے کبھی آپ کی شاعری سننے کی فرمائش کی؟

جواب: مجبوری ہے کیونکہ میرے شوہر بہت ہی اچھے شاعر بھی ہیں اس لحاظ سے میں اپنی شاعری کی اصلاح ان سے ہی عموماً کراتی ہوں تو وہ شاعری سنتے بھی ہیں اور کبھی کبھار تعریف بھی کرتے ہیں۔

سوال: اگر آپ سے کہا جائے زندگی کو ایک شعر میں بیان کریں؟

جواب: سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

سوال: زندگی سے کیا شکوہ ہے؟

جواب: زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
وہ بہت دیر سے ملا ہے مجھے
ویسے الحمدللہ کوئی شکوہ نہیں۔

سوال: آپ کو اپنی شاعری کیسی لگتی ہے؟

جواب: دیکھیے سباس ڈیئر کسی ماں سے پوچھیں آپ کو اپنا بچہ کیسا لگتا ہے تو جو جواب کثرت سے ہوگا وہی جواب ہے سمپل۔

سوال: کیا لکھنا آسان ہے؟

جواب: ہرگز نہیں بے حد مشکل کام بے حد محنت طلب کربناک۔

سوال: زندگی کو کیسا پایا؟

جواب: دھوپ چھاؤں تو آتی جاتی رہتی ہے لیکن بہرحال مہربان پایا، اللہ کا شکر ہے۔

سوال: آپ کو اگر گہری نیند سے جگایا جائے تو غصہ آتا ہے؟

جواب: اف یہ سوال کیوں کیا سباس جی، بہت آتا ہے۔

سوال: آٹوگراف بک پر کیا لکھنا پسند کرتی ہیں؟

جواب: عموماً دعائیں جلدی میں ہوں تو دستخط کردیتی ہوں بس۔

سوال: بچپن میں گڑیوں سے کھیلی؟

جواب: بہت زیادہ کھیلی، میرے پاس بہت زیادہ گڑیا تھیں اور پورا سامان بھی گڑیا کی شادی بھی کرتی تھی دھوم دھام سے لیکن بڑی پکی تھی گڑیا گڈا دونوں اپنے رکھتی تھی اور کزن بنادیتی تھی تاکہ گڑیا کسی کو دینی نہ پڑے۔

سوال: اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: میرا نام طیبہ عنصر مغل ہے تحصیل گوجر خان سے تعلق ہے تین بہنیں ہیں اور ایک ہی بھائی ایک انتہائی تعلیم یافتہ ماحول کی پروردہ ہوں جس دور میں لوگ ابتدائی تعلیم سے نابلد تھے اس زمانے میں بھی میرا اسارا میکہ اعلیٰ

تعلیم یافتہ تھا جہاں شادی ہوئی وہ لوگ بھی مہذب اور تعلیم یافتہ ہیں میرے شوہر بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ بزنس مین ہیں اور بہترین شاعر، فروری 1997ء میں شادی ہوئی اور تین خوب صورت بچوں کی ماں ہوں ماشاء اللہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے شوہر بہت تعاون کرتے ہیں الحمدللہ۔

سوال: شادی کے بعد پہلی ڈش کون سی پکائی؟

جواب: کھیر۔

سوال: آپ کے ہاتھ کی کون سی ڈش آپ کے شوہر اور بچوں کو بہت اچھی لگتی ہے؟

جواب: تقریباً سب ہی لیکن پلاؤ، بریانی، کوفتے زیادہ تر۔

سوال: زندگی کا خوب صورت لمحہ؟

جواب: جب شادی ہوئی اور جب جب بچوں کی پیدائش ہوئی۔

سوال: زندگی کا کل اثاثہ؟

جواب: الحمدللہ میرے شوہر اور میرے بچے۔

سوال: کوئی ایسی بات جس پر پچھتاوا ہو؟

جواب: کچھ غلط لوگوں پر بھروسہ کرنے دوست بنانے کی غلطی کا پچھتاوا ہے کہ انہوں نے میرے بہت قریبی دوستوں کو چھین لیا۔

سوال: کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہو؟

جواب: لوگوں کے جھوٹ اور منافقت پر۔

سوال: بچپن میں کیسی تھیں شرارتی یا سنجیدہ؟

جواب: بچپن میں تو سنجیدہ ہی تھی لیکن الہڑ عمر میں بہت شرارتی ہوگئی تھی ایک دم نٹ کھٹ۔

سوال: لوگوں سے کسی حد تک ملنا پسند ہے کیا خود کو ملنسار کہہ سکتی ہیں۔

جواب: سو فیصد ملنسار ہوں مجھے لوگوں سے ملنا جلنا بہت اچھا لگتا ہے۔

سوال: کیا ناولز کی ہیروئن کی طرح کبھی ڈائری لکھی؟

جواب: بالکل جی، بہت تواتر سے لکھتی تھی پہلے اب نہیں لکھتی۔

سوال: آپ کو شاعری کرنے میں لطف آتا ہے یا ناول لکھنے میں؟

جواب: دونوں ہی کام اچھے لگنے والے ہیں بلکہ مجھے تو کالم لکھتے ہوئے بھی لطف آتا ہے۔

سوال: گھر سے نکلتے ہوئے کون سی تین چیزیں ساتھ رکھتی ہیں؟

جواب: سیل فون، بیگ، گلاسز۔

سوال: کون سی ایسی ڈش ہے جو آپ کھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں؟

جواب: چکن کڑاہی۔

سوال: اگر آپ کو پاکستان کا وزیراعظم بنا دیا جائے تو آپ پہلا کام کیا کریں گی؟

جواب: فوراً آئین منظور کراؤں گی کہ تاحیات وزیر اعظم رہوں میں۔ ہاہاہاہا (مذاق ہے بھئی) دور سے معافی مانگ لوں گی کہ رائٹر اچھی ہوں گالیاں کھانے کا حوصلہ نہیں ہے۔

سوال: وہ کون سا لمحہ ہے جس نے آپ کو یہ احساس دلایا کہ آپ کے قلم میں وہ جادو ہے جو پڑھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے؟

جواب: حال ہی میں دو تین تحاریر پبلش ہوئی تب ایسا لگا۔

سوال: آپ کی وہ کون سی ہارٹ ٹچنگ اسٹوری ہے جسے پڑھنے کے بعد خود آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوئے تھے؟

جواب: رہا تو محرم راز میرا، بار گراں۔

سوال: آج کل سب ہی ٹی وی کے لیے لکھ رہے ہیں آپ کا کوئی ناول ٹی وی ڈرامہ کی شکل میں کب دیکھیں گے؟

جواب: ان شاء اللہ بہت جلد۔

سوال: آپ کا پسندیدہ موضوع جس پر لکھ کر آپ کو خوشی محسوس ہوتی ہے؟

جواب: معاشرتی موضوع۔

سوال: آپ کی فیملی میں سے وہ کون ہے جس کو لکھنے کا شوق وراثت میں ملا؟
جواب: میری بڑی بیٹی ماہ نور عنصر مغل۔
سوال: اسکول کے دور میں کیسی طالبہ تھیں؟
جواب: آؤٹ اسٹینڈنگ الحمدللہ۔
سوال: کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟
جواب: وہ کون سا کیڑا ہے جس سے ڈر نہیں لگتا۔
سوال: دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟
جواب: دل زیادہ ضدی ہے دماغ کو جھٹلا دیتا ہے۔
سوال: کبھی غصے میں کھانا پینا چھوڑا ہے؟
جواب: نہیں کبھی نہیں۔
سوال: میوزیک کے حوالے سے سب سے پسندیدہ شخصیت؟
جواب: سجاد علی، راحت فتح علی خان اور سارہ خان۔
سوال: اگر میک اپ ایجاد نہ ہوتا تو؟
جواب: تو اصلی بل بتوڑی کو ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا۔
سوال: چھٹی کا دن کہاں گزارنا پسند کرتی ہیں؟
جواب: اپنے گھر میں۔
سوال: ڈریسز میں کیا پسند ہے؟
جواب: شلوار قمیص اور پاجامہ فراک۔
سوال: فیورٹ سبجیکٹ کون سا تھا؟
جواب: اردو۔
سوال: کون ہے جس سے آپ دل کی ہر بات کہہ دیتی ہیں؟
جواب: اپنی بیٹیوں سے "میری بیٹیاں میری سہیلیاں" میری آنے والی تحریر کا نام بھی ہے یہ۔
سوال: قارئین حجاب کے لیے کوئی پیغام؟
جواب: پیاری قارئین حجاب۔
میرا آپ کے لیے یہ پیغام ہے رائٹرز آپ کے لیے بہت محنت اور پیار سے لکھتی ہیں اور مدیران ان کی نوک پلک سنوارتی ہیں جواب میں صرف آپ کی ستائش کی خواہش مند ہوتی ہیں تنقید کریں لیکن اصلاحی آپ ہیں تو ہم ہیں خوش رہیں۔

قارئین حجاب کے لیے میری شاعری میں سے انتخاب

جاناں
تجھ کو ہم کچھ اس طرح چاہیں جاناں
جیسے کنارے کو بے انت سمندر چاہے
جیسے قطرے سے گوہر کو نسبت
جیسے پھولوں سے کریں بھنورے رغبت
جیسے سورج سے اجالے کا ملن
جیسے باتی سے دیے کا سنگم
تجھ کو کچھ اس طرح چاہیں جاناں
جیسے پیاسے کو ہو پانی کی لگن
جیسے دھرتی سے ہو عنبر کا ملن
جیسے صبح سے ملے پہلی کرن
جیسے تاروں سے سجے کالا گگن
جیسے پربت سے فلک کا رشتہ
تجھ کو کچھ اس طرح چاہیں جاناں
جیسے روح کا ہو بدن سے بندھن
جیسے کسی گوری کلائی میں کھنکے کنگن
جیسے کانوں میں پازیب بجے چھن چھنا چھن
جیسے اڑتے ہوئے رنگین سے آنچل کی صدا سنانن
جیسے کسی جھیل کے پانی پر شجر سایہ فگن
تجھ کو ہم کچھ اس طرح چاہیں جاناں
رنگ دنیا سے الگ ہو جب تجھے پائیں جاناں
شاعرہ: طیبہ عنصر مغل......راولپنڈی



ملاقات

ایڈمن پینل

حجاب کے سلسلے ''ملاقات'' میں آج ہماری مہمان ہیں ''شبینہ گل صاحبہ'' ان کے نام سے تو آپ سب یقیناً واقف ہوں گے اور مختلف جرائد میں ان کی تحاریر آپ کی نظروں سے گزری بھی ہوں گی۔ کچھ ہی عرصے میں شبینہ باصلاحیت لکھاری کے طور پر ابھر کر آئی ہیں۔ شبینہ گل نا صرف لکھاری ہیں بلکہ گھریلو خاتون بھی ہیں۔ یعنی کہ شادی شدہ ہیں اور اپنا گھر اور تین بچوں کی ذمہ داری بخوبی ادا کررہی ہیں۔ انہوں نے ایم ایس سی نیوٹریشن سائنسز کیا۔ شہر پشاور سے تعلق رکھتی ہیں۔ 2014ء میں لکھنا شروع کیا اور اب تک چودہ افسانے اور پانچ ناولٹ مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہو کر پسندیدگی کی سند پا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمدرد صحت میگزین میں بھی غذا اور صحت کے حوالے سے مضامین لکھتی رہی ہیں۔

یہ تھا شبینہ کا مختصر تعارف۔ خوش اخلاق و بردبار شبینہ اس ماہ آنچل حجاب و نئے افق آفیشل فورم میں قارئین کی عدالت میں پیش تھیں۔ ہمارے معزز اراکین فورم نے ان سے جو سوالات کیے ان کے جوابات آپ سب کے لیے من و عن پیش کیے جارہے ہیں۔

سوال: پسندیدہ کتاب، پسندیدہ مصنف پسندیدہ اقتباس اور شعر؟

جواب: پسندیدہ کتب مصنفین اقتباسات اور اشعار بہت سے ہیں ایک کا ذکر بہت مشکل ہے۔ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کا لکھا ہر لفظ پسند ہے۔ محسن نقوی اور ناصر کاظمی کی تمام شاعری سر دھننے پر مجبور کرتی ہے۔ سمیرا حمید اور سائرہ رضا بھی میری پسندیدہ ترین ہیں۔

سوال: کوئی ایسا موضوع جس پہ لکھنا چاہتی ہوں مگر لکھ نہ پائی ہوں نہ لکھنے کی وجہ؟

جواب: ایسے کئی موضوعات ہیں جن پر لکھنا ہے بعض ادھورے ہیں اور اب تک نہ لکھنے کی وجہ محض وقت کی شدید کمی ہے۔

سوال: کون سے پہر میں لکھنا زیادہ پسند ہے؟

جواب: رات کے وقت جب ہر طرف خاموشی ہو مکمل یکسوئی ہو تب لکھنا بہت اچھا لگتا ہے اور اس وقت زیادہ لکھا بھی جاتا ہے کیونکہ بچے سو جائیں تو کوئی ڈسٹربنس نہیں ہوتی بار بار اٹھنا نہیں پڑتا۔

شمائلہ زاھد

سوال: ایک شادی شدہ خاتون کے لیے کتنا مشکل ہے گھر کے کاموں کے ساتھ لکھنا؟

جواب: شادی شدہ اور تین چھوٹے بچوں کی ماں ہونے کے ساتھ لکھنا۔ مشکل ترین کام ہے جبکہ گھر کے دیگر کام بھی خود ہی کرنے ہوں۔ یا تو ساتھ ساتھ تھوڑا لکھنا پڑتا ہے کم لکھنے پر کمپرومائز کرنا پڑتا ہے یا اگر لکھنے کا کام جلدی کرنا ہو تب گھر کے کچھ کاموں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ ایک سینیئر رائٹر اور نامور صحافی سید بدر سعید صاحب نے ایک بار مجھے ایک مشورہ دیا تھا کہ شور ہنگامے اور دس لوگوں کے بیچ بیٹھ کر بھی یکسوئی سے لکھنے کی عادت بنالیں تو کم وقت میں بھی زیادہ لکھ پائیں گی۔ اب کوشش کرنے سے کسی حد تک اس میں کامیابی ہوئی ہے مگر زیادہ نہیں۔

سوال: کبھی لکھنا چھوڑنا پڑے تو آپ کا ری ایکشن کیسا ہوگا؟

جواب: لکھنا نہیں چھوڑ سکتی۔ کئی بار کسی نہ کسی وجہ سے ایسا سوچا کہ چھوڑ دوں مگر میرے شوہر نے ہمیشہ اس سوچ کو رد کیا اور میرا حوصلہ بڑھایا۔

سوال: آج کل ہر کوئی اردو ادب کی خدمت کے نام پر کام کررہا ہے آپ کے خیال سے کیا وہ واقعی خدمت کررہے ہیں؟

جواب: میں سمجھتی ہوں کہ ابھی میں اس قابل نہیں ہوئی کہ میں کسی دوسرے کے لکھے پر کوئی بات کرسکوں خواہ وہ جیسا بھی لکھتے ہوں۔ سینیئر ہوں یا جونیئر یا دہ لکھنے کی اب ذ سے بھی واقف نہ ہوں۔ میں اس بارے میں کچھ بھی کہنا مناسب نہیں سمجھتی۔

فرح بھٹو

سوال۔ آپ کو کس وقت احساس ہوا کہ آپ میں ایک لکھاری موجود ہے اور اس کو باہر لانے میں آپ کا اپنا کیا کردار رہا؟

جواب: ایک بڑا روایتی سا جواب ہے کہ مجھے بچپن سے لکھنے کا شوق تھا تو یہ واقعی سچ ہے کہ میں چھوٹی سی عمر سے کہانیاں بننے لگی تھی لیکن اپنی سہیلیوں کو سنانے تک محدود تھی۔ بڑی ہوئی تو ایک دو جگہ بھیجی مگر ظاہر ہے رد ہوئیں کیونکہ میرا اتنا مطالعہ نہیں تھا۔ کالج لائف میں آ کر کالج میگزین سے وابستہ ہوئی اس میں بہت کچھ لکھا اور میرے اندر کی لکھاری کو باہر لانے میں زیادہ کردار میری اردو کی پروفیسر مسز زبیدہ ذوالفقار کا رہا جنہوں نے میری ہر موقع پر حوصلہ افزائی کی۔ ڈائجسٹ کی دنیا میں باقاعدہ طور پر جب لکھنا شروع کیا تو وہ بھی ایک اتفاق ہی تھا۔ بیٹھے بیٹھے ایک خیال آیا اور بس اس پر لکھتی چلی گئی۔ یونہی اسے ڈائجسٹ میں بھیج دیا اور یونہی آرام سے وہ سلیکٹ بھی ہوا اور کچھ عرصے بعد لگ بھی گیا تب احساس ہوا کہ میں لکھ سکتی ہوں۔ اس کے بعد یہ سفر کا نہیں۔

سوال: جب آپ کی محنت سے لکھی کہانی ریجیکٹ ہوجاتی ہے تو کیا ردعمل ہوتا ہے آپ کا؟

جواب: بہت محنت سے لکھا ناول ریجیکٹ ہوا تھا اور بہت شدید قسم کا ڈپریشن ہوا تھا کیونکہ اتنی مشکل سے وقت نکال کر بہت محنت

سے لکھا تھا۔وقتی طور پر بہت دلبرداشتہ ہوئی تھی مگر جب تحمل سے سوچا اور ڈسکس کیا تو وجوہات سمجھ آ گئی تھیں۔ ہر ادارے کی اپنی کچھ پابندیاں مجبوریاں اور حدود ہوتی ہیں۔وہ ہمیں فوری طور پر سمجھ نہیں آتیں اسی لیے ہمیں وقتی دکھ ہوتا ہے۔

سوال: قارئین کو ذہن میں رکھ کر کہانی لکھتی ہیں کہ ان کو پسند آنی چاہیے یا اپنی پسند اور مرضی کو مدنظر رکھ کر لکھتی ہیں؟

جواب: ایک رسالہ ان گنت لوگ پڑھتے ہیں اور سب کی اپنی سوچ اور پسند ناپسند ہوتی ہے۔میں وہی لکھتی ہوں جو مجھے لگتا ہے کہ قارئین تک پہنچنا چاہیے اور مجھے خوشی ہے کہ اب تک میں نے جو بھی پیغام دینا چاہا وہ قارئین کو پسند آیا اور ہمیشہ اسے سراہا گیا۔

افشاں شاہد

سوال: آپ کی کونسی ایسی تحریر جسے لکھ کر آپ کو خوشی ہوئی ہو یا پھر آپ کو لگا ہو کہ کیا واقعی یہ میں نے ہی لکھا ہے؟

جواب: میرا ناول چہر جو نئے افق میں شائع ہوا تھا آج بھی اسے پڑھ کر مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ میں نے ہی لکھا تھا۔وہ میرا پسندیدہ ترین ناول ہے۔

سوال: آپ کو کیا لگتا ہے نئے لکھنے والوں نے کیا پرانے لکھنے والوں کو مات دے دی ہے؟

جواب: ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ نئے لکھنے والے پرانے لکھاریوں کو مات دے دیں۔ لیجنڈز کو مات نہیں ہوتی۔ آج سوشل میڈیا کا دور ہے اس لیے کسی بھی رائٹر کیلیے پسندیدگی بہت زیادہ جنون کی شکل اختیار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ پہلے وقتوں میں یہ ٹرینڈ نہیں تھا اس لیے لوگوں کو لگتا ہے کہ پرانے لکھاریوں پر نئے لکھاری سبقت لے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو مہارت سینیئرز کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں۔ پہلے نہ گوگل تھا نہ فیس بک۔ ہم آج کے رائٹر تو ریڈی میڈ رائٹرز ہیں۔

سوال: جب آپ لکھتی ہیں تو کیا پوری کہانی آپ کے ذہن میں تخلیق پا چکی ہوتی ہے یا جیسے جیسے لکھتی جاتی ہیں کہانی بنتی جاتی ہے؟

جواب: پوری کہانی ذہن میں ہوتی ہے تبھی لکھتی ہوں۔ لکھتے ہوئے ٹوئسٹس اور حالات وواقعات جیسے سوچے ہوتے ہیں ان میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔

انعمتہ سفیان

سوال: آپ نے جب لکھنا شروع کیا تو سب سے زیادہ کس نے ہمت بندھائی؟

جواب: میرے قلمی سفر کے آغاز کرنے سے لے کر اب تک میری ہمت وحوصلہ بڑھانے والے صرف اور صرف میرے شوہر ہیں۔اگر وہ مددگار نہ ہوتے تو یقیناً میں اب تک لکھنا چھوڑ چکی ہوتی۔

سوال: کبھی کوئی ایسا موقع جب آپ کو لگا ہو کہ اب آپ لکھ نہیں سکتی؟

جواب: لکھنے کے دوران جب کبھی کسی وجہ سے لمبا وقفہ آ جائے اس کے بعد کافی دن تک یہی لگتا ہے کہ اب لکھا نہیں جائے گا۔یعنی رائٹرز بلاک لیکن وہ وقتی ہوتا ہے۔

سوال: آپ کس کو پڑھنا زیادہ پسند کرتی ہے ان کے ناول کا کوئی اقتباس؟

جواب: یہ سوال اوپر ہو چکا آپ جواب پڑھ لیں۔ چاہیں تو اس کے بجائے کوئی اور سوال کرلیں۔

وش علی

سوال: آپ کا کہنا ہے کہ آپ کی کہانیاں حقیقی واقعات پر مبنی ہوتی ہیں وہ واقعات آپ کے آنکھوں دیکھے ہوتے ہیں یا سنے سنائے؟

جواب: بالکل میری کہانیاں چند ایک کے سوا سب حقیقت پر مبنی ہیں جن میں سے کچھ واقعات میرے سامنے کے ہیں اور کچھ قریبی لوگوں کے بیان کردہ جو ان کے ساتھ یا ان کے سامنے کسی اور کے ساتھ پیش آئے۔

سوال: آپ کی کوئی ایسی تحریر ہے جس کو لکھتے وقت آپ روئی ہوں؟

جواب: کرن ڈائجسٹ میں لکھا میرا ناولٹ ہم نے تو بس عشق کیا' اسے لکھتے ہوئے میں بہت اداس رہی طبیعت بوجھل رہی اور ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا میاں بیوی کے درمیان طلاق کا سین لکھتے ہوئے بہت روئی تھی۔

سوال: کس قسم کی کتابیں' کہانیاں پڑھنا زیادہ پسند ہے؟

جواب: جاسوسی' سیاست اور ہارر کے سوا سب ہی پسند ہیں۔

ماہا خان

سوال: جب آپ کی کوئی تحریر ریجیکٹ ہو جائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

جواب: فطری بات ہے دکھ ہوتا ہے لیکن جلد اس بات کو قبول کر لیتی ہوں کہ تحریر میں کوئی خامی ضرور ہوگی۔اسے ڈسکس کر کے تبدیل کر لیتی ہوں۔

سوال: آپ کی پسندیدہ شخصیت جن سے ملنے کی آپ شدید خواہش رکھتی ہوں؟

جواب: مفتی طارق مسعود صاحب سے ملنے کی شدید خواہش ہے۔دین کے حوالے سے ان کا علم وفہم ایک طرف ان کا انداز بیان اور دلائل بے حد عمدہ اور عام فہم ہوتے ہیں۔

سوال: نئے لکھاریوں کے لئے کوئی نصیحت؟

جواب: میں خود بھی بہت جونیئر ہوں۔نئی رائٹرز سے بس یہ کہوں گی کہ اپنی تحاریر کے حوالے سے جذباتی ہو کر ہمت نہ ہارا کریں۔

اسمارہ گل

سوال: شبینہ گل آپ نے سب سے پہلے کہاں لکھا اور کس نے آپ سے کہا کہ آپ لکھ سکتی ہیں؟

جواب: میں نے پہلی تحریر بے اختیار ہو کر لکھی اور جب لکھ لی تب احساس ہوا کہ یہ کہانی سی بن گئی ہے۔ پہلے ذکر کر چکی ہوں کہ میری اردو کی پروفیسر نے مجھے یہ اعتماد دیا کہ میں لکھ سکتی ہوں۔ پہلی تحریر پاکیزہ ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی۔

سوال: آپ کس مصنفہ سے متاثر ہیں؟

جواب: بہت سی مصنفین مجھے پسند ہیں۔

سوال: کیا آپ کو اپنی تحریروں میں ان کی جھلک نظر آتی ہے؟

جواب: لسٹ لمبی ہے لیکن میری تحریر میں کسی کی جھلک نہیں ملے گی کیونکہ میرا انداز تقریباً ہر کہانی میں الگ ہوتا ہے۔

طیبہ عنصر

سوال: پیاری شبینہ گل، مصنف ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ قاری کو اس کے لکھنے سے خوشی ملے لیکن مصنف تب تک مضطرب رہتا ہے جب تک وہ اپنے اندر پنپنے والے موضوعات کو زیر قلم نہ لائے، کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے؟

جواب: پیاری طیبہ آپ کا سوال دیکھ کر خوشی ہوئی۔

آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی واقعی ایسا ہے جن موضوعات پر لکھا نہ ہو وہ مضطرب رکھتے ہیں اور میرے پاس رف ڈرافٹ کی صورت میں چار پانچ ایسے موضوعات کاغذات میں دبے رکھے ہیں جنہیں دیکھ کر میں مضطرب ہوتی رہتی ہوں مگر لکھنے کا وقت نہیں ملتا۔

سوال: کیا آپ صرف قاری کی پسند کو ہی مدنظر رکھنا پسند کرتی ہیں یا معاشرت پہ لکھنا زیادہ بہتر لگتا ہے؟

جواب: قارئین کی پسند مختلف ہوتی ہے۔ بہت سی ینگ لڑکیاں لو سٹوریز پسند کرتی ہیں یا سب کے ہنسی خوشی رہنے والی قسم کی کہانیاں۔ مجھ سے بھی اکثر لوگ پوچھتے کہ فلاں کہانی کا ہیپی اینڈ ہے یا نہیں اور میں کہتی ہوں حقیقی انجام ہے۔ آپ اسے تلخ اداس یا منفی نہیں کہہ سکتے لیکن وہ آپ کو پسند آئے گی اور پھر واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں وہ لکھتی ہوں جو مجھے لگتا ہے قارئین تک پہنچنا چاہیے کچھ حقائق کچھ مسائل اور کچھ باریکیاں۔ ہر رائٹر کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے اور تمام رائٹرز رومانس نہیں لکھ سکتیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جس کا جو پڑھنے کا موڈ ہو وہ اس حساب سے رائٹر کا انتخاب کرے۔

ابن نیاز

سوال: کیا آپ نے کبھی پشتو میں بھی لکھنے کی کوشش کی ہے؟

جواب: پشتو مجھے تھوڑی تھوڑی بولنی اور پڑھنی آتی ہے لکھ نہیں سکتی۔

سوال: افسانہ نگاری کے علاوہ ادب کی کسی اور صنف میں بھی کچھ لکھا؟

جواب: شادی سے پہلے شاعری کیا کرتی تھی اردو اور انگلش دونوں میں۔ آرٹیکلز بھی لکھتی تھی کچھ عرصہ سو لفظی کہانیاں بھی لکھیں۔ اب صرف افسانے اور ناولز لکھتی ہوں۔

چوہدری ارسلان

سوال: آج کل ایف بی پہ ہماری لکھاری بہنیں بہت سرگرم عمل ہے لکھنے میں اور زیادہ تر ٹاپک رومانوی ہوتے ہیں اس حوالے سے آپ کیا کہنا چاہیں گی؟

جواب: رومانٹک تحاریر کی عمر عموماً بہت کم ہوتی ہے یہ میری ذاتی رائے ہے۔ میں رومانس نہیں لکھتی کیونکہ مجھے لڑکا لڑکی افیئر والا رومانس نہیں پسند۔ اس قسم کا صرف ایک ناول میں نے لکھا ہے جو اشاعت کا منتظر ہے۔ اگر وہ سچی کہانی نہ ہوتی تو میں وہ بھی نہ لکھتی کیونکہ مجھے حقائق پر لکھنا زیادہ بھاتا ہے۔

سوال: سوشل میڈیا لکھنے والوں کے لیے کتنا فائدہ مند ہے اس کے مثبت اور منفی پہلو پہ روشنی ڈالیے؟

جواب: سوشل میڈیا صرف رائٹرز ہی نہیں بلکہ ہر فیلڈ کے لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ آپ ذاتی زندگی اور پروفیشنل زندگی کو الگ الگ رکھیں اور سوشل میڈیا کو ذاتی زندگی پر اثر انداز نہ ہونے دیں تو اس کے سب پہلو مثبت ہی نظر آئیں گے۔ یہ ہمارے برتنے کا طریقہ ہے جو کسی بھی چیز کے فائدے و نقصان کا تعین کرتا ہے۔

سوال: ایک اچھے مصنف اور اچھے قاری کا کیا فرض ہے؟

جواب: ایک اچھے مصنف کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی تحریر سے قاری کے دل میں کم سے کم ایک مثبت سوچ ضرور نقش کر دے۔

ایک اچھے قاری کا فرض یہ ہے کہ وہ تحریر کو صرف تفریح طبع کے لیے نہ پڑھے بلکہ اس سے حاصل کردہ سبق کو اپنی زندگی میں لاگو کرنے کی کوشش ضرور کرے۔

صالحہ عزیز

سوال: شبینہ جی لکھنے کے دوران بڑا اچھا ماحول بنا ہو پرسکون ماحول میں لکھ رہی ہوں اور اچانک آپ کے سسرالی آ جائیں تو کیا ری ایکشن ہوگا؟

جواب: آپ کے سوال نے کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ سسرال یا میکہ دونوں طرف بنا بتائے آنے جانے کا رواج ہی نہیں البتہ محلے والی کسی خاتون کی اچانک آمد ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی بھی ہے کبھی کبھی۔ مجھے برا بالکل نہیں لگتا کیونکہ میں ذرا سوشل ٹائپ بندی ہوں مجھے مزہ آتا ہے ملنے ملانے میں۔ اگر کوئی انتہائی اہم ناول چل رہا ہو جس کے

لیے میرے پاس بس وہی خاص وقت بچا ہوتب تھوڑی سی کوفت ہوتی ہے۔

سوال: افسانے زیادہ تر کس موضوع پر لکھ چکی ہیں؟

جواب: میرے افسانوں کے موضوعات ایک دوسرے سے اچھے خاصے مختلف ہوتے ہیں۔ معاشرتی اور گھریلو ایسے موضوعات جن میں کبھی کوئی دینی پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے موضوع ایسا ہو جس پر بہت کم لکھا گیا ہو یا کم از کم اس زاویے سے نہ لکھا گیا ہو۔

ماورا طلحہ

سوال۔ میں نے آپ کا ناول ''چہرہ'' پڑھا تھا اور مجھے لگا کہ یہ حقیقی کہانی ہے۔ میرا اندازہ اگر درست ہے تو تھوڑی تفصیل ہو جائے؟

جواب: ''چہرہ'' ناول بالکل حقیقی کہانی ہے۔ ایک ایسی لڑکی کی جو میرے دل کے بہت قریب تھی۔ یہ سب جو ہوا مجھے کسی اور سے پتا چلا اور مجھے بہت دکھ ہوا۔ زیب داستان کے لیے چند چیزیں تبدیل بھی کیں لیکن باقی سب سچ ہے جو کچھ ہوا بالکل اسی طرح ہوا۔

سوال: سوشل میڈیا سے یقیناً آپ کو بہت فین ملے ہوں گے۔ کچھ مداح تنگ بھی کرتے ہیں تو اس صورتحال میں آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

جواب: اب تک ایسی کوئی فین نہیں ملی جو تنگ کرے کیونکہ میں فیس بک پر بہت احتیاط سے ایڈ کرتی ہوں اور مردوں کو ایڈ نہیں کرتی۔ شاید اس احتیاط کی وجہ سے اب تک بچی ہوئی ہوں۔ آفیشل پیج پر ایک شخص نے پریشان کیا تھا اور ایک لڑکی نے بلاوجہ چند اقتباسات سے اختلاف ہونے پر دھمکیاں دینی شروع کردی تھیں۔ ایسے میں بلاک اور پیج پر بینڈ کرنا آسان حل ہے۔ وہ وقتی مخالفت برائے مخالفت تھی جو بالکل شروع میں فیس کی۔ انہیں میں فین نہیں کہہ سکتی۔

سوال: اگر کسی ناول کا سیکوئیل لکھنے کو کہا جائے تو آپ کا انتخاب کون سا ناول ہوگا اور کیوں؟

جواب: میں نے اب تک تقریباً سب ہی کہانیاں حقیقی واقعات پر لکھیں سو کبھی سیکوئل کے بارے میں خیال نہیں آیا۔ ایسا ضرور ہے کہ کئی کہانیوں کو دوبارہ لکھنے کو دل کرتا ہے مزید تفصیل سے۔

ریما نور رضوان

سوال: گود کی ڈھال افسانہ کس سوچ کے زیر اثر لکھا تھا۔ پرسنلی مجھے بہت پسند آیا تھا؟

جواب: قریبی اقارب میں ایک ماں بیٹی ایسی دیکھی تھیں انہی پر لکھا۔ گو کہ اس بچی کے ساتھ ایسا ہوا نہیں کیونکہ انہیں ٹوک کر سمجھا دیا گیا تھا لیکن ایسا ہو جانے کے چانسز بہت زیادہ تھے۔ اسی خوف کے زیر اثر وہ افسانہ لکھا تھا کیونکہ میں نے کئی لڑکیوں سے ایسے واقعات سنے اور وہ میرے دل کے قریب تھیں اس لیے اس موضوع پر لکھنا لازم ٹھہرا اور اب حال ہی میں ایسے واقعات ہو بھی رہے ہیں۔ پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ۔

سوال: آواز آئینہ مشترکہ ناول لکھنا کیسا لگا؟ اسی طرح مستقبل میں مزید رائٹر کے ساتھ مل کر لکھنے کا ارادہ ہے کیا؟

جواب: آواز آئینہ ایک بہت دلفریب تجربہ ثابت ہو رہا ہے، بہت چیلنجنگ اور بہت محنت طلب لیکن جتنی اس میں محنت ہو رہی ہے اتنا ہم سیکھ رہے ہیں۔ کو رائٹرز بہت اچھے ملے ہیں اور عشنا جیسی لیڈر جو ہمیں ہماری سستی پر بھی مارجن دیتی ہیں، بہت محبت سے سب ہینڈل کرتی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس ٹیم میں ہم جتنے لوگ ہیں اگر ان کے علاوہ کوئی اور ہوتے تو شاید میں نہ لکھ پاتی یا شاید اتنا اچھا نہ ہوتا۔ سو اس ٹیم کے ساتھ پلان بنا تو آئندہ بھی سوچوں گی لیکن کسی اور کے ساتھ شاید نہیں کیونکہ مشترکہ گروپ ورک میں بے حد صبر برداشت سمجھداری اور معاملہ فہمی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس ٹیم میں موجود ہے اسی لیے کامیابی سے چل رہا ہے۔

سوال: مسترد کہانی ادارے سے واپس لے کر نوک پلک سنوار کر دوبارہ کسی ادارے میں بھیجتی ہیں۔ اگر ہاں تو کیا وہ سلیکٹ ہو جاتی ہے۔ جب کہانی ایک ادارہ مسترد کرتا ہے تو دوسرا با آسانی کیسے شائع کر دیتا ہے؟

جواب: میری اب تک شاید دو یا تین کہانیاں مسترد ہوئی ہیں۔ میں ایڈیٹر سے ڈسکس کر لیتی ہوں اگر وہ چاہیں کہ میں تبدیلی کر کے بھیج دوں تو میں تبدیل کر دیتی ہوں۔ اگر انہیں لگے کہ مکمل کہانی مناسب نہیں تو میں ان کی بتائی شکایات دور کر کے دوسری جگہ بھیج دیتی ہوں۔ ہر ادارے کے اپنے اصول اپنے طور طریقے ہوتے ہیں اسی لیے کسی دوسرے ادارے کے مزاج پر وہ کہانی پوری اتر جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ تلخ اور اداس کہانی پسند نہیں کی جاتی تو ضروری نہیں کہ دوسرا ادارہ بھی یہی اصول رکھتا ہو۔ بس یہ فرق ہے۔ سو ہم نہیں کہہ سکتے کہ دوسرا ادارہ با آسانی شائع کر دیتا ہے۔ تبدیلی بہرحال کرنی پڑتی ہے۔

عرشمہ خان

سوال۔ آپ کو اپنی سب اسٹوریز میں کون سی زیادہ پسند ہے؟

جواب: ایسا تو کسی کہانی کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے اچھی کوئی نہیں لکھی جا سکتی کیونکہ بہتری کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے۔ ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ناول ''چہرہ'' ہے جو جنوری 2017 کے نئے افق میں شائع ہوا تھا۔

سوال: جسے لکھتے ہوئے آپ کو لگا ہو کہ اس سے اچھی نہیں لکھی جا سکتی؟

جواب: البتہ میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ اب تک چہرہ سے زیادہ اچھا کچھ نہیں لکھا۔

فاطمہ حیا خان

سوال: وہ کون سے لوگ ہیں جن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں؟

جواب: زندگی میں ایسے بہت سے لوگ ملے اور ملتے رہتے ہیں جن سے میں بے حد متاثر بھی ہوئی اور ان سے بہت کچھ سیکھا بھی۔ ان میں میرے کالج کی بہت سی ٹیچرز شامل ہیں۔ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ پریکٹیکل لائف میں آنے کے بعد زندگی کے اصل دور میں قدم رکھنے کے بعد جس شخصیت سے میں متاثر ہوں اور جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا وہ میرے شوہر ہیں۔ ان جیسا اخلاق صبر وتحمل مثبت طرز فکر روشن خیالی اور حس مزاح میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھی۔ اللہ انہیں ہمیشہ ایسا ہی رکھے آمین۔

سوال۔ آپ کی کہانی کا ایسا کون سا کردار ہے جس کے آپ کہیں "کاش! حقیقی زندگی میں وہ ہوتا؟

جواب: میری تمام کہانیوں کے کردار حقیقی ہی ہیں۔

سوال: ایک سنسان جزیرہ ہو وہاں کا ہر منظر جنت نظیر ہو۔ آپ کا شدت سے جی چاہے کہ چند کرداروں کا رنگ اس کینوس میں بھر کر اس منظر کو امر کر دوں لیکن وہاں نہ تو کوئی قلم ہو کاغذ ہو نہ سیاہی ہو تب آپ کے جذبات واحساسات کیا ہوں گے؟

جواب: سنسان جزیرہ جنت نظیر مناظر میں لکھنے کو کس کا دل چاہے گا۔ دماغ کا کاغذ ہے جس پر سب محفوظ کیا جاسکتا ہے اور بعد میں حوالہ قرطاس کیا جاسکتا ہے۔

محمد شعیب

سوال: آپ کے نزدیک ناول اور افسانے میں کیا لکھنا زیادہ آسان ہے اور کیوں؟

جواب: چونکہ افسانہ مختصر ہوتا ہے اسی لیے آسان سمجھا جاتا ہے لیکن آسانی دراصل اس کی لمبائی سے تعلق نہیں رکھتی۔ جو ہم لکھتے ہیں وہ افسانہ نہیں کہانی ہوتا ہے۔ اگر ہم افسانے کے صحیح اصولوں پر عمل کریں تو افسانہ لکھنا ناول لکھنے سے بھی زیادہ مشکل کام ثابت ہو۔ کیونکہ ناول میں آپ پر کوئی حد لاگو نہیں ہوتی آپ اپنی بات آرام سے پھیلا کر بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن افسانے میں مختصر پر اثر والا معاملہ ہوتا ہے جس میں ہر کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔

سوال: کہانی کو پہلے پلان کرتی ہیں آپ یا پھر کہانی کی ابتدا کرنے کے بعد ساتھ ساتھ لکھنا اور پلان چلتا رہتا ہے؟

جواب: میں ہمیشہ کہانی کو پہلے پلان کرتی ہوں رف سکیچ بناتی ہوں اس کے بعد ان پوائنٹس کو آگے بڑھاتی ہوں۔ فی البدیہہ بغیر کسی پلان اور بغیر کسی رف ڈرافٹ کے محض سوچوں کے بہاؤ کے زیر اثر میں نے صرف ایک افسانہ لکھا تھا جو کہ ایک علامتی افسانہ تھا اور الف کتاب پر شائع ہوا تھا۔ اس طرح کی اچانک اور رواں "آمد" کبھی نہیں ہوئی۔

وسیم بن اشرف

سوال: ادب کی دنیا بہت وسیع ہے پھر بھی آپ کو کس ادیب نے زیادہ متاثر کیا؟

جواب: علیم الحق حقی ان کا انداز بیاں بہت پیارا ہے۔ بہتے پانی جیسا رواں۔

عائشہ تنویر

سوال: ایک مصنف کے طور پر خود کو مستقبل میں کہاں دیکھتی ہیں؟

جواب: مستقبل میں خود کو کہاں دیکھتی ہوں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی کیونکہ 2017 میں میں خود کو جس لیول پر دیکھنا چاہتی تھی وہ بے انتہا مصروفیات کی بنا پر ہو نہیں پایا۔ زندگی بہت ہی ناقابل اعتبار ہے۔ سو اب میں نے آگے کا سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

سوال: ڈائجسٹ میں لکھنے والوں میں سے پسندیدہ مصنفین (ادب عالیہ سے ہٹ کر)

جواب: ڈائجسٹ رائٹرز میں سمیرا حمید سائرہ رضا عنیزہ سید لسٹ تو لمبی ہے مگر یہ ٹاپ پر ہیں۔

سوال: کبھی لکھنے پر تنقید سہی یا شرمندگی ہوئی کیونکہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے تئیں ڈائجسٹ کو لڑکیوں کے بگڑنے کی وجہ گردانتے ہیں؟

جواب: الحمدللہ میری ہر کہانی ہمیشہ بے حد پسند کی گئی۔ جو لوگ خواتین کے ڈائجسٹس کو برا یا بیکار سمجھتے ہیں وہ بنا پڑھے یا صدیوں پرانے ڈائجسٹ پڑھ کر یہ بات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے پرانے زمانے کی گھریلو یا رومینٹک کہانیاں انہیں اب عجیب ہی لگیں گی لیکن جب میں انہیں اس دور میں ڈائجسٹس میں لکھنے والی کلاسک لیول کہانیاں پڑھواتی ہوں تو ان کی سوچ بدل جاتی ہے۔ عموماً لوگوں کو لگتا ہے کہ ڈائجسٹ میں بس رومانس اور ساس بہو کے سوا کچھ نہیں چھپتا۔ میں ان سے یہی کہتی ہوں کہ ایک ڈائجسٹ میں ایک ہی طرح کی کہانیاں نہیں ہوسکتیں نہ ہی ہر رائٹر ایک جیسا لکھ سکتا ہے۔ سو ایک ڈائجسٹ میں رومانس بھی ہوگا ساس بہو بھی ہوگی تھرل اور سسپنس بھی ہوگا فلسفہ بھی ہوگا دکھ بھری کہانیاں اور زندگی کی تلخیاں بھی ہوں گی۔ اگر آپ رومانس نہیں پڑھنا چاہتے تو مت پڑھیں۔ آپ اپنی پسند کا پڑھ لیں لیکن ڈائجسٹ کبھی بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ کم سے کم مجھے تو نہیں لگا۔

ایمن نور

سوال: کوئی عجیب وغریب خواہش؟

جواب: عجیب وغریب تو کوئی خواہش نہیں نارمل سی خواہشات ہوتی ہیں کیونکہ میں کافی حقیقت پسند ہوں۔

سوال: محبت آپ کی نظر میں؟

جواب: محبت میری نظر میں وہ جذبہ ہے جس میں سب سے پہلا احساس آزادی کا ہوتا ہے اور جس میں خوف و خدشات کا کوئی گزر نہیں ہوتا۔

سوال: پسندیدہ شاعر، مصنف اور کہانی بتائیں؟

جواب: پسندیدہ مصنفین بہت ہیں، سب سے زیادہ جو پسند ہیں ان میں بانو قدسیہ، علیم الحق حقی اور سمیرا حمید شامل ہیں۔ پسندیدہ شاعر محسن نقوی اور ناصر کاظمی اور پسندیدہ کہانی، سمیرا حمید کی تمام کہانیاں۔

صائمہ خان

سوال: افسانہ اور ناول میں فرق کیا ہے؟

جواب: سادہ الفاظ میں افسانہ مختصر ہوتا ہے اور ناول طویل۔ افسانے میں آپ ایک پہلو بیان کرتے ہیں اور کئی پہلو قاری کی سمجھ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا اختتام غیر متوقع حد تک چونکا دینے والا ہوتا ہے۔

سوال: بحیثیت مصنف آپ کو کیا لکھنا پسند ہے ناول یا افسانہ؟

جواب: ناول میں ہر بات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے ہر واقعے کا پس منظر پیش منظر مکمل دیا جاتا ہے۔ مجھے دونوں پسند ہیں لیکن میں نے افسانے زیادہ لکھے ہیں۔

سوال: آپ کا پہلا ناول کون سا تھا؟

جواب: میرا پہلا ناول "چہرہ" تھا جو جنوری 2017ء میں نئے افق میں شائع ہوا تھا۔

اساور شاہ

سوال: کیا کبھی کوہ ڈرامہ لکھنے کی آفر آئی یا آپ نے خود ٹرائی کرنے کی کوشش کی؟

جواب: خود کبھی کوشش نہیں کی کیونکہ مجھے ڈراما انڈسٹری میں جانا ہی نہیں۔ دو جگہ سے آفر آئی تھی ایک جگہ لکھنے کا کہا گیا دوسری جگہ میرے ہی کسی ناول کو ڈراماٹائز کرنے کی بات کی گئی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میرا یہ مقصد نہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا ان شاءاللہ۔

سوال: کیا کوئی ایسی ساتھی لکھاری ہیں جو ٹی وی پر لکھتی ہیں اور آپ نے ان کا ڈرامہ دیکھا ہو اور کچھ بہت اچھا لگنے یا کچھ برا لیا کی محسوس ہونے کی نشاندہی کی ہو؟

جواب: قیصرہ حیات کا الف اللہ اور انسان دیکھ رہی ہوں اور عظمیٰ افتخار کا پرچھائیں۔ ڈرامے کی زیادہ سمجھ بوجھ نہیں، جو ہمیں غلط لگ رہا ہوتا ہے وہ ان کے حساب سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ سین اور ناظرین کی ڈیمانڈ وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ عظمیٰ سے ان کا ڈراما ڈسکس کیا تھا انہوں نے ہر طرح کی رائے کو ویلکم بھی کیا۔

سوال: ایک لکھاری و قاری ہونے کی وجہ سے آپ کیا کہیں گی کہ آنچل یا حجاب میں لکھنے والی لکھاری بہنیں اب تک ڈرامہ انڈسٹری میں کیوں داخل نہیں ہوئی ہیں؟

جواب: سمیرا شریف طور کے ناول پر ڈراما بنا ہے میں نے دیکھا نہیں مگر تعریف بہت سنی اور وہ آنچل میں ہی قسط وار شائع ہوا تھا یہ چاہتیں یہ شدتیں۔ باقی جو آنچل کی رائٹرز ہیں یہ میرا ذاتی خیال ہے جہاں تک میں انہیں جان پائی ہوں تو ان میں سے کئی رائٹرز شاید اس طرف آنا نہیں چاہتی ہیں۔ واللہ علم۔

قراۃ العین سکندر

سوال: آپ کے نزدیک آپ کس میں کمال اوج رکھتی ہیں منظر نگاری میں یا مکالمہ نگاری میں؟

جواب: میں اپنے بارے میں خود بھلا کیا کہہ سکتی ہوں ابھی تو طفل مکتب ہوں۔ البتہ آوانآ ئینہ کے میرے کورائٹرز کا کہنا ہے کہ میں جذبات نگاری اچھی کرتی ہوں۔

سوال۔ آپ کے خیال میں کیا کوئی بھی تحریر فلاسفی کے بنا بھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے کیونکہ ہر کہانی میں لکھاری کا ایک مطمع نظر ہوا کرتا ہے جسے وہ اپنے انداز اپنے رنگ میں پیش کرتا ہے؟

جواب: فلسفہ تو ہم عام روزمرہ بات چیت میں بھی بول لیتے ہیں فرق بس یہ ہے کہ وہ ہم عام فہم الفاظ میں سادہ انداز میں بولتے ہیں جبکہ وہی بات کہانی میں ثقیل الفاظ یا سادہ الفاظ کو گھما پھرا کر بیان کرتے ہیں۔ تو بات فلسفے کی نہیں انداز کی ہے۔ ہاشم ندیم بہت گاڑھا فلسفہ نہیں ڈالتے لیکن سادہ الفاظ میں گہری بات کر جاتے ہیں جو دل کو چھو جاتی ہے۔ بات ساری لکھنے کے انداز کی ہے۔ ضروری نہیں کہ گاڑھا فلسفہ بگھارا جائے۔

سوال: ساتھی رائٹرز میں اس وقت کس کے انداز تحریر سے متاثر ہیں اور کیوں؟

جواب: ساتھی رائٹرز سب ہی بہت اچھا لکھتی ہیں تم بھی بہت اچھا لکھتی ہو تمہارے انداز میں روانی ہے مریم جہانگیر ایسی رائٹر ہے جسے پڑھ کر میں ہمیشہ مسحور ہو جاتی ہوں۔

دیبا فاطمہ خان

سوال: ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جو ہم سوچتے ہیں ویسا لکھ نہیں پاتے تو آپ کیا کرتی ہیں مضطرب ہوتی ہیں یا کہانی جس روانی میں لکھی جا رہی ہو اسی طرح لکھتی ہیں؟

جواب: جب لکھنے میں وقفہ بہت آ جائے تب ایسا ہوتا ہے کہ لکھا نہیں جاتا یا ویسا نہیں لکھا جاتا جیسا میں چاہ رہی ہوں۔ فطری سی بات ہے مضطرب بھی ہو جاتی ہوں۔ اگر کافی دیر تک لکھ لکھ کر کاٹتی رہوں تو سب کچھ رکھ کر پڑھنے بیٹھ جاتی ہوں۔ پھر ایک دو دن لکھتی نہیں بس پڑھتی ہوں تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

سوال: نئے لکھنے والوں کو آپ کیا نصیحت کرنا چاہیں گی؟

جواب: نئے لکھنے والوں کو نصیحت کا سوال اوپر کمنٹس میں ہو چکا۔ آپ چاہیں تو کوئی اور سوال کر سکتی ہیں۔

سوال: کوئی ایسا کردار جسے پڑھ کر آپ کو لگا ہو اسے میں نے لکھا ہوتا؟

جواب: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی اور کے لکھے کردار پر میں سوچوں کہ کاش یہ میں نے لکھا ہوتا یا اگر میں اسے لکھتی تو ایسا لکھتی۔ کیونکہ ہر رائٹر کے کردار کے حوالے سے اپنی سوچ ہوتی ہے اور اس کردار کو وہی زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے۔

انعم خان

سوال: کبھی کہانی لکھنے اور بھیجنے کے بعد احساس ہوا کہ مزید بہتر لکھا جا سکتا تھا یا اگر نہ بھیجی ہوتی تو ترمیم کرتیں؟

جواب: ایسا ہر کہانی بھیجنے کے بعد ہوتا ہے اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے کینسل کروا کر واپس لی اور دوبارہ لکھی یا اگر وہ ریجیکٹ ہوئی تو میں نے شکر کر کے اسے پھر سے تبدیل کیا۔

صائمہ سکندر سومرو

سوال۔ عزیزی شبینہ اگر آپ کو آپ کی زندگی پہ ناول لکھنے کو کہا جائے تو اس کا عنوان کیا ترتیب دیں گی۔

جواب: میں نے ایک نہ ایک دن ضرور اپنی زندگی پر ایک طویل ناول لکھنا ہے لیکن اس سے پہلے مجھے بہت مہارت حاصل کرنی ہے۔ عنوان شاید یہ رکھوں

"میری کہانی بڑی سہانی"

سوال۔ آپ کا پسندیدہ ناول اور اس کو پسند کرنے کی وجہ عنوان، منظر نگاری، الفاظ کا چناؤ؟

جواب: میرا پسندیدہ ناول بہت لمبی لسٹ ہونے کے باوجود ایک ہے جس سے آگے کوئی اور ناول مجھے جاتا دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ہے راجہ گدھ۔ پسندیدگی کی وجہ صرف اور صرف وہ فلسفہ حلال و حرام جو اس میں بیان کیا گیا۔ انسان کی گدھ جیسی فطرت کو بانو قدسیہ سے بہتر شاید ہی کوئی بیان کر پائے۔

سوال۔ آپ کی لکھی گئی کہانیوں میں کوئی ایسی جسے لکھ کر آپ کو لگا ہو کہ قلم کا حق ادا ہو گیا۔

آخر میں میری تمام نیک تمنائیں اور خواہشات آپ کے نام اللہ پاک آپ کو بہت ساری کامیابیوں سے سرفراز کرے۔ آمین

جواب: دعاؤں اور نیک خواہشات کا بہت بہت شکریہ۔ جزاک اللہ۔ ایسا کوئی شاہکار تو اب تک نہیں لکھا جس پر یہ کہہ سکوں کہ قلم کا حق ادا کر دیا۔ ایسی تحاریر مصروفیت کی بنا پر ادھوری پڑی ہیں جن پر شاید میں فخر کرنے کے قابل ہو سکوں گی اگر وہ مکمل ہو گئیں۔ البتہ اب تک جو لکھا ان میں میرا ناول چہرہ جو جنوری 2017ء کے نئے افق میں شائع ہوا تھا جس پر ایڈیٹر کا دیا گیا کیپشن اور ان کا اس ناول کو آخری صفحات میں جگہ دینا میرے لیے باعث اعزاز ہے سو اس ناول کے بارے میں میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ میرا پسندیدہ ترین ناول ہے اور میرے قارئین بھی میری تمام تحاریر میں اسے ہی بہترین سمجھتے ہیں۔

سومرو اعجاز

آپ نے سب سے پہلے کیا لکھا اور آخر کیوں لکھا؟

جواب: سب سے پہلے ایک افسانہ لکھا جو میری پرسنل ڈائری میں کیے گئے کتھارسس کے نتیجے میں افسانے کی شکل میں ڈھلا اور اسے بے اختیار لکھا اس کے لیے میرے پاس کوئی جواب نہیں کہ کیوں لکھا بس وہ خود ہی لکھا گیا۔ وہ میں نے پاکیزہ ڈائجسٹ میں بھیجا اور وہ اکتوبر 2014ء میں شائع ہوا۔ وہ ناداں ہے۔ اس کا نام تھا اور وہ میں نے قلمی نام "سارہ ملک" سے لکھا تھا۔ پہلی تحریر پر جھجک ہوتی ہے جس کی وجہ سے میں نے سارہ ملک نام استعمال کیا اسی نام سے ایک ناولٹ جولائی 2015ء میں پاکیزہ میں چھپا اور فیس بک کے علاوہ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ سارہ ملک میں تھی۔

سوال: اچھا لکھاری کیسے بنا جا سکتا ہے؟

جواب: اچھا لکھاری اچھا پڑھنے اور اچھا مشاہدہ رکھنے سے بنا جا سکتا ہے۔

سوال: آپ نے کبھی سوچا تھا کہ میں ایک لکھاری بن سکتی ہوں؟

جواب: لکھاری بننے کا مجھے بچپن سے شوق تھا اور یہ عرصے سے طے تھا کہ کبھی نہ کبھی میں رائٹر ضرور بنوں گی۔ سو میں بن کر رہی۔

آنچل حجاب اور نئے افق کی ٹیم کے لیے بہت سی دعائیں اور نیک خواہشات یہ وہ ٹیم ہے جو ہر چھوٹے بڑے مصنف کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں عزت دیتے ہیں اور ان کی خواہشات کا بھی احترام کرتے ہیں ایڈیٹوریل ٹیم کے ساتھ ساتھ ویسی ہی بہترین فیس بک ایڈمنز کی ٹیم ہے۔ اللہ پاک آپ سب کی محبتیں اور اتفاق قائم رکھیں آمین۔

نئی لکھاریوں کے لیے میرا یہ پیغام ہے کہ وہ صبر اور حوصلے سے کام لیں دنیا کی کسی بھی فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے بہت حوصلہ اور وقت درکار ہوتا ہے خوب پڑھیے اور خوب لکھیے۔

قارئین کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ ہم رائٹرز جس مقام پر ہیں ہمیں یہاں تک لانے میں ادارے کے بعد آپ کا بہت بڑا عمل دخل ہے اور مجھے اپنے قارئین سے ہمیشہ محبت ملی اللہ آپ سب پر اپنا خاص کرم فرمائیں آمین۔



قسط نمبر 27

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حورین کی بگڑتی حالت باسل اور خاور کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے ایسے میں ڈاکٹر اسے سکون آور ادویات دے کر ان دونوں کو بھی تمام حقیقت سے آگاہ کرتا ہے حورین جلد از جلد باسل کا رشتہ عنایہ سے طے کرنا چاہتی ہے اور باسل کی رضامندی جاننا چاہتی ہے ایک لمحے کو زرتاشہ کا خیال باسل کے دل میں آتا ہے لیکن وہ خود ہی اپنے جذبات کی نفی کرتے اپنی ماں کی رضا میں راضی ہوجاتا ہے عنایہ بھی باسل سے رشتہ جڑنے پر بے حد خوش ہوتی ہے۔

جیسکا اپنے طور ماریہ سے اصل حقائق جاننے میں ناکام رہتی ہے جب ہی اس کی نظر ہادیہ کی کتاب میں موجود کارڈ پر پڑتی ہے جو اتفاق سے ماریہ کے بھول جانے پر اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے اس ثبوت کو وہ سرپال اور میک کے سامنے رکھتی ہے تاکہ وہ اس کے خلاف بھرپور ایکشن لے سکیں۔ ماریہ کو گھر آکر اپنی غلطی کا ادراک ہوجاتا ہے جب ہی وہ فراز کو تمام حقیقت بتا کر گھر چھوڑ دیتی ہے۔ احمر اپنی محبت کا اعتراف زرمینہ سے کرتا ہے تو وہ یہ سن کر بھڑک اٹھتی ہے اور احمر کے بڑھتے قدم وہیں روک دیتی ہے زرمینہ کا یہ اشتعال احمر کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اپنی محبت سے دستبردار ہونا اسے آسان نظر نہیں آتا۔ باسل عنایہ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں آتا ہے جب ہی کچھ لڑکے زرتاشہ کا نام لے کر عامیانہ گفتگو کرتے ہیں اسے ایسا لگتا ہے جیسے یہ وہی لڑکے ہیں جنہوں نے احمر کے گھر زرتاشہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن کوشش کے باوجود وہ اس لڑکے کا چہرہ نہیں دیکھ پاتا۔ مہرو اپنی شناخت حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے اور عجیب مایوسی کی کیفیت کا شکار ہوتی ہے ایسے میں وہ لالہ رخ کی باتوں پر بھی توجہ نہیں دیتی اور صبح سویرے چپ چاپ گھر سے نکل جاتی ہے جبکہ لالہ رخ اس کی غیر موجودگی پر بوکھلا جاتی ہے۔ جیکولین اور ابرام یہ جان کر دنگ رہ جاتے ہیں کہ ماریہ انہیں دھوکہ دے کر فرار ہوچکی ہے ابرام ماریہ کے متعلق کچھ باتیں تو جانتا ہے لیکن ان سفاک لوگوں کے ارادے جان کر وہ ماریہ کو اپنا فون بند کرنے کا کہہ دیتا ہے تاکہ وہ ان کی گرفت میں نہ آسکے۔ داور مہرو کی تلاش میں بٹو سے پوچھ گچھ کرتا ہے اور اچانک ہی مہرو کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ چونک جاتا ہے اس کے دل کی مراد بر آتی ہے جب ہی وہ مہرو کی جانب بڑھتا ہے ایسے میں بٹو اسے بھاگ جانے کا کہہ کر اپنی جان گنوا دیتا ہے جبکہ مہرو اس صورتحال پر ششدر رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



آج ایک اور معصوم اور بے گناہ انسان کی جان انتہائی بے قیمت ہوکر مٹی میں مل گئی تھی۔ بٹو کی پتھرائی آنکھوں نے جیسے ہر منظر آبدیدہ کردیا تھا جبکہ آسمان اس پیارے سے بے ضرر شخص کی مظلومیت پر شدت غم سے نوحہ کناں ہوکر آنسو بہا رہا تھا' لالہ رخ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بٹو کے بے جان وجود کو دیکھا جس کے جسم سے بہتا خون ناحق پانی میں مل کر بے قیمت ہورہا تھا۔ پھر اس نے انتہائی سرعت سے دوبارہ کھائی کے قریب پڑے جوتوں' مہرو کی چادر اور اس کے پاس پڑا اس کا کڑا جو ہمہ وقت وہ اپنے ہاتھ میں ڈالے رکھتی تھی وہاں گرا ہوا دیکھا تھا اور پھر اس لمحے تو وہ جیسے پاگل ہو اٹھی تھی' ہنوز



پھٹی و بے یقین دہشت زدہ آنکھوں سے اس نے مہرو کی چیزوں کو دیکھا پھر لپک کر کھائی کے قریب نیچے جھانک کر دیکھا' دھند اور اس پر مستزاد تیز بارش نے اس کی آنکھوں کو بالکل اندھا کر دیا تھا' اس نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے دوبارہ پلٹ کر بٹو کی جانب دیکھا اور پھر بالآخر اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا وہ دیوانوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بے تحاشا ہذیانی ہو کر زور زور سے چلا کر مہرو اور بٹو کا نام لینے لگی تھی۔



''یا اللہ تو ہم سب پر رحم و کرم کرنا' ہمیں کسی ایسی آزمائش میں مت ڈالنا جس کا بوجھ ہم نہ اٹھا سکیں' اے رب کائنات میری بچیوں کی حفاظت کرنا مہرو کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔'' امی رو رو کر دعائیں مانگ رہی تھیں جب کہ زرتاشہ امی کو سنبھالتے ہوئے خود بھی بے پناہ پریشان اور فکر مند تھی اس کا دل اس پل بے تحاشہ گھبرا رہا تھا کوئی انہونی ہو جانے کے احساس نے اسے بے کل کیا ہوا تھا مگر صرف امی کی خاطر اس نے خود کو سنبھالا ہوا تھا' وگرنہ تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی لالہ کے پیچھے مہرو کو ڈھونڈنے کے لیے نکل کھڑی ہو۔

''امی آپ پریشان نہ ہوں مہرو ان شاء اللہ مل جائے گی لالہ گئی ہے ناں اسے ڈھونڈنے وہ ضرور اسے لے آئے گی' آپ پلیز رونا تو بند کریں ناں۔'' زرتاشہ آخر میں بے بسی سے بولی تو امی ایک بار پھر روتے ہوئے بولیں۔

''کیسے سنبھالوں تاشو میں اپنے دل کو' میرا دل بہت ہراساں ہو رہا ہے' کچھ برا ہونے کا خوف مجھے چین نہیں لینے دے رہا' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تاشو کہیں میری مہرو کے ساتھ......'' پھر خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ کر انہوں نے فوراً اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر مہرو کی سلامتی کی دعائیں زارو قطار روتے ہوئے مانگنا شروع کر دیں۔



ابرام سائمن بہت بے کل و مضطرب ہو کر سیٹنگ روم میں اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہا تھا' ماریہ کو گھر سے غائب ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے مگر ابھی تک سرپال اور ان کے آدمی ماریہ کو ڈھونڈ نہیں سکے تھے اس وقت جیکولین بھی گھر پر نہیں تھی وہ بھی سرپال کے ہمراہ باہر نکلی ہوئی تھی جب کہ ابرام کا یہ سوچ سوچ کر سر پھٹے جا رہا تھا کہ اگر ماریہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے' ابرام بخوبی دیکھ رہا تھا کہ جیکولین ماریہ کی حقیقت جاننے کے بعد غصے واشتعال سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جادو کی چھڑی گھما کر ماریہ کو اپنے سامنے حاضر کر کے اسے مار ڈالے۔ اگر ماریہ ان لوگوں کو مل جاتی تو یقیناً جیکولین بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آتی ابھی وہ اپنی سوچوں میں گھرا ہوا تھا کہ یک دم ڈور بیل کی آواز پر اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ اس کی سوچوں کا تسلسل بھی ٹوٹا تھا' اس نے لحظہ بھر کر دروازے کی جانب دیکھا پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ کر دروازہ کھولا تو جیکولین کے ہمراہ سرپال اور میک کو دیکھ کر خاموشی سے ایک طرف ہو گیا' حسب معمول جیکولین اس وقت لال بھبھوکا چہرہ لیے بے پناہ طیش کے عالم میں اندر داخل ہوئی البتہ جیکولین کے برعکس میک اور سرپال کے چہروں پر سکوت ٹھہرا ؤ تھا۔

''میں اس لڑکی کو جان سے مار دوں گی ہونہہ' مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہی ہوں جو ایک دن مجھے ہی ڈس کر یہاں سے فرار ہو جائے گی۔'' جیکولین اندر داخل ہوتے ہی تیز آواز میں بولنے لگی جبکہ ابرام اپنے دونوں بازوؤں کو سینے پر فولڈ کیے خاموشی سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔

''وہ غدار لڑکی نجانے کس کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی ہے' نجانے اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا' بس ایک بار وہ میرے ہاتھ آ جائے پھر تم دیکھنا پال میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں؟'' اب وہ تینوں لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔ سرپال نے جیکولین کو دیکھ کر ایک ہنکارہ بھرا پھر سہولت سے بولے۔

"اب وہ تمہاری نہیں بلکہ سیدھا ہماری کسٹڈی میں آئے گی جیکولین اور ضروری نہیں کہ ماریہ کو بھی وہی سزا ملے جو دوسرے غداروں کو ملی تھی۔" گوکہ سر پال بے حد نارمل انداز میں بول رہے تھے مگر ان کے لہجے میں اژدھوں جیسی پھنکار تھی' جسے ابرام اور جیکولین دونوں نے اچھی طرح محسوس کرلیا تھا۔ جب ہی دونوں نے ایک ساتھ ہی قدرے الجھ کر سر پال کی جانب دیکھا سر پال ان کی نگاہوں کی الجھن محسوس کرکے پراسرار انداز میں ہنسے پھر مسکرا کر گویا ہوئے۔

"ماریہ صرف غدار ہی نہیں ہے بلکہ اس نے ایک عرصے تک ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش کی' ہمیں فریب اور دھوکہ دیا' مسلسل ہم سے جھوٹ بولا' اتنے سارے جرائم کی سزا صرف موت نہیں ہوسکتی۔" ابرام سر پال کے لب و لہجے کی سفاکی دیکھ کر اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا جو مزید کہہ رہے تھے۔ "اسے تو عبرت ناک سزا دی جائے گی ایسی سزا جو دوسروں کے لیے مثال بنے تاکہ آئندہ کوئی دوسرا ایسا قدم اٹھانے سے پہلے سو بار سوچے ضرور۔"

"مگر یہ لڑکی چھپ کہاں گئی ہے' ہم نے تو اسے ہر اس جگہ ڈھونڈا جہاں اس کی موجودگی یقینی تھی۔" میک اس تمام وقت میں پہلی بار بولا تو جیکولین اور ابرام جو نجانے کن سوچوں میں گم تھے چونک کر میک کو دیکھنے لگے تھے..... سر پال نے بھی میک کی طرف رخ کیا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے۔

"یقیناً ماریہ اس وقت اکیلی نہیں ہے کوئی ایسا انسان ضرور ہے اس کے ساتھ جو اس کی مدد اور سپورٹ کررہا ہے۔"

"بالکل ٹھیک آپ کی بات سو فیصد درست ہے' سر یقیناً ماریہ کے ساتھ کوئی اور بھی شخص ہے جس کے ساتھ وہ چھپ کر بیٹھ گئی ہے۔" شستہ انگریزی میں بولتے ہوئے آخر میں میک کا لہجہ ماریہ کے لیے انتہائی حقارت آمیز ہوگیا جب کہ یہ سن کر ابرام کے جسم میں جیسے چیونٹیاں رینگنے لگیں' تب ہی وہ پہلو بدل کر بولا۔

"مگر ولیم اور جیسکا سے تو آپ لوگ پہلے ہی پوچھ چکے ہیں۔" اس نے جان بوجھ کر ولیم اور جیسکا کے نام لیے۔ ابرام کا ذہن اس پل تیزی سے کام کررہا تھا وہ دوسرا شخص کون تھا' شاید اس کا دماغ اس تک پہنچ گیا تھا۔ "ہونہہ ولیم اور جیسکا تو صرف اس کے مہرے تھے جنہیں وہ اپنے مفاد کے لیے استعمال کررہی تھی۔" میک ہنوز لہجے میں بولا تو جیکولین محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔



لالہ رخ کی بے ہنگم چیخیں نیچے وادی کی سڑک پر گزرنے والے وادی میں رہنے والے کچھ مردوں کے کانوں میں پڑگئی تھیں وہ بھاگ کر اس جگہ پر پہنچے تو لالہ رخ کو بٹو کی نعش کے سرہانے لٹا پٹا بیٹھے پایا تھا' ایک لمحے کے لیے وہ بھی سکتے میں آگئے' بارش اب تھم چکی تھی طوفان جیسے اپنی تباہ کاریاں پھیلا کر وہاں سے گزر چکا تھا۔ سب سے پہلے چاچا نواز الدین کے وجود میں حرکت ہوئی' انہوں نے آگے بڑھ کر لالہ رخ کے شانوں پر ہاتھ رکھا جو چیخ چیخ کر روتے ہوئے مسلسل مہرو اور بٹو کو آوازیں دے رہی تھی۔

"ہوش میں آ دھیے خود کو سنبھال۔" چاچا نواز الدین نم آنکھوں سے اسے سمجھا رہے تھے جوان کے محلے کے بزرگ تھے۔ باقی آنے والے افراد بھی بے حد تاسف اور صدمے کی کیفیت میں ڈوبے بٹو کی لاش اور مہرو کی گری چادر کو دیکھ رہے تھے اس لمحے سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بٹو ایک بے حد معصوم اور بھولا لڑکا تھا اتنی سفاکی سے اس کے قتل کیے جانے پر ان سب کے دل بھی رنج و غم سے بھر گئے تھے۔ چاچا نواز الدین نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہولے سے لالہ رخ کا سر اپنے سینے سے لگایا' جو ہنوز انہیں پکارے جارہی تھی پھر وہ بھیگی آواز میں ایک شخص کو مخاطب کرکے بولے۔

"عنایت اللہ وادی کے سرپنچ اور وڈیرے صاحب کو اس واقعے کی اطلاع پہنچادو تاکہ پولیس جلد سے جلد یہاں آجائے۔" عنایت اللہ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا ذرا سی دیر میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

پوری وادی آن واحد میں جائے وقوعہ میں اکھٹی ہوگئی' بٹو کی بے جواس کی زندگی میں ہمیشہ اسے لعن طعن کرتی تھی آج اسے اس حالت میں دیکھ کر پچھاڑے مار کر رو رہی تھی۔ ملک دلاور بھی مغموم سے وہاں کھڑے تھے جب ہی زرتاشہ کپکپاتی ٹانگوں اور لڑکھڑاتے قدموں سے لالہ رخ کے پاس آئی جواب پتھر کی مورت بنی بس ایک ہی سمت میں دیکھے جارہی تھی بٹو کی ڈیڈ باڈی پر کسی نے کپڑا ڈال دیا تھا زرتاشہ نے لالہ رخ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے بے پناہ چونک کر اسے دیکھا پھر چلا کر بولی۔

''تاشو...... تاشو...... وہ...... وہ بٹو مہرو تاشو...... بٹو مہرو......'' اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہوکر زرتاشہ کے بازوؤں میں ڈھے گئی جب کہ زرتاشہ اسے اپنے سینے میں بھینچ کر زاروقطار روئے چلی گئی۔



سونیا ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد لان میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر آ کر بیٹھ گئی' سردیوں کی اس سنہری دھوپ میں اسے یہاں بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ساحرہ اور سمیر دونوں آفس کے لیے نکل چکے تھے وہ کرسی پر بیٹھی میگزین دیکھنے لگی جبکہ اپنے آئی فون سے اس نے اپنا پسندیدہ انگلش میوزک بھی آن کرلیا تھا' وہ پوری طرح میگزین میں منہمک ہوکر ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی اس پل وہ خود کو بے حد فریش محسوس کررہی تھی وہ دو دن سے یہاں موجود تھی جبکہ کامیش ابھی بھی اسلام آباد میں تھا' شاید ایک آدھ دن میں وہ بھی گھر آنے والا تھا' سونیا کامیش شاہ کی شدت سے منتظر تھی وہ ابھی میگزین دیکھ ہی رہی تھی کہ اچانک مین گیٹ کے ساتھ چھوٹے گیٹ سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ سونیا نے گنگناتے ہوئے یونہی نگاہ اٹھا کر اس جانب دیکھا تو پل بھر کے لیے اس کی نگاہیں ساکت رہ گئیں وہ اپنی جگہ اسی پوزیشن میں فریز سی ہوگئی چوکیدار اس سے بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوا تھا۔ سونیا کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح اچانک بناء کسی کو بتائے وارد ہوجائے گا' فراز شاہ اپنے گھر آ گیا تھا' اس لمحے وہ ایک انجانی اور پُر کیف سی خوشی محسوس کررہا تھا ماریہ کو اپنے ہمراہ لندن سے لانے کے بعد وہ اسے اپنے ڈیفنس کے فلیٹ میں چھوڑ کر سیدھا گھر آیا تھا۔ اس نے سمیر شاہ کو بھی اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ حالانکہ پہلے اس کا ارادہ اپنے گھر آنے کا نہیں تھا مگر پھر نجانے کیا ہوا کراچی ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی اس کا دل شدت سے چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اڑ کر اپنے گھر پہنچ جائے اس پل تو خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اپنے گھر کو اس نے لندن میں بے پناہ یاد کیا تھا' وہ اپنے پرانے چوکیدار سے مل کر جونہی سرخ اینٹوں والی روش پر اپنے آپ میں مگن کراس کرتے ہوئے لان کی جانب آیا تو نگاہ اٹھا کر دیکھنے پر سونیا اعظم خان کے وجود کو دیکھ کر اسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا' وہ بے اختیار وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ سمیر شاہ نے اسے بتایا تھا کہ سونیا بھی گھر چھوڑ کر جاچکی ہے وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ سونیا یہاں نہیں بلکہ اپنے والدین کے گھر پر ہوگی مگر اس پل اسے سامنے دیکھ کر اس کی ساری خوشی کافور ہوگئی پھر بڑی دقتوں سے اس نے خود کو سنبھالا اور بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''تم یہاں کیا کررہی ہو؟'' فراز شاہ کے استفسار پر سونیا نے بے پناہ کٹیلی نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا۔

''واٹ ڈو یو مین کہ میں یہاں کیا کررہی ہوں؟ تم بتاؤ مجھے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ کرسی سے اٹھ کر اب اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ فراز کو اس لمحے سونیا پر اس قدر طیش آیا کہ اس کا دل بے ساختہ چاہا کہ وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کرڈالے مگر وہ خود پہ ضبط کرتا استہزائیہ انداز میں بولا۔

''تم شاید بھول رہی ہو کہ یہ میرا گھر ہے' اس وقت تم اپنے باپ کے گھر میں نہیں بلکہ میرے گھر میں کھڑی ہو۔''

''میں تمہارے گھر میں نہیں بلکہ اپنے شوہر کے گھر میں ہوں۔''

''اوہ......! ہاں وہ شوہر جسے تم نے صرف اپنا مہرہ بنایا۔''

''شٹ اپ اینڈ مائنڈ یور لینگویج۔''

''یو شٹ اپ مس چیٹر۔''

''فراز تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو۔'' سونیا بل کھا کر پھنکاری۔

''گیٹ لاسٹ سونیا اعظم خان...... اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں اب۔''

''یو گیٹ لاسٹ فراز شاہ تمہاری اس گھر میں کوئی جگہ نہیں......'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو فراز نے چند ثانیے بغور اسے دیکھا سونیا اسے اپنی جگہ متوجہ پا کر بڑے کروفر سے گردن تان کر اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر بڑی خود اعتمادی سے اس کی جانب دیکھنے لگی' فراز نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر آنکھوں میں استہزائیہ رنگ سمو کر تنفر بھرے لہجے میں بولا۔

''یہ گھر اور کامیش تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا سونیا اب چاہے تم کتنی بھی گھٹیا اور گری ہوئی حرکتیں کرلو۔'' فراز کے اس جملے نے اس کے اندر بھانبھڑ جلا ڈالے مگر بظاہر اس نے اپنا چہرہ بالکل پُرسکون رکھا۔

''اچھا تم اپنی فکر کرو فراز' جس ذلالت اور رسوائی کا ٹوکرا اپنے سر پر رکھ کر تم اس گھر سے نکالے گئے تھے ناں وہ ٹوکرا اب بھی تمہارے سر پر موجود ہے آنٹی اور کامیش تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے نکال باہر کریں گے۔''

''اچھا......!'' وہ بھی طمانیت سے بولا پھر دوسرے ہی لمحے تھوڑا اس کے قریب آ کر گویا ہوا۔

''جس بات کو تم اپنی جیت سمجھ کر یوں میرے سامنے نازاں کھڑی ہوناں سونیا وہ دراصل تمہاری سب سے بڑی مات ہے تم کامیش کو کھو چکی ہو' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میں اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتا ہوں ڈیئر تم نے میرے انتقام میں کامیش کو کھو دیا اور یہ حقیقت تم جتنی جلدی قبول کرلو تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہے۔''

''اپنی بکواس بند رکھو سمجھے۔'' وہ بری طرح تلملائی۔

''ہونہہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے سچائی بدلتی نہیں...... تم زبردستی اس گھر میں رہ تو سکتی ہو چ مگر کامیش شاہ کے دل سے تم کب کی اتر چکی ہو۔'' سونیا اس پل جیسے سلگتی ہوئی بھٹی میں گر کر سرتاپا جھلس گئی تھی۔

''تم یہاں سے دفع ہو رہے ہو یا پھر انکل کو فون کر کے تم کو یہاں سے نکلواؤں۔''

''جب تک تمہارا وجود اس گھر میں ہے میں خود بھی اس گھر میں نہیں رہنا چاہوں گا' مگر ہاں سونیا یہ بات یاد رکھنا کہ میں بہت جلد یہاں واپس آؤں گا اوکے۔'' وہ اپنی شہادت کی انگلی اس کی جانب اٹھا کر زہرخند لہجے میں بولا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔



جیکولین کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے نجانے کیا کچھ سوچے جا رہی تھی جب سے ماریہ گھر سے غائب ہوئی تھی اس نے سوائے چند گھونٹ پانی پینے کے اپنے حلق سے اور کچھ نہیں اتارا تھا' اس پل بھی وہ بے پناہ ڈسٹرب دکھائی دے رہی تھی جب ہی ابرام دو کافی کے مگ کے ساتھ کچھ سینڈوچز لے کر وہاں آیا اور میز پر رکھ کر نرمی سے گویا ہوا۔

''مام پلیز آپ کچھ کھالیں ورنہ اس طرح تو آپ بیمار ہو جائیں گی۔'' ابرام کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

''مام آئی لو یو سو مچ۔'' یک دم ابرام کے وجود میں ماریہ کا عکس پوری طرح چھا گیا ماریہ اسے ناقابل فہم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بے حد جذب کے عالم میں کہہ رہی تھی جیکولین یک ٹک اسے دیکھتی چلی گئی۔ چند ثانیے ابرام جیکولین کے بولنے کا منتظر رہا پھر دوبارہ گویا ہوا۔ ''مام آپ کم از کم یہ کافی ہی پی لیجیے۔'' ابرام کی آواز پر جیکولین بے اختیار چونک کر سیدھی

ہوئی ماریہ کا عکس غائب ہوچکا تھا سامنے ابرام کھڑا تھا۔ جیکولین نے ایک تھکی تھکی سانس فضا کے حوالے کی پھر ابرام کو عجیب سی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''جس کی جوان بیٹی اتنا عظیم کارنامہ انجام دے کر گھر سے بھاگی ہو بھلا اس کی ماں کے حلق سے کیسے کچھ اتر سکتا ہے؟'' ابرام چپ کا چپ رہ گیا پھر ایک خیال جیکولین کے ذہن میں در آیا تو اس نے فوراً سے پیشتر ابرام سے استفسار کیا۔

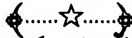
''کیا تم یہ تمام بات پہلے سے جانتے تھے ابرام؟'' اس پل اس کے لہجے میں اس کی مخصوص سختی و تنبیہہ تھی' ابرام نے خود کو جلدی سے سنبھال کر کہا۔

''نہیں مام مجھے تو اس بارے میں کوئی بھنک بھی نہیں پڑی ورنہ میں اسے ایسا ہرگز نہیں کرنے دیتا۔''

''اچھا حیرت ہے جب جیسکا سب کچھ جانتی تھی تو تم کیسے لاعلم تھے جب کہ جیسکا بھی تمہاری بہت اچھی دوست ہے اور ماریہ بھی ہمیشہ تمہارے قریب ہی رہی ہے۔'' اس پل جیکولین کے لہجے میں گہرے طنز کی کاٹ تھی ابرام نگاہیں جھکا کر رہ گیا مگر پوری شدومد سے انکار کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''بلیومی مام مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا' ماریہ اور جیسکا نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا تھا پلیز ٹرسٹ می۔'' یہ سب کہتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ''او گاڈ اگر جیسکا نے اپنا منہ کھول دیا تو؟ اگر مام اور سرپال کو اس نے بتادیا کہ میں بھی ماریہ کے اس راز میں شریک تھا تو پھر کیا ہوگا؟'' دل ہی دل میں وہ خود سے بولتا بے تحاشا مضطرب ہوگیا جب ہی جیکولین کی آواز اس کے کانوں میں پڑی جو کہہ رہی تھی۔

''حیرت ہے کہ جیسکا اور ماریہ نے تمہیں کچھ نہیں بتایا اور تم نے ماریہ کی حرکتوں سے کیونکر اندازہ نہیں لگایا؟'' ابرام کے پاس اس پل کہنے کو کچھ نہیں تھا سو وہ خاموش سا کھڑا رہا۔



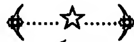
پولیس نے وہاں پہنچ کر لاش اپنی تحویل میں لے لی تھی' بٹو کو تین گولیاں لگی تھیں دو اس کے پیٹ پر جبکہ تیسری گردے میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا تھا۔ غالباً چوتھی گولی شاید خطا ہوگئی تھی۔ فی الحال باڈی ابھی پولیس کے پاس ہی تھی' بٹو کی ناگہانی موت نے پوری وادی کو سوگواری میں مبتلا کردیا تھا جبکہ دوسری جانب پولیس مہرو کی گمشدگی پر لوگوں سے تفتیش کررہی تھی' جس کا اب تک کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا' جب ہی علاقے کے ایس ایچ او نے ملک دلاور سے کہا۔

''ہمیں اس لڑکی سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے جو اس گمشدہ لڑکی کی کزن ہے اور سب سے پہلے اس جائے وقوعہ پر پہنچی تھی۔''

''انسپکٹر صاحب لالہ رخ بیٹی کی حالت اس وقت ٹھیک نہیں' مہرو بٹیا کی گمشدگی اور بٹو کی موت نے اس پر بہت برا اثر کیا ہے آپ مہربانی کرکے صبح اس بچی سے جو پوچھنا چاہیں پوچھ لیجیے گا۔'' چاچا نواز الدین سہولت سے بولے تو انسپکٹر عالم نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

''ٹھیک ہے ویسے بھی اب رات ہونے والی ہے' ہم صبح پھر آئیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر وہاں سے چلا گیا تو چاچا نواز الدین اور ملک دلاور جو لالہ رخ کے گھر کے باہر کھڑے تھے اندر آگئے جہاں آس پڑوس کی عورتیں بھی جمع تھیں۔ صرف ایک زرتاشہ تھی جس نے خود کو انتہائی صبر سے سمیٹ رکھا تھا ورنہ لالہ رخ اور امی کی حالت بے پناہ خراب تھی' زرتاشہ سے محلے کی دوسری خواتین کے سہارے سے بڑی مشکلوں سے گھر لائی تھی۔ امی کو جب اس دلخراش اور دلدوز حادثے کی بابت معلوم ہوا تو وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر تخت پر بیٹھتی چلی گئیں۔ لالہ رخ کی دماغی ابتری اور خراب حالت کو دیکھ کر زرتاشہ نے قریبی ڈاکٹر کو بلالیا تھا جس نے اسے سکون آور انجکشن دے کر سلادیا تھا۔ زرتاشہ نے امی کو بھی

زبردستی سکون آور دوا دے کر انہیں سلانے کی کوشش کی تھی مگر وہ بار بار سوتے سے اٹھ کر مہرو کو آوازیں دینے لگتی تھیں۔
مغرب کے بعد جب گھر آنے والے لوگوں سے خالی ہوا تو زرتاشہ پر وحشت طاری ہونے لگی وہ اذیت ناک انداز میں سسک کر دوسرے ہی لمحے مہرو کو پکارتی بلک بلک کر رو دی بہت دیر رونے کے بعد اس کا دل کچھ ٹھہرا تو اس نے فوراً زرینہ کو فون ملایا اور روتے ہوئے تمام روداد سنا ڈالی زرینہ یہ سب سن کر انگشت بدنداں سی ہو کر زرتاشہ کے لیے بے پناہ متفکر ہوئی جو فون پر زار و قطار رو رہی تھی۔
"تاشو میری جان اللہ کے واسطے خود کو سنبھالو دیکھو اگر تم اس طرح کرو گی تو پھر لالہ آپی اور امی کو کون سنبھالے گا تم پلیز خود کو سنبھالو۔" زرینہ لجاجت آمیز لہجے میں بولی جبکہ اس پل اس کی آنکھیں بھی بے دریغ آنسو بہا رہی تھیں۔
"کیسے زری...... کیسے سنبھالوں خود کو بٹو کی لاش میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارش میں بھیگتی ہوئی انتہائی بے بسی کے عالم میں زمین پر پڑی دیکھی مہرو کی چادر بس بٹو کے کچھ ہی فاصلے پر گری ہوئی تھی زری نجانے مہرو کہاں ہے وہ زندہ بھی ہے یا......" اس سے زیادہ اس کے بولنے کی ہمت نہیں ہوئی وہ بلک بلک کر رونے لگی تو اس پل زرینہ نے خود کو بہت لاچار محسوس کیا زرتاشہ اس سے اتنی دور اتنے فاصلے پر تھی کہ وہ اسے گلے لگا کر تسلی بھی نہیں دے سکتی تھی زرینہ بھی بے آواز رونے لگی۔



باسل حیات جس دن سے عنایہ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں ڈنر کر کے آیا تھا اس وقت سے اس کے دماغ میں اس لڑکے کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اس نے اپنے ذہن کو اس خیال سے جھٹکنے کی کئی بار کوشش کی تھی مگر نجانے کیوں وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا آج شام کو جب احمر اس سے ملنے اس کے گھر آیا تو باسل نے کچھ سوچ کر تمام بات احمر یزدانی کے گوش گزار کر دی تھی۔ احمر بھی کافی دیر کسی گہری سوچ میں مستغرق رہا پھر ایک ہنکارہ بھر کر بولا۔
"یار ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکا کسی اور لڑکی کے بارے میں بات کر رہا ہو...... وہ والی زرتاشہ نہ ہو جسے ہم جانتے ہیں۔" احمر اس وقت باسل کے گھر کے ڈرائنگ روم میں اس کے ساتھ بیٹھا تھا باسل کی بات پر خود بھی تھوڑا الجھ گیا تھا۔
"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے کہ وہ لڑکی کوئی اور ہو گی مگر اس لڑکے نے یونیورسٹی کا بھی ذکر کیا تھا تو میں کنفیوژ ہو گیا۔" باسل کی بات پر احمر نے اسے بغور دیکھا پھر استفسار کرتے ہوئے بولا۔
"کیا تم نے اس لڑکے کو اس سے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟" جواباً باسل نے نفی میں سر ہلایا تو احمر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا پھر دھیرے سے بولا۔
"اس لڑکی کا نام زرتاشہ تھا اور وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے جس کا تذکرہ وہ ریسٹورینٹ والا لڑکا کر رہا تھا باسل تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ وہ لڑکا زرینہ کی فرینڈ زرتاشہ کا ہی ذکر کر رہا تھا۔" باسل قدرے بے چین سا ہو کر اپنی نشست سے اٹھ کر سامنے دیوار پر نصب بہت ہی دلکش اور آرٹسٹک ایکوریم کے سامنے جا کر ٹروپیکل فش کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"احمر تمہاری بہن کی مہندی کے فنکشن میں جو واقعہ ہوا تھا ہمیں اسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔" احمر نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا مطلب باسل میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔" باسل کو اپنے عقب سے احمر کی آواز آئی تو وہ اس کی جانب رخ موڑ کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"مطلب یہ کہ وہ واقعہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں تھا اس فنکشن میں کسی نے پوری پلاننگ کے تحت زرتاشہ کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کی تھی اور جس شخص نے یہ سب پلان کیا تھا یقیناً وہ خاموش نہیں بیٹھے گا وہ دوبارہ ایسی ہی حرکت کرنے کی

کوشش کرے گا اگر اس رات زرتاشہ کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہ آتا تو میں کبھی بھی اس ریسٹورنٹ والے لوفر لڑکے کی باتوں پر کان نہ دھرتا۔" احمر منہ حیرت سے کھولے اسے دیکھتا رہا' باسل چلتے ہوئے اس کے قریب آ کر بولا جواب پریشانی کے عالم میں صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بس یہی وجہ ہے کہ مجھے اس لڑکے کے منہ سے زرتاشہ کا نام سن کر اسی زرتاشہ کا ڈاؤٹ ہو رہا ہے جسے ہم جانتے ہیں۔" باسل کے منہ سے یہ تمام باتیں سن کر احمر یزدانی کو اپنی کنپٹی کی نسیں کھنچتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں یک دم اسی پل زرتاشہ کا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

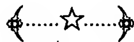
"او مائی گاڈ باسل...... شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو وہ گھٹیا شخص یقیناً خاموشی سے بیٹھنے والا نہیں ہے وہ دوبارہ ایسی کوشش ضرور کرے گا' نہ شیطان اور شیطان صفت انسان بھلا اتنی آسانی سے کہاں ہار مان کر بیٹھتے ہیں۔"

"اور سب سے امپورٹینٹ بات تو احمر یہ ہے کہ وہ شخص ہمارے آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔" باسل کسی خیال کے تحت اچانک بولا تو احمر نے اسے الجھے ہوئے انداز میں دیکھا جبکہ باسل نے بے ساختہ ایک گہری سانس کھینچی پھر سہولت سے گویا ہوا۔

"زرتاشہ کے ساتھ وہ حرکت تمہارے گھر کے فنکشن میں ہوئی تھی احمر۔"

"ہاں باسل میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ اس وقت صرف ہماری فیملی کے لوگ انوائٹڈ تھے کوئی آؤٹ سائیڈر نہیں بلائے تھے۔"

"مجھے یہ بات معلوم ہے احمر لیکن یہ بات بھی کنفرم ہے کہ انہی لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی تھا جو زرتاشہ پر گھات لگائے بیٹھا تھا۔" باسل کی بات پر احمر اسے دیکھتا رہ گیا۔



دوپہر کے وقت پولیس والوں نے بٹو کی میت پوسٹ مارٹم اور ضروری کارروائی کے بعد اس کے گھر والوں کے حوالے کر دی تھی وادی میں رہنے والے ہر فرد کی آنکھ بٹو کی موت پر اشک بار تھی لالہ رخ اور امی نے طبیعت خراب ہونے کے باوجود اس کے جنازے میں شرکت کی تھی۔ بٹو کا پُرسکون مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ ایک بار پھر بلک بلک کر رو دی تھی' اسے بار بار بٹو کا پرسوں شام والا چہرہ یاد آ رہا تھا وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پایا تھا کتنی حسرت و یاس سے بھری نگاہوں سے اس نے آخری مرتبہ لالہ رخ کو دیکھا تھا' لالہ رخ کا دل اس نگاہ کو یاد کرتے ہوئے بڑی بے دردی سے چاک ہو رہا تھا۔

"بٹو میرے پیارے بھائی آخر تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے تھے تم اتنے پریشان کیوں تھے' میرے بھائی۔" لالہ رخ دل ہی دل میں اس سے بات کر کے بے تحاشہ روئے جا رہی تھی پھر جب چاچا نواز الدین نے اسے بتایا کہ انسپکٹر صاحب اس سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں تو بڑی دقتوں سے خود کو سنبھال کر وہ ان کے پاس آئی' پولیس اور اس کی نفری اس وقت بٹو کے گھر پر موجود تھی مرد حضرات تدفین کے لیے روانہ ہو چکے تھے البتہ چاچا نواز الدین کو انسپکٹر عالم نے روک لیا تھا۔

"جی بی بی اب ہمیں آپ ذرا تفصیل سے بتایئے کہ آپ کی کزن یوں صبح سویرے اتنے خطرناک موسم میں وادی کی اس چوٹی میں بھلا کیا کرنے گئی تھی۔" انسپکٹر عالم کے سوال پر لالہ رخ نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا۔

"بتایئے محترمہ آپ کی کزن یوں اکیلی برستی بارش میں اوپری سڑک پر کیا لینے گئی تھیں۔" لالہ رخ انسپکٹر کے لہجے کی گہری کاٹ اور چھپے طنز کو محسوس کر کے اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی اس لمحے انسپکٹر کی چبھتی نگاہیں اور لب و لہجہ کی ترشی چیخ چیخ کر اسے باور کرا رہی تھی کہ ان کی نظر میں مہرو کا کردار مشکوک ہو چکا ہے۔

''وہ......وہ دراصل انسپکٹر صاحب میری کزن کی آج کل ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی' ابھی کچھ عرصے پہلے اس کی والدہ کی ڈیتھ اچانک ہوگئی تھی مہرو نے پھوپو کی موت کا بہت گہرا صدمہ لیا تھا۔'' لالہ رخ انتہائی دقتوں سے خود کو سنبھال کر فقط اتنا ہی بولی' جب ہی انسپکٹر عالم نے ہنوز لہجے میں استفسار کیا۔

''تو بی بی آپ مجھے یہ بتایئے ناں کہ وہ برستی بارش میں تنہا اکیلے وہاں کیوں پہنچ گئی تھیں۔'' لالہ رخ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس شخص کی باتوں کا کیا جواب دے جو خود بھی اسے معلوم نہیں تھا۔ مہرو یوں صبح سویرے کسی کو بنا بتائے وہاں کیوں گئی تھی شاید اپنی جان لینے یہ خیال ذہن میں در آتے ہی وہ پوری جان سے کپکپائی۔

''انسپکٹر......صاحب میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے مجھے چکر آ رہے ہیں۔'' لالہ رخ نے انسپکٹر کے سوالوں سے بچنے کے لیے فی الفور اپنی خراب طبیعت کا ڈرامہ کرتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا تو چاچا نواز الدین جلدی سے لالہ رخ کے قریب آئے اور اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''دیکھیے ابھی لالہ دھی کی طبیعت صحیح نہیں ہے آپ مہربانی کر کے کل آ جایئے گا۔'' جواباً وہ ایک ہنکارہ بھر کر لالہ رخ پر نگاہ ڈال کر وہاں سے چلا گیا جب ہی لالہ رخ نے تڑپ کر سر اٹھا کر کہا۔

''چاچا مہرو ٹھیک تو ہوگی ناں وہ جلد ہی ہمیں مل جائے گی ناں چاچا وہ زندہ تو ہے ناں۔'' اس لمحے بوڑھے چاچا کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ضرور مل جائے گی مہرو دھیے بس تو رب سوہنے سے دعا کر اس سے درخواست کر رب سوہنا کسی کو مایوس نہیں کرتا۔'' چاچا نواز الدین گلوگیر لہجے میں بولے۔



سمیر شاہ اور ساحرہ جب شام کو گھر آئے تو سونیا نے اس وقت انہیں فراز شاہ کی بابت کچھ نہیں بتایا بلکہ چوکیدار کو بھی سختی سے اپنا منہ بند رکھنے کی ہدایت کی تو وہ بے بسی سے خاموش ہوگیا' آج ناشتے کی میز پر جب ساحرہ بڑے خوشگوار موڈ میں سونیا سے باتوں میں مصروف تھی جب ہی سونیا اپنے لہجے میں زمانے بھر کی مظلومیت بھر کر بڑے دل سوز انداز میں بولی۔

''آنٹی کل جب آپ لوگ آفس چلے گئے تھے تو فراز یہاں آیا تھا اسے معلوم ہوگیا کہ میں اپنے گھر میں واپس آ گئی ہوں تو وہ بے پناہ غصے میں یہاں چلا آیا وہ نہ صرف مجھے سنگین نتائج کی دھمکیاں دے کر گیا بلکہ اور بھی نجانے کیا کچھ کہتا رہا۔'' جبکہ اس پل چائے کی پیالی کی جانب بڑھتا سمیر کا ہاتھ وہیں کا وہیں رک گیا تھا۔

''واٹ......!'' ساحرہ بھی بھونچکا سی ہو کر چند ثانیے سونیا کو دیکھتی رہی جو اس لمحے کافی خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے فراز تو لندن میں ہے۔'' سمیر شاہ خود کلامی کرتے ہوئے بولے۔ ساحرہ نے ایک نگاہ شوہر کو دیکھا پھر سونیا کی جانب رخ موڑ کر انتہائی ناگواری سے بولی۔

''اس لڑکے کی ہمت کیسے ہوئی اس گھر میں قدم رکھنے کی تمہیں گارڈز اور چوکیدار سے کہہ کر اسی وقت اسے دھکے مار کر یہاں سے نکلوا دینا چاہیے تھا۔'' ساحرہ کی بات پر سمیر شاہ نے بے حد ناگواری سے اپنی شریک حیات کو دیکھا پھر تیزی سے گویا ہوئے۔

''واٹ نان سینس ساحرہ......فراز اس گھر کا بڑا بیٹا ہے وہ جب چاہے اس گھر میں آ سکتا ہے یہ گھر ہے اس کا۔'' سونیا یہ سب سن کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی اسے سمیر شاہ کی فراز کے لیے یہ والہانہ محبت بہت بری لگی تھی۔

''فراز نے مجھے انفارم کیوں نہیں کیا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے۔'' سمیر شاہ خود سے الجھ کر بولے پھر اسی پل ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنے روم کی جانب بڑھ گئے تاکہ وہ فراز سے بات کر سکیں سمیر کے وہاں سے چلے جانے کے بعد سونیا رقت

آمیز لہجے میں بولی۔
''آنٹی فراز مجھ سے کہہ کر گیا ہے کہ وہ مجھے اس گھر میں رہنے نہیں دے گا اور کامیش سے میری علیحدگی کروا کر ہی دم لے گا وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے کامیش کے دل میں کبھی بھی جگہ بنانے نہیں دے گا۔'' آخر میں سونیا نے باقاعدہ رونا شروع کردیا تو ساحرہ نے سرعت سے اسے خود سے لگایا پھر غصے سے بولی۔
''وہ ہوتا کون ہے یہ سب کہنے والا' سونیا میری جان تم بالکل بھی فکر مت کرو فراز تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا' وہ گھٹیا انسان خود کو سمجھتا کیا ہے ہنہ اپنے بھائی کا گھر اجاڑتے ہوئے اسے ذرا بھی شرم اور غیرت نہیں آئی۔'' سونیا یہ سب کچھ سن کر دل ہی دل میں خوب مسرور ہوئی پھر اپنی ناک سوں سوں کرتے ہوئے بڑے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔
''آنٹی میں تو خود بے حد حیران ہوں کہ فراز بھلا اتنا گھٹیا اور سفاک کیسے ہوسکتا ہے' آخر وہ کیوں میرے اور کامیش کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔'' کمرے میں آ کر سمیر شاہ فراز کا نمبر ملا کر بڑی بے قراری سے اس کے فون پک کرنے کا انتظار کرنے لگے جب ہی کچھ ہی لمحوں بعد فراز شاہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ انتہائی بے صبری سے گویا ہوئے۔
''فراز کیا تم کراچی میں ہو؟'' سمیر شاہ کے استفسار پر فراز لمحہ بھر کو خاموش رہا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا۔ ''یس ڈیڈ میں کل صبح ہی کراچی پہنچ گیا تھا۔'' فراز کی نیند پوری طرح سے اڑ چکی تھی۔
''تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا اس طرح یوں اچانک تم لندن سے یہاں کیوں آ گئے؟''
''ڈیڈ میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ میں بہت جلد پاکستان آنے والا ہوں۔''
''ہاں وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر میری یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم نے مجھے انفارم کیوں نہیں کیا؟'' سمیر شاہ بے حد الجھ کر بولے تو فراز تھوڑا پزل سا ہوگیا اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ کس طرح لندن سے آناً فاناً بھاگ کر آیا ہے جب ہی بات بناتے ہوئے قدرے خوش گواری سے بولا۔
''ایکچولی ڈیڈ میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر وہاں سونیا کو دیکھ کر میں خود ہی سرپرائز ہوگیا۔'' آخری جملہ سنجیدگی سے بھرپور تھا۔ سمیر شاہ چند ثانیے کے لیے خاموش سے ہوگئے پھر دھیرے سے گویا ہوئے۔
''سونیا خود ہی کچھ دن پہلے گھر آ گئی ہے کامیش اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے مگر سونیا ہی اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے وہ کامیش کی غیر موجودگی میں گھر آئی ہے اب دیکھو کامیش سونیا کو یہاں دیکھ کر کیا ری ایکٹ کرتا ہے ویسے تو میں کامیش سے کہہ چکا ہوں کہ وہ سونیا کو ڈیوا اس دے دے اگر وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو مگر اب سونیا اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں...... پتہ نہیں یہ شاطر لڑکی اب کن مقاصد کے تحت اس گھر میں دوبارہ نازل ہوئی ہے۔'' سمیر شاہ سے تمام تفصیلات جان کر فراز نے استفسار کیا۔
''کامیش گھر پر نہیں ہے؟''
''وہ آج کل کسی مشن کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا ہے شاید آج کل میں آ جائے دیکھو پھر کیا ہوتا ہے؟'' وہ سہولت سے بولے پھر معاً کچھ یاد آنے پر شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوئے۔
''تم کل صبح گھر پر آئے تھے بیٹا اور تم نے اپنے ڈیڈ کو ایک فون کال کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔'' فراز خاموش کا خاموش رہ گیا۔ وہ جن حالات میں ماریہ کو یہاں لے کر پہنچا تھا وہ یقیناً اس کے لیے اعصاب شکن تھا پھر اپنے گھر میں دوبارہ سونیا کی موجودگی نے اس کے ذہن پر کافی منفی اثرات مرتب کیے تھے اس پر مستزاد ماریہ کی اپنے فلیٹ میں موجودگی اس کے دماغ کو اپ سیٹ کررہی تھی اتنا بڑا اقدم اس نے اپنے باپ کے بغیر رضامندی اور لاعلمی میں اٹھا کر اسے ان کے سامنے

چورسا بنادیا تھا۔ لہٰذا وہ چاہ کر بھی انہیں فون نہیں کرسکا تھا۔
''وہ ایکچولی ڈیڈ میں سونیا کی وجہ سے کافی ڈپریسڈ ہوگیا تھا بس اسی لیے......'' اتنا کہہ کر اس نے خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ دیا جب ہی سمیر شاہ کچھ سوچ کر بولے۔
''تم اس وقت ہو کہاں؟'' ڈیڈ کے استفسار پر وہ تھوڑا ہڑبڑایا پھر جلدی سے بولا۔ ''وہ ڈیڈ اس وقت تو میں اپنے ایک فرینڈ کے گھر پر ہوں میں تھوڑی دیر بعد آفس آ کر آپ سے ملتا ہوں اوکے۔''
''اوکے مائی سن میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' سمیر شاہ محبت بھرے لہجے میں بولے تو فراز شاہ نے مسکراتے ہوئے اللہ حافظ کہہ کر لائن ڈس کنکٹ کردی۔



ابرام کا ذہن ایک ہی بات سوچ سوچ کر اب بری طرح چکرانے لگا تھا جب سر پال اور میک کی زبانی اس نے یہ سنا کہ ماریہ کو کوئی دوسرا شخص سپورٹ کررہا تھا تو اس کا سارا دھیان فراز شاہ کی جانب نجانے کیوں چلا گیا مگر کب کیوں اور کیسے؟ وہ ان سوالوں کے جوابات ڈھونڈ نہیں پارہا تھا' اس نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں وہ بھی سر پال اور ان کے آدمیوں کے شک کے دائرے میں آ کر ان کی کڑی نگرانی میں نہ ہو اور اسی بنا پر اس کا سیل فون اور گھر کے فون کو بھی ٹیپ نہ کیا جارہا ہو لہٰذا اس نے فراز شاہ کا نمبر ہی نہیں ملایا بلکہ فراز کا نمبر ذہن نشین کرکے اس نے اپنے فون سے اس کا نمبر بھی ڈلیٹ کردیا تھا کہ مبادا وہ لوگ اس کا موبائل فون اس کے ہاتھ سے لے کر چیک ہی نہ کرلیں اسے یہ بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر ان لوگوں نے اس کی کالنگ ہسٹری نکلوالی تو بہت گڑبڑ ہوسکتی ہے ابھی وہ انہی باتوں کی بابت سوچ ہی رہا تھا کہ اسی دم ڈور بیل بجنے پر جیکولین تیزی سے اپنے کمرے سے باہر آئی اور جا کر دروازہ کھولا جیسے اسے پہلے سے ہی معلوم تھا کہ آنے والا کون ہے ایک بار پھر اعصاب کو خفیف سا جھٹکا لگا تھا وہ جیسکا کو ان دونوں کے ساتھ دیکھ کر اندر ہی اندر بری طرح پریشان ہوگیا تھا۔
''پال کچھ پتہ چلا ماریہ کا؟'' جیکولین نے استفسار کیا جواباً سر پال نے ایک نگاہ جیکولین پر ڈالی پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے۔
''تمہاری بیٹی ضرورت سے زیادہ چالاک اور ہوشیار نکلی جیکولین وہ یہ ملک چھوڑ کر جاچکی ہے۔'' ابرام اور جیکولین کو گویا ہزار والٹ کا کرنٹ لگا...... جیکولین نے انتہائی تحیر کے عالم میں انہیں دیکھا۔
''کک...... کیا...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو پال؟ یہ بھلا کیسے ممکن ہے ماریہ ایسا کیسے کرسکتی ہے وہ ملک چھوڑ کر اکیلے کیسے جاسکتی ہے؟'' اس پل جیکولین کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ابرام تیزی سے ماں کے قریب آ کر انہیں سنبھالنے لگا تھا۔
''ہمارے ذرائع نے ہر اس جگہ ماریہ کو ڈھونڈا ہے جہاں اسے ہونا چاہیے تھا اب اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ وہ اس شہر تو کیا اس ملک کو بھی چھوڑ کر فرار ہوچکی ہے۔'' کہتے ہوئے میک کا لہجہ آخر میں انتہائی زہر آلود ہوگیا تھا۔
''اور جیکولین وہ اکیلے یہاں سے نہیں بھاگی ہوگی کوئی اور بھی تھا جو یہیں اس کے ساتھ تھا جس نے اس کی ہر طرح سے مدد کی۔'' سر پال کی گمبھیر آواز پر ابرام اور جیکولین کے دل کی دھڑکنیں اس پل بے ترتیب سی ہوگئیں۔
''اچھا یہ بتاؤ ابرام تمہیں اپنی بہن پر کبھی بھی شک نہیں ہوا کہ وہ کس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث ہے اور وہ کیا کچھ کرتی پھررہی ہے۔'' سر پال اس سے استفسار کرتے ہوئے بولے تو ایک پل کے لیے ابرام سن ہوگیا پھر اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل بناتے ہوئے بولا۔

''مجھے یہ معلوم تو تھا کہ وہ ڈسٹرب ہے مگر اصل بات اس نے مجھے کبھی نہیں بتائی میں پہلے تو یہی سمجھتا رہا کہ وہ ولیم سے شادی ہونے پر خوش نہیں ہے مگر منگنی ٹوٹنے کے بعد بھی جب وہ اپ سیٹ رہی تب مجھے یہی لگا کہ وہ شاید کسی اور کو پسند کرتی ہے اور اسی بدولت وہ اتنی ڈپریسڈ ہوگئی ہے۔''

''تو تمہیں واقعی نہیں معلوم تھا کہ ماریہ نے مذہب اسلام فالو کرنا شروع کردیا تھا۔'' انہوں نے بڑا جما کر سوال داغا تو ابرام ہنوز لہجے میں گویا ہوا۔

''مجھے اگر ذرا بھی اندازہ ہوجاتا تو میں فوراً مام کو بتا دیتا میں ماریہ کو اتنی سنگین غلطی کرنے کی اجازت کبھی نہیں دیتا۔'' یہ سب کہتے ہوئے اس نے جیسکا کی جانب دیکھنے سے گریز کیا جب ہی جیسکا کی آواز ابھری۔

''ابرام بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے اس کے تو فرشتوں تک کو خبر نہیں تھی کہ ماریہ یہ قدم اٹھا چکی ہے۔'' جیسکا بڑی خود اعتمادی سے بول رہی تھی جب ہی جیکولین بھی درمیان میں بول اٹھی۔

''پال ابرام کو ہرگز علم نہیں تھا ورنہ وہ سب سے پہلے مجھے بتاتا۔'' اس پل ابرام جیکولین کو دیکھ کر رہ گیا۔



فراز سمیر شاہ سے ملاقات کر کے ان کے آفس سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسی پل اس کا سیل فون بج اٹھا۔ سمیر شاہ کی کوئی خاص میٹنگ ہونے کی وجہ سے فراز سمیر شاہ کو کسی ضروری کام کا بتا کر خود بھی وہاں سے چلا آیا جب کہ سمیر شاہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کانفرنس روم میں چلے گئے تھے۔ فون اسکرین پر زرینہ کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس نے سہولت سے فون پک کیا۔

''ہیلو زرینہ کیسی ہو؟'' فراز خوش دلی سے گویا ہوا جبکہ زرینہ فراز کی بات کو نظر انداز کر کے فوراً سے پیشتر بولی۔

''فراز بھائی آپ پاکستان کب آرہے ہیں؟'' اس وقت زرینہ نے فراز کے واٹس ایپ پر کال کی تھی وہ سمجھ رہی تھی کہ فراز ابھی بھی لندن میں ہی ہے فراز زرینہ کی بات پر بے ساختہ مسکرا اٹھا پھر بڑی دلکشی سے بولا۔

''گڑیا میں پاکستان پہنچ گیا ہوں۔'' فراز کی بات پر زرینہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی پھر بے یقین لہجے میں گویا ہوئی۔

''سچ فراز بھائی، کیا واقعی آپ کراچی آگئے ہیں مجھ سے مذاق تو نہیں کررہے ناں۔''

''میں واقعی کراچی پہنچ گیا ہوں اور اس وقت اپنے آفس کے باہر کھڑا ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا تو زرینہ تیزی سے گویا ہوئی۔

''او...... اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے فراز بھائی شکر ہے کہ آپ پاکستان آگئے لالہ آپی کے ساتھ بہت بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔'' زرینہ کا یہ جملہ جب اس کی سماعت سے ٹکرایا تو اسی پل فراز کا دل جیسے ڈوب سا گیا۔

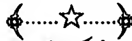
''اللہ خیر کرے...... زرینہ کیا ہوا لالہ رخ کے ساتھ۔'' وہ بے پناہ پریشان ہو کر استفسار کرتے ہوئے بولا تو زرینہ اسے تیزی سے بتاتی چلی گئی جب کہ یہ سب سن کر فراز کو اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یہ...... یہ......! تم کیا کہہ رہی ہو زرینہ مہرو کہاں غائب ہوگئی اور وہ بٹو...... وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔'' اس لمحے یہ سب بولتے ہوئے خود فراز کو اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہوئی جبکہ نگاہوں میں بٹو کا سراپا گھوم گیا۔

''جی فراز بھائی بٹو کو کسی نے بڑی بے دردی سے قتل کردیا اور مہرو کا اب تک کچھ بھی پتہ نہیں چل سکا اور وہاں پولیس والے لالہ آپی سے طرح طرح کے سوالات کر کے انہیں مزید پریشان کررہے ہیں۔'' یہ سب بتاتے ہوئے زرینہ باقاعدہ رو رہی تھی تو فراز شاہ کی بھی آنکھیں نم ہوگئی تھیں ان اندوہناک خبروں نے اس کے دل کو گہرے صدمے سے دوچار کردیا تھا۔

''فراز بھائی آپ پلیز فوراً وہاں جایئے ان لوگوں کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ زرتاشہ بھی بے پناہ پریشان اور ہراساں ہے ان بے چاری لڑکیوں کے ساتھ تو کوئی مرد بھی نہیں ہے۔'' زرمینہ گلوگیر لہجے میں بولی تو فراز تیزی سے گویا ہوا۔

''میں جلد سے جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں زری بس تم دعا کرنا کہ مہروجہاں کہیں بھی ہو زندہ سلامت ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے تیزی سے لائن کاٹی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔



داور حبیب بٹو کو قتل کرنے کے بعد وہاں سے فوراً رفو چکر ہوگیا تھا البتہ مہرو کے پیچھے اس کے خاص بندے لگے ہوئے تھے وہ فی الفور مری چھوڑ کر ایبٹ آباد چلا آیا تھا کیونکہ اسے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ آن واحد میں پوری وادی وہاں اکٹھی ہوجائے گی اور پھر پولیس بھی وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائے گی وہ ایبٹ آباد اپنے دوست کے گھر آ گیا تھا۔ مہرو کو اپنے ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر اس وقت وہ غصے سے تلملا رہا تھا۔ وہ تو مہرو کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر گولیوں کی آوازیں سن کر کوئی بھی وہاں آ سکتا تھا لہٰذا مہرو کو پکڑنے کے بجائے اس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت جانی تھی مگر اب وہ اندر ہی اندر بری طرح پیچ وتاب کھا رہا تھا جبکہ اس کے بندوں سے بھی اس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا جو مہرو کے پیچھے دوڑے تھے۔

''او داورے اب ٹھنڈا ہوجا آخر کیوں ہلکان ہوئے جا رہا ہے وہ کڑی آج نہیں تو کل تیری بانہوں میں ضرور ہوگی ارے بھلا آج سے پہلے بھی کوئی لڑکی تیرے شکار سے بچی ہے جو وہ بچ کر نکل جائے گی۔'' نشے میں دھت اس کا عیاش دوست داور سے بولا جو مسلسل تلملاہٹ اور جھنجلاہٹ میں مبتلا تھا۔

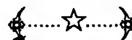
''تجھے معلوم نہیں جہانگیرے اس لڑکی نے مجھے کتنا تڑپایا ہے وہ سالی تو میرے ہاتھ لگ ہی گئی تھی مگر نجانے کہاں سے وہ کمینہ بٹو درمیان میں آ کر سارا کھیل ہی بگاڑ گیا اور اپنی جان سے بھی گیا۔'' آخر میں داور کا لہجہ حقارت وتنفر سے لبریز ہوگیا وہ اتنے عرصے سے مہرو پر اپنی نگاہیں گاڑھے بیٹھا تھا اب جو سنہری موقع اس کے ہاتھوں سے یوں نکلا تو وہ بے پناہ جھنجلا کر رہ گیا تھا۔

''چل اب چھوڑ اپنا خون مت جلا جو ہوگیا سو ہوگیا البتہ تو ابھی مری مت جانا وہاں تو اس لڑکی کے غائب ہوجانے کا شور مچا ہوگا اور دوسرا وہ کیا نام ہے اس چھوکرے کا جو تیرے ہاتھوں ضائع ہوا۔'' کہتے ہوئے جہانگیر نے آخر میں اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے داور سے استفسار کیا تو داور منہ بنا کر بولا۔

''بٹو......'' جس پر جہانگیر نے تیزی سے کہا۔

''ہاں......ہاں بٹو اب اس کے قتل کی بھی تفتیش پولیس کر رہی ہوگی ایویں میں تو نظروں میں نہ آ جائے۔''

''میں بھلا کیوں نظروں میں آؤں گا میں ملک دلاور کا بیٹا ہوں کوئی بھی اتنی آسانی سے میرے گریبان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا اگر میں بٹو جیسے دس بندے اور بھی قتل کردوں ناں تب بھی پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' وہ بے حد تنفر وتحقیر آمیز لہجے میں بولا تو جہانگیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں ہی عافیت جانی۔



حورین آج کل بہت خوش تھی وہ بہت شوق وذوق سے باسل کی منگنی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ آج بہت دنوں بعد وہ خاور حیات کے ہمراہ ساحرہ اور سمیر شاہ کے گھر آئی تھی اس وقت وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے جب ہی حورین نے ساحرہ سے بالکل نارمل انداز میں استفسار کیا۔

’’بھابی فراز کے کیا حال ہیں کب آرہا ہے وہ لندن سے۔‘‘ فراز کے نام پر ساحرہ کے مسکراتے لب یک دم بھینچ گئی جب کہ سمیر شاہ بھی تھوڑا چپ سے ہوگئے جبکہ حورین روانی میں بولی۔
’’میرے خیال میں اب آپ فراز کے لیے بھی کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کر اس کی بھی شادی کردیں۔ ماشاء اللہ بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا فراز۔‘‘ ساحرہ کے چہرے کے بگڑتے عضلات اس پل خاور حیات کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے جو حورین کی بات پر بار بار اپنی جگہ پہلو بدل رہی تھی۔
’’فراز دو دن پہلے ہی پاکستان واپس آگیا ہے بھابی۔‘‘ سمیر شاہ ساحرہ کو بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولے تو ساحرہ نے بے اختیار سمیر شاہ کو خاصی ناگوار نگاہوں سے دیکھا۔
’’یہ تو بہت اچھی خبر سنائی آپ نے بھائی صاحب‘ فراز پاکستان آگیا ہے تو وہ بھی باسل کی انگیج منٹ کا فنکشن اٹینڈ کرے گا۔‘‘ حورین بے حد ایکسائٹڈ ہوکر بولی کہ اسی دم سونیا فریش سے حلیے میں اندر داخل ہوئی اور سب کو بڑی گرم جوشی سے سلام کرکے ساحرہ کے ساتھ بیٹھ گئی‘ آج وہ حورین کو کافی مختلف لگ رہی تھی شاید اس کی وجہ اس کا مشرقی حلیہ تھا ورنہ تو وہ زیادہ تر مغربی لباس ہی زیب تن کیے رہتی تھی۔
’’سونیا آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔‘‘ حورین نے سادگی سے اس کی تعریف کی تو ساحرہ نے بڑے اٹھلا کر سونیا کو خود سے لگا کر کہا۔
’’میری بھتیجی تو ہے ہی لاکھوں میں ایک۔‘‘ اسی لمحے ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی اندر لایا تو سونیا اس جانب متوجہ ہوگئی۔ سب کو چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات سرو کرکے وہ جب اپنی جگہ پر بیٹھی تو حورین مسکرا کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔
’’میں تو چاہتی ہوں کہ عنایہ جلد از جلد میرے گھر بہو بن کر آجائے مگر ابھی باسل کی اسٹڈیز کمپلیٹ نہیں ہوئی۔‘‘ سونیا عنایہ اور باسل کے درمیان طے ہونے والے رشتے کی بابت جان چکی تھی‘ جب ہی اس پل وہ مصنوعی خوش اخلاقی سے بولی۔
’’عنایہ آپ کے لیے بہت اچھی ثابت ہوگی۔‘‘ جس پر حورین نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا پھر کچھ یاد آنے پر سمیر شاہ سے مخاطب ہوکر بولی۔
’’بھائی صاحب آپ فراز سے ضرور کہہ دیجیے گا کہ وہ فنکشن میں لازمی آئے ورنہ میں اس سے ناراض ہوجاؤں گی۔‘‘
’’آنٹی فراز آپ کی گڈ بک میں ہے کیا؟‘‘ سونیا کے چہرے کے تاثرات فراز کے نام پر یک دم ناگوار ہوئے تھے۔
’’آف کورس فراز تو میرا فیورٹ بیٹا ہے۔‘‘ حورین نے مگن سے انداز میں کہا تو یک دم سونیا تیزی سے اٹھی اور بے حد رکھائی سے بولی۔
’’ایکسکیوزمی مجھے کچھ کام ہے۔‘‘ دوسرے پل وہ وہاں سے چلی گئی جبکہ خاور اور حورین اندر ہی اندر الجھ سے گئے۔



مہرو کا اب تک کچھ بھی پتہ نہیں چل سکا تھا‘ انسپکٹر عالم دوبارہ لالہ رخ سے ملنے آیا اور اس سے وہی الٹے سیدھے سوالات کرکے چلا گیا تھا جن کے جوابات شاید کسی کے بھی پاس نہیں تھے۔ محلے کی عورتیں مہرو کے یوں غائب ہوجانے پر چہ میگوئیاں کررہی تھیں۔
’’اتنی بارش میں آخر مہرو اس چوٹی پر کیا کرنے گئی تھی؟‘‘ ایک عورت دبی دبی آواز میں بولی تھی تو دوسری عورت سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوئی۔
’’اللہ ہی جانے کہیں خودکشی تو نہیں کرنے گئی تھی وہ چوٹی تو بہت خطرناک ہے مگر وہ خودکشی کرنے ہی کیوں گئی بھلا‘ ایسا اس کے ساتھ ہوا کیا تھا؟‘‘

''پتہ نہیں ویسے ماں بھی اچانک مرگئی تھی نجانے کون سا صدمہ پہنچا تھا اسے' اس کے بعد سے تو وہ سب سے منہ چھپائے گھر میں پڑی رہتی تھی ورنہ تو پوری وادی میں شتر بے مہار کی طرح اِدھر اُدھر گھومتی رہتی تھی۔'' لالہ رخ کے کانوں میں پڑتی بھانت بھانت کی آوازوں نے اسے بے پناہ وحشت زدہ کردیا تھا وہ بٹو کے گھر سے اٹھی جہاں قرآن خوانی کا اہتمام تھا پوری وادی میں مہرو کے ہی کردار کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا وہ زندہ ہے یا مرگئی اس بات کی پروا کسی کو نہیں تھی' بس تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر سب یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ وہاں کیا کرنے گئی تھی۔ لالہ رخ روتے ہوئے بٹو کے گھر سے نکلی تھی اس لمحے نہ اس پر سرد ہواؤں کی چبھن اثر انداز ہورہی تھی نہ خون کو منجمد کردینے والی سردی کی خنکی اس کے اندر تو بس آگ ہی آگ تھی جو سب کچھ بھسم کیے دے رہی تھی۔ چلتے ہوئے وہ یک دم کسی مضبوط وجود سے ٹکرائی تھی پھر دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے اس سے الگ ہوئی تو دھندلائی آنکھوں کے اس پار اسے فراز شاہ دیکھائی دیا۔

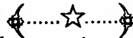
''فراز......!'' لالہ رخ کے منہ سے اس کا نام گھٹی گھٹی چیخ کی طرح نکلا پھر دوسرے ہی پل وہ فراز شاہ کے کشادہ سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ''سب کچھ ختم ہوگیا فراز سب تباہ و برباد ہوگیا ہم لٹ گئے فراز مہرو نجانے کہاں چلی گئی' بٹو مرگیا ہماری عزت خاک میں مل گئی سب ختم ہوگیا۔'' وہ زار و قطار روتے ہوئے بولے جارہی تھی۔

''حوصلہ کرو لالہ اب میں آ گیا ہوں ناں' سب ٹھیک ہوجائے گا تم بالکل فکر مت کرو سب ٹھیک ہوجائے گا ہم دونوں مل کر اپنی مہرو کو ڈھونڈ لیں گے۔'' مہرو کے نام پر اس نے تیزی سے اس کے سینے سے سر اٹھا کر بڑی بے تابی سے استفسار کیا۔

''فراز مہرو ہمیں مل جائے گی ناں وہ...... وہ زندہ ہے ناں؟'' اس لمحے اس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کے رنگوں کے ساتھ ساتھ آس و امید کی روشنی بھی جھلکی تھی۔

''ہاں لالہ وہ زندہ ہے ہماری دعائیں اسے کچھ بھی نہیں ہونے دیں گی کیا تمہیں اپنے اللہ پر بھروسہ نہیں؟''

''ہے فراز...... مجھے اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو فراز ہم سب کی دعائیں مہرو کو کچھ بھی نہیں ہونے دیں گی۔'' لالہ رخ تیزی سے بولی تھی۔



ابرام اپنے آفس سے جونہی باہر نکلا سامنے ہی جیسکا اسے کھڑی دکھائی دی وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہر سا گیا پھر کچھ سوچ کر وہ سہولت سے چلتا ہوا اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔ اس پل وہ ڈیپ ریڈ اوور کورٹ میں اپنے ہونٹوں پر ریڈ ہی لپ اسٹک لگائے جبکہ سر پر بلیک کیپ پہنے اسے بڑی خاص نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ابرام میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں کیا ہم کہیں چل کر بیٹھ سکتے ہیں؟'' کوئی اور وقت ہوتا تو ابرام ایک ہی لمحے میں اسے انکار کر کے چلتا بنتا مگر اب ایسا کرنے سے قاصر تھا اس نے پل بھر کو کچھ سوچا پھر اوکے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اس وقت وہ اسی مخصوص کافی شاپ میں بیٹھے تھے جہاں وہ اکثر و بیشتر آیا کرتے تھے۔ کافی کا آرڈر دے کر جیسکا سہولت سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں جانتی ہوں ابرام تمہارے دماغ میں مجھے لے کر بہت سے سوالات اٹھ رہے ہوں گے کہ میں میک اور سرپال کے ساتھ جیکولین آنٹی کے آفس کیوں آئی پھر اس دن ان دونوں کے ساتھ تمہارے گھر بھی آئی۔'' ابرام اسے خاموشی سے دیکھے گیا جو مزید کہہ رہی تھی۔ ''ایکچولی ابرام ان لوگوں نے مجھے بہت بری طرح ٹریپ کرلیا تھا میک کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ میں ماریہ کی بیسٹ فرینڈ ہوں سرپال اور میک نے ہی مجھے مجبور کیا کہ میں ماریہ کے خلاف کوئی ثبوت ڈھونڈوں میں نے اپنی جان بچانے کے لیے بظاہر ان کے آگے حامی بھرلی مگر میں ماریہ کی حفاظت کرتی رہی۔'' جیسکا اپنے تئیں اسے پورا احمق بنارہی تھی جب کہ ابرام دل میں استہزائیہ انداز پر اس پر ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے بے وقوف بنا کر تم یقیناً خود کو بہت ہوشیار اور چالاک سمجھ رہی ہو جیسکا...... مگر حقیقت تو یہ ہے کہ تم ہی سب سے بڑی الو اور احمق بن گئیں۔"

"میں نے ہی ماریہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ جلد سے جلد یہاں سے نکل جائے ورنہ سر پال اور میک اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ زمانے بھر کی مظلومیت اپنے لہجے میں طاری کر کے کہہ رہی تھی جب ہی ابرام نے استفسار کیا۔

"کیا ماریہ جانتی تھی کہ تم بظاہر ان لوگوں سے مل گئی ہو؟" اس لمحے ابرام نے اپنے چہرے پر مصنوعی حیرت طاری کی۔

"نہیں ابرام...... میں نے اسے یہ نہیں بتایا ورنہ وہ اور زیادہ پریشان ہو جاتی۔"

"اچھا تو پھر ماریہ نے تم سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ تمہیں یہ کیسے معلوم کہ سر پال اور میک اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے؟" ابرام پُرسکون لہجے میں بولا تو جیسکا لمحہ بھر کے لیے گڑبڑائی پھر دوسرے ہی پل خود اعتمادی سے بولی۔

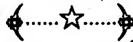
"ابرام یہ بات تو کنفرم تھی ناں کہ اگر ماریہ اسلام نہیں چھوڑتی تو میک اور سر پال یقیناً اسے موت کی سزا دیتے۔" جیسکا کی تاویل پر ابرام نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تو وہ کچھ پُرسکون ہوئی پھر تیزی سے بولی۔

"اچھا ہوا ابرام وہ یہاں سے چلی گئی ویسے وہ گئی کہاں ہے؟" اسی دوران ویٹر کافی لا چکا تھا' جیسکا کافی کا سپ لیتے ہوئے بظاہر لاپروائی سے بولی تو ابرام نے اسے بغور دیکھا پھر اطمینان سے بولا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں مجھے تو کچھ نہیں پتہ ان فیکٹ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ کون شخص ہے جس کی مدد سے وہ یہاں سے نکلی ہے۔" جیسکا جس طرح کرید کرید کر اس سے پوچھ رہی تھی اس سے ابرام صاف سمجھ گیا کہ میک اور سر پال نے ہی جیسکا کو یہ سب پوچھنے کے لیے بھیجا ہے۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ ماریہ اور وہ شخص ایک بار میری نگاہوں کے سامنے آ جائیں تو میں انہیں شوٹ کر دوں' آج صرف ماریہ کی وجہ سے مام کس قدر ذہنی اذیت کا شکار ہیں' ان کا بی پی بھی بہت بڑھ گیا ہے' کتنی خود غرض ہے ماریہ جس نے اپنی ماں کے بارے میں ایک بار بھی نہیں سوچا۔" ابرام انتہائی ناگواری سے بول رہا تھا۔



ساحرہ اندر ہی اندر بری طرح کلس رہی تھی حورین کی زبان سے فراز کا نام سن کر سونیا کا موڈ اچھا خاصا آف ہو گیا تھا۔ ساحرہ یہ کب گوارا کرتی کہ اس کی لاڈلی بھتیجی کا موڈ کسی وجہ سے خراب ہو لہٰذا اب وہ حورین کو برا بھلا کہہ رہی تھی سمیر شاہ نے ایک نگاہ اس عاقبت نااندیش عورت کو دیکھا جو آج خود اپنے ہی بیٹے کی دشمن بن گئی تھی انہوں نے انتہائی تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے تو کبھی کبھی تم پر شک ہونے لگتا ہے کہ فراز تمہارا سگا بیٹا بھی ہے یا نہیں۔" سمیر شاہ کی اس بات پر ساحرہ کے ماتھے پر ان گنت شکنیں نمودار ہوئیں وہ ناگواری سے اپنی دونوں ابرو اچکا کر بولی۔

"ہاں...... ہاں...... نہیں ہے وہ میرا بیٹا اور نہ ہی میں اس کی ماں ہوں' ہاں مجھے تو اب صرف اس بات پر افسوس ہی ہوتا ہے کہ فراز میرا بیٹا ہے ہی کیوں؟"

"ساحرہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ تم بار بار فراز کے کردار کو کیوں رگید رہی ہو؟ ارے کیسی سفاک ماں ہو تم جسے اپنی اولاد پر بھروسہ نہیں بلکہ تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو واقعی فراز تمہارا بیٹا نہیں ہے تم کون سا اسے اس دنیا میں لانے کی خواہش مند تھیں تمہیں ہمیشہ ہی میرے بیٹے سے بیر تھا۔" سمیر شاہ اس پل پھٹ پڑے ساحرہ سونیا کی محبت میں نجانے فراز کو کیا کچھ کہتی رہتی تھی مگر اب سمیر شاہ کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ اپنے بے گناہ اور معصوم بیٹے کے کردار کی دھجیاں اڑتے

بھلا وہ کب تک دیکھ سکتے تھے۔ ساحرہ نے انتہائی بھونچکا ہو کر سمیر کو آگ بگولہ ہوتے دیکھا مگر اس نے بھی بھلا ہار ماننا کب سیکھا تھا فوراً کمر کس کر میدان میں اتر آئی۔

"ہاں میں نہیں چاہتی تھی فراز کو اس دنیا میں لانا اگر آج وہ اس دنیا میں آیا ہی نہیں ہوتا تو ہمیں یہ دن تو نہیں دیکھنا پڑتا۔" سمیر شاہ نے ساحرہ کو بے حد ملامتی نگاہوں سے دیکھا پھر اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر بے حد سختی سے بولے۔

"اگر فراز اس دنیا میں نہ آتا تو تم بھی آج میرے سامنے موجود نہیں ہوتیں، نکال دیتا میں تمہیں اپنی زندگی سے تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا' سنا تم نے ساحرہ۔" ساحرہ جو بڑی تن کر اس پل سمیر کے آگے کھڑی تھی سمیر کے لہجے کی بے پناہ بےزاری و ناگواری اور اس کے نوکیلے لفظوں کی کاٹ محسوس کر کے ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم میرے والدین کا غلط انتخاب ثابت ہوئیں ساحرہ مگر صرف اپنے بیٹے فراز کی خاطر میں نے تمہارے وجود کو برداشت کیا' تم ہمیشہ میرے اعصاب کا امتحان بنی رہیں مگر صرف اپنے بچوں کی خاطر میں تمہاری ہر بات کو ضبط کرتا گیا اور شاید تم نے میری اسی خاموشی کو میری کمزوری سمجھا' میں اپنے بچوں کو ایک صحت مند ماحول فراہم کرنا چاہتا تھا اسی لیے میں تمہاری ہر جائز ناجائز مانتا رہا اور تم کھل کر اپنی من مانیاں کرتی رہیں مگر اب نہیں ساحرہ...... اگر کسی نے بھی میرے بیٹے فراز کے کردار پر انگلی اٹھانے کی کوشش بھی کی ناں تو میں اس کی جڑیں کاٹ کر پھینک دوں گا سنا تم نے۔" سمیر شاہ شدید اشتعال کے عالم میں بولتے چلے گئے پھر واپس جانے کے لیے مڑے کہ معاً کچھ یاد آنے پر دوبارہ ساحرہ کی جانب پلٹ کر بولے۔ "اور یہ بات تم اپنی بھتیجی کو بھی اچھی طرح سمجھا دینا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئے جبکہ سانس روکے ساحرہ بے دم ہو کر بستر پر گر سی گئی۔



فراز شاہ لالہ رخ کے گھر موجود کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا جب کہ امی لالہ رخ اور زرتاشہ بھی اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں گم تھیں۔ سردی اپنے جوبن پر تھی' مگر اس گھر کے مکین شاید ہر احساس سے عاری ہو گئے تھے مہرو کی گمشدگی نے ان لوگوں کو پوری طرح سے توڑ کر رکھ دیا تھا جب کہ لالہ رخ کا دکھ تو دہرا تھا اپنے بھائی جیسے معصوم دوست بٹو کی تکلیف دہ موت نے اسے شدید صدمے سے دوچار کر دیا تھا۔

"انسپکٹر عالم سے میں نے تفصیلاً بات کی ہے اب وہ لالہ رخ سے کوئی الٹے سیدھے سوالات نہیں کرے گا اس نے یہ یقین دلایا ہے کہ وہ جلد از جلد مہرو کو ڈھونڈ نکالے گا۔" بہت دیر بعد فراز ان سب سے مخاطب ہو کر بولا تو امی نے انتہائی چونک کر فراز کو دیکھا' زرتاشہ بھی محض خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی جب کہ لالہ رخ قالین پر ہنوز گھٹنوں میں سر دیئے یونہی بیٹھی رہی۔

"آج چار دن ہو گئے مہرو کو لاپتہ ہوئے نجانے وہ کس حال میں ہو گی یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے' اس سب کی ذمہ دار صرف اور صرف میں ہوں آج میری وجہ سے مہرو ان حالوں میں پہنچی ہے۔" کہتے ہوئے امی یک دم ہذیانی سی ہو گئیں' تو لالہ رخ نے سرعت سے اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا اور تیزی سے اٹھ کر امی کے پاس آئی۔

"امی پلیز اپنے آپ کو سنبھالیے آپ کیوں خود کو قصوروار ٹھہرا رہی ہیں ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا......" لالہ رخ ان کے سرد ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے نرمی سے بولی تو وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"نہیں لالہ اگر میں مہرو کو سہی وقت پر سچائی بتا کر اسے پیار سے سمجھاتی تو وہ یقیناً سمجھ جاتی' ارے وہ تو بہت عقل مند بچی تھی وہ ہماری مجبوریوں کو بھی سمجھ جاتی اپنے بے شناخت ہونے کا غم اسے اندر ہی اندر چاٹتا رہا' لالہ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ آدھا سچ پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے نجانے وہ اپنی ذات کو لے کر کیا کچھ سوچتی رہی اور میں یہ سوچ

سوچ کر ڈرتی رہی کہ اگر مہرو کو میں نے حقیقت بتادی تو کوئی دوسری آفت کھڑی نہ ہوجائے مگر اس سے بڑی افتاد تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی جس نے ہمیں تباہ و برباد کردیا ہمیں زندہ درگور کردیا۔'' بولتے ہوئے وہ آخر میں بلک بلک کر رونے لگیں تو فراز نے انہیں انتہائی بے بس نگاہوں سے دیکھا' زرتاشہ اور لالہ رخ مسلسل انہیں سنبھالنے کی کوشش کررہی تھیں مگر وہ تو بکھری جارہی تھیں۔



سمیر شاہ نے کافی عرصے کا بوجھ آج خاور حیات اور حورین کے سامنے عیاں کردیا تھا' اپنی کتھا سنا کر وہ مضمحل اور نڈھال سے صوفے پر بیٹھے تھے' خاور اور حورین یہ سب سن کر جیسے شاکڈ کی کیفیت میں مبتلا ہوگئے تھے خاور یہ تو جانتا تھا کہ ساحرہ ایک آزاد منش عورت ہے جو صرف اپنی مرضی کی لائف گزارنا چاہتی ہے اس نے پوری زندگی سمیر کو صرف ذہنی کوفت و بے سکونی سے دوچار کیا ہے مگر وہ ایک ماں ہوکر اپنے ہی سگے بیٹے کے خلاف اس حد تک جاسکتی ہے یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا بہرحال یہ سب سن کر اسے دلی افسوس ہوا' فراز کے کردار کی گواہی اپنے تو کیا غیر بھی ببانگ دہل دیتے تھے جب کہ اس کی خود کی سگی ماں نے اسے معیوب ٹھہرا کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا حورین کی تو آنکھوں سے باقاعدہ آنسو جاری ہوگئے فراز اسے اپنے باسل کی طرح ہی عزیز تھا۔

''میرا بیٹا اتنے عرصے بعد اپنے گھر آیا مگر اس شاطر سونیا نے نجانے کیا کچھ کہہ کر اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا۔'' سمیر شاہ اس پل بے حد ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تو خاور حیات نے ایک گہرا سانس بھر کر اپنا ہاتھ سمیر کے کندھے پر رکھا پھر نرمی سے بولا۔

''سمیر یار حوصلہ کرو میں نے ہمیشہ تمہیں ہر طرح کے نامساعد حالات کے سامنے ڈٹے دیکھا ہے' تم اس طرح کمزور نہیں پڑسکتے۔ یار خود کو سنبھالو ساحرہ بھابی کی آنکھوں میں سونیا نے بڑی چالاکی سے دھول جھونکی ہے' اسی لڑکی نے ماں کو بیٹے کے خلاف کردیا ہے۔'' خاور کی بات پر سمیر تیزی سے بولا۔

''جو بھی ہے خاور مگر اب میں اپنے بیٹے کو مزید کسی اذیت اور تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا وہ گھر صرف اس کا ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ کوئی اسے وہاں آنے سے روکے۔'' حورین نے ایک نگاہ سمیر شاہ کو دیکھا پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

''بے شک بھائی صاحب وہ گھر فراز کا ہے مگر جب تک سونیا اس گھر میں موجود ہے وہاں فراز کا ہونا فی الحال ٹھیک نہیں کیونکہ وہ لڑکی پہلے کی طرح پھر اس پر کوئی جھوٹا الزام لگا کر اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کرسکتی ہے۔''

''حورین بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے سمیر یقیناً سونیا دوبارہ بھی ویسا ڈرامہ کرکے فراز کو کامیش اور ساحرہ کی نگاہوں سے گرانے کی کوشش کرے گی۔''

''مگر خاور......'' خاور کی بات پر سمیر شاہ نے کچھ کہنا چاہا جب ہی خاور سمیر کی بات درمیان میں سے ہی اچک کر بولا۔

''سمیر عورت ذات سے یوں لڑ کر جیتا نہیں جاسکتا اور اگر مقابل سونیا جیسی عیار اور مکار عورت ہو تو اسے مات دینے کے لیے بہت محتاط انداز اپنانا پڑتا ہے۔'' سمیر شاہ نے خاور حیات کی بات توجہ سے سنی تھی۔



باسل حیات نے بالآخر احمر اور عدیل کو اپنی عنایہ کے ساتھ انگیج منٹ کی بابت بتا ہی دیا' اب وہ دونوں اس سے سخت ناراض ہوکر اسے بے نقط سنا رہے تھے۔

''باسل یار بہت افسوس ہے تیرے اوپر ارے اگر تیرے جیسے دوست ہوں تو دشمنوں کی ضرورت نہ پڑے۔'' احمر اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تاسف سے بولا تو باسل قدرے بےزاری سے گویا ہوا۔

''اس میں بھلا دشمنی والی کون سی بات ہے۔''
''تو دوستوں والی بات بھی نہیں ہوئی ناں۔'' عدیل چہک کر بولا پھر مزید گویا ہوا۔'' بلکہ باسل تو ایسا کرتا منگنی سے ایک دن پہلے ہمیں انوائیٹ کرتا یہ کہہ کر کہ گائز میری کل منگنی ہے اگر فری ہو تو آ جانا۔'' آخر میں عدیل نے باسل کے لہجے کی نقل اتاری تھی۔
''واہ...... باسل واہ...... خوب اچھی دوستی نبھائی تو نے۔'' احمر ہنوز لہجے میں بولا تو باسل جلدی سے کہنے لگا۔
''اچھا اب تم دونوں بعد میں لعن طعن کر لینا پہلے کینٹن چلو آج میں نے ناشتہ نہیں کیا یار۔'' پھر وہ تینوں کینٹین کی جانب بڑھ گئے کیفے میں بیٹھ کر عدیل جب چائے اور دیگر لوازمات لینے وہاں سے اٹھ کر گیا تب ہی احمر سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں گویا ہوا۔
''باسل کیا تم عنایہ سے کمیٹڈ ہو کر خوش نہیں ہو۔'' باسل جو اس پل نجانے کس خیال میں گم تھا یک دم چونک کر احمر کو دیکھنے لگا جو بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''نہ...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''
''ایک تو مجھے تمہاری یہ عادت بہت بری لگتی ہے باسل کہ تم اپنے دل کی بات کسی سے بھی شیئر نہیں کرتے تم مجھے تو بتا سکتے ہو یار۔''
''جب کوئی بات ہی نہیں ہے تو پھر تمہیں کیا بتاؤں؟'' وہ ایک گہری سانس بھر کر بولا تو چند ثانیے احمر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔
''تو پھر تم اتنے بجھے بجھے سے کیوں ہو؟'' باسل نے سر اٹھا کر احمر کو دیکھا پھر اپنے مخصوص انداز میں لاپروائی سے بولا۔
''احمر تم شکی ہونے کے ساتھ ساتھ اب وہمی بھی ہو گئے ہو میرا مشورہ ہے کہ تم فوراً اپنا علاج کروالو ورنہ تمہاری بیوی کے تو نصیب پھوٹ جائیں گے۔''
''کس کے نصیب پھوٹ جائیں گے یارو۔'' اسی دم عدیل ٹرے ہاتھ میں لیے وہاں وارد ہوا تو باسل ہر خیال سے سر جھٹک کر ان دونوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو گیا۔



زرمینہ بے حد اداس اور مضمحل سی ٹیرس پر بیٹھی تھی جب ہی وہاں اس کے بھائی نے زرمینہ کو بالکل چپ اور گم صم سا بیٹھا دیکھا تو وہ بھی خاموشی سے اس کے ساتھ رکھی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تو زرمینہ اپنے دھیان سے چونک اٹھی پھر جلدی سے بولی۔
''ارے بھائی آپ...... آج آپ جلدی گھر آ گئے؟'' مانسہرہ کے اس قریبی گاؤں میں جدید سہولیات موجود تھیں زرمینہ کا تعلق مانسہرہ سے تھا یہاں کے گاؤں میں اس کے آباؤ اجداد کی جدی پشتی کی زمینیں تھیں یہ لوگ اپنی روایات کے پکے تھے زرمینہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا بے حد جنون تھا اور کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لینا اس کا دیرینہ خواب تھا' وہ اپنے خاندان کی واحد لڑکی تھی جسے گھر اور اپنے آبائی علاقے سے اتنی دور جا کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی تھی اور اس کا سارا کریڈٹ اس کے بابا جانی کو جاتا تھا جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ حالانکہ اماں بی اور بھائی نے بھی زرمینہ کے کراچی جا کر پڑھنے پر مخالفت کی تھی مگر بابا جانی کے آگے کسی کی نہیں چل سکی تھی۔ نتیجتاً زرمینہ نے کراچی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا بابا جانی زرمینہ پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور زرمینہ نے بھی اپنے دل میں یہ مصمم ارادہ کیا ہوا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے بابا جانی کا اعتماد کبھی نہیں توڑے گی۔
''بس ویسے ہی جلدی آ گیا ہوں تم بتاؤ یہاں اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو کیا کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟'' ایسا بہت کم ہوتا

تھا جب زرینہ کا اکلوتا بھائی اس کے پاس آ کر اس کا حال احوال دریافت کرتا تھا ورنہ تو وہ اپنے کاموں اور سرگرمیوں میں مصروف رہتا تھا۔

"مجھے کسی نے کیا کہنا ہے بھائی بس ایسے ہی دل اداس ہو رہا ہے' شاید موسم کا اثر ہو۔" زرینہ سنجیدگی سے گویا ہوئی وہ بھلا کب اپنے بھائی سے اتنا کلوز تھی جو وہ اپنے دل کی حکایت اس سے شیئر کر کے اپنے دل کو ہلکا کرتی' زرینہ کے بھائی نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر اسی پل اچانک اسے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا کہ اپنی چھوٹی بہن سے اس نے ہمیشہ اتنی دوری بنا کر رکھی تھی کہ ان کے درمیان لحاظ و رعب کے ساتھ ساتھ جھجک کا پردہ بھی حائل تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم کراچی واپس کب جا رہی ہو' تمہاری یونیورسٹی تو دو دن پہلے کھل چکی ہے۔" اس نے نرمی سے دریافت کیا تو زرینہ ایک سانس بھر کر بولی۔

"میں پرسوں صبح جا رہی ہوں' بابا جانی مجھے بائی ایئر بھیج رہے ہیں۔" پھر وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے جب بھائی اس کے پاس سے اٹھ کر اندر چلے گئے تو زرینہ خوش گوار حیرت میں گھر گئی آج سے پہلے اس کے بھائی نے اس سے اتنی طویل اور دوستانہ گفتگو بھلا کب کی تھی۔



"آنٹی مجھے تو اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ سمیر انکل کو مجھ سے پرابلم کیا ہے' ان فیکٹ جب میں اس گھر میں آپ کی بہو بن کر آئی تھی اس وقت سے وہ مجھے ڈس لائک ہی کرتے ہیں یہ بات میں بہت پہلے فیل کر گئی تھی' انہیں میرا واپس آنا بھی بالکل پسند نہیں آیا۔" اس دن سمیر شاہ اور ساحرہ کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کی کچھ آوازیں سونیا کے کانوں میں بھی پڑی تھیں پھر اس کے بعد ساحرہ اپنے این جی او میں باہر سے آنے والے ڈیلیگیشن کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی آج جب وہ سونیا کے ساتھ فراغت سے بیٹھی تو سونیا نے شروع میں اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس دن کی بابت دریافت کیا تو ساحرہ چند ثانیے کے لیے جھجک کر خاموش ہو گئی مگر پھر سونیا کے اکسانے پر وہ بڑی ناگواری سے بتاتی چلی گئی جس کے جواب میں سونیا اعظم خان روہانسی ہو کر بولی تھی۔ یہ سن کر ساحرہ مزید تلملا اٹھی۔

"ہونہہ.....سمیر خود کو سمجھتا کیا ہے میں تو خود اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی مگر میرے یہی بچے میری پاؤں کی زنجیر بن گئے تھے جو آج مجھے اس طرح دکھ و تکلیف دے رہے ہیں۔" ساحرہ نخوت بھرے لہجے میں بولی پھر سونیا کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہنے لگی۔ "تمہیں سمیر کی پروا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سونیا یہ گھر تمہارے شوہر کا ہے' تمہارا اپنا ہے کوئی بھی تمہیں اس گھر سے بے دخل نہیں کر سکتا اور رہا فراز کے یہاں آنے کا سوال تو اس بات کی تم بالکل فکر مت کرو اول تو میں اسے اب یہاں آنے نہیں دوں گی اور دوسرا تم دیکھ لینا خود کامیش اسے دھکے دے کر اس گھر سے نکال باہر کرے گا۔" اس پل وہ دونوں سیٹنگ روم میں بیٹھیں چائے کے دوران گفتگو کر رہی تھیں۔

"آنٹی مجھے تو سمیر انکل کا ایٹی ٹیوڈ کچھ سمجھ میں نہیں آتا فراز کے لیے تو ان کے دل میں اتنا سوفٹ کارنر ہے اور کامیش اس کی فیلنگز کی انہیں کوئی پروا نہیں ہے۔" سونیا مزے سے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی تو ساحرہ ہنوز ناگوار انداز میں گویا ہوئی۔

"سمیر کی جان اس فراز کے اندر قید ہے وہ شروع سے ہی فراز کو بے پناہ اہمیت دیتا ہے اور دیکھو آج اسی بیٹے نے اس کی ناک کٹوا دی مگر سمیرا سے تو فراز ہی بے قصور دکھائی دیتا ہے ہنہہ اپنی اولاد کی محبت میں بالکل دیوانہ ہو گیا ہے۔" اس پل یہ سب بولتے ہوئے ساحرہ جیسی ناقص العقل اور عاقبت نااندیش عورت کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ یہ سب اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہی ہے وہ بھی اس بھتیجی کی خاطر جس کی محبت اچانک ساحرہ بیگم کے لیے جاگ اٹھی تھی سونیا

ساحرہ کی زبانی یہ سب سن کر پُرسکون سی ہوگئی تھی۔



ابرام نجانے کتنی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا سوچوں کے ساغر میں ڈبکیاں لگا رہا تھا ماریہ کو غائب ہوئے تقریباً ہفتہ ہو چلا تھا سرپال اور میک کے تمام ذرائع اسے ڈھونڈنے میں ناکام ہوگئے تھے جس کا انہیں بے پناہ غصہ اور جھنجلاہٹ تھی سرپال نے جیکولین کو واضح لفظوں میں یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ماریہ انہیں ایک بار مل گئی تو وہ اسے عبرت ناک سزا سے دوچار کریں گے ابرام یہ تو نہیں جانتا تھا کہ یہ سن کر جیکولین کے اوپر کیا گزری مگر ابرام کی روح کانپ کر رہ گئی تھی۔ اسے اس بات کا اندازہ تو تھا کہ سرپال کی تنظیم ماریہ کو سخت سزا دے گی مگر اس وقت سرپال کے منہ سے یہ سب سن کر وہ بری طرح گھبرا گیا تھا سرپال کے لہجے کی سفاکی و وحشت دیکھ اور محسوس کر کے وہ خوف زدہ سا ہوگیا۔

''اوگاڈ...... ماریہ تم کبھی ان لوگوں کے ہاتھ نہ آؤ جہاں بھی ہو گاڈ تمہاری حفاظت کرے۔'' زیرلب بڑبڑاتے ہوئے وہ خود ہی چونک اٹھا۔

''تم اس وقت کس کے ساتھ ہوسکتی ہو ماریہ کیا واقعی فراز شاہ تمہیں اپنے ملک لے کر تو نہیں چلا گیا مگر تم فراز شاہ سے کب اور کیسے ملیں؟'' ان سوالوں کے جوابات تو اسی وقت پتہ چلیں گے جب میں فراز شاہ کے آفس جا کر یہ معلوم کروں گا کہ وہ ابھی لندن میں ہے یا پھر اپنے ملک چلا گیا۔'' ابرام سائمن خود سے بولتا چلا گیا۔



داور حبیب اس پل اژدھے کی مانند پھنکار رہا تھا اس کے آدمی جو مہرو کے پیچھے بھاگے تھے وہ ناکام ہو کر داور کے سامنے آئے تھے جب کہ داور کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دے جو خالی ہاتھ واپس آئے تھے۔

''ابے بے غیرتو اپنی شکل میری نظروں سے فوراً گم کرو ورنہ ابھی اسی وقت تم دونوں کو کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔'' داور حلق کے بل دھاڑا تو وہ دونوں سہم کر فوراً وہاں سے نکل گئے داور اپنے اشتعال پر کنٹرول کرنے کی غرض سے ادھر اُدھر چکر لگانے لگا جب ہی جہانگیر نے جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا داور سے کہا۔

''یار داور کہیں یہ لڑکی تیرے لیے حلق کی ہڈی نہ بن جائے۔''

''کیا مطلب ہے تیرا اس بات سے؟'' داور نے ایک جگہ ٹھہر کر اسے بڑی ناگواری سے دیکھ کر استفسار کیا۔

''مطلب یہ کہ کہیں وہ لڑکی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ تیرا نام صاف صاف لے دے گی اور ویسے بھی تو نے اپنی وادی میں ایک شخص کو قتل بھی کر دیا ہے جس کی وہ چشم دید گواہ بھی ہے۔'' جہانگیر کی بات پر داور نے جیسے استہزائیہ انداز میں مکھی اڑائی پھر تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

''ہاہاہا...... وہ ایویں پولیس کے ہتھے چڑھے گی مجھے تو لگتا ہے کہ وہ سالی کسی کھائی میں گر کر مر کھپ گئی ہے ہوسکتا ہے اب تک وہ جنگلی جانوروں کی غذا بھی بن گئی ہو'' داور کے انداز میں اس لمحے بے تحاشا حقارت و تنفر تھا پھر ہنکارا بھر کر مزید بولا۔''بس ایک بات کا افسوس رہے گا کہ ایک بار وہ میرے ہاتھ آجاتی۔'' پھر لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہنے لگا۔

''چلو خیر تو نہ سہی کوئی اور سہی۔'' پھر دوسرے ہی پل اس نے جہانگیر کو دیکھا اور دونوں زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔



لالہ رخ بے حد تھکے ہوئے انداز میں مضمحل سی فراز شاہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی فراز نے اس مشکل وقت و حالات میں اس گھر کے مکینوں کو بڑی دقتوں سے سنبھالا ہوا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بروقت لندن سے یہاں نہ پہنچتا تو ان بے آسرا لوگوں کا کیا بنتا پھر بے ساختہ اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگتا جس نے اس پریشان خاندان کی مدد کرنے کا وسیلہ

اسے بنایا تھا۔ فراز لالہ رخ کے ہی گیسٹ ہاؤس میں قیام پذیر تھا کیونکہ اگر وہ ان کے گھر رہتا تو لوگ یقیناً الٹی سیدھی باتیں بناتے' آس پڑوس کی عورتوں کو لالہ رخ کی والدہ نے فراز کو اپنے رشتے کا بھانجا بتا کر متعارف کروایا تھا مگر کچھ شر پسند اور فتنہ پرور خواتین پھر بھی چہ میگوئیوں سے باز نہیں آئی تھیں' مگر لالہ رخ اور زرتاشہ کو مطلق کسی کی پروا نہیں تھی زرتاشہ اس لمحے ٹرے میں چائے کے دو کپ لے کر بیٹھک میں داخل ہوئی تو فراز ٹرے سے کپ اٹھا کر اس سے مخاطب ہوا۔

''گڑیا تم کراچی کب جاؤ گی یونیورسٹی میں تمہاری کلاسز اسٹارٹ ہوچکی ہیں' تمہاری اسٹڈیز کا حرج ہورہا ہے۔'' فراز کی بات پر لالہ رخ کو کپ تھماتے ہوئے زرتاشہ نے کافی اچھنبے سے مڑ کر فراز کو دیکھا پھر بے حد حیران کن لہجے میں بولی۔

''فراز بھائی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھلا ان حالات میں' میں واپس کیسے جاسکتی ہوں اور پھر لالہ اور امی...... ان کی حالت بھی آپ کے سامنے ہے اور جب تک مہرو کی خیر کی خبر نہیں آجاتی میں یہاں سے قطعی نہیں جاؤں گی۔''

''مہرو ان شاء اللہ بالکل ٹھیک اور اللہ کی امان میں ہوگی' مگر وہاں تمہاری پڑھائی کا نقصان ہورہا ہے تم نے کتنی محنت کی ہے وہ رائیگاں ہوجائے گی گڑیا۔'' فراز چاہ رہا تھا کہ وہ زرتاشہ کو اس پریشان کن ماحول سے کراچی بھیج دے کیونکہ زرتاشہ کے بھی دل و دماغ پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔

''میری پڑھائی مہرو امی اور لالہ سے زیادہ اہم تھوڑی ہے فراز بھائی میں اس سخت گھڑی میں ان دونوں کو اکیلا چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' زرتاشہ آخر میں قطعیت بھرے لہجے میں بولی تو فراز خاموش ہوگیا جب کہ لالہ رخ ان دونوں کی گفتگو سے غافل نجانے کن خیالوں میں کھوئی رہی جب ہی فراز اسے نرمی سے مخاطب کرکے بولا۔

''لالہ رخ چائے تو پی لو ٹھنڈی ہورہی ہے۔'' مگر اس کی کیفیت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اسی دم دروازے پر زوردار دستک ہوئی تو تینوں نفوس بے اختیار چونک اٹھے۔ پھر فراز اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''میں دیکھتا ہوں۔''

''جی فرمایئے۔'' جواباً ایک کراری سی آواز زرتاشہ اور لالہ رخ کی سماعت سے ٹکرائی۔

''مہرو بی بی کی بہن لالہ رخ کو ذرا باہر بلایئے' ہمیں ان سے کچھ کام ہے۔'' لالہ رخ اور زرتاشہ دونوں ہی تیزی سے اٹھ کر داخلی دروازے کی جانب بڑھیں۔

''آپ ٹھہریے میں انہیں بلاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ جونہی مڑا اپنے پیچھے دونوں لڑکیوں کو وہاں الجھا سا کھڑا دیکھا' تھانے سے آیا سپاہی لالہ رخ کو دیکھ کر ٹیپ ریکارڈر کی طرح بجتے ہوئے بولا۔

''دیکھیے بی بی وادی سے بیس کلو میٹر دور جھاڑیوں میں' ہمیں ایک لڑکی کی لاش ملی ہے آپ آکر شناخت کرلو کہ وہ آپ کی بہن مہرو تو نہیں؟'' الفاظ تھے یا تیز دھار تلوار جس نے ایک ہی لمحے میں زرتاشہ اور لالہ رخ کو کاٹ کر رکھ دیا تھا جبکہ فراز بھی ششدر سا اس سپاہی کو دیکھتا رہا تھا۔

''لا...... ش......!'' لالہ رخ کے لب پرندے کے پروں کی مانند پھڑپھڑائے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)



تاج محل

طیبہ عنصر مغل

ہوا سے اس کے بال اڑ کر مزید الجھ رہے تھے غضب کی سردی میں جب لوگ اپنے گرم کمروں میں نرم گرم لحافوں میں گھسے مزے سے سو رہے تھے وہیں پری وش خود کو کالی شال سے ڈھانپے ٹیرس پر ریلنگ پر باز ورکھے یوں کھڑی تھی جیسے مئی جون کی چلچلاتی دھوپ میں کھلے آسمان تلے کھڑی ہو، یادوں کی تپش کے بھانبڑ اس کی روح کو بھی جلا رہے تھے' رات کا تیسرا پہر تھا لیکن اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک بھی نہیں تھا ایک سایہ اس کے پاس آ کر رکا۔

''تم بالکل ایسی ہی ہو' بادلوں پہ نرم و نازک پاؤں دھرنے والی، ہواؤں کی شائیں شائیں کی ردھم بنانے والی' ان پر سُر بکھیرتی گانا گانے والی' چڑیوں کی چہچہاہٹ میں آواز ملانے والے' اس عمر کے کچے پکے ریت کے گھروندے بنا بنا کر توڑنے والی، تتلی کے رنگوں سے تصویریں بنانے والی' جگنوؤں کی روشنی کو دن میں بھی تلاشنے والی' سوچتے سوچتے چونکنے اور باتیں کرتے کرتے کھو جانے والی' بس تم ہی ہو پری......'' سائے کی سرگوشی پہ ہمیشہ کی طرح پری نے ہاتھ اٹھا کر سائے کے چہرے پر پھیرنا چاہے لیکن اس کے ہاتھ ہوا میں لہرا کر بے جان ہو کر اس کے پہلوؤں میں گر گئے تھے۔

''آہ...... شاہ...... کہاں سے لاؤں تمہیں، دیکھو تمہاری پری اب ویسی نہیں رہی جیسی تھی' جس پری کو تم جانتے تھے وہ پری تو کہیں کھو گئی۔'' ایک آنسو اس کی آنکھ سے لڑھکا تو اس کے وجود کے اندر ایک اور وجود نے تڑپ کر انگڑائی لی شاید اس کے آنسو پہ احتجاج کیا تھا وہ جلدی سے پلٹ کر ٹیرس سے لاؤنج میں آئی اور خود کو ملامت کرتی اپنے کمرے میں گھس کر تھکے ماندے وجود کو بستر کے حوالے کر دیا۔

''میں کیوں بھول جاتی ہوں کہ میرے پاس کھونے کے لیے اس دنیا میں اس آنے والے وجود کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔'' پری کے کمرے کی طرف بڑھتے ہی ساتھ والے ٹیرس پر اندھیرے کا حصہ بنے اس سائے نے بھی اندر کا رخ کیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''پری وش یار ذرا جلدی تیار ہو جایا کرو دو بار تمہاری تاخیر کی وجہ سے اچھی بھلی نوکری ملتے ملتے رہ گئی۔'' شاہ جہاں نے عجلت میں بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

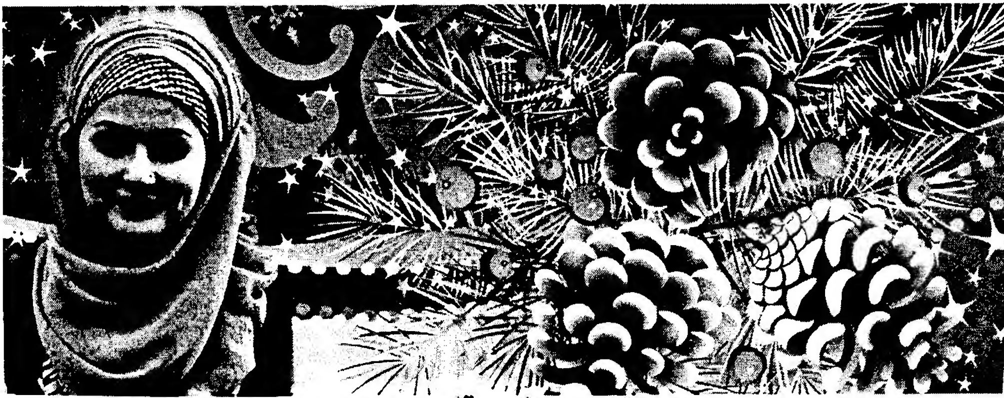
''توبہ ہے شاہ، میں تو جلدی ہی تیار ہو جاتی ہوں بس نماز کے بعد پھر آنکھ لگ جاتی ہے تو کیا کروں؟'' اس نے منہ بنا کر کہا اور فائل اٹھا کر شاہ جہاں کے پیچھے لپکی لیکن کچھ یاد آنے پر واپس پلٹ کر دوبارہ تائی امی کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں پیار کیا تو وہ بھی متانت سے مسکرا دیں ساتھ ہی اس کے ماتھے پر شفقت کی مہر ثبت کی اور اس کے ہاتھ میں چپکے سے سینڈوچ پکڑایا، شاہ جہاں جو رک گیا تھا فوراً بولا۔

''موٹی ایک دن ناشتہ نہیں کرو گی تو قیامت نہیں آجائے گی اور یہ میری ماں ہو ہی نہیں سکتی یہ میری چچی ہیں شاید اور ماں تو یہ پکا تمہاری ہی ہیں چچی جان میں درست فرما رہا ہوں ناں۔'' اس نے مسخرے انداز میں ماں کو چڑایا۔

''شاہ اب تم مجھ سے مار کھاؤ گے' اب کہاں گیا وہ دیر، دیر کا واویلا۔'' تائی امی نے بیٹے کی نظر اتارتے نثار ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ یس...... چلو پری...... جلدی کرو۔'' وہ کہتا ہوا بیرونی دروازے سے نکل گیا۔

پری کی نظریں ساکت و جامد بیرونی دروازے پہ یوں ٹکی تھیں جیسے ابھی ابھی شاہ جہاں دروازے سے نکل کر گیا ہو، عصمت بیگم نے پری کو ساکت دیکھا تو چپکے سے آنکھ کے کنارے پر ٹکے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کیے اور لہجے میں بشاشت پیدا کی۔



''پری بیٹا جلدی سے ناشتہ کرلو پھر تمہیں دوا بھی لینی ہے اور آج مجھے گھر کا کچھ سامان بھی لانا ہے کیا تم میرے ساتھ چل سکوگی۔'' پری نے چونک کرانہیں دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

پری وش کے والدین اسے اس وقت دنیا میں تنہا چھوڑ گئے تھے جب وہ محض ڈھائی سال کی تھی عصمت بیگم جو پری کی تائی تھیں وہ اپنے پانچ سالہ بیٹے کے ساتھ دیور کے گھر مقیم تھیں کیونکہ پری کے تایا ایک رات سوتے میں ہارٹ اٹیک سے یہ دنیا چھوڑ گئے تھے چھوٹا سا شاہ جہان اور چند ماہ کی پری کو تو اس وقت زمانے کے سرد و گرم سے آگاہی نہ تھی لیکن جب پری وش کے والدین کراچی سے لاہور جاتے ہوئے ایک حادثے میں جاں بحق ہوئے تو عصمت بیگم پہ تو غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، پری چونکہ تائی کے ساتھ بہت اٹیچڈ تھی اس لیے وہ اس دن گھر پر ہی رہ گئی تھی۔ شاید تقدیر کو اس کا بچ جانا منظور تھا اور جب اوپر سے فیصلے ہوجائیں تو پھر بندے کی تدبیر محض ایک بہانہ ہی رہ جاتی ہے عصمت کے شوہر تو ایک پرائیویٹ فرم میں کام کرتے تھے کوئی خاص اثاثہ نہ تھا البتہ پری وش کے پاپا شہباز پراپرٹی کا کام کرتے تھے سو یہ دو بیڈ روم کا اپارٹمنٹ اور دو دکانیں جن سے اتنا کرایہ آجاتا تھا کہ عصمت بیگم دونوں بچوں کو مناسب سے اسکولز میں پڑھا کر کھینچ تان کر گھر کا خرچ چلا رہی تھیں شاہ جہاں نے تو میٹرک پاس کرتے ہی ٹیوشن پڑھانا شروع کردی تھیں تاکہ وہ اپنا اور پری کا تعلیمی سلسلہ سہولت سے جاری رکھ سکے۔

''تم فوراً دفع ہوجاؤ میرے کمرے سے، میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اٹھاؤ اپنا یہ تحفہ نہیں چاہیے مجھے تمہارا یہ گلدستہ شاہو۔'' وہ کہہ کر دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''پری سنو تو...... پری روتی نہیں ہے اور جو روتی ہے وہ پری نہیں ہوتی...... وہ تو ایک دم چڑیل ہوتی ہے تمہارے جیسی اور چڑیل کو کون تحفہ دیتا ہے میں امی جان کے کمرے میں سجانے جارہا ہوں۔'' شاہ جہاں نے شرارت بھرے لہجے میں اسے دیکھا، وہ جو ہاتھوں کی اوٹ سے چپکے چپکے دیکھ رہی تھی اس کے ہاتھ میں جگمگاتے تاج محل کے ماڈل کو دیکھ کر رونا بھول گئی اور پھر بیڈ کے سارے کشن اٹھا اٹھا کر شاہ جہاں پہ حملہ آور ہوگئی، شاہ جہاں نے جلدی سے تاج محل کا ماڈل اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا سترہ سالہ پری جو دیکھنے میں بھی آسمان سے اتری ایک پری ہی تھی شاہ جہاں کے ہاتھوں کے لمس نے پہلی بار کچھ عجیب سے احساسات کو جگایا اس کے چہرے پر پھیلتے حیا کے رنگوں کو دیکھ کر شاہ جہاں نے جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا۔

''چلو لڑ کا بلی، اب جلدی سے اچھا سا کیک بناؤ اور دہی بڑے بھی پھر ہم سالگرہ منائیں گے۔'' شاہ جہاں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر شوخی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

سائیڈ ٹیبل پہ دھرے تاج محل کو دیکھ کر پری کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، ابھی کچھ دن پہلے ہی تو شاہ جہاں کے ساتھ آئس کریم کھانے گئی تھی تو اپنے پسندیدہ مشغلے میں شاہ کو بھی گھسیٹ لیا تھا مختلف دکانوں پر سرسری نظر ڈالتے وہ ایک جگہ رک گئی اور شوکیس پر ہاتھ پھیر کر دھیرے سے بولی۔

''تاج محل کتنا خوب صورت ہے ناں، اسی لیے ایک عجوبہ ہے۔'' اس نے پری کی سمت دیکھا اس کے چہرے پر بچوں جیسا اشتیاق تھا اور وہ وفورِ شوق سے شوکیس میں سجے تاج محل کے ماڈل کو دیکھ رہی تھی۔

''جانتی ہو پری، اس دنیا میں ایک عام آدمی کے خواب کیا ہیں؟'' پری نے بمشکل تاج محل سے نظر ہٹائی۔

''ایک فگرز میں تنخواہ ایک تین بیڈ رومز کا لگژری گھر، ایک فور ویل گاڑی دو بچے اور ایک حسین بیوی اور بس۔ لیکن ایک عام آدمی کا مسئلہ کیا ہے جانتی ہو اس کی خالی جیب محض خالی جیب۔'' اس نے پیر سے ان دیکھے پتھر کو ٹھوکر لگائی۔

''اونہہ شاہ جہاں۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اس کا چہرہ سرخ تھا پری وش کو اس تک پہنچنے کے لیے تقریباً بھاگنا پڑا تھا۔

اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور وہ ننگے پاؤں بھاگ کر باہر آئی، شاہ جہاں سامنے ہی لاؤنج میں بیٹھا تھا اس نے شاہ کے الٹے ہاتھ پر نظر ڈالی اسی ہاتھ کی انگلیوں پہ تو وہ عام آدمی کے مسائل گنوا رہا تھا ہر انگلی بند کرتے اس میں اپنے خواب بھی بند کر رہا تھا اس کی نظریں اس کے ہاتھ سے ہوتی ہوئی اس کی کلائی پر گئی تھیں۔

''تو تاج محل کو آج کے شاہ جہاں نے وقت بیچ کر خریدا ہے اور وقت بھی وہ جو اسے بہت عزیز تھا۔'' اس نے غم سے چور لہجے میں شاہ جہاں کی اس گھڑی کا ماتم کیا جو اس کے مرحوم والد کی یاد تھی اس کے پاس۔

''تو صاحب کیا کیا جائے، ہماری ممتاز تو بہت قناعت پسند ہے اسی تاج محل پہ اکتفا کر رہی ہے تو کیا ہم اتنا بھی نہ کرتے ورنہ بقول شاعر۔

بنا کے اپنی محبوبہ کے لیے اک حسین تاج محل
ہم نے غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق''

''نہ تو میں آپ کی محبوبہ ہوں اور نہ ہی آپ شہنشاہ شرافت سے اپنی گھڑی واپس لے آئیں مہینے کے آخری دنوں میں کس نے کہا تھا یہ عیاشی کرنے کے لیے۔'' پری نے اسے پیار سے گھورا۔

''تو آپ نے سوچ سمجھ کر وارد ہونا تھا ناں کس نے کہا تھا آخری دنوں میں تشریف لانے کو۔'' شاہ جہاں نے بھی ہنستے ہوئے برجستہ جواب دیا۔

''چلو اب بس کرو ناشتہ کرو پھر کیک بھی بناتے ہیں پری کے لیے وہ گھڑی تو ویسے بھی اب خراب ہو چکی تھی۔'' عصمت بیگم نے کچن سے نکلتے ہوئے دونوں کو متوجہ کیا تو دونوں کھسیانے ہو گئے مطلب وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکی تھیں۔ شاہ جہاں کان کھجاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

پری نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور دھیرے سے جگمگاتے ہندسوں والی مردانہ گھڑی نکالی اور اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شاہ جہاں کا لمس محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن یخ ٹھنڈی گھڑی مردہ جسم جیسی تھی اس میں شاہ جہاں کی محبت کی گرمائش کہاں...... اس نے گھڑی کو آنکھوں سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے تائی امی کا ساتھ دے رہی تھی تائی امی نے ابھی تھوڑا سا سامان ہی لیا تھا کہ اس کو گھبراہٹ ہونے لگی اس کی پیلی پڑتی رنگت دیکھ کر تائی امی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے لمحوں میں وہ بے ہوش ہو گئی آنکھ کھلی تو اپنے بستر پر تھی اس نے چھت سے نظر ہٹائی تو سامنے کرسی پر بیٹھے ایک اجنبی پر جا کر نظریں ٹھہر گئی اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ پہ لگی ڈرپ پر نظر پڑی تو منہ سے سسکاری بھی نکلی۔

”پلیز...... پلیز آپ لیٹی رہیے مجھے آپ کی ڈرپ کے ختم ہونے کا ہی انتظار ہے اسی وجہ سے ابھی تک یہاں ہوں آئی ایم ڈاکٹر قیس یزدانی۔“ پری نے اپنے بدن پر پھیلے کمبل کو دیکھا وہ پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی اتنے میں تائی امی چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئیں اور چھوٹی تپائی پر رکھ کر ڈاکٹر قیس کو بیٹھنے کو کہا۔ قیس نے مسکراتے ہوئے عصمت بیگم کا شکریہ ادا کیا۔

”ارے نہیں بیٹا...... شکریہ تمہیں نہیں بلکہ ہمیں تمہارا ادا کرنا چاہیے اگر تم بروقت نہ پہنچ جاتے یا یوں کہہ لو تم تو فرشتہ بن کر وہاں موجود تھے ورنہ میں بوڑھی جان خود ہی کو نہ سنبھال پاتی یہ تو اللہ کا لاکھ شکر ہے تم نے میری اتنی مدد کی اسپتال بھی لے کر گئے اور اب گھر پر بھی اتنی دیر سے اپنا کام کاج چھوڑ کر موجود ہو۔“ عصمت بیگم بولیں۔

”یہ آپ کی محبت ہے آنٹی جو آپ مجھے عزت دے رہی ہیں یہ تو میرا انسانیت کے ناطے فرض بنتا تھا اور پھر ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے بھی ہمارے کچھ فرائض ہوتے ہیں میں بھی گروسری کے لیے ہی مال میں گیا تھا وہ تو اتفاقاً جب یہ بے ہوش ہو کر گریں تو باقی لوگوں کی طرح میں بھی ان کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو شاید نہیں معلوم کہ سامنے والا فلیٹ میرا ہی ہے، میں تین ماہ پہلے ہی یہاں شفٹ ہوا ہوں۔“ قیس نے عصمت بیگم کو بتاتے ہوئے پری کی ڈرپ جو ختم ہو گئی تھی اس کو اتارا پری ہلکی سی غنودگی میں تھی۔

”آنٹی میں ان کی دوائیں آپ کو دے جاؤں گا‘ وہ آپ ان کو باقاعدگی سے کھلائیں، یہ کافی کمزور ہیں لگتا ہے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھ رہی ہیں۔ ان کے شوہر اگر اس وقت ان کے ساتھ ہوتے تو زیادہ بہتر تھا۔“ عصمت بیگم اس کی بات مکمل ہوتے ہی پھپھک پھپھک کر رو دیں۔

”شوہر زندہ ہوتا تو اس بدنصیب کا یہ حال کب ہوتا،

میری پری تو شاہ جہاں کے ساتھ بس پانچ ماہ ہی گزار سکی تھی۔''

''اوہ آئی ایم سوری...... مجھے علم نہیں تھا کہ ان کے شوہر یعنی آپ کے داماد اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' قیس کے لہجے میں شرمندگی در آئی تھی۔

''نہیں بیٹا اس میں تمہارا کیا قصور اور یہ میری بیٹیوں سے بڑھ کر بہو ہے جانے والا مجھ بدنصیب کا بیٹا تھا میں تو اپنا غم بھی اندر دبالیتی ہوں کہ پری کو اس غم سے نکال سکوں' لیکن پھر بھی یہ اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔ شاہ جہاں اس کا اور میرا پورا جہان تھا بچپن سے یہ دونوں میری ہی گود میں اکٹھے پلے بڑھے تھے اور وہ خوب صورت دن تو میری بھی زندگی کا حاصل تھا جب ایک اچھی نوکری ملنے کے بعد ان دونوں کی دھوم دھام سے شادی ہوئی، کیا چندے آفتاب و ماہتاب جوڑی تھی۔'' عصمت بیگم کی نظر بیڈ کے اوپر دیوار پر لگی بڑے سائز کی تصویر پر گئی تو قیس کی نظروں نے بھی ان کا تعاقب کیا۔ یقیناً پری کے ساتھ پہلو ملائے شاہ جہان ہی تھا بڑی بڑی آنکھوں میں سنہرا رنگا گھلا تھا وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس رہے تھے اور خود پری جنت کی حور لگ رہی تھی زرتار دوپٹے کے ہالے میں آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کا عکس لیے نازک لبوں کے بیچ موتیوں جیسے دانتوں کی قطار، قیس نے درد سے آنکھیں بند کرلیں، بے وجہ تو نہ تھا راتوں کے تیسرے پہر اس کا جاگ کر ٹیرس میں کھڑے رہنا۔

''پتا نہیں کون لوگ ہوتے ہیں جو ہنستے بستے گھروں کو تباہ کر جاتے ہیں میرا شاہ جہاں بہت محنت سے ترقی کی منازل طے کر رہا تھا لیکن کون جانتا تھا کہ اس دن جب وہ عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا تو کسی کی اندھی گولیوں نے اس کا وجود چھلنی کر دیا تب سے پری ہنسا ہی بھول گئی یہ تو شاید مر ہی جاتی لیکن شاہ جہاں کی اس دنیا میں آنے والی نشانی کی امید نے اسے زندہ رکھا ہوا ہے لیکن یہ زندہ لوگوں جیسی کب ہے۔ میں بھی کیا موضوع لے بیٹھی' تم بیٹھو بیٹا' اب کھانا کھا کر جانا۔'' انہوں نے قیس کو پیار سے دیکھا۔

''نہیں آنٹی بہت شکریہ، آج میری نائٹ شفٹ ہے اسپتال میں اور آپ پریشان مت ہوں یہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔ بس بی پی لو ہو جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں میں اب چلتا ہوں۔'' اس نے ایک سرسری نظر پری پر ڈالی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ پری کی بند آنکھوں سے آنسو قطار در قطار نکلنے لگے۔

☆☆☆......☆☆☆

''شاہ تم کتنے خوش قسمت ہو تمہیں پتا ہے۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بنا رہی تھی شادی کو ایک ماہ ہوا تھا اور شاہ جہاں کو ڈبل پروموشن مل گئی تھی اور اسی خوشی میں سب باہر ڈنر کرنے جا رہے تھے پری کے سوال پر لیپ ٹاپ پر کام کرتے شاہ جہاں نے آئینے میں اس کے خوب صورت عکس پر نظر ڈالی سبز و سیاہ امتزاج کے سوٹ میں نفاست سے کیے میک اپ اور نازک سی جیولری کے ساتھ وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔

''جی بیگم شاہ، بتایئے ہماری خوش قسمتی کی وجہ جو آپ جانتی ہیں لیکن ہم لاعلم ہیں۔'' اس نے شرارت سے ہونٹ بھینچے۔

''بھئی وجہ آپ کے سامنے موجود ہے اتنی خوب صورت وجہ، دیکھیے لوگ تو پری کو دیکھ نہیں پاتے اور آپ کی تو زوجہ محترمہ ہے پری وش یعنی ہم ہیں...... آپ کی خوش قسمتی کی وجہ۔'' وہ اترائی۔

''ارے آپ تو پری ہیں ہم تو حور کے مستحق ہیں اور دیکھیے گا ایک دن حور بھی ہماری زوجہ ہوں گی۔'' وہ مزید شرارت کرنے پر آمادہ تھا۔ لیکن پری نے پرانی عادت کو دہرایا اور اٹھ کر اس پر کشنز کی بوچھاڑ کر دی وہ باری باری اس کے پھینکے کشنز کو کیچ کرتا اور واپس اسی کی طرف پھینکتا چلا جاتا اس کے ہاتھ میں پری کی دی گئی گھڑی جھلملا رہی تھی پری جس کا ہر انداز نرالا تھا کہ کس نے کہا کہ شادی پہ گفٹ صرف دلہا دے اس نے ایک قیمتی

گھڑی خریدنے کے لیے اپنی ماں کی نشانی سونے کے ایئر رنگ بیچ دیے تھے وہ شاہ جہاں تھا تو کیا ہوا یہ بھی تو پری وش تھی۔

''تو تم حور کے ہی مستحق تھے شاہ جہاں کتنی جلدی حوروں کے دیس سدھار گئے۔'' اس نے بے دم انداز میں آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆......☆☆☆

دن مشکل ہوں یا آسان انہیں بالآخر گزرنا ہوتا ہے گزرتے چلے جاتے ہیں' پری کے لیے بھی گزر رہے تھے اور بالآخر ایک سنہری صبح پری کی گود میں ایک گول گھوتھنا سا بچہ آ گیا جو ہو بہو شاہ جہاں کی تصویر تھا' اس کی پہلی قلقاری نے پری کے وجود پر چھائے جمود میں دراڑ ڈال دی تھی' تائی امی نے ننھے شاہ زیب کو جب اس کی گود میں دیا تو وہ جو ہنسنا بھول چکی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ نے نور پھیلا دیا' قیس کو اس کی طرف سے نظر ہٹانا مشکل لگا وہ جواب ان کے گھر کے فرد کی طرح بے تکلف ہو چکا تھا' آج بھی رات کو اسپتال لے کر وہی آیا تھا۔ پری کی ناگواری بھی اس کو بری نہ لگی تھی عصمت بیگم نے تو اس کو بیٹے کا ہی درجہ دے دیا تھا جب سے اس کی داستان سنی تھی وہ تو یہ سمجھنے لگی تھیں کہ انہیں شاہ جہاں کا متبادل مل گیا ہو وہ جو آٹھ سال کی عمر میں سگے چچا نے اس کو یتیم خانے میں ڈال دیا تھا ماں تو پیدائش پہ ہی اس کو چھوڑ گئی تھی اور باپ کو بھی سات سالہ قیس نے بچھڑتے اور مٹی میں ملتے دیکھا تھا ننھیال تو کوئی تھا نہیں، چچا نے جائیداد کے لالچ میں اندھا ہو کر یتیم خانہ ہی مناسب جانا اور بھتیجے کو گھر سے نکال دیا لیکن وہ ایک ذہین بچہ تھا اور پرانی کتابوں سے پڑھنے والا قیس آج ایک ذہین و فطین ڈاکٹر تھا' رشتوں کو ترسے ہوئے قیس کو پری اور عصمت بیگم کے گھر میں رشتوں کی مہک کا احساس ہوتا تھا' وہ تو پری کو تب سے چاہنے لگا تھا جب وہ سردی میں پہروں ٹیرس پر کھڑی رہتی جب تک کہ وہ وہاں سے چلی نہ جاتی' وہ اسے دیکھتا رہتا تھا۔

وہ بہت دیر سے رکشے یا ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی لیکن دور دور تک رکشہ یا ٹیکسی کا نام ونشان نہیں تھا آج اس نے انٹرویو کے لیے جانا تھا ننھا شاہ زیب اب پانچ ماہ کا ہو گیا تھا اور زندگی کی گاڑی کو کھینچنے کے لیے اسے جدوجہد کرنا ہی تھی شاہ جہاں کے دفتر سے ملنے والے واجبات تو تمام ہو چکے تھے ابھی شاہ کی جاب کو اتنا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پنشن لگ جاتی اور آگے شاہ زیب کی تعلیم اور زندگی کے دیگر بڑھتے ہوئے اخراجات کے لیے اب جاب لازمی ہو گئی تھی۔ آج سارا دن کی خواری کے بعد وہ مایوس ہو کر گھر لوٹنے کو تھی کہ قیس کی گاڑی ایک دم اس کے سامنے آ کر رکی اور قیس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو پری کے چہرے پر ناگواری چھا گئی۔

''ارے تکلف مت کیجیے بیٹھ جائیے آج کوئی رکشہ، ٹیکسی وغیرہ نہیں ملنے والا ٹرانسپورٹ کی ہڑتال ہے اب چاہے کتنا بھی برا لگے آپ کو جانا تو میرے ساتھ ہی ہوگا۔'' قیس نے ذومعنی انداز میں کہا مجبوری تھی دیر ہو رہی تھی پری اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی دوپٹہ درست کر کے بیٹھ گئی۔

''ویسے آپ کو آج کیا ضرورت پڑ گئی کہ عین ہڑتال والے دن گھر سے نکل کھڑی ہوئیں؟'' قیس نے استفہامیہ انداز میں سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا نہیں خیال کہ مجھے آپ کو ہر بات یا اپنے ہر عمل کی وضاحت دینا ضروری ہے۔'' اب کی بار پری نے اپنی ناگواری کو چھپانا ضروری نہ سمجھا۔

''آپ کی تو آج بھی نائٹ شفٹ تھی ناں پھر آپ کس وجہ سے باہر آئے اور کہاں جا رہے تھے میں نے بھی تو آپ سے یہ نہیں پوچھا۔'' وہ تند لہجے میں طنز کرنے سے باز نہ آئی قیس اپنی چوری پکڑے جانے پہ تھوڑا جز بز ہوا تھا۔

''بھئی ہم تو ڈاکٹرز ہیں ہمیں کبھی بھی ایمرجنسی میں نکلنا پڑتا ہے۔'' اس نے اپنی طرف سے مضبوط دلیل

دی۔

''اوہ......اچھا۔'' اس نے اس کے رف حلیے پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے آپ مسکراتی ہوئی کافی اچھی لگتی ہیں شاید آپ کو کسی نے بتایا نہیں اور سنجیدگی آپ پر اچھی نہیں لگتی۔'' وہ بول رہا تھا اور پری کے دماغ کی سوئی تو ایک جگہ ہی اٹک گئی تھی۔ ''لگتا ہے آپ کو کسی نے بتایا نہیں......آپ مسکراتی ہوئی کافی اچھی لگتی ہیں۔''

''پری تمہاری ہنسی کی جھنکار سے اچھا کوئی میوزک نہیں شاید۔ کسی کوئل کی کوک جیسی سریلی ہے تمہاری ہنسی اور جب تم صرف مسکرادیتی ہو تو ساری کائنات پہ ست رنگی دھنک چھاجاتی ہے۔'' شاہ جہاں اس کی طرف جھکا تھا ایک دم بریک لگنے پہ پری ہوش میں آئی اور جلدی سے آنسو صاف کرتی قیس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی، قیس ساکت ہوگیا اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کس بات پر پری اتنی غمگین ہوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''شاہ زیب پلیز ایک دو چمچ ہی کھالو۔'' وہ مسلسل گیارہ ماہ کے شاہ زیب کو سریلیک کھلانے کی جدوجہد کررہی تھی لیکن جب بھی کھلانے لگتی وہ یا تو چمچ کو ہاتھ مارنے کی کوشش کرتا یا منہ دوسری جانب موڑ لیتا، بلآخر اس کی کوشش تو کامیاب نہیں ہوئی لیکن شاہ زیب صاحب نے پیالی کو ہاتھ مار کر گرادیا تھا۔

''شاہ زیب۔'' وہ زور سے چلائی عصمت بیگم جو کچن میں تھیں جلدی سے باہر آئیں۔

''یہ کون سا طریقہ ہے پری، اتنے چھوٹے سے بچے پہ چلانے کا۔ وہ تمہاری ڈانٹ سے بات کو نہیں سمجھے گا اور نہ ہی تمہارے غصے سے وہ یہ سب کھالے گا، تم جاؤ میں کھلادوں گی اس کو جاؤ اپنا کام سمیٹو کل سے پھر تمہیں جاب پہ جانا ہے۔'' پری نے ایک نظر روتے ہوئے شاہ زیب کو دیکھا اور آنسو بہاتی اپنے کمرے میں جاکر بیڈ پہ گر کر ہچکیوں سے رونے لگی تھوڑی دیر رو لینے کے بعد اسے روتے ہوئے شاہ زیب کا خیال آیا تو شرمندگی سے وہ باہر کی طرف بھاگی لیکن دروازہ کھولتے ہی شاہ زیب کی ہنسی پر حیرانگی سے اس نے باہر کا منظر دیکھا۔

شاہ زیب مزے سے قیس کی گود میں بیٹھا تھا اور قیس مختلف انداز میں اسے سیریلیک کھلا رہا تھا، وہ چمچ کو ہوا میں لہراتا جہاز بناتا اور پھر ایک دم شاہ زیب کے منہ کی طرف لے جاتا تو شاہ زیب ایک دم منہ کھول دیتا کبھی وہ عجیب سی آوازیں نکالتا اور کبھی مختلف قسم کی شکلیں بناتا تو شاہ زیب خوش ہوکر تالیاں بجاتا۔

''آپ ہماری زندگیوں میں دخل دینا چھوڑ کیوں نہیں دیتے مسٹر قیس......؟ کیا ملتا ہے آپ کو ہمارا تماشا بنا کر، اب یہ نیا طریقہ ملا ہے آپ کو، مجھے پرپوز کرکے آپ کا کام نہیں بنا تو بچے کو چارہ بنا رہے ہیں۔''

''یہ تم کس انداز سے بات کررہی ہو پری ہوش کرو۔'' پاس بیٹھی عصمت بیگم نے غصے سے پری کو ڈانٹا۔

''آپ بیچ میں نہ بولیں تائی امی۔'' اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''کیا ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہماری زندگی میں کتنے بڑے سانحے نے تباہی مچائی ہے اور اوپر سے دنیا والوں کی باتوں کا سامنا کم از کم میں افورڈ نہیں کرسکتی، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس گھر میں ایک بیوہ رہتی ہے جو بدنصیبی سے جوان بھی ہے اور لوگوں کی سانپ کے جیسی پھنکارتی زبانوں کا سامنا آخر کب تک کرسکوں گی میں؟''

''یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے پری مرنے والا میرا بھی بیٹا تھا لیکن میں کہتی ہوں قیس یا کسی بھی اچھے انسان کا ساتھ تمہیں تحفظ دے گا معاشرے میں، تنہا رہ کر تم دنیا کا مقابلہ نہیں کرسکتی، میرا کیا بھروسہ آج ہوں کل نہ رہوں۔'' تائی امی نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کیے۔

''تائی امی جو مشورہ آپ مجھے دے رہی ہیں اس پر

عمل آپ نے خود کیوں نہ کر ڈالا آپ بھی تو نوجوان بیوہ تھیں پھر میرے لیے ہی یہ پابندی کیوں؟"

"پری تم...... میں چاہوں تو تمہیں وضاحت نہ دوں لیکن جب تم یہ نوبت لے آئی ہو تو سن لو میں نہ تو تمہاری طرح خوب صورت تھی اور نہ ہی میری زندگی میں قیس جیسا کوئی قدر دان آیا کہ مجھے دونوں بچوں سمیت قبول کر لیتا اگر کوئی آیا بھی تو اسے میرے وجود کے ساتھ تم دونوں کا وجود بوجھ لگتا تھا اس لیے تم قیس......"

"معذرت آنٹی میں چلتا ہوں......" قیس جواب تک چپ چاپ کھڑا تھا شدت ضبط سے اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا جلدی سے بیرونی دروازے سے نکلتا چلا گیا۔ عصمت بیگم نے روتے ہوئے شاہ زیب کو کندھے سے لگایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

پری ہارے ہوئے جواری کی طرح صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں اس نے گھومتے ہوئے سر کو ہاتھوں میں پکڑا' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ شوخ و چنچل پری کہاں گئی تھی اور یہ بدتمیز اور بدلحاظ سی عورت کون تھی وہ کب تبدیل ہوئی یہ تو اسے خود بھی پتا نہ تھا قیس جو پچھلے چند ماہ سے ارادتاً اس کے راستے میں آ رہا تھا اسے اکثر ڈراپ یا پک کرنے کی کوشش کرتا تھا پہلے پہل وہ اگنور کرتی رہی پھر اس نے بھی تماشا بنانے سے بہتر سمجھا کہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ جایا کرے لیکن پھر فلیٹس کی عورتوں اور بدنظر مردوں کی غلیظ باتیں جہاں اس کے کانوں تک پہنچیں وہیں قیس نے بھی ان کی بازگشت ہی نہیں سنی بلکہ اس کو اس سماج کے نام نہاد ٹھیکیدار جو خود پری وش پہ ہوس بھری نظریں گاڑے رکھتے تھے انہوں نے قیس کو دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں کہ وہ فلیٹ چھوڑ دے ان سب باتوں پر ہی قیس نے ہمت کر کے جب پری وش کو پرپوز کیا تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔

"ہر مرد کی ذہنیت ایک ہی جیسی ہوتی ہے تم مرد کسی عورت کو بلا مشروط عزت کیوں نہیں دے سکتے۔ آج کے بعد میرے راستے میں نظر مت آنا۔" وہ ایک تلخ نظر اس پر ڈال کر گاڑی کا دروازہ زور سے بند کر کے بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی، اس کے قطعی جواب کے بارے میں عصمت بیگم کو بھی اس نے آگاہ کر دیا لیکن وہ ماں جیسی عصمت بیگم اور شاہ زیب کے التفات میں ان کے گھر جانا نہ چھوڑ سکا زیادہ تر وہ پری کی غیر موجودگی میں ہی ان دونوں کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔

ریلنگ پر جھکا وہ اپنے اوپر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا' تف ہے یہ محبت کس طرح راستے بناتی ہے لیکن واپسی کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑتی دل کی ضد تھی کہ محبت سے دستبردار نہ ہونا قیس یزدانی اور دماغ الگ ہی راگ الاپ رہا تھا۔

"قیس یزدانی جب تم محبت پر قابو نہ پاسکو اور محبت تم پہ قابو پانے لگے تو محبت کو برباد کر دو اس سے پہلے کہ وہ تمہیں برباد کر دے۔" کیسا شقی القلب ہوتا ہے نا دماغ جلاد کی طرح فیصلے دیتا ہے قیس نے زور سے ریلنگ پر ہاتھ مارا اور اندر کی طرف بڑھ گیا جانے دماغ اور دل میں سے کس کی جیت ہوئی تھی۔

اگلے بہت سارے دنوں میں پری وش کو قیس کی شکل نظر نہ آئی وہ مطمئن ہو گئی تھی آفس میں کام کرتے اسے عموماً زیادہ تر لوگوں کی آنکھوں میں ہوس نظر آتی تھی تو کبھی کبھار کچھ مرد راہ چلتے ذومعنی جملے بھی کسا کرتے تھے لیکن آج تو حد ہی ہو گئی اس سے دوگنی عمر کے نظامی صاحب جو عمر کی نسبت عہدے میں اس سے کم تھے ایک دن فائل دیتے ہوئے اس کے ہاتھ کو چھونے کی دانستہ کاوش پہ پری کے تھپڑ سے نہ بچ سکے۔ نظامی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا آس پاس بنے کیبن کے لوگ باہر نکل آئے تھپڑ کی گونج ہی اتنی تھی۔

"تم بے ہودہ انسان کیا سمجھتے ہو ایک بیوہ یا بے سہارا عورت تمہاری جائیداد ہے یا مفت کا مال ہے بڈھے میری جگہ اپنی بیٹی کو رکھ کر دیکھو احساس ہوگا کہ تم کیا کر

رہے تھے۔‘‘ یہ کہہ کراس نے درازکولاک کیا سامان اٹھایا اور دفتر سے نکل آئی باہر آتے ہی وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی اور زاروقطار رونے لگی۔ روتے ہوئے اسے احساس نہ تھا کہ راہ چلتے لوگ اس کو حیرت سے دیکھ رہے تھے وہ جلدی سے رکشے کی طرف بڑھ گئی۔

گھر پہنچی تو لاؤنج میں ہی تائی امی کے ساتھ ایک دیہاتی بزرگ خاتون اور ایک الھڑ عمر کی خوب صورت سی لڑکی کو بیٹھے دیکھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی خود پہ قابو پا کر سلام کیا' گرچہ آنکھیں ضبط کا احوال کہہ رہی تھی سلام کرکے وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی۔

’’آپ کی بہو تو کافی نخریلی لگتی ہے۔‘‘ ان خاتون نے بلالحاظ تائی امی کو سنایا۔

’’نہیں دراصل وہ تھکی ہوئی ہے اس وقت اور پھر دن بھر بیٹے سے دور رہتی ہے تو فوراً اسے دیکھنا چاہتی ہے۔‘‘ تائی امی نے ناگواری چھپا کر لحاظ داری کا مظاہرہ کیا۔

’’ویسے قیس بھی تو آپ کے گھر آتا جاتا ہوگا ناں بہت تعریف کررہا تھا آپ کی اور آپ کے پوتے کی۔‘‘ قیس کی چچی نے تفتیشی انداز اپنایا۔

’’جی بس کبھی کبھار آجاتا ہے' جب بہو گھر میں نہ ہو تو۔‘‘ تائی امی نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

’’بس جی ہم نے تو قیس کو والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی اور اس کے مرحوم چچا کی تو دیرینہ خواہش تھی جس پر انہوں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تب جا کر قیس ڈاکٹر بنا ہے ہماری تو بس تین بیٹیاں ہی ہیں دو کی شادی کردی اب صرف یہ ہی کنواری ہے اب اس کو نبٹاؤں تو سکھ کا سانس لوں۔‘‘ قیس کی چچی نے مبالغہ آرائی کی حد کردی تھی تولیہ سے منہ خشک کرتی پری نے بھی باہر آتے ان کی باتیں سنیں تو افسوس سے سر ہلایا قیس کے تمام حالات تو وہ لوگ جان چکے تھے۔ شاہ زیب کسمسایا تو اس نے باہر جانے کے بجائے بیڈ پر لیٹے بیٹے کے پاس لیٹ کر اسے بازوؤں میں لے لیا۔

’’توبہ' اللہ سب کو ہدایت دے یہاں لوگ موت کو بھولے بیٹھے ہیں اس دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہیں۔‘‘ تائی امی رات کے کھانے پر تاسف سے سرہلاتی کہہ رہی تھیں پری نے ہاٹ پاٹ ان کی طرف بڑھایا۔

’’کیا ہوا تائی جان؟‘‘ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں بولتے ہوئے چھوٹے سے نوالے کو جہاز کی طرح گھماتے شاہ زیب کو دیا تو وہ جھٹ منہ کھولنے لگا۔

’’ارے بیٹا قیس کے ساتھ اس کے چچا نے کیا کیا یہ تو تم جانتی ہو اب پچھلے ماہ اس کے چچا کا انتقال ہوگیا وہ لوگ اس سے بے خبر سہی لیکن یہ بھلا مانس پھر بھی ان کے بارے میں ساری خبر رکھتا رہا چچا کے انتقال پر گاؤں گیا تو بیوہ چچی اور یتیم کزن اس کے ساتھ ہولیں صاف نظر آرہا ہے قیس ایک قابل سرجن ہے اور وہ اپنی جاہل بیٹی کے لیے اس پر نظر رکھے ہیں اور اب جھوٹ پہ جھوٹ بولے چلی جارہی تھیں۔‘‘ تائی امی تو بتاتی رہی تھیں لیکن پتا نہیں کیوں پری کا ہاتھ شاہ زیب کو نوالہ دیتے رک گیا تھا اب شاہ زیب ماما...... ماما کا راگ الاپ رہا تھا ایک دم تائی امی نے شاہ زیب کو دیکھا اور پری کے رکے ہوئے ہاتھ کو تو مسکرا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ چائے کا کپ اٹھا کر ٹیرس کی طرف بڑھی آج چھٹی تھی اس نے گھر بھر کی صفائی کے ساتھ کپڑے بھی دھو لیے تھے اور اب شام کی چائے لے کر تائی امی کے کمرے میں جھانکا تو دونوں دادی پوتا سو رہے تھے اس نے سوچا مغرب کی نماز تک انہیں جگا لے گی یہ سوچ کر وہ ٹیرس کی طرف بڑھی۔ ٹیرس پہ رکھی کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے باقی کے فلیٹس پہ نظر ڈالی کہ اتنے میں اسے کسی لڑکی کے کھلکھلانے کی آواز آئی' اس نے مڑ کر دیکھا تو قیس کے ٹیرس پہ اس کی چچازاد کزن قیس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے کسی بات پہ ہنس رہی تھی قیس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی لیکن جانے کیوں پری کو یہ منظر اچھا نہیں لگا وہ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ اتنی دور سے بھی قیس کو اس کی

بے چینی محسوس ہوگئی تھی۔ اس نے فوراً سنجیدگی ہٹا کر ایک دلکش مسکراہٹ لبوں پر سجالی اور کزن کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف ہوگیا کرن کی تو گویا لاٹری نکل آئی تھی وہ تو خواہ مخواہ قیس سے چپک رہی تھی ادھر پری کی چائے کب ٹھنڈی ہوئی پتا بھی نہ چلا کیونکہ وہ تو چائے کو بھول ہی گئی تھی اپنی جگہ سے اٹھی اور کرسی کو زور سے لات رسید کرتی اور بڑبڑاتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی۔ تائی امی نے حیرت سے اسے دیکھا اور ناسمجھی کے انداز میں سر ہلاتی ہوئی وضو کرنے چل دیں۔

''میں سوچ رہی ہوں پری...... کہ اتنے دن ہوگئے قیس کی چچی کو آئے ہوئے اور ہم نے ان کی دعوت بھی نہیں کی بے چارہ بچہ ہمارا اتنا خیال رکھتا ہے۔''

''کیا مطلب رکھتا ہے؟ کیا اب بھی وہ......'' اس نے بڑی بڑی آنکھوں کو مزید پھیلا لیا۔ ''اب بھی وہ آتا ہے۔''

''بال کی کھال مت نکالو پری...... مطلب رکھتا تھا خیال۔'' تائی امی نے نظریں چرائیں وہ تو شکر کہ پری شاہ زیب کے رونے پر ادھر متوجہ ہوگئی تھی۔

''رکھ لیں دعوت، کل یا پرسوں کسی بھی دن بس مجھے بتا دیجیے گا سودا لا دوں گی اور ساتھ والوں کے گھر کام کرنے والی رضیہ کو مدد کے لیے کہہ دوں گی کھانا بھی اچھا پکا لیتی ہے وہ۔''

''نہیں پری تمہارا گھر پر ہونا بہت ضروری ہے اگر تمہارے دل میں کوئی چور نہیں ہے تو بس بات ختم پھر چھپنے یا اس گریز کی توجیح دو، اس طرح تو خواہ مخواہ ہی دال میں کالا والی بات ہوئی ناں دیہاتی عورت ہیں برا مان جائیں گی کہ بہو صاحبہ نے دعوت پہ بلا کر گھر میں رہنا ضروری نہیں سمجھا اور تم اب تو واقعی پکی بہو بنتی جا رہی ہو وہ پری جو میری بیٹی تھی پتا نہیں کہاں گئی۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو پری نے اٹھ کر ان کے گلے میں بازو ڈال کر چٹاچٹ ان کے گال چوم لیے تائی امی نے پیار سے اسے چپت لگائی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی کتنے دنوں بعد جھرنا بہہ نکلا تھا گھنٹیاں گنگنائی تھیں تائی امی نے سامنے لگی۔ شاہ جہاں کی بڑی سی تصویر پہ نظر ڈالی تصویر پہ ان دونوں کا مسکراتا عکس تھا۔

ساری ٹیبل سیٹ کر کے پری نے کچن میں کھانوں کا جائزہ لیا سب تیار تھا گھر خوشبوؤں سے مہک رہا تھا آج اس نے تائی امی سے کوئی مدد نہیں لی تھی سب کچھ خود کیا تھا تائی امی نے اس کے اول جلول حلیے کو دیکھا تو اسے فریش ہونے بھیجا وہ فریش ہو کر نکلی تو سرخ اور کالے رنگ والے سوٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی جو یقیناً تائی امی لائی تھیں اس نے تو کپڑوں پر توجہ دینے کا خیال بھی چھوڑ دیا۔ تائی امی کا وجود ہمیشہ اس کے لیے شجر سایہ دار رہا تھا۔ وہ تیار ہو کر نکلی تو مہمان آ چکے تھے۔ بلا تکلف ڈائننگ چیئر پر ہی براجمان تھے اس نے سب کو سلام کیا تو تائی امی نے اسے کھانا لگانے کو کہا۔ وہ کھانا لگاتے محسوس کر رہی تھی کہ قیس کی نظریں اس پر ہی ہیں دوسری طرف چہکتے چلاتے اورنج کلر کے سوٹ بمع پراندہ کرن عین قیس کے ساتھ والی کرسی پر براجمان تھی اور بغیر قیس سے پوچھے اس کی پلیٹ میں ہر چیز ڈال رہی تھی نتیجتاً قیس کی پلیٹ میں ایک پہاڑ کی چوٹی کھڑی ہوگئی تھی پری نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی اور نادانستہ بولی۔

''قیس کو اتنا کھانے کی عادت کہاں ہے اور کرن چاول تو وہ کھاتا ہی نہیں یہ تو آپ لوگوں کے لیے اس ڈش کا اہتمام کیا تھا میں نے۔'' تائی امی نے سر جھکا لیا تو قیس کی چچی نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھئی تمہیں بہت پتا ہے قیس کیا کھاتا ہے کیا نہیں۔'' کرن نے بھی ہاتھ روک کر منہ لٹکا لیا تھا۔

''ارے نہیں جب اتنی محبت سے کرن نے ڈالا ہے تو میں سب کھا لوں گا آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے محترمہ، میری عادتیں بدل گئی ہیں۔'' قیس کے لہجے میں رکھائی آ گئی تھی۔

''میرا خیال ہے کھانا شروع کیا جائے۔'' تائی امی نے فوراً کہا اس سے پہلے کہ پری کی طرف سے گولا

باری ہوانہوں نے اشارتاً پری کو چپ رہنے کا کہا۔ پری نے معذرت کرتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی اسے کرن کے چونچلے ایک آنکھ نہ بھارہے تھے۔

''آپ کی بہو کھانا نہیں کھائے گی ہمارے ساتھ' بہت اونچے مزاج کی لگتی ہے۔'' قیس کی چچی نے ابرو چڑھائے۔

''نہیں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ہی کھانا کھاتی ہے اس کے بغیر نہیں کھاتی۔'' تائی امی نے سچائی بتائی لیکن پری جانتی تھی کہ یہ وجہ نہ ہوتی تو بھی وہ کبھی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتی۔

☆☆☆......☆☆☆

دوسرے دن جب وہ آفس سے نکلی تو قیس کو ایک بار پھر اتنے عرصے بعد گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی اسے دیکھ کر قیس نے ہمیشہ کی طرح فرنٹ ڈوٹ کھولا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''کیوں آئے ہو تم مجھے لینے؟'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے میرا اس لیے ویلا بندہ ہوں اور کوئی کام نہیں تھا سوچا تھوڑا ٹینشن کا مزہ لے لوں کافی ہے یا کچھ اور کہوں۔'' قیس نے بھی منہ بنا کر اسے دیکھا۔

''تو نہیں آنا تھا گھر پر اتنا حسین سامان موجود ہے مصروفیت کے لیے چونچلے اٹھوانے کے لیے تو کیوں آئے گاڑی روکو۔'' اس نے چلتی گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا۔

''کار آٹو لاک ہے محترمہ خوامخواہ کی مشقت سے پرہیز کریں۔'' اس نے آٹو لاک کیز دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں کہتی ہوں گاڑی روکو مجھے یہیں اترنا ہے۔'' وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے اب سچ مچ غصے میں آ گئی تھی۔

''پری وش کول ڈاؤن، آئی لو یو میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں اور اب تم بھی پیار نہ سہی میری پروا ضرور کرتی ہو، میں تم پر اب بھی کوئی دباؤ نہیں ڈال رہا التجا کر رہا ہوں' اکیلے میں خود سے پوچھنا ضرور' میری اس جرأت اظہار کو معاف کرنا پری۔ محبت کے پودے کو لفظوں کے پانی کے ساتھ عمل کی کھاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے ورنہ اس سوکھ ہی جانا ہے پھل خاک دے گا۔'' پری نے کوئی جواب دیا نہ ہی احتجاج کیا البتہ ایک دم اس کے چہرے کا تناؤ ختم ہوگیا اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکایا اور اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔

''ویسے آپ یہ جو دلیری آفس میں دکھا کر آئی تھیں اس پر آپ کو سیلیوٹ ہے میم۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''کون سی دلیری قیس؟'' وہ حیرانگی سے قیس کو دیکھتے تھوڑی دیر پہلے کے اس کے اظہار محبت کو بھول گئی تھی۔

''وہ جو نظامی صاحب کا گال لال کیا تھا آپ نے واہ کیا کہنے؟'' وہ پھر سے کھل کر ہنسا۔

''لیکن تمہیں اس کا کیسے پتا؟'' وہ مزید حیران ہوئی اس کی سرمئی آنکھوں میں حیرانی اور چہرے کی معصومیت پہ قیس کے دل کی دھڑکن نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

''جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے حال سے واقفیت خود پر فرض کرلی جاتی ہے اور آپ کا باس میرا فرینڈ ہے نظامی کی چھٹی بھی خادم نے ہی کرائی ہے۔'' وہ گاڑی چلاتے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر جھکا۔

''اور یہ خادم جو خادمہ گھر پر لایا ہوا ہے جس کی والدہ کی محنت سے آپ آج ماہر سرجن ہیں اس کا کیا......؟''

''ارے وہ تو بہت جلد اپنے ہی بہنوئی کے چھوٹے بھائی سے شادی کر کے رخصت ہو جائیں گی چچی محترمہ کو ہم نے صاف صاف انکار کہہ دیا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے گاڑی پارکنگ میں داخل کی تو پری کو احساس ہوا کہ پتا بھی نہیں چلا تھا اور وہ لوگ منزل پر پہنچ گئے تھے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے تو سامنے کھڑے شاہ زیب نے ان کی طرف دوڑ لگائی پری وش گنگ کھڑی تھی اس کا بیٹا اس کے پاس سے گزر کر قیس کی طرف بڑھ گیا تھا اس پر نہیں بلکہ اس پر کہ وہ دوڑتے ہوئے جو الفاظ دہرا رہا تھا وہ حیران کن تھا۔

"بابا...... باباچاکلیٹ۔" اورقیس نے شرارت سے اسے دیکھتے ایک چاکلیٹ نکال کرشاہ زیب کو پکڑا کر اسے گود میں اٹھالیا پری نے تائی امی کو گھوراتو وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

وسیع وعریض لان میں رنگ برنگے پھولوں کی کیاریوں اور ہرے بھرے درختوں سے گھرا ایک خوب صورت بنگلہ جس میں پورٹیکو میں دو دو مہنگی گاڑیاں کھڑی تھیں وہاں دائیں طرف دیکھیں تو خوب صورت ملبوسات میں دو حسین خواتین لان چیئرز پر بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں پاس ہی کچھ فاصلے پرشاہ زیب اپنے بابا قیس کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا گینداڑتی ہوئی پری وش کے قدموں میں گری پری نے اٹھا کراسے قیس کی طرف اچھالا لیکن وہ کیچ نہیں کرسکا کیونکہ وہ تو اپنی گھڑی اتار رہا تھا کیونکہ یہ گھڑی اسے پری نے دی تھی اور یہ گھڑی شاہ کی تھی اس کا چکنا چور شیشہ اس نے بہت محبت سے بدلوایا تھا اوراس رکی ہوئی گھڑی کی نبضوں کو رواں کیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب اس کا شیشہ ٹوٹے یا اس کی روانی میں فرق پڑے ادھر پری وش نے بے ساختہ خود میں آنے والی تبدیلی پرخوشگواریت محسوس کی عصمت بیگم نے اسے دیکھا تو وہ مسکرادی۔

"کچھ نہیں تائی امی۔" پھر دونوں کھلکھلا کرہنس دیں تو ایک عام آدمی کا خواب دوسرے آدمی کے ہاتھوں پورا ہوگیا بنگلے کے ماتھے پرلکھا تاج محل تو یہی کہہ رہا ہے۔



زمین زاد

صباء ایشل

''پھوپو جانی ایک بات پوچھوں؟'' پانچ سالہ حورم کافی دیر سے اپنی پھوپو کو بغور دیکھ رہی تھی' جو اسائنمنٹ بنانے کے لیے لیپ ٹاپ پر معلومات تلاش کررہی تھیں۔

''میرے پاس آؤ پری۔'' نایاب نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ کافی دیر سے محسوس کررہی تھی کہ حورم کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن اسے مصروف دیکھ کر ہچکچا رہی تھی۔''اب بتاؤ کیا کہنا ہے میری پری کو؟'' نایاب نے لیپ ٹاپ ایک طرف کرکے حورم کو پیار سے گود میں بٹھایا۔

''پھوپو جی! جو بات بچوں کے لیے غلط ہو' وہ بڑوں کے لیے بھی غلط ہی ہوتی ہے ناں؟'' اس نے معصومیت سے گردن ہلا کر سوال کیا۔

''بالکل میری چندا رانی...... جو بات غلط ہو وہ چاہے کوئی بھی کرے وہ غلط ہی رہتی ہے۔اب جاؤ جلدی سے اپنا بستہ لے آؤ اور میرے پاس بیٹھ کر ہوم ورک کرلو۔'' نایاب نے حورم کے گال پر پیار سے بوسہ دیا۔

''پھوپو آپ نے کہا تھا بوتل سے منہ لگا کر پانی پینا گندی بات ہوتی ہے......'' حورم کی بات ابھی شاید پوری نہیں ہوئی تھی۔

''بالکل بیٹا...... بوتل سے منہ لگا کر پانی پینا بہت بری بات ہے' اچھے بچے گلاس میں پانی نکال کر اور تین گھونٹ میں پیتے ہیں۔'' نایاب کو اس کی بات کا محرک اب بھی سمجھ نہیں آیا۔

''تو پھوپو پھر مما کیوں فریج میں سے بوتل نکال کر' منہ لگا کر پانی پیتی ہیں؟'' شہادت کی انگلی گال پر رکھ کر سوال پوچھتی حورم پُرتجسس تھی' نایاب ایک لحہ کو خاموش رہ گئی۔

''پھوپو بتائیں ناں' کیا مما گندی ہیں؟'' نایاب کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر حورم نے اس کا شانہ ہلا کر اسے ایک بار پھر متوجہ کیا۔

''ہاں سکھاؤ میری بیٹی کو تمیز' بہت سمجھ دار بنتی ہو' یہ سکھا رہی ہو میری بچی کو اور تم چلو کمرے میں۔ کتنی بار منع کیا ہے اس کے قریب مت بیٹھا کرو لیکن مجال ہے جو میری بات سمجھ آئے۔'' نمیرہ بھابی نے قریب آ کر ایک جھٹکے سے حورم کو اس کی گود سے اٹھایا' اس کی معصوم آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی اور وہ دوڑتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

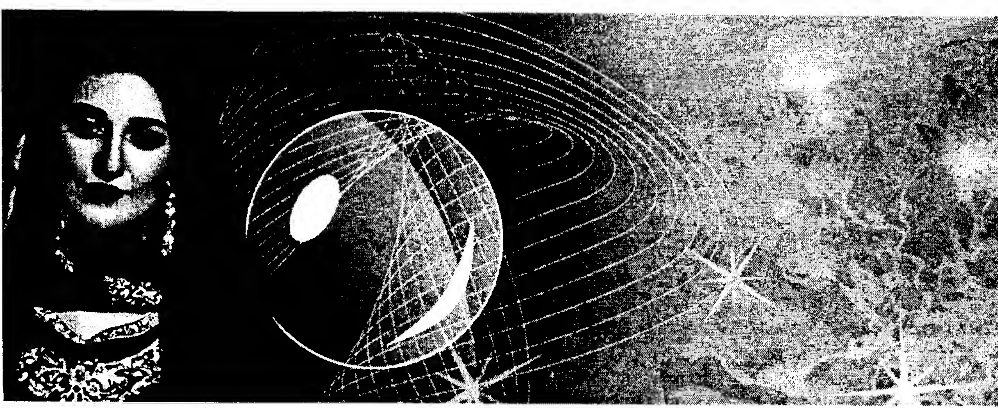
''بھابی آپ بھی حد کرتی ہیں خوامخواہ بچی کو رلا دیا۔ بچوں کے ذہنوں میں آنے والے سوالوں کے جوابات ہمیں ہی دینا ہیں اگر ہم ہی ان کے سوالوں کو نظر انداز کریں گے تو وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دیگر لوگوں کی جانب متوجہ ہوں گے۔'' نایاب کو بھابی کے حورم کے ساتھ اس رویے سے پیش آنے پر ٹھیس پہنچی تھی۔

''بس کرو نایاب بی بی...... مانا کہ چار کتابیں پڑھ کر تم بڑی بڑی باتیں کرنا سیکھ گئی ہو لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مجھے اپنی بیٹی کی تربیت کے لیے تمہاری ضرورت پڑے اور تم کیا سکھا رہی تھیں اسے؟ یہی کہ اس کی ماں اچھی نہیں ہے۔'' ہاتھ نچا کر بلند آواز میں وہ چلا رہی تھیں۔

''ایسا ہرگز نہیں ہے بھابی...... آپ غلط سمجھ رہی ہیں' حورم بس یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ جب ہم اسے بوتل سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع کرتے ہیں تو آپ کیوں ایسا کرتی ہیں؟'' نایاب نے ہچکچاتے ہوئے اصل بات کہہ دی۔

''مطلب اس گھر میں رہنے کے لیے اب ہم پانی پینے کا طریقہ بھی تم سے سیکھیں گے؟'' وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بھابی...... میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ بچے بڑوں کی حرکات وسکنات کو اپناتے ہیں اور چھوٹی عمر میں ان کا آئیڈیل ماں اور استاد ہوتے



ہیں۔ ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ ہم بچوں کے سامنے ایسا کچھ نہ کریں جس سے ہم انہیں روکتے ہیں ورنہ بچوں کا ذہن دو اطراف میں تقسیم ہوجاتا ہے۔'' نایاب اپنے مخصوص صلح جوانداز میں بولی۔

''اب اگر تمہاری تقریر ختم ہوگئی ہو تو میں باورچی خانے میں چلی جاؤں؟'' ابرواچکاتے ہوئے تلخ انداز میں باورچی خانے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بھابی اسی سمت بڑھ گئیں۔

''پتا نہیں آپ کب سمجھیں گی کہ میں آپ کی دشمن نہیں ہوں' حورم میری اپنی ہے اور اس کے ساتھ آپ کا یہ غلط رویہ اس کی ساری زندگی پر اثر انداز ہوسکتا ہے' اس کی شخصیت مسخ ہوسکتی ہے۔'' نایاب نے بڑبڑا کر سر پر ہاتھ رکھ کر تاسف سے نفی میں گردن ہلائی۔



سمیر نایاب کے بھائی تھے' نایاب ابھی میٹرک کررہی تھی جب اس کی والدہ کا ہارٹ اٹیک کی وجہ سے انتقال ہوگیا تھا۔ سمیر اس وقت ایم بی اے کررہے تھے ان کے والد اپنی شریک حیات کے بچھڑ جانے کا صدمہ دل سے لگا کر بیٹھ گئے اور دو سال بعد ایک رات سوئے تو پھر دوبارہ اٹھ نہ سکے۔

سمیر ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر نوکری کررہے تھے اور نایاب کی ذمہ داری بخوشی اور پوری طرح ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے رہتے تھے۔ نمیرہ سمیر کی کلاس فیلو تھی' دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے' نایاب بھائی کی خوشی میں خوش تھی اور نمیرہ کے گھر والوں کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا نہ ساس سسر کا جھنجھٹ نہ بڑے گھرانے کا ڈر۔ اوپر سے لڑکا خوش شکل' نیک سیرت اور اچھی نوکری کررہا تھا۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا' زندگی بہت خوب صورت اور حسین گزر رہی تھی پھر حورم آئی اور گھر بھر کی لاڈلی بن گئی۔ نمیرہ جو دن رات ٹی وی' موبائل اور سونے کی رسیا تھی اب اس اچانک ذمہ داری سے اکتانے لگی تھی۔ یہاں نیند آتی وہاں بچی رونا شروع کردیتی' دودھ پلانا' نیپی بدلنا اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے کئی کام اسے بوجھ لگنے لگے۔ نایاب گھر پر ہوتی تو اسے وہ وقت بہت سہانا لگنے لگتا لیکن جب نایاب کالج میں ہوتی تو وہ بلاوجہ غصے میں رہتی۔

وقت آگے سرکتا رہا' سمیر کی پرموشن ہوگئی' کمپنی کی جانب سے اسے رہائش کے لیے گھر بھی ملا اور نہلے پہ دہلا یہ کہ نیا گھر نمیرہ کے میکے سے قریب بھی تھا۔ اب نمیرہ بہت خوش تھی کہ حورم سارا دن نانو نانی کے گھر یا نمیرہ کے تایا ابو کے گھر رہا کرتی تھی۔ نایاب کو اس پر شدید اعتراض تھا' وہ بھابی کو سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ اچھا خاصا برا منانے لگیں اور آہستہ آہستہ بھابی کے مزاج میں نایاب کے لیے تلخی آنا معمول کی بات بن گئی اور نایاب چاہ کر بھی بھابی کو کچھ سمجھا نہ پارہی تھی۔



"نایاب ذرا میرے کمرے میں تو آنا امی عید پر جو سوٹ دے کر گئی تھیں سوچ رہی ہوں وہ سلوا لوں لیکن نہیں آرہا کیسا سلواؤں۔" وہ کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب بھابی نے اسے دروازے میں کھڑے ہوکر مخاطب کیا۔

"جی بھابی آتی ہوں۔" کل ہونے والی تلخ گفتگو کا دونوں طرف آج شائبہ بھی نہ تھا۔ نایاب تو دل میں رکھتی ہی نہ تھی اور نمیرہ کے اندر ابھی لا اُبالی پن پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ وقتاً فوقتاً بچگانے رویے کا مظاہرہ کرتی رہتی تھیں' کتاب کا صفحہ موڑ کر نایاب نے اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دوپٹہ ٹھیک کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازے پر پہنچ کر نایاب ایک پل رکی' ٹی وی پر کوئی فلم چل رہی تھی' انتہائی بولڈ سین تھا اور حورم بغور ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ نایاب نے ریموٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں لیکن ریموٹ نظر نہیں آیا' اس نے آگے بڑھ کر مین بٹن سے ٹی وی آف کردیا۔

"کیا ہے پھوپو...... کھولیں ناں' مجھے دیکھنا ہے۔" حورم بضد ہوئی' نمیرہ کی توجہ جو الماری کی طرف تھی' اب اس طرف ہوگئی۔

"بری بات ہے حورم...... ایسی چیزیں نہیں دیکھتے۔" نایاب نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"لیکن مما تو روز دیکھتی ہیں اور کل خلیل ماموں بھی دیکھ رہے تھے انہوں نے میرے منہ پر بھی ایسے کیا تھا جیسے ابھی ٹی وی میں ہو رہا تھا۔" حورم نے نایاب کے قریب آکر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اسے بتایا' نایاب سُن رہ گئی۔

"خلیل ماموں کے پاس آپ اکیلی تھیں یا کوئی اور بھی تھا؟" نایاب نے اسے پیار سے ہاتھ تھام کر قریب بٹھایا' نمیرہ کے ماتھے پر تیوری چڑھنے لگی۔

"سومی آنی بھی تھیں لیکن وہ چائے بنانے چلی گئی تھیں' ماموں نے مجھے چاکلیٹس بھی دیں اور انہوں نے کہا تھا آج مجھے میرے فیورٹ باربی والے اسٹیکرز بھی لاکردیں گے۔" وہ آنکھوں میں چمک لیے خوشی سے بتا رہی تھی۔

"پھوپو آپ سے ایک بات کہیں؟ پھوپو کی پری پھوپو کی بات مانے گی ناں؟" نایاب نے پیار سے پوچھا' حورم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جب بھی خلیل ماموں اکیلے ہوں آپ ان کے پاس نہ بیٹھا کرو' سومی آنی کے پاس چلی جایا کرو یا گھر واپس آجایا کرو۔" اس بار نایاب کا لہجہ بہت عجیب تھا' بھابی نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم پھر سے شروع ہوگئیں' تمہیں آخر مسئلہ کیا ہے' اتنی سی بچی سے ایسی باتیں کررہی ہو۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"بھابی خود کو محفوظ رکھنے کے لیے بچوں کو اگر سمجھایا جائے تو یہ بے شرمی نہیں سمجھ داری ہے۔ کسی انہونی سے قبل ہی انہیں سمجھا دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔ آج کل کے دور میں جیسے حالات ہیں ہم کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتے اور بھابی پلیز ایسی چیزیں بچی کے سامنے نہ دیکھا کریں جن سے بہکنے کا خدشہ ہو۔" نایاب نے حورم کو سائیڈ ٹیبل پر رکھی رنگ بھرنے والی کتاب اٹھا کردی۔

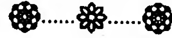
"یہ ٹھیک ہے...... جو بات تم کہو وہ ٹھیک ہے اور ٹی وی پر دیکھ لے تو غلط۔" نمیرہ بھڑک کر بولی۔

"بھابی آپ سمجھتی کیوں نہیں' بیٹی کے معاملے میں کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیا ضروری ہے کہ نقصان اٹھانے کے بعد ہی احتیاط کی جائے۔" نایاب نمیرہ کو اپنا موقف سمجھانے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے' کیسی باتیں کررہی ہو اللہ نہ کرے میری بیٹی کے ساتھ کچھ غلط ہو۔" نایاب بھابی کے تیور دیکھ کر خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف واپس لوٹ آئی۔

بچوں کی تربیت کی ساری ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے جب ماں باپ ہی زمانے کے ساتھ چلنے کے

چکر میں روایتوں اور اسلامی اصولوں کو پامال کریں تو پھر بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا بچہ اردگرد کے لوگوں اور ماحول سے ہر چھوٹی بڑی بات سیکھ رہا ہے اور جب وہ ذہن میں اٹھتے کسی سوال کو ماں باپ کے سامنے لاتا ہے تو جواب میں ڈانٹ ڈپٹ کرا سے خاموش کروادیا جاتا ہے بجائے اس کے کہ اس کو اس کی ذہنی سطح کے مطابق سمجھایا جائے تاکہ اس کے ذہن میں سوال جنم لینے سے پہلے ہی مر جائے۔ تجسس میں مبتلا کر کے اسے کسی اور سے جو بات جاننے کا موقع ملے وہ مائیں خود اپنے طریقے سے سمجھادیں تو کئی بگاڑ وہیں دم توڑ جائیں۔



''سومی...... حورم کہاں ہے؟'' بھابی نے سومیہ سے پوچھا۔ سومیہ اور نمیرہ دونوں کے والد بھائی' بھائی تھے گزرتے وقت کے ساتھ دونوں گھروں کے درمیان اونچی دیوار ضرور حائل ہوگئی تھی لیکن محبتیں آج بھی ویسے ہی قائم تھیں۔ نمیرہ اکثر حورم کو یہاں کھیلنے بھیج دیا کرتی تھی اور وہ سب حورم سے محبت بھی بہت کرتے تھے۔

''یہیں تو تھی آپی...... میرے خیال سے خلیل بھائی کے پاس ہوگی۔'' سومیہ جواب دے کر آگے بڑھ گئی' آج ان کے ہاں میلاد تھا اسی سلسلے میں وہ اور نایاب بھی یہاں آئی ہوئی تھیں۔ حورم کو انہوں نے پہلے ہی تیار کر کے بھیج دیا تھا' نمیرہ نے سومیہ کا جواب سنا تو قریب کھڑی نایاب کی طرف نظر کی۔ جانے نایاب کی باتوں کا اثر تھا یا کچھ اور کہ ان کے قدم خود بخود خلیل کے کمرے کی جانب بڑھے' نایاب نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا' نمیرہ نے دروازہ پورا کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر جانے کیا سوچ کر پیچھے کھینچ لیا اور تھوڑے سے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

''آپ کو پتا ہے آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔'' خلیل حورم کے چہرے سے چہرہ ملائے ہوئے تھا۔

''ماموں آپ بھی بہت اچھے ہیں۔'' حورم چاکلیٹ کھاتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

''آہ.....سکون مل گیا ہے میری جان' ایک بار پھر سے کہوناں پلیز۔'' حورم کو لپٹا کر اس کے گال کو چومتے ہوئے خلیل کی سانس پھول رہی تھی۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' حورم اب بھی اس کی حالت سے انجان پیار سے بولی۔

''ماموں آپ کو یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس کی پھولتی سانس دیکھ کر بچی پریشان ہوئی۔

''کچھ نہیں جان من..... یہ تمہاری قربت کا اثر ہے' تمہارے ساتھ کی.....'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیوں کہ کسی نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا تھا۔ ایک پل کے لیے منظر ساکت ہو گیا تھا پھر نمیرہ کو ہوش آیا اور وہ دوڑ کر آگے بڑھی اور حورم کو گلے سے لگالیا۔ خلیل بری طرح بوکھلا گیا' ایک گال پر ہاتھ رکھے وہ دم بخود کھڑا تھا۔ نایاب کا ہاتھ فضا میں اٹھا اور خلیل کے دوسرے گال پر پڑا۔

''ذلیل انسان..... تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسا کرنے کی۔'' نایاب غصے میں پاگل ہو رہی تھی' وہ نمیرہ کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی اور جب نمیرہ دروازے سے نہ ہلی تو اسے کسی انہونی کا احساس ہوا اور دروازہ دھکیلا تو اسے سارا ماجرا سمجھ آ گیا۔ خلیل حورم کو ہیروئن سمجھ کر درندیت میں بری طرح کھو گیا تھا۔

''اور آپ..... کتنی بار سمجھایا آپ کو کہ بچی کے معاملے میں سگے رشتوں پر بھی اعتبار نہ کریں۔ ہم کسی کے اندر اتر کر بھی جھانک نہیں سکتے مگر نہیں آپ کو تو اپنے آرام کی پروا ہے' آپ کے ڈرامہ دیکھنے کے دوران آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔ بچی کو چاہے کوئی درندہ صفت وحشی اپنی ہوس کی خاطر استعمال کرتا رہے' بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے کہ آپ ایک انتہائی غیر ذمہ دار ماں ہیں۔'' نایاب کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور وہ بولتی چلی جا رہی تھی آج نمیرہ گنگ تھیں کہ کہتی بھی تو کیا۔

اور اب ہم بھی گرفتہ دل
نہ محرومی کا سہہ پائیں
نہ بربادی چھپانے کے رہے قابل
وہ بت مرمر کی سل
اور اہل سجدہ کی جبیں گھائل
سبھی کی بات سچ
اور ہم ندامت کے عرق میں تر بتر
شرمندگی کے کرب سے بسمل



''نایاب.....'' نمیرہ اس کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ نایاب جب سے میلاد سے واپس آئی تھی ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی خیالوں میں گم تھی۔ نمیرہ کے آواز دینے پر بھی اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

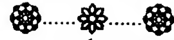
''بے فکر رہیں' کچھ نہیں بتاؤں گی بھائی کو۔'' سپاٹ لہجے میں بنا نمیرہ کی طرف دیکھے' نایاب نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ نمیرہ کی نم آنکھوں سے چھلکتا پانی چہرے پر پھسل آیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر انہوں نے نایاب کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے گلے لگ گئیں۔

''آئی ایم سوری نایاب..... میں تمہیں سمجھ ہی نہ سکی۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہوئی' کہنے کو تو میں اس کی ماں ہوں لیکن مجھ سے کہیں زیادہ پیار اور خیال تم نے اسے دیا اور مجھے یہ لگتا رہا کہ تم یہ سب جان بوجھ کر مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے کرتی ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔'' نمیرہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھیں' نایاب بھابی کے ایسے ٹوٹ کر رونے پر پریشان ہوگئی۔ ذرا سا پیچھے ہوتے ہوئے اس نے بھابی کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔

''میں آپ سے ناراض ہو ہی نہیں سکتی بھابی..... بس یہ چاہتی تھی کہ آپ میری بات سمجھ جائیں۔'' نایاب رسان سے بولی' نمیرہ روتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

''آپ جلدی سے منہ ہاتھ دھولیں' لگتا ہے بھائی آ گئے میں چائے کا پانی چولہے پر رکھتی ہوں۔'' ڈور بیل کی آواز پر نایاب نے نمیرہ سے کہا اور دروازہ

کھولنے چل دی۔



''میری بیٹی جلدی سے کپڑے بدل لے پھر میں اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی پھر پری والی کہانی سناؤں گی اس کے بعد ہم دونوں تھوڑا سا سو جائیں گے۔'' حورم اسکول سے آئی تھی اس سے پہلے وہ آتے ہی سومی یا نانو کے گھر چلی جایا کرتی تھی اکثر تو کھانا بھی وہیں کھایا کرتی لیکن آج موسم اور فضا دونوں ہی بدلے ہوئے تھے۔

''سچ مما...... آپ خود کھلائیں گی اور اسٹوری بھی سنائیں گی۔ میں ابھی واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' حورم خوشی سے واش روم کی طرف بھاگی پھر نایاب کو اندر آتا دیکھ کر اس کے پاس آئی۔

''پھوپو...... آپ کو پتا ہے آج مما مجھے کھانا بھی کھلائیں گی اور اسٹوری بھی سنائیں گی۔'' وہ چہک رہی تھی' نایاب نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپکا۔ حورم واش روم کی طرف دوڑ گئی' آج خلاف معمول ٹی وی بند تھا' نایاب نے آگے بڑھ کر ٹی وی آن کر دیا۔

''کیا بات ہے نایاب...... تم روئی ہو؟'' بھابی نے اس کا اترا چہرہ اور نم آنکھیں دیکھ کر حیرانی سے پوچھا' وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے چینل بدلتی رہی اور پھر ایک چینل پر رک گئی۔

''سات سالہ زینب ایک سال کے دوران وہ گیارہویں بچی ہے جسے زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا ہے۔ زینب کی اغواء کی ویڈیو ہم آپ کو دکھا رہے ہیں' ناظرین آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ بچی مجرم کا ہاتھ تھامے خوش خوش جاتی دکھائی دے رہی ہے جس سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ مجرم بچی کا کوئی قریبی عزیز ہے۔'' نیوز چینل پر سانحہ زینب کے حوالے سے اور بھی بہت کچھ کہا جا رہا تھا لیکن بھابی نے ریموٹ پکڑ کر ٹی وی بند کر دیا۔

''وحشت کی انتہا ہو گئی بھابی...... انسان درندہ بن گیا ہے آپ نے دیکھا ناں کیسے وہ بچی...... بھابی اس کی گردن' کلائیاں کاٹی گئی ہیں۔ کتنی تکلیف' کتنی اذیت سہی اس معصوم نے' وہ ننھی کلی جسے ابھی کھلنا تھا اور وہ کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی۔ سفاکیت اور بربریت بھی اس پر افسوس کر رہے ہوں گے۔'' نایاب ٹوٹے لہجے میں بول رہی تھی۔

''بھابی مجھ سے وعدہ کریں کہ اپنی حورم کو کمزور نہیں بنائیں گی' اسے جینا سکھائیں گی۔ اسے بتائیں گی کہ آپ کی اجازت کے بنا وہ کسی کے ساتھ نہیں جائے گی' آپ اسے کبھی کسی کی گود میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ ہر وہ بات' احساسات جو اسے کوئی اور بتائے وہ اسے آپ خود بتا کر اسے مضبوط لڑکی بنائیں گی۔'' نایاب نے روتے ہوئے بھابی کا ہاتھ پکڑا۔

''آئی پرامس نایاب...... مجھے سمجھ آگئی ہے کہ انسان نما گدھ قدم قدم پر موجود ہیں' ہمیں انہیں نا صرف تلاش کرنا ہے بلکہ انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دینا جس سے یہ ایک اور زینب کی جان اور عزت لے سکیں اور میں نے سوچ لیا ہے کہ اسے نا صرف اجنبیوں اور جان پہچان رکھنے والے لوگوں سے فاصلہ رکھنا سکھاؤں گی بلکہ میں ابھی سے اسے مارشل آرٹ بھی سکھانا شروع کروا دوں گی تاکہ وقت پڑنے پر خود کو محفوظ رکھ سکے۔'' بھابی جذب کے عالم میں بولیں۔

''ان قاتلوں کی پشت پناہی جو زمین زادے کر رہے ہیں' وہ آج تو خود کو چھپالیں گے لیکن کل بروز حشر کیا جواب دیں گے؟'' نایاب شدید دکھ اور کرب میں گھری سوچ رہی تھی۔

میں خود پرست' خدا کی امان بھول گیا
زمین زاد تھا' سو آسمان بھول گیا
نظر کو بیچ کر سودا کیا انسانیت کا
پھر اپنے رستے کے سارے نشان بھول گیا



قسط نمبر 2

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عیشال چودھری جہانگیر کی بیٹی جو حویلی میں رہتی ہے لیکن حویلی کی روایات پر عمل نہیں کرتی ہے کیونکہ اس کی طبیعت میں بغاوت وخود پسندی شامل ہوتی ہے۔ سمہان آفندی آدھی رات کو حویلی میں واپس آتا ہے تب عیشال اس سے الجھتی اس کا کمرہ دیکھنے کی بات کرتی ہے جس پر وہ تھکاوٹ اور وقت کا احساس دلا کر ٹال جاتا ہے۔ چودھری حشمت کے چار بیٹے' چودھری فیروز' چودھری بخت' چودھری جہانگیر اور سب سے چھوٹے چودھری مقیم ہیں' چودھری بخت اور چودھری جہانگیر شہر میں رہتے ہیں' چودھری بخت سرجن ہیں اور ان کی شادی خاندان کی واحد ڈاکٹر لڑکی دیا سے ہوتی ہے' شادی کے بعد انہوں نے خصوصی طور پر پریکٹس کی اجازت دلوائی تھی یہی وجہ ہے کہ اب دونوں ایک ہی ہاسپٹل میں ہوتے ہیں۔ منزہ اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے علاقے میں رہائش پذیر ہے' شوہر یحییٰ کا انتقال ہو چکا ہے' اس لیے دونوں بچیوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات پورے کرنے کی خاطر منزہ سلائی مشین سنبھال لیتی ہے' اورا کو انٹری ٹیسٹ دینے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے' منزہ اسے نصیحت کرتی رخصت کرتی ہے' چودھری حشمت شاہ زرشمعون سے ثنائیہ کو شہر چھوڑ آنے کا کہتے اسے حیران کر دیتے ہیں' ثنائیہ کچھ دن حویلی رہنے آئی تھی لیکن اس کا دل یہاں نہیں لگتا تھا۔ ثنائیہ' شاہ زرشمعون کے ساتھ کراچی آ رہی ہوتی ہے' لیکن راستے میں گاڑی رکوا کر تصویر بنانا چاہتی ہے جب ہی اس کے ساتھ حادثہ پیش آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



شاہ زرشمعون تیزی سے بھاگتا ہوا ثنائیہ چودھری تک آیا تھا..... ثنائیہ کا وجود خوف کی لپیٹ میں تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر چڑھ کر تصویر بنانے کے شوق میں گاڑی سے نکل کر تقریباً بھاگی تھی لیکن پھسلن ہونے کے باعث توازن قائم نہیں رکھ سکی اور اوندھے منہ زمین پر گری تھی۔ پاؤں بھی بری طرح مڑا گیا تھا جس کی بنا پر اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔ شاہ زرشمعون فوراً ہی اس کے قریب آیا اور اس کا غصہ سے لال ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

''احمقوں کی ملکہ..... جی تو چاہ رہا ہے تمہیں یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں۔'' شاہ زرشمعون آگ بگولہ ہوا۔ ''ہو گیا شوق پورا..... فلمی ہیروئن بننے کا؟'' اس صورت حال میں بھی وہ اس کا حال پوچھنے کے بجائے گھن گرج رہا تھا۔ ''اٹھو اب فوراً..... یا اللہ! یہ کس امتحان میں پھنسا دیا مجھے..... اب اٹھ جاؤ یا کرین منگواؤں تمہیں اٹھانے کے لیے؟'' وہ دھاڑا۔

ثنائیہ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ایک کراہ کے ساتھ ٹانگ بھی سیدھی نہ کر سکی۔

''مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اذیت کے رنگ اس کے چہرے پہ پھیل گئے..... شاہ زرشمعون پنجوں کے بل بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا..... نازک سی سینڈل گرتے ہوئے پیروں سے نکل کر گئی تھی۔

''اٹھو.....'' شاہ زرشمعون کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اسے کھڑا ہونے میں تکلیف ہو رہی ہے تب ہی آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا' وہ ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ڈال کر لڑکھڑا کر کھڑی ہوگئی۔



وہ لنگڑاتی ہوئی اس کے ساتھ گاڑی تک آئی تھی۔ اس کی سینڈل اندر پھینک کر اسے بیٹھنے میں مدد کرنے کی اور سیٹ پہ بیٹھنے کے بعد شنائیہ چپ چاپ اپنے پیر کا معائنہ کرنے لگی...... کھٹ سے دروازہ بند کرکے وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا۔

''چلیں، مجھے بہت درد ہورہا ہے۔'' اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ اس جیسی نازک مزاج جو چھینک آ جانے پہ پورا گھر سر پہ اٹھالیتی تھی اور یہاں تو پیر موڑنے کی بات تھی۔

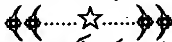
''محترمہ نا ہی کوئی اتنی سیریس چوٹ ہے اور نا ہی میں ایسے چونچلے اٹھانے کے موڈ میں ہوں...... ایسی حرکتیں کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا...... جارہی ہونا گھر...... آرام سے بیڈ ریسٹ لینا...... پندرہ دن ٹریٹمنٹ کرواتی رہنا۔'' شاہ زرشمعون کے صفاچٹ انکار نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔ اسے درد ہورہا تھا اور وہ بھگو کے جوتے مار رہا تھا۔

''یہ پکڑو فرسٹ ایڈ باکس...... زخم صاف کرکے کچھ لگالو۔ ڈاکٹری فضاؤں میں پلی بڑھی ہو...... تھوڑی سی نرسنگ تو آتی ہی ہوگی۔'' جانے کون سے خانے سے فرسٹ ایڈ کا چھوٹا باکس نکال کر اس کی گود میں رکھا تھا۔ شنائیہ کو کچھ تقویت ملی ورنہ تو کچھ بعید نا تھا کہ کیا ہوجاتا۔

''کھڑوس، سڑیل چاہتا ہے میری لاش کو ڈراپ کرے کراچی تاکہ آئندہ نوبت ہی نا آئے۔'' وہ سوچ کے رہ گئی۔

''برائی اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی۔'' اسے شاید سوچ پڑھ لینے پہ بھی عبور حاصل تھا۔

''ایں......!'' شنائیہ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا...... وہ ایک بار پھر گاڑی فل اسپیڈ سے دوڑا رہا تھا۔ اس نے اب کے سپاٹ تاثرات ہی رکھنے کا پلان کیا...... مبادا وہ اپنے بارے میں اس کے خیالات نا جان لے۔



وہ خاموشی سے آ کر اپنی جگہ پہ لیٹ گئی تھیں، آنسو ان کی آنکھوں میں تیر رہے تھے...... سب کچھ کبھی کبھی اس طرح سامنے آجاتا تھا کہ انہیں خود کو سنبھالنے میں گھنٹوں لگ جاتے تھے۔ ملال کا موسم کچھ اس طرح چھا جاتا تھا کہ وہ پہروں بولائی بولائی پھرتی تھیں۔ دو بیٹیوں کو اکیلے پالنا آسان نہیں تھا۔ یحییٰ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ شادی کے چند سال کی رفاقت کے بعد ہی دو بچیوں کی ذمہ داری منزہ پہ آ پڑی تھی۔ بیوگی کی چادر اوڑھ کر منزہ نے اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھانا چاہا تھا۔ اس ضمن میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھیں۔ دونوں بیٹیاں ان کی انتھک محنت کی قدردان تھیں۔ تب ہی تو وہ ان کے پڑھائے ہوئے ہر سبق کو حفظ کرلیتی تھیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ کبھی منزہ کو اپنے عمل سے دکھی نہ کریں۔ وہ اپنی ماں کو تکلیف پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں مگر ماورا سے یہ غلطی ہوگئی تھی۔

منزہ انہیں ہمیشہ اپنے پروں میں چھپا کر رکھتی تھیں تاکہ کبھی ان پہ کسی کی میلی نگاہ نہ پڑے۔ دو جوان بیٹیوں کی ماں ہونا آسان کب تھا مگر تعلیم و تربیت کے لیے انہیں زمانے کے ہم قدم ہونا ہی پڑتا تھا۔ وہ مخلوط تعلیمی نظام کے سخت خلاف تھیں، جہاں پڑھائی سے زیادہ دوستی پروان چڑھتی تھی، انوشا نے گریجویشن کرنے کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا مگر ماورا کو ایم بی اے کی ڈگری کا جنون تھا۔ منزہ نے یہاں بھی چاہا تھا وہ وومن یونیورسٹی سے ایم بی اے کرے مگر پرائیویٹ وومن یونیورسٹی کی فیس اتنی زیادہ تھی کہ وہ وہاں داخلے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں، نتیجتاً انہوں نے مخلوط یونیورسٹی میں تعلیم کی اجازت دے دی اور اب انہیں لگ رہا تھا کہ انہوں نے اجازت دے کر غلطی کردی ہے۔

انہیں اپنے پیروں پہ دباؤ محسوس ہوا۔ بنا دیکھے بھی وہ لمس سے ہی پہچان گئی کہ ماورا کے ہاتھ ہیں۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے سے آنسو صاف کیے، جانے کیا دکھ تھا جو اندر ہی اندر انہیں کھائے جارہا تھا اور آنکھ سے آنسوؤں کی صورت بہتا رہتا تھا۔ کتنی ہی بار دونوں نے پوچھا تھا مگر وہ ٹال جاتی تھیں کہ ماضی کی یادیں آنسو بہانے پہ مجبور کردیتی ہیں۔ دونوں

کو بخوبی احساس تھا منزہ کو شریک سفر سے بہت محبت تھی...... اکثر وہ ان کی تصویر لے کر انہیں آنسو بہاتے دیکھ چکی تھیں' پوری جوانی بیوگی میں کاٹ کر وہ اکثر اپنی تنہائی پہ آبدیدہ ہوجاتی تھیں۔

''اماں...... مجھے معاف کردیں' پلیز۔'' وہ انہیں آنسو خشک کرتے دیکھ چکی تھی۔ مزید دلگرفتہ ہوئی۔ اس کی نظر میں اپنی ماں کی بہت عزت تھی۔

''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں اب کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا آپ کو...... میں آپ کی دل آزاری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ لجاجت سے کہتی انہیں منا رہی تھی۔ منزہ نے اپنے پیر سمیٹ لیے تھے۔ انہوں نے بیٹیوں کو بہت محبت سے پالا تھا' خدمت کرواتے ہوئے بھی انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ ان کی بیٹیاں ان کے پیر تک دبائیں۔

''اماں پلیز......'' ان کی خاموشی ظاہر کررہی تھی کہ وہ ابھی تک ناراض ہیں۔ ماورا کا دل گداز ہوکر اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ منزہ کو خاموشی سے رخ موڑے دیکھ کر لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

''ہاں پہلے غلطی کرو اور پھر چھوٹی بچی کی طرح رونا شروع کردو۔ پتا ہے ناں ماں کتنی ہی ناراض کیوں نہ ہو آنسو دیکھ کر مان جائے گی۔'' اس کی آواز میں نمی محسوس کرکے منزہ نے رخ اس کی طرف کرکے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ بھی چھوٹی بچی کی طرح ان سے چمٹ گئی۔

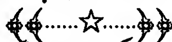
''مجھے اپنی بیٹیوں کا پتا ہے وہ اعلیٰ کردار کی ہیں' مگر جانو! مجھے دنیا کے مردوں کا بھی پتا ہے' تم لوگ بہت معصوم ہو میں نہیں چاہتی میری بیٹیوں کے دامن کو بھی آگ لگے اور یہ آگ تاعمر ان کے وجود کو دھیرے دھیرے جھلساتی رہے۔ تمہارا جسم خاکستر ہوتا رہے...... سلگتے دل کی تپش بھی وجود کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیتی بیٹا۔'' اسے سینے سے چمٹائے وہ سمجھا رہی تھیں۔

انوشا نے چپکے سے جھانک کر اندر دیکھا اور اسے جھانکتے دیکھ کر منزہ نے دوسرا بازو بھی پھیلایا۔ وہ بھی مسکراتی ہوئی ان کی دوسری طرف آکر لیٹ گئی تھی۔ دونوں ماں کے وجود کی گرمی اور ان کی بانہوں کے حصار میں پُرسکون ہوکر آنکھیں موند گئی تھیں مگر منزہ کی آنکھوں سے نیند کو روٹھے عرصہ ہوگیا تھا۔ انہوں نے باری باری دونوں بیٹیوں کے ماتھے پر پیار کیا' دونوں چھوٹی بچیوں کی طرح پُرسکون ان سے چمٹی ہوئی تھیں۔ منزہ کی آنکھوں کے منظر دھندلانے لگے تھے۔ وہ بھی اسی طرح اپنی ماں سے چمٹ کر سونے کی عادی تھیں' وہ کتنی ہی مصروف رہتی تھیں مگر منزہ انہیں ہر کام سے چھڑا کر پکڑ کر کمرے میں لے آتی تھیں۔

''مجھے نیند آرہی ہے' آپ بس میرے پاس لیٹیں۔ کام بعد میں کرلیجیے گا۔''

منزہ دھونس سے کہتی لیٹ کر انہیں بھی زبردستی لٹا کر ان کے وجود کے گرد بازو حمائل کردیتی کہ مبادا انہیں سوتا چھوڑ کر وہ پھر سے اٹھ کر کام میں نا لگ جائیں۔

''پکڑ تو آہستہ' نہیں جاتی تجھے چھوڑ کر۔'' ماں ہنس کر کہتی تھیں' منزہ نفی میں سر ہلا کر پھر سے پکڑ لیتی۔ بیتے منظر کو یاد کرکے ان کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی تھی مگر آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے' یادیں بہت دل شکن ہوتی ہیں۔



سبحان آفندی کسی قدر منتشر سوچوں کی آماجگاہ لیے کچن تک آیا تھا مگر اس کے قدم کچن کی دہلیز پہ ہی ٹھٹک گئے۔ عیشال جہانگیر بڑے مصروف انداز میں کوکنگ رینج کے پاس کھڑی کچھ پکانے میں منہمک تھی۔ شام کے بعد سے وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ڈنر پہ بھی غائب تھی سب نے بلایا مگر اس نے بھوک نہیں ہے کہہ کر انکار کہلوا دیا تھا۔ بعد میں بی جان کی ہدایت پہ ملازمہ نے دودھ کا گلاس' فروٹ اور بسکٹس پہنچا دیئے تھے تاکہ بھوک لگنے کی صورت میں وہ انہیں کھا لے مگر اس نے ان چیزوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اب وہ جانے کوکنگ کا کون سا عظیم مظاہرہ کررہی تھی۔

اس وقت وہ بلو پلین ٹی شرٹ اور بلو پھولوں والی گھیر دار شلوار میں ہم رنگ اسکارف گلے میں ڈالے کھڑی تھی۔
اسے ہشاش بشاش دیکھ کر سمہان آفندی کو خوش گوار یت محسوس ہوئی تھی۔ ورنہ شام کی اس کی زود رنجی نے اسے خاصا متفکر کر دیا تھا کہ جانے کب تک موڈ ٹھیک ہو کیونکہ اس کا تعین بھی آنسہ عیشال جہانگیر خود کرتی تھیں کہ کس ٹاپک پہ کتنے گھنٹے برہم رہنا ہے۔ رات کے دو بج رہے تھے پوری حویلی خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی اور وہ مزے سے اپنے لیے من پسند کھانا پکار ہی تھی۔ اس کی ہر ادا نرالی تھی۔ نفی میں سر ہلاتے سمہان آفندی اندر داخل ہوا تھا۔
”کیا چڑیلوں والا وقت ہے تمہارا ایکٹو ہلا رہنے کا؟“ سمہان آفندی کی اچانک آواز پہ وہ ڈر کے اچھل ہی گئی تھی۔ نوڈلز میں سبزیاں مکس کرتے ہاتھ ایک لمحے کو کانپے تھے مگر اگلے ہی پل سمہان آفندی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں تن گئیں۔
”ابھی ساری ویجیٹیبل گر جاتیں تو......“ اسے تیکھی چتونوں سے گھورتے اب وہ سر جھٹک کر فرائی چکن مکس کرنے لگی۔
”گری تو نہیں ناں۔“ وہ فریج کی طرف بڑھا۔
”اور یہ کیا تم ہر وقت میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو ہر جگہ ٹپک پڑتے ہو؟“ اب وہ دل کھول کر چلی سوس انڈیل رہی تھی۔
”بڑی خوش فہمی ہے جناب کو...... دور کرلیں...... سمہان آفندی کے پاس اتنا وقت نہیں کافی کا موڈ تھا سوچا صغراں بی سے کہہ دوں کچن میں ہوں گی مگر تم مل گئیں۔“ اس نے پُرزور نفی کر کے گوش گزار کیا تو وہ بری طرح جل گئی۔
”صغراں بی اپنے کمرے میں ہوں گی جا کے وہاں رابطہ کرو ان سے۔“ نان اسٹک پین چولہے سے اتار کر اس نے چکن ویجیٹیبل نوڈلز کو پلیٹ میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔
”کیا بچوں والی چیزیں کھاتی رہتی ہو ویسے خوشبو بڑی اچھی آرہی ہے میں بھی ٹیسٹ کروں گا واؤ بے بی کارن بھی ڈالا ہے......“ پلیٹ سے بھاپ اٹھتے دیکھ کر وہ اس کے سر ہو گیا۔
”اپنی صغراں بی سے رابطہ کرو۔ وہ اٹھ کر بنا دیں تو بھلے ٹیسٹ کرتے رہو۔“ اس نے صاف ہری جھنڈی دکھائی کتنے کروفر سے جھٹلایا تھا وہ بھلا کیونکر ناز اٹھاتی۔
”بہت ہی چھوٹا سا دل ہے...... ذرا سا ٹیسٹ نہیں کرواسکتیں؟“ سمہان آفندی کو اس کی بے مروتی پہ جیسے افسوس ہوا۔
”نہیں......“ اس نے منہ بھر کر صفا چٹا انکار کر دیا تھا۔
”اچھا...... زحمت نہ ہو تو کافی بنا دوگی؟“ سمہان آفندی نے منہ بنا کر نوڈلز سے نظریں ہٹا کر لجاجت سے فرمائش کی۔
”زحمت تو ہوگی۔“ عیشال جہانگیر نے ایک جتاتی ہوئی نظر سمہان آفندی پہ ڈالی۔ وہ جل بھن گیا۔
”بے مروتی کی بھی حد ہوتی ہے ویسے بندہ اخلاقاً ہی پوچھ لیتا ہے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں سسرال جا کے رج کے ہمیں ذلیل ہی کرواؤ گی کہ کچھ سکھا کر نہیں بھیجا حویلی والوں نے۔“ سسرال کا نام سن کر عیشال جہانگیر نے اس پہ ایک سلگتی نگاہ ڈالی۔
”میں کہیں نہیں جاؤں گی آئی سمجھ۔“ وہ دھیمے سے غرائی۔
”اخلاقاً مہمانوں سے پوچھتے تو رہتے ہو تم...... اسپیشلی مہمان کراچی کے ہوں تو......“ عیشال جہانگیر نے جتاتی ہوئی نظر ڈالی تھی...... سمہان آفندی کے مزاج کے باعث ہر ایک اس سے ریلیکس ہو کر بات کرتا تھا...... یہاں تک کہ شنائیہ چودھری کی کسی سے حویلی میں اتنی نہیں بنتی تھی جتنی سمہان آفندی سے وہ باتیں بگھارتی تھی اور وہ بھی اس کے دس

کام ہنس ہنس کر کرتا تھا۔ مگر عیشال جہانگیر سب حساب رکھتی تھی تب ہی جتانے سے بعض نہ آئی۔

"آپ یہ حساب کتاب کسی اور وقت لے سکتی ہیں آنسہ عیشال جہانگیر......؟ میں سر درد سے نجات کے لیے کافی کی طلب میں آیا تھا۔ یہاں کافی ملنے کے آثار تو دور دور تک نہیں...... الٹا سر کا درد ہی بڑھتا محسوس ہو رہا ہے۔" عیشال جہانگیر کے لب سختی سے بھنچ گئے۔

"مجھے میرے سرنیم کے ساتھ مت بلاؤ۔" وہ ناگواری کا اظہار کرتی بے ساختہ ٹوک گئی۔

"جی بہتر...... اور کوئی حکم۔" مبادا اس کا موڈ پھر بگڑے وہ جلدی سے سر تسلیم خم کر گیا۔

"نہیں۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا اور کیتل کی طرف متوجہ ہوئی۔ اگلے ہی پل دو مگوں میں کافی ڈال کر سلیقے سے کافی پہ فریش کریم جما کر اس نے دوسری کوارٹر پلیٹ میں اپنی پلیٹ سے نوڈلز شیئر کر کے اور کافی کا جھاگ سے بھرا مگ سمہان آفندی کی طرف بڑھایا تو اس کی آنکھیں حیرت سے مسکرانے لگیں۔

"بڑی جلدی شرم آ گئی؟"

"ناحق نظر لگا رہے تھے کھڑے ہو کر۔" اس نے بھی جان جلانے میں کسر نا چھوڑی...... مگ میں کافی بھی پوری نہیں تھی یعنی اس نے کافی بھی شیئر کی تھی۔ سمہان آفندی کے لب مسکرا دیئے جسے چھپانے کو وہ نوڈلز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"واہ بھئی چھوٹے دل والے لوگ شیئر کر رہے ہیں۔" اس نے فورک اٹھا کر نوڈلز کو منہ میں رکھا۔

"چلو نوڈلز کھلا کھلا کر تم سسرالیوں کے دل تو جیت ہی لوگی۔" وہ جو اسی پہ نظر جمائے کھڑی تھی کہ ٹیسٹ کر کے کیا کہتا ہے وہ کسی اچھے جملے کی منتظر تھی مگر جملہ سن کر اس کا منہ بن گیا۔

"مجھے کسی کا دل نہیں جیتنا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"بائی داوے یہ تم راتوں کو حویلی میں روح بن کر کیوں گھومتی رہتی ہو؟" وہ چیئر قریب کیے نوڈلز کھانے میں مگن ہو گیا۔

"آپ کیوں الو بنے حویلی کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور بائی داوے...... ابھی کوئی آپ کو یوں میرے ساتھ کچن میں گفت و شنید کرتے دیکھ کر کچھ کہے گا نہیں...... کل تو بڑا فتویٰ دے رہے تھے جب روم دکھانے کو کہا تھا۔" وہ بھی بھلا ادھار رکھنے والی مخلوق تھی کہیں۔

"کبھی تو بخش دیا کرو۔" سمہان آفندی جیسا لفظوں کا کھلاڑی بھی کبھی اس کی نو بال پہ بھی آؤٹ ہو جاتا تھا۔

"بے مثال شخص لاجواب کیوں ہو جاتا ہے؟" وہ جیسے چڑا رہی تھی...... سمہان آفندی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"غلط فہمی......" اس نے جھٹلانا چاہا۔

"آپ دور کر لیں۔" وہ چڑاتی اپنی پلیٹ اور مگ اٹھا کر کچن سے نکلنے لگی اپنے کمرے میں آرام سے نیم دراز کوئی اچھا سا ناول پڑھتے چکن و ویجیٹیبل نوڈلز اور کافی انجوائے کرنے کا موڈ تھا۔

"سنو......" سمہان آفندی نے بے ساختہ پکارا۔

"جی......" وہ رک گئی۔

"مہمان نوازی کے لیے شکریہ...... تم جیسی کنجوس سے چیزیں نکلوانے کا ناقابل فراموش واقعہ ہے میری زندگی کا۔" وہ چھیڑنے سے بعض نا آیا۔

"مینشن ناٹ...... میں کبھی کبھی فاش غلطی کر جاتی ہوں۔" وہ تڑخ کر جواب دیتی چلی گئی...... سمہان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔



رات اپنے جوبن پہ تھی...... سی ویو کے ساحل کی دل فریبی ہمیشہ کی طرح عروج پر تھی...... اسٹریٹ لائٹس کے ساتھ گاڑیوں کی تیز روشنی نے دن کا سا سماں پیدا کردیا تھا آج یہاں شہر کی سب سے بڑی کار ریسنگ ہونے والی تھی۔ ریسنگ کے شیدائیوں کا جم غفیر امڈ آیا تھا۔ حصہ لینے والے تمام متوالے پُرامید تھے...... اپنے اپنے علاقے کے چیمپئن موجود تھے۔ جو بیسٹ کار ریسنگ کا ٹائٹل اپنے نام کروانے کا جوش لیے آئے تھے۔

''سب کی ایکسائٹمنٹ تو دیکھو جیسے ونر یہ ہی ہوں۔'' انشراح نے نخوت سے کہا۔

ایشان جاہ اور اس کا گروپ بھی اس ماحول کا حصہ تھا۔ ایشان جاہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی تھا اور آج بھی وہ اس مقابلے میں جیتنے کی نیت سے اترا تھا۔

''کوئی کتنا ہی شو آف کرے کرنے دو چیمپئن تو اپنا ایشان جاہ ہی بنے گا۔'' عزیر پُرامید تھا۔ ایشان جاہ فاتحانہ انداز میں مسکرادیا۔ ایسی کتنی ہی ریسنگ وہ جیت چکا تھا۔ وہ جس ریس میں اترتا تھا' فاتح بن کر ہی لوٹتا تھا۔ آج بھی وہ یوں پُراعتماد تھا جیسے جیت کا ٹائٹل اپنے نام کروالے گا اور یہ اعتماد کچھ بے جا بھی نہیں تھا۔

وہ اس عمر سے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتا تھا جب اس کے پیر بریک تک پہنچ بھی نہیں پاتے تھے...... مختلف ڈنڈوں اور اوزاروں کی مدد لے کر وہ بریک لگاتا تھا' پھر جب پیر پہنچنے کے قابل ہوئے تو نوعمری سے ہی اسٹیئرنگ جیسے اس کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا تھا۔ ریسنگ کا باقاعدہ آغاز ہونے کا اشارہ مل رہا تھا...... سب کو پوزیشن سنبھالنے کے لیے کہا جارہا تھا۔

''آل دا بیسٹ......'' ماحول شور کی آواز سے گونج اٹھا۔

''چک دے......'' ایشان جاہ کے دوستوں نے آل دا بیسٹ کہتے اس کا مورال بلند کیا۔ ایشان جاہ وکٹری کا نشان لہراتا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر گاڑی کو اسٹارٹنگ پوائنٹ تک لے جانے لگا۔ ماحول میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ ہر کوئی اپنے سوار کی حوصلہ افزائی کررہا تھا۔ بالآخر ریس شروع ہونے کی وسل بجی اور ماحول میں سیٹیوں' نعروں کے ساتھ ٹائروں کے شور سے کان پڑی آواز سننا مشکل ہوگئی۔ ہر کوئی چیخنے شور کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں تھا۔

''کم آن ایشان' کم آن......'' عزیر' سہیل' سعید اور انشراح بھی پُرجوش نعروں سے ایشان جاہ کو سپورٹ کررہے تھے۔

مقابلہ بڑا سنسنی خیز ہوتا جارہا تھا' یوں تو ایشان جاہ کا مقابل دور تک نہیں ہوتا تھا مگر آج حریف کچھ زیادہ ہی زور آور ثابت ہورہے تھے۔ مقابلہ برابری کا چل رہا تھا کسی ایک کی ذراسی بھی چوک اسے ہرا سکتی تھی' لیکن ایشان جاہ پھر ایشان جاہ تھا' اس نے لاسٹ منٹ میں اتنی خوب صورتی سے گاڑی کو پیچھے چھوڑا کہ شائقین داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

''اپنا شیر جیت گیا۔'' سب کی رکی سانسیں بحال ہوئی تھی۔ ایشان جاہ وکٹری لائن کے بعد گاڑی دوڑاتا ان تک آیا تو ماحول میں شور مچ گیا۔

''شیر ہے اپنا شیر۔'' سعید اسے سراہے بنا نہ رہ سکا۔ وہ گاڑی سے نکل کر ان تک آیا تھا۔ تینوں ہی اس پہ چڑھ دوڑے تھے۔

''کانگریٹس چیمپ......'' انشراح بھی کھلکھلائی تھی۔

''تھینکس ڈیئر۔'' وہ مسکرا کر چابیاں جھلا رہا تھا' مبارک باد دینے والے امڈ آئے تھے۔ وہ مسکرا مسکرا کر پرنس بنا کھڑا تھا۔

''مجھے ہارنا کبھی پسند نہیں۔'' بھیڑ کو چیر کر خرم اس تک آیا تھا۔ یہ وہی حریف تھا جس نے ایشان جاہ کو ٹف ٹائم دیا تھا۔

''تم نے للو پنجو سے مقابلہ کیا ہوگا' تمہارے مقابل کبھی ایشان جاہ جیسا فاتح آیا نہیں' تب ہی ورنہ تم یہ جملہ سوچ

بھی نا سکتے ڈیئر' بولنا تو دور کی بات ہے۔'' سہیل کے تن کے بولنے پہ خرم تو بل کھا کے رہ گیا۔ ایشان جاہ نے مسکراتی نگاہ خرم پہ ڈالی۔

''حقیقت تو یہ ہے کہ تم ہار چکے ہو۔'' ایشان جاہ کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ نظریں مسکرا رہی تھیں۔ خرم کئی ثانیے اسے غصے سے گھورتا رہا۔

''شکل دیکھی تھی خرم کی...... لگ رہا تھا رو پڑے گا۔'' جیت کا جشن منانے کے لیے وہ سب دو دریا کے ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھاتے ہوئے آج کی ریس پر بحث بھی کر رہے تھے۔

''ایسا ویسا...... ایک پل کو تو لگا اس کا جھگڑا کرنے کا موڈ ہے۔'' سہیل کی بات کو سعید نے آگے بڑھایا...... سب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا...... ایشان جاہ کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے انہیں سن رہا تھا۔

''جھگڑا کرتا تو اسے بھی لگ پتا جاتا' اسے خبر نہیں ایشان جاہ کس چیز کا نام ہے۔ انکل نے تو شوٹ پہلے کرنا ہے' پوچھنا بعد میں ہے کہ بیٹا جی مسئلہ کیا ہے؟'' عزیر چونکہ ایشان جاہ کی پوری فیملی سے واقف تھا اس لیے گوش گزار کر گیا۔

''ہیسلو ٹلی انکل ٹو مچ اگریسو ہیں' ہم سب کی تو جان جاتی ہے ان سے۔'' انشراح نے بھی ایشان جاہ کی کزن ہونے پہ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''یاد نہیں پچھلی بار کالج کے گروپ کی آپس میں لڑائی کے دوران غلطی سے بوتل ایشان کو لگ گئی تھی اور انکل نے کالج سیل کروا دیا تھا...... وہ تو مینجمنٹ نے ہفتوں منت سماجت کی اور ایشان نے بھی اصرار کیا تو انکل نے کالج کھولنے کی اجازت دی۔'' سہیل بھی کالج کا واقعہ گوش گزار کر گیا کہ وہ سب ساتھ ہی پڑھتے آ رہے تھے۔

''یو آر سو لکی ایشان' انکل دنیا کے بیسٹ فادر ہیں' تیرے ایک اشارے پہ کسی کی بھی جان لے لیں۔'' عزیر بھی ایشان کے والد محترم کی پرسنالٹی' ان کے انداز کا شیدائی تھا۔

''سو تو ہے' ون آف دا بیسٹ ڈیڈ ہیں میرے۔'' ایشان جاہ کے لہجے میں باپ کے لیے بے حد مان و فخر تھا۔

''گائز' میں بھی لکی ہونے جا رہا ہوں' مجھے بھی مبارک باد دے دو انگیجمنٹ ہونے جا رہی ہے میری۔'' سعید نے موضوع گفتگو بدلتے تذکرہ چھیڑا تو سب پُر جوش ہو گئے۔

''کب...... واٹ...... کس کے ساتھ؟'' کتنے ہی ایسے جملے سب کی طرف سے ادا ہوئے تھے۔

''چند روز میں...... بس پاپا کا آرڈر ملا تو ہم نے بھی ہاں کر دی۔ کزن ہے' مجھے پسند ہے۔'' سعید مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''یار...... عشق پروان چڑھا رہا تھا اور دوستوں کو بتایا تک نہیں۔'' سہیل نے ایک دھپ رسید کی۔

''کانگریچولیشنز ڈیئر۔'' ایشان جاہ خوش دلی سے گویا ہوا۔

''ایسے نہیں...... انگیجمنٹ کی پارٹی میں آ کر وِش کرنا۔'' سعید نے کہا۔

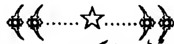
''ہاں ہاں' ہم سب آئیں گے۔'' انشراح نے یقین دلایا۔ کافی دیر سب گپ شپ ہو رہی تھی گو کہ رات کافی ہو چکی تھی مگر وہ جس کلاس سے تھے وہاں یہ عام سی بات تھی۔ تب ہی تو چار چار لڑکوں کے ساتھ انشراح بھی ریلیکس بیٹھی ہوئی تھی۔ انشراح' ایشان جاہ کی خالہ زاد تھی اور باقی سب کلاس فیلو تھے...... اب یونیورسٹی میں بھی سب نے ساتھ ہی ایڈمیشن کے لیے ٹیسٹ دیا تھا۔

''اوکے' کل ملتے ہیں۔'' وہ سب رخصت ہونے کے لیے اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انشراح کو پک اینڈ ڈراپ ایشان جاہ ہی دیتا تھا۔

ایشان جاہ اپنی پارک کی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھا تھا‘ تب ہی ایک تیز رفتار کار اسے پیچھے سے سائیڈ مارتی گزر گئی تھی۔ اس کی پشت اس طرف تھی وہ اس صورت حال کے لیے قطعاً تیار نا تھا۔ تب ہی اچھل کر سامنے فٹ پاتھ پہ گرا تھا۔ اس کا ماتھا فٹ پاتھ سے لگا اور خون کا فوارہ بہنے لگا تھا۔

’’ایشان......!‘‘ انشراح چلائی تو باقی دوست بھی اپنی اپنی گاڑیوں سے نکل کر اس تک بھاگ کر آئے تھے۔

’’یہ تو خرم کی کار لگ رہی ہے۔‘‘ سہیل کی نظر دور جاتی کار پہ تھی۔ ایشان جاہ کی بند آنکھیں دیکھ کر ان سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔



’’ٹریولنگ لاہور ٹو کراچی......بائے روڈ۔‘‘ کا اسٹیٹس لگا کر شنائیہ چودھری دوستوں کے کمنٹ پڑھ پڑھ کر دل مسوس رہی تھی۔

’’واؤ انجوائے۔‘‘ جب تک روشنی تھی وہ گلاس سے نظریں جمائے باہر دیکھ کر وقت گزار رہی تھی‘ مگر جیسے جیسے اندھیرا پھیلنے لگا اس کی آنکھیں بھی اندھیرے سے دھندلانے لگیں‘ ایک یہ مصروفیت بھی ختم ہوگئی تھی‘ اوپر سے دوستوں کے مزے کرو جیسے کمنٹ پڑھ کر شاہ زر شمعون کو دزدیدہ نظروں سے گھورتے اس کا جی ہی جل گیا۔

’’خاک مزے کروں......؟ شارٹ کٹ کے چکر میں جانے کون سے جنگل جھاڑ سے لے کر جا رہا ہے...... بائے روڈ کے بجائے بائے جنگل کا اسٹیٹس لگانا چاہیے تھا مجھے......ودہٹلر ہونہہ......سر جھٹک کر اس نے دکھتی ایڑی پہ نظر ڈال کر دونوں پیر سیٹ پہ رکھ کر اور شال خود پہ پھیلا کر اس کا ارادہ آنکھیں موندنے کا تھا تاکہ سفر تو کسی قدر غنودگی کے عالم میں کٹ جائے۔

’’میری لائف کا بور ترین سفر......‘‘ وہ منہ بسور گئی۔

ایڑی سے اٹھتی درد کی ٹیسیں اسے الگ زود رنج کر رہی تھیں‘ جیسے تیسے زخم صاف کر کے اس نے مرہم لگا کر بینڈیج کی تھی۔ مگر اس جیسی نازک مزاج اتنے بڑے زخم پہ واویلا نہیں کر رہی تھی یہی خاصا حیران کن تھا اس کے لیے......تھوڑی دیر پہلے اس نے پیٹ بھر کے کباب‘ پلاؤ اور نگٹس‘ کھائے تھے‘ کافی پی کر تازہ دم ہوگئی تھی۔ اس نے شاہ زر شمعون سے بھی پوچھا تھا جواب میں اس نے صرف کافی کا کہا تھا۔

’’انسان ہے یا مشین......بھوک پیاس نہیں لگتی اسے۔‘‘ وہ کافی تھماتی سوچ کے رہ گئی۔

اسی لمحے شاہ زر شمعون کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ نیند پہ خلل پڑنے کے باعث شنائیہ چودھری کو کوفت ہونے لگی۔ ہر دس منٹ بعد تو اس کا سیل فون بجنے لگتا تھا۔ جانے کون کون فون کر کے اپنے دکھڑے روتا رہتا تھا۔ حویلی کے ایک ایک بندے کا فون آچکا تھا۔ چودھری حشمت‘ فائزہ‘ زمرد بیگم سب نے ہی بات کی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے کام کے کئی بندوں کی کال تھی......وہ گفتگو سے اندازہ لگا رہی تھی‘ خود اس کا دل چاہ رہا تھا‘ وہ کسی دوست سے بات کر کے ٹائم پاس کرے مگر ہائے ری قسمت‘ وہ اس کے سامنے بات بھی کرتی تو کیسے......اس پہ بھی وہ دس اعتراض اٹھا دیتا۔

’’ٹھیک ہوں جگر......‘‘ شاہ زر شمعون نے سیل فون کان سے لگایا تھا۔ لہجہ کسی قدر نرم تھا۔

’’اس سڑیل کا جگر کون ہوسکتا ہے جس سے بات کرتے اس کی ٹون ہی بدل گئی۔‘‘ شنائیہ اس کے چہرے پہ پھیلے نرم تاثرات کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

’’ہاں بہت اچھا گزر رہا ہے......فلمی سین کی طرح ہاتھ لہرا لہرا کر لوگ گاڑی رکوا لیتے ہیں۔‘‘ وہ کہہ رہا تھا اور شنائیہ چودھری بے ساختہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"یااللہ! اب یہ ساری رپورٹس داجان تک نا پہنچادے اور پپا تک گئی تو دونوں طرف سے شامت آجائے گی..... لیکن یہ رپورٹ دے کس کو رہا ہے؟" وہ سوچ کے رہ گئی' سوال پوچھنے کی ہمت نا تھی۔

"اس کے ساتھ رہ کے تو مجھے خود سے سوال جواب کرنے کی بیماری لگ جائے گی۔" وہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

شاہ زرشمعون نے اپنا سیل اچانک اس کی طرف بڑھایا تھا۔ سمہان آفندی محظوظ ہوا۔ وہ شاہ زرشمعون کو بہت اچھی طرح جانتا تھا..... اس کے لب و لہجے نے ظاہر کردیا تھا کہ وہ کس قدر چڑا ہوا ہے۔ شنائیہ چودھری جو اتنی دیر سے فون پہ کون ہے؟ کا تعین کررہی تھی' اس کے سیل فون ایک دم سے بڑھانے پہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پہ درج سوال پڑھ کر بھی اس نے جواب خاک دینا تھا۔ اسی نے سیل فون لے کر کان سے لگایا' فون دینے پہ ہی اندازہ ہوگیا تھا دوسری طرف کوئی اپنا ہی ہے۔

"ہیلو۔" اس کی ڈری سہمی باریک آواز سن کر سمہان آفندی نے اپنی ہنسی کو بامشکل روکا۔

"کیسی ہیں شنائیہ جی..... کیسا گزر رہا ہے سفر؟" وہ یقیناً ان دونوں کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

اندھیری رات کا سفر' ایک سڑیل مزاج' جسے بولنا گناہ لگتا تھا' دوسری طرف شوخ چنچل لیکن شاہ زرشمعون کے سامنے بزدل شنائیہ اسے اچھی طرح خبر تھی اس کی کتنی جان جاتی تھی اس کے سامنے۔

"تم تھوڑا سا وقت نہیں نکال سکتے تھے۔" شنائیہ چودھری دبے دبے لہجے میں جیسے منمنائی..... سمہان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

میں تو اک عام سپاہی تھا حفاظت کے لیے
شاہ زادی' یہ تیرا حق تھا تجھے 'شاہ' ملے.....!

سمہان آفندی نے جس شرارتی انداز سے برمحل شعر پڑھا تھا (اسے وہ خود ہی شعر کہہ سکتا تھا) اور اس کے بعد اس کا قہقہہ سن کر شنائیہ چودھری کا جی چاہا اسے خوب سنائے لیکن شاہ زرشمعون کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔ اسپیکر اس کے کان سے لگتے آن ہوچکا تھا اور یہ شعر شاہ زرشمعون نے بھی "سماعت" فرمالیا تھا اور اسے گھور کر دیکھا۔ وہ ایک دم چور سی ہوکر سمہان آفندی کو دل میں کوستی اسپیکر آف کرگئی تھی۔

"میں گھر پہنچ گئی زندہ سلامت تو بات کرتی ہوں۔" شنائیہ چودھری نے اس کی "گھوری" کی زد میں خاک بات کرنا تھی۔ اس نے بے ساختہ فون شاہ زرشمعون کو واپس تھمایا۔

"بولو اب۔" شاہ زرشمعون نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"کب تک پہنچ جاؤ گے؟ اپنی رفتار کے حساب سے تم نے آدھے سے زیادہ سفر تو طے کرلیا ہوگا؟" سمہان آفندی نے اندازہ لگایا۔

"آٹھ بجے تک پہنچ جاؤں گا' ان شاء اللہ۔" شاہ زرشمعون نے تسلی دی۔

"اوکے برو..... لانگ جرنی ہے بی سیف اینڈ کیپ آن ٹچ۔ ویسے تو تُو سوپہ اکیلا بھاری ہے لیکن بھائی کی ضرورت جہاں ہو وہاں بس کال کردینا جان حاضر ہوجائے گی۔" سمہان آفندی نے جس بے ساختگی سے کہا تھا شاہ زرشمعون مسکرا دیا تھا۔

"جانتا ہوں تمہیں۔" چند ایک بات کے بعد دونوں نے الوداعی کلمات کہہ کر کال بند کردی تھی۔

"پیچھے جاکر سیٹ پہ لیٹ جاؤ۔" شاہ زرشمعون کو بھی جیسے اس گھڑی احساس ہوگیا تھا کہ وہ کئی گھنٹوں سے سکڑ سمٹ کر سیٹ پہ بیٹھی ہے' تب ہی آفر کی کہ ابھی صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔

''جس اسپیڈ سے گاڑی چل رہی ہے مجھے سیٹ سے لڑھکنے کا کوئی شوق نہیں۔'' گو کہ وہ اس کے سامنے ڈر کر ہی بولتی تھی مگر جب بھی اس کے آگے زبان کھلتی تھی مزاج کے مطابق وہ کچھ ایسا بول جاتی کہ وہ اسے ''ایک گھوری'' کا مستحق ضرور سمجھنے لگتا تھا۔

''بس لائٹ آف کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ روشنی چبھ رہی ہے۔'' وہ جلدی سے کہہ کر شانوں تک پڑی شال چھپاک سے سر تک تان گئی تھی' شال کے اندر منہ کر کے بھی اسے اندازہ تھا ''ایک گھوری'' تو ضرور ملی ہوگی لیکن چند ثانیے بعد لائٹ آف ہوگئی تو اسے تسلی ہوئی۔

''سڑیل نے لائٹ تو بند کی۔''



''یہ تم اس وقت حویلی میں کیا کرتی پھر رہی ہو' اتنی رات گئے؟'' عیشال جہانگیر بڑے موڈ میں پلیٹ میں نوڈلز' کافی کا مگ دوسرے ہاتھ میں تھامے گنگناتی ہوئی کچن سے اپنے کمرے کی اور بڑھ رہی تھی' تب ہی چودھری حشمت تہجد پڑھنے کی نیت سے اٹھے تھے' اپنے کمرے سے باہر نکل کر آئے تو عیشال جہانگیر کو یوں ریلیکس پھرتے دیکھ کرنا گواری کا اظہار کرنا نا بھولے...... ان کی نظریں اس کے ہاتھ میں موجود چیزوں پر پڑیں تو ان کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

سمہان آفندی بھی شاہ زرتمعون سے بات کر کے فری ہو چکا تھا۔ اس کی سماعت سے چودھری حشمت کا لہجہ ٹکرایا تو وہ بے ساختہ اوٹ میں ہو گیا کہ اسے اس وقت دیکھ کر کہیں عیشال جہانگیر ان کے غصہ کی زد میں آ جائے۔ سمہان آفندی کو تو شاید وہ کچھ نا کہتے مگر عیشال کی کلاس ضرور ہو جاتی تھی کہ بہر حال حویلی کی عورتوں کے لیے کچھ قواعد وضوابط تھے جس کی وہ پابند تھیں۔

''وہ دا جان......'' عیشال جہانگیر بھلے جتنی نڈر و منہ پھٹ تھی مگر چودھری حشمت کے آگے اس کی بھی گھگی بندھ جاتی تھی۔ اس وقت وہ بری پھنسی تھی' کچھ بولنا عبث تھا۔ خبر ہوتی کہ چودھری حشمت کا گزر ہوگا تو وہ سوچ سمجھ کر نکلتی۔

''یہ وقت ہے کھانے پینے کا۔'' چودھری حشمت اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے اسے ہاتھ میں موجود پلیٹ کا بوجھ اٹھانا مشکل لگنے لگا تھا۔

''دا جان...... بھوک لگ رہی تھی۔'' عیشال جہانگیر منمنائی۔

''بھوک تو لگے گی' جب دستر خوان لگا ہوا ہو' ملازم تمہیں بلانے آئیں اور تم انہیں انکار کہلوا دو' تو اس وقت بے وقت کی بھوک تو لگے گی۔'' چودھری حشمت سخت برہم نظر آ رہے تھے' عیشال سے کوئی جواب نا بن پڑا۔

''عیشال...... ہم تمہیں کچھ زیادہ رعایت دیتے ہیں' اس کی کئی وجوہات ہیں' لیکن اس رعایت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم حویلی کے اصولوں کے خلاف چلتی رہو' اپنی مرضی' من مانی کرتی پھرو اور ہم بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں...... ہم پہلی اور آخری بار تمہیں وارننگ دے رہے ہیں آئندہ سے کھانے کے دستر خوان پہ تمہاری موجودگی لازم ہونی چاہیے...... یوں آدھی رات کو یہ تماشا دوبارہ نا ہو۔'' وہ سختی سے باور کروا رہے تھے۔

''جی دا جان۔'' وہ بے ساختہ سر ہلا گئی' یوں سستے میں جان چھوٹنے کی امید جو نا تھی۔

''اور یہ تمہارا حلیہ کیا ہے؟'' وہ جان چھوٹنے پہ ٹھیک سے شکر بھی نا کر پائی تھی کہ ان کی طرف سے آتے استعجابیہ سوال پہ پھر لرز گئی۔

غالباً اب ان کا دھیان اس کے پہناوے کی طرف گیا تھا۔ جہاں سمہان آفندی بے ساختہ لب دانتوں تلے دبا گیا' وہیں عیشال جز بز ہو کر خفیف سی ہوگئی۔ دونوں ہاتھ بزی تھے جو وہ اسکارف کو ٹھیک کر پاتی۔

''کیا ہے یہ؟'' چودھری حشمت حیرت سے نکلے تو ان کی آواز میں پہلے سے کہیں زیادہ سختی اور سرد مہری عود کر آئی تھی۔ عیشال کا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حال ہوگیا تھا۔

''ہم تمہارے رنگ ڈھنگ دیکھ رہے ہیں عیشال...... ہمیں یہ گستاخی ذرا بھی برداشت نہیں کہ تم حویلی کے اصولوں کو چیلنج کرتی پھرو۔ ہمیں مجبور نہ کرو کہ ہم حویلی سے دور کہیں اور تمہارا ٹھکانا کرنے کے متعلق سوچیں......'' سمہان آفندی بے طرح متفکر ہورہا تھا۔ عیشال بھی ان کی انتہا پسندانہ فیصلوں سے آگاہ تھی۔ اسے بھی تشویش نے آلیا۔ جانے وہ اس کے متعلق کیا حکم صادر فرماتے۔

''تمہارے حلیے کی بابت تو ہم تمہاری دی جان' بہو فائزہ اور فریال سے صبح بات کریں گے کہ ان کی نظر اب تک تمہارے اس پہناوے پہ کیوں نہیں پڑی۔'' عیشال کو افسوس ہونے لگا اب اس کی وجہ سے سب کی شامت آئی تھی۔

''داجان...... کسی کی غلطی نہیں ہے' یہ میری پسند ہے۔'' وہ جی داری سے سارا الزام اپنے سر لے گئی۔

''کیا تم بے خبر ہو کہ حویلی میں اپنی پسند کوئی معنی نہیں رکھتی؟ کیا تم انجان ہو اس حویلی میں اپنی پسند کو اپنانے کا حق کسی کے پاس نہیں؟ اس حویلی میں وہی ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ تمہیں کہاں جانا ہے' کہاں آنا ہے' کیسے رہنا ہے' یہ ہم منتخب کریں گے' تم نہیں......'' چودھری حشمت جلال میں آگئے تھے۔

''داجان......'' سمہان آفندی بے ساختہ سامنے آیا۔

چودھری حشمت اس پکار پہ چونک سے گئے تھے۔ عیشال جہانگیر کو بھی جیسے تقویت ملی تھی۔ وہ یوں آرہا تھا جیسے ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں داخل ہوا ہو...... کم از کم دیکھنے والے کو ایسا ہی لگ رہا تھا' وہ ان دونوں کے سامنے آ کر یوں کھڑا ہوا جیسے معاملہ سمجھنا چاہ رہا ہو۔

''اپنے کمرے میں جاؤ' ہم تم سے صبح بات کرتے ہیں۔'' سمہان آفندی کی دخل اندازی کام کر گئی تھی۔ اس کے حلیے کو مدنظر رکھ کر چودھری حشمت نے سمہان آفندی کا خیال کر کے اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا تھا۔ عیشال بھی جان چھوٹی لاکھوں پائے کے مصداق سر پہ پیر رکھ کر بھاگی تھی۔

''کہو' تم کیوں جاگ رہے ہو اس وقت؟'' چودھری حشمت کے سوالوں کی زد میں وہ آ گیا۔

''سر میں درد سا محسوس ہورہا تھا' آنکھ کھل گئی' اب سوچا ہے تہجد ہی پڑھ لوں آپ کے ساتھ...... پھر آپ سے فیصلوں کے متعلق بات کرنی ہے۔ شاہ بول کر گیا ہے کٹائی شروع کروادوں۔ آج ہی سے کرادوں کام شروع یا کل سے؟'' وہ جلدی میں ان کے سامنے تو آگیا تھا کہ عیشال جہانگیر کی جان خلاصی ہو مگر انہیں روکنے کی وجہ جلدی میں گھڑ گیا۔

''فصل دیکھ لو تم بھی...... شاہ کے حساب سے تو آج ہی سے شروع کردو...... اسے زیادہ سمجھ بوجھ ہے ان معاملوں کی۔'' وہ چودھری حشمت کا دھیان وقتی طور پر بٹانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے' پھر میں صبح ہی کام شروع کروادوں گا۔'' وہ سعادت مندی سے کہہ گیا۔

''کہاں تک پہنچا شاہ' تمہاری بات ہوئی اس سے' سب خیر ہے؟'' چودھری حشمت اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے تو وہ ان سے ایک قدم کا فاصلہ رکھ کر مودب چلنے لگا۔

''جی ابھی بات ہوئی ہے میری صبح آٹھ بجے تک پہنچ جائے گا۔ سب ٹھیک ہے۔'' اس نے بتایا۔

''چلو پھر ساتھ ہی تہجد پڑھو گے یا اپنے کمرے میں؟'' وہ اپنے دروازے پہ رک گئے تھے' سمہان آفندی کے قدم بھی ٹھٹکے۔

''جیسا آپ کا حکم ہو۔'' وہ مودب ہوا۔

"چلو ساتھ ہی پڑھتے ہیں آج۔" چودھری حشمت پوتے کی اس اعلیٰ درجے سعادت مندی پہ جہاں نثار ہوگئے وہیں پوتی کی گستاخی یاد کرکے ان کے لب بھینچ گئے تھے۔ سمہان آفندی ان کے پیچھے ان کے کمرے میں داخل ہوا۔
دوسری طرف عیشال کی بھوک اڑن چھو ہوگئی تھی۔ سمہان آفندی نے اسے اس وقت تو بچالیا تھا مگر صبح کیا ہوگا؟ جب اس کے ساتھ سب کی شامت آئے گی؟ وہ پریشانی سے کمرے میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔
"چھوڑو...... صبح کی صبح ہی دیکھی جائے گی...... ابھی سے سوچ سوچ کر کیوں خون جلاؤں۔" سرکش مزاج کے باعث کسی بھی معاملے پہ زیادہ دیر گھلنے کی بجائے وہ سر جھٹک کر فلور کشن پہ بیٹھ کر چکن وجیٹیبل نوڈلز کھانے لگی۔
"پہلے سمہان کی جھک جھک اور پھر دا جان کی کلاس نے سب ٹھنڈا کردیا۔" وہ منہ بسور کر قدرے ٹھنڈی کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔



رکے تو گردش اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

وہائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس دو دو پسٹل دائیں بائیں لگائے کنپٹیوں میں سفیدی لیے...... انگلیوں میں سگریٹ دبائے رعب و سرد مہری چہرے پہ سجائے چودھری جہانگیر تیز رفتاری سے ہاسپٹل میں انٹر ہوئے تھے۔ ان کی صورت اجنبی نہیں تھی...... ہسپتال میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ دو تین گن مین ان سے کچھ فاصلے پہ اردگرد کے ماحول کو نظروں میں رکھے چل رہے تھے۔
"سر روم نمبر ون زیرو ٹو۔" ان کے سوال سے پہلے ہی ریسپشن پہ موجود بندے نے روم نمبر بتا دیا تھا اور وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر گئے تھے...... جوتوں کی دھمک سے اردگرد موجود لوگ سیڑھیوں پہ دبک سے گئے تھے۔ پسٹل، مشین گن اور گن مین کا بھرم ہی کافی تھا۔ ہر کوئی متجسس نظروں سے چودھری جہانگیر اور ان کے قافلے کو دیکھ رہا تھا۔
"ڈیڈ......" دروازہ کھلا اور وہ سب جو ایشان جاہ کو گھیرے میں لیے اس کے ساتھ بیٹھے تھے اچانک دروازہ کھلنے پہ سب الرٹ ہوگئے گن مین باہر ہی گیٹ پہ رک گئے تھے۔ نیم دراز ایشان جاہ، چودھری جہانگیر کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"کیسے ہوا یہ؟" چودھری جہانگیر اس کی طرف بڑھ کر بے ساختہ اس کے ماتھے سے بندھی پٹی پہ استفسار کر رہے تھے۔
ایشاہ جاہ ان کی آمد پہ متحیر تھا، یقیناً ان میں سے ہی کسی نے کال کی ہوگی۔
"انکل یہ ایکسیڈنٹ نہیں ہے، ریس ہارنے والے نے جان بوجھ کے ایشان کو ٹارگٹ کرتے ہار کا بدلہ لینا چاہا ہے۔" ایشان جاہ سے پہلے ہی عزیر بول اٹھا۔
"نام اور حلیہ بتاؤ صرف......" چودھری جہانگیر بے ساختہ گردن موڑ کر سرد لہجے میں کہتے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
عزیر نے فراٹے سے حلیہ اور نام گوش گزار کردیا۔ سونے پہ سہاگہ سہیل نے گاڑی کا نمبر بھی ریمائنڈ کروادیا۔
"صرف دو گھنٹے میں وہ لاک اپ میں اپنی ہڈیاں سہلا رہا ہوگا...... چاہو تو آ کر اس کی اوقات یاد دلا سکتے ہو۔" ایشان جاہ کے بینڈیج لگے زخم کو نرمی سے چھوتے چودھری جہانگیر کا سرد و خشک لہجہ ایک لمحے کو سب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیلا گیا تھا۔
"اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے آپ ہی کافی ہیں ڈیڈی۔" ایشان جاہ فخریہ لہجے میں بولا...... اسے خبر تھی خرم کا برا وقت شروع ہوچکا ہے۔
ایشان جاہ کے چہرے پہ غرور کا رنگ تیزی سے پھیلا تھا اور پھیلتا بھی کیوں نہیں اس کے ماتھے پہ ذرا سی چوٹ لگنے

سے بے ہوش ہونے کی خبر سن کر چودھری جہانگیر جس طرح اپنا لاؤ لشکر لے کر آئے تھے جس طرح خرم کی شامت کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہوگیا تھا' اس پہ ایشان جاہ کیونکر نا ناز اں ہوتا۔ ایسے والد بھی تو سو میں سے ایک ہوتے ہیں۔

''زیادہ لگی تو نہیں؟'' چودھری جہانگیر متفکر تھے۔

''نہیں ڈیڈ...... اتنا کمزور نہیں آپ کا بیٹا' بس وار پیچھے سے کیا تھا ورنہ منہ توڑ جواب تو اسے وہیں مل جاتا۔'' ایشان جاہ کی رگوں میں بھی چودھری گھرانے کا خون گردش کررہا تھا لب ولہجہ آتش فشاں تھا۔

''اوکے چلو تمہیں ڈراپ کردوں گھر۔'' چودھری جہانگیر نے کہا۔

''آئم فائن ڈیڈ ٹرسٹ می' آپ اپنا کام کریں میں چلا جاؤں گا۔'' ایشان جاہ نے یقین دلایا تو چودھری جہانگیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے نکلتے ہی ان کا لاؤ لشکر ایکٹو ہوگیا اور ایک بار پھر راہداری میں جوتوں کی دھمک گونجنے لگی۔

''باپ رے باپ انکل ہیں کہ انڈر ٹیکر۔'' سعید' چودھری جہانگیر کی چند منٹ کی دھماکے دار انٹری پہ حقیقتاً بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کی ایک آدھ بار ہی ملاقات ہوئی تھی' ان سے بظاہر سرسری مگر اس وقت ان کا جو روپ تھا وہ ان سب کے اعصاب پہ سوار ہوگیا تھا۔

''خرم تو گیا۔'' سہیل دھپ سے ایشان جاہ کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ چودھری جہانگیر کے جاتے ہی سب شروع ہوگئے تھے۔ انشراح چپ کرکے کھڑی تھی۔ وہ کزن تھی اس لیے چودھری جہانگیر کے انداز سے بخوبی واقف تھی یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

''ایشان جاہ تو سچ میں لکی ہے' اگر ابھی میں ایسے کسی ہاسپٹل میں پڑا ہوتا ناں تو میرے پاپا نے آکر پہلے مجھے دو تھپڑ رسید کرنے تھے بعد میں کسی اور کی باری آتی۔'' سعید از حد متاثر ہوکر ٹانگیں لمبی کرگیا۔ ایشان جاہ مسکرادیا۔

''اٹھو بھئی' چلنے کی کرو' میرا تو دم گھٹ رہا ہے یہاں۔'' انشراح دواؤں کی اسمیل سے چڑی ہوئی لگ رہی تھی۔

''ایشان میں ڈرائیو کرلوں گی۔'' انشراح نے اس کی طبیعت کے پیش نظر کہا۔

''ابھی اتنا بھی زخمی نہیں ہوا کہ ڈرائیو نا کرسکوں' بے فکر رہو تمہیں بخیریت ڈراپ کردوں گا۔'' ایشان جاہ بیڈ سے پیر نیچے لٹکاتے انشراح سے کہتے جوگرز پہننے لگا۔ باقی سب جوگرز اتارے ریلیکس بیٹھے چائے کولڈ ڈرنک انجوائے کررہے تھے۔

''بل کی ادائیگی؟'' عزیر کو ہی خیال آیا۔

''ڈیڈ نے کردی ہوگی۔ جہاں ڈیڈ کے قدم پڑیں وہاں مجھے ٹینشن نہیں ہوتی۔'' ایشان جاہ کے لہجے میں چودھری جہانگیر کے لیے فخر ہی فخر تھا۔ بلیک اسٹائلش سی برانڈڈ شارٹ جیکٹ اٹھا کر پہننے لگا' جس سے اس کی وجاہت مزید بڑھ گئی تھی۔ ان سب کی گاڑیاں گھروں کی طرف چل دی تھیں۔



چودھری جہانگیر نے روم سے نکلتے ہی تمام چیک پوسٹ کو الرٹ کردیا تھا۔ ہائی پروفائل کیسز کو ڈیل کرنے والے ایس ایس پی چودھری جہانگیر کے کام میں بھلے دیر ہوسکتی تھی' ایک گھنٹے سے بھی قبل خرم کو ان کے ٹارچر روم میں پہنچادیا گیا تھا۔ خرم اس شہر میں نیا اور جذباتی لڑکا تھا' جسے گھر جانا بھی نصیب نہیں ہوا تھا...... وہ یوں اریسٹ ہونے پہ ہکا بکا ہوتے ہوئے بھی اپنے پاپا کو میسج کرنے میں بالآخر کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ ورنہ جانے اسے کہاں غائب کردیا جاتا کہ اس کے پرکھوں کو بھی خبر نا ہوتی۔ وہ پریشان نظر نہیں آرہا تھا' اسے اپنے باپ کی پہنچ پہ ناز تھا' مگر وہ اپنے جرم کا تعین نہیں کرپارہا تھا۔ ہاں اس

نے ایشان جاہ کو ٹکر ضرور مار کر خار نکالی تھی مگر اس کی نظر میں وہ اتنا بڑا کام نہیں تھا کہ اسے یوں راستے سے ہی اٹھوا کر اریسٹ کر لیتے...... وہ ایشان جاہ کے بیک گراؤنڈ سے بھلے ناواقف تھا مگر اسے اپنے مالدار باپ پہ بھی بھروسہ تھا کہ ان کی جیب میں بھی بڑے بڑے آفیسرز رہتے تھے، تب ہی وہ ریلیکس تھا لاپروائی سے چیونگم چبا رہا تھا اور آتے جاتے آفیسرز اسے بے چاری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ کس کی کسٹڈی میں بند تھا یہ اسے خبر نہ تھی ابھی۔

لیکن یہ بے خبری بھی جلد ہی دور ہوگئی جب کسی نے گیٹ کھول کر جلدی سے سائیڈ ہونے میں عافیت جانی، آنے والے نے تیز رفتاری سے داخل ہو کر خرم کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ ابھی وہ چودھری جہانگیر کے نقوش بھی ڈھنگ سے نا دیکھ پایا تھا کہ انہوں نے اس تک پہنچتے ہی اس پہ تھپڑوں کی بارش کردی۔ پہلا زوردار تھپڑ لگتے ہی خرم جیسا لاابالی انسان ایک طرف لڑھک گیا...... اسے کالر سے گھسیٹ کر چودھری جہانگیر نے سامنے کھڑا کیا۔ انہیں بھی اندازہ ہو گیا تھا وہ ان کے تھپڑوں کی تاب لانے کے قابل نہیں تب ہی اسے کالر سے دبوچ کر انہوں نے مزید کئی تھپڑ اس کے سجے سنورے منہ پر جڑ دیے۔ پل بھر میں اس کے منہ کا جغرافیہ بدل گیا گال سوج گئے ہونٹ پھٹ گیا آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

''سر...... پلیز...... سر...... پلیز مجھے میرا قصور تو بتائیں۔'' خرم پٹتا رہا اور اذیت کے ساتھ گھگیائے جا رہا تھا۔

''سر...... سیٹھ وسیم آئے ہیں اپنے صاحبزادے کی تلاش میں۔'' ان کے ماتحت آفیسر اندر داخل ہو کر گویا ہوا۔ اشارہ خرم کی طرف تھا...... باپ کی آمد کا سن کر خرم کو اپنی موت ٹلتی محسوس ہوئی۔

''کہہ دو یہاں ان کا بیٹا نہیں ہے، جب تک وہ ثبوت لائیں گے ہم اسے یہاں سے غائب کر چکے ہوں گے۔'' چودھری جہانگیر کا سرد لہجہ سرخ آنکھیں، خرم جیسے منحنی جوان کے جسم میں پھریری دوڑا گیا تھا۔ ان کے لفظوں نے اس کے سارے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے...... اب اسے اپنی موت یقینی لگنے لگی۔

''سر پلیز، مجھے معاف کر دیں، میرے بابا سے ملنے دیں۔'' خرم ہاتھ پاؤں جوڑنے لگا۔ اسے آج تک کسی نے پھولوں سے نہیں مارا تھا اور یہاں تو آج اس کی درگت بن گئی تھی۔

''سر...... یہ فون کر چکا ہے اپنے باپ کو۔ وہ شیور ہیں کہ ان کا بیٹا یہیں ہے۔'' چودھری جہانگیر کا حکم سننے کے بعد آفیسر نے مودب ہو کر کہا۔ چودھری جہانگیر کے چہرے پہ پھر بھی تشویش کی کوئی لہر نا آئی۔

''ایشان...... تمہارا مجرم میری کسٹڈی میں ہے بولو کیا کروں اس کے ساتھ۔'' سیٹھ وسیم باہر بیٹھے تھے اور چودھری جہانگیر سیل فون نکال کر بیٹے کو کال کر بیٹھے تھے کہ وہ اس کا مجرم تھا۔ وہ جو طے کرتا وہ عمل کرتے، پھر بھلے ساری دنیا ایک طرف ہوتی، وہ سب کو دیکھ لیتے۔

''شہر میں نیا آیا ہے شاید چھوڑ دیں ڈیڈ، جتنی اب تک آپ اس کی خاطر کر چکے ہوں گے اسے سمجھ آ گئی ہوگی کہ اس نے کس کو ٹکر مار کر خود کو ٹھوکر لگائی ہے اب سے وہ چودھری جہانگیر کے بیٹے ایشان جاہ کے راستے میں آنے سے پہلے ہزار بار سوچے گا ضرور اور پھر بھی موقع ملنے پہ نا سنبھلا تو اگلی بار ان کاؤنٹر کر دیجیے گا۔'' ایشان جاہ کی اسپیکر سے آتی تمسخر اڑاتی آواز پہ خرم کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے وہ فارن سے لوٹا تھا اسے خبر نہیں تھی ایشان جاہ کس چڑیا کا نام ہے، بس ریسنگ کا شوق اسے مہنگا پڑ گیا تھا، چودھری جہانگیر نے جان بوجھ کر اسپیکر کھولا تھا۔

''او کے...... تمہارے صدقے بخش دیا اسے۔'' چودھری جہانگیر ایک جتاتی ہوئی نظر خرم پہ ڈال کر بولے تھے۔ خرم کی جان میں جان آئی مگر اب بھی وہ سہمی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''لو یو ڈیڈ......'' ایشان جاہ چہکا اور چودھری جہانگیر اسے پیچھے لانے کا اشارہ کرتے اپنے روم کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں سیٹھ وسیم اور ان کا سالا موجود تھا۔

چودھری جہانگیر کو آتا دیکھ کر دونوں الرٹ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چودھری جہانگیر نے ان پہ ایک نظر ڈالنا بھی ضروری خیال نہیں کیا۔ اپنی چیئر پہ بیٹھتے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر انہوں نے لبوں میں دبا کر جھٹکے سے لائٹر جلا کر شعلہ دکھایا۔ سیٹھ وسیم اور ان کا سالا خاموشی سے ان کے سرد مہر بارعب انداز کو دیکھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں خرم بھی آفیسر کے پیچھے داخل ہوا تھا۔

''یہ......!'' سیٹھ وسیم بیٹے کی کٹی پھٹی شکل دیکھ کر پھڑ پھڑا کر کھڑے ہو گئے۔ چودھری جہانگیر کی انگلی میں موجود نیلم کی انگوٹھی زخم بن کر خرم کے چہرے پہ واضح ہو گئی تھی۔ بکھرے بال اور سرخ چہرہ' پھٹے ہونٹ' سوجی آنکھیں' جن سے پانی بہہ رہا تھا' بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر سیٹھ وسیم آگ بگولہ ہونے لگے۔

''کس نے کیا میرے بیٹے کا یہ حال؟'' وہ چلائے۔

''میں نے۔'' چودھری جہانگیر نے جھٹکے سے لائٹر بند کر کے میز پہ پھینکا۔

''تم نے اسے کس جرم میں اٹھایا ہے چودھری......؟ اور اس وحشیانہ طور سے ٹارچر...... میں ابھی فون کرتا ہوں...... تمہاری......''

''شکر کرو...... میرے بیٹے نے اسے چھوڑنے کا کہہ دیا...... ورنہ تمہیں اس کا ناخن تک نا ملتا۔'' چودھری جہانگیر سگریٹ کا کش لے کر دھواں اڑاتے جتنی زور سے دھاڑے' سیٹھ وسیم کے ہاتھ میں موجود لاکھوں کا سیل فون گرتے گرتے بچا' جو انہوں نے اپنے کانٹیکٹ استعمال کرنے کے لیے نکالا تھا۔

''لے جاؤ اسے میری نظر کے سامنے سے' میرے بیٹے نے تو اسے چھوڑنے کا کہہ دیا کہیں ایسا نا ہو کہ میرا ارادہ بدل جائے' تمہارے بھرم دیکھ کر۔'' چودھری جہانگیر کے لہجے میں ایسی گھن گرج تھی کہ خرم کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

''اور ہاں آئندہ سے میرے بیٹے کے مقابل اس وقت آنا جب جیتنے کا زعم اور ہارنے کا ظرف ہو۔'' چودھری جہانگیر اب کے خرم کی طرف دیکھ کر اسے وارن کر رہے تھے وہ شدومد سے گردن ہلانے لگا۔

''پپ...... پاپا میری غلطی تھی...... چلیں یہاں سے۔'' نجات کا عندیہ سن کر خرم فوراً وہاں سے نکلنے کی کر رہا تھا...... چند لمحوں میں ہی اس پہ واضح ہو گیا تھا کہ وہ مزید کچھ دیر یہاں رکا تو واقعی اس کے ساتھ وہی سب کچھ ہوتا جس کا ذکر چودھری جہانگیر کر رہے تھے۔ جب تک سیٹھ وسیم اپنے کانٹیکٹس گھماتے' جانے وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

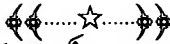
بیٹے کے اقرار اور سالے کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے سیٹھ وسیم کچھ ٹھنڈے ہوئے' وہ بھی برسوں سے اسی شہر میں کاروبار کر رہے تھے۔ چودھری جہانگیر کی شہرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ جو بات بعد میں کرتے تھے' ان کاؤنٹر پہلے...... لیکن یہ بھی تھا کہ مظلوم ان کا نشانہ کبھی نہیں بنتا تھا۔

''شکریہ چودھری......'' سیٹھ وسیم کا سالا ہی معاملہ سنبھال رہا تھا۔ چودھری جہانگیر در خود اعتنا جانے بنا لاپروائی سے کش لگا رہے تھے۔

''نکلو بھائی...... چودھری کا موڈ بدل گیا تو خبر ہے پھر آپ کو۔'' سالہ سیٹھ وسیم کے کان میں منمنایا تو سیٹھ وسیم نے دز دیدہ نظروں سے چودھری جہانگیر کو دیکھا۔

''اور ہاں سیٹھ...... باہر نکل کر اپنے کانٹیکٹس ضرور گھما لینا۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔'' وہ سب باہر کی طرف قدم بڑھا رہے تھے جب چودھری جہانگیر کا چیلنجنگ لب ولہجہ سماعت سے ٹکرایا۔

چودھری جہانگیر نے گھنی مونچھوں تلے عنابی لبوں سے دھواں چھوڑتے ایک جتاتی ہوئی نظر سیٹھ وسیم پہ ڈالی تھی۔ وہ تینوں جلدی سے نکل گئے۔ سر جھٹک کر وہ دھوئیں کے مرغولے میں نظریں جمائے بیٹھے تھے۔



نیند سے تو بس واجبی سا تعلق رہ گیا تھا' ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی تھی' بنا کسی سرپرست کے دو جوان بیٹیوں کے ساتھ تن تنہا شب بسر کرنا آسان کب تھا۔ وہ عورتیں خوش قسمت ہیں جن کے گھروں میں مرد ہوتے ہیں اور وہ بے فکری اور اندیشوں کو کھلا چھوڑ کر مست ہو کر نیند کے مزے لیتی ہیں۔ ان جیسی اکیلی عورت تو کئی کئی لاک لگا کر بھی مٹی اور سمینٹ سے بنی چھت کے نیچے بھی خود کو غیر محفوظ ہی سمجھتی تھی۔

وہ شاید غنودگی میں چلی گئی تھیں' کسی احساس کے تحت ان کی آنکھ کھلی تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھلنے کے اسباب کو تلاشنا چاہا۔ ماورا اور انوشا ان کے دائیں بائیں ہی سو رہی تھیں۔ ان کی بے آرامی محسوس کر کے بنا آہٹ کیے انہوں نے اٹھ کر دونوں کے سروں کو تکیے پہ رکھا۔ انہیں عجیب سی سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ ماورا کے جھولتے ہاتھ کو اس کے پہلو میں رکھتے' منزہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی نظریں بے ساختہ کمرے کے دروازے کی طرف اٹھ گئی تھیں' دروازہ لاک تھا مگر دبی دبی آوازوں سے وہ لاک کو بھی غیر محفوظ سمجھنے لگیں۔ دونوں بیٹیوں پہ باری باری نظر ڈال کر وہ خوف زدہ نظروں سے لوہے کے پرانے گیٹ اور ٹین کی چھتوں پہ ڈال رہی تھیں' حواس کو قابو میں رکھتے انہوں نے کمرے میں موجود اکلوتی لوہے کی کھڑکی کی طرف قدم بڑھائے تھے' غیر محسوس طریقے سے بنا آواز کیے' کھڑکی کو تھوڑا سا کھول کر انہوں نے صحن پہ نظر دوڑائی۔ صحن تو خالی تھا مگر اس کی نیچی دیوار پہ انہیں کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ ان کا دل حلق میں آ گیا۔ دیوار پہ بیٹھا شخص گلی کی طرف منہ کیے دبی آواز میں سرگوشی کر رہا تھا' یعنی نیچے کوئی اور بھی اس کا ساتھی تھا...... جانے وہ دو تھے یا دو سے زیادہ۔ ان کا ارادہ صحن میں کودنے کا تھا اور صحن سے ہی ان کے کمروں کے دروازے تک رسائی کون سا مشکل تھی۔ جانے ان کے کیا ارادے تھے۔

منزہ کی حیثیت کے مطابق یہ پرانی طرز کا بنا گھر تھا' اس کالونی کا ہر گھر ہی تقریباً ٹین کی چھتوں سے آراستہ تھا۔ منزہ کی نظریں دیوار پہ بیٹھے شخص پہ تھیں جو شاید صحن میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ان کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔

''چور' چور' چور......'' منزہ نے چیخنے کے ساتھ ساتھ سامنے پڑی قینچی اٹھا کر زور زور سے کھڑکی بجانا بھی شروع کر دی تھی۔ ماورا اور انوشا بری طرح ڈر کر اٹھ گئیں...... اور معاملہ سمجھنے میں انہیں ایک سیکنڈ لگا تھا۔ اسی دم کبھی کبھار وسل بجا کر فرض پورا کرنے والے چوکیدار کی وسل کی آواز بھی گونجی تو دیوار پہ بیٹھا شخص جو پہلے ہی منزہ کے شور پہ بوکھلا گیا تھا' وہ اندر کودنے کی بجائے باہر ہی چھلانگ لگا گیا۔

ماورا تو منزہ کا ساتھ دینے لگی تھی...... انوشا حواس کو قابو میں کرتی ساتھ والے شاہد صاحب کو کال کر کے صورت حال بتانے لگی۔ تب ہی باہر سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں چوکیدار کی وسل بھی بار بار گونجنے لگی تو محلے کی کھڑکی' دروازے کھلنے لگے۔ ان کا دروازہ زور زور سے بج رہا تھا' تینوں سہمی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں' سیدھی' سادھی عورتیں چور' اچکے ڈاکوؤں کا بھلا کیا مقابلہ کر لیتیں۔

ماورا نے آگے بڑھ کر تیزی سے چھری اٹھائی تھی جو حفظ ماتقدم کے طور پر منزہ پاس ہی رکھتی تھیں' انوشا نے بھی بطور ہتھیار موٹا سا ڈنڈا اٹھا لیا تھا کہ جینے کے لیے لڑنا تو پڑتا ہے اور ان باریکیوں کو انہوں نے کم عمری سے ہی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے سر پہ مرد کا سایہ اور کوئی سرپرست نہیں تھا' دیکھنے والوں کو وہ کھلی دکان مال مفت لگتی تھیں۔ وہ ایک عرصے سے اس محلے کی مکین تھیں' محلے میں کافی ایکا تھا۔ کافی لوگ ان سے ہمدردی رکھتے تھے تو کچھ بری نگاہ والے بھی تھے کہ کسی کو عزت اور ذلت پہ مجبور تو نہیں کر سکتے تھے۔ ماورا دروازہ کھول کر صحن میں نکل آئی' انوشا اور منزہ بھی ہم قدم

تھیں...... کمرے میں بند وہ کب تک محفوظ رہ سکتی تھیں...... کمروں سے تو ان کی آواز بھی باہر نہیں جاتی...... صحن سے تو یہ کافی حد تک ممکن بھی تھا۔

''منزہ بہن دروازہ کھولیں...... میں ہوں شاہد۔'' اب کے دروازہ بجنے کے ساتھ پڑوسی شاہد صاحب کی آواز بھی آئی تو ماورا نے ہاتھ میں لہراتی چھری پہ گرفت کم کر کے چابی کی تلاش میں منزہ کی طرف دیکھا اور صحن کی لائٹ جلائی۔

چابی منزہ کے آنچل سے بندھی رہتی تھی' منزہ نے بھی آواز سن لی تھی' آگے بڑھ کر انہوں نے آنچل سے بندھی چابی سے لاک کھولا۔ شاہد صاحب اپنا لائسنس یافتہ ریوالور لیے کھڑے تھے' ان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں' محلے کے کئی مرد بھی آ گئے تھے' شور سن کر عورتیں نیند سے آنکھیں ملتی تجسس کے ہاتھوں دروازوں' کھڑکیوں میں کھڑیں تماشا دیکھ رہی تھیں' تو کہیں کسی گھر سے چھوٹے بچوں کے رونے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ مردوں کو دیکھ کر ماورا اور انوشا تو ذرا سائیڈ پہ ہو گئیں۔ منزہ دروازے پہ کھڑی آنکھ کھلنے کے بعد سے ساری صورت حال دہرانے لگیں۔

''چور تھے میں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا' میں نے سیٹی بھی بجائی...... کیا واردات کر کے گئے؟'' اسی دم چوکیدار بھی آ گیا تھا اور اب رپورٹ دے رہا تھا۔

''صرف سیٹی بجائی...... گن بھی رکھ لو...... سیٹی سے مرنے والے ہیں وہ لوگ؟'' شاہد صاحب نے ساری کہانی سن کر چوکیدار کی خبر لی۔

''میں اکیلا کیا کر لوں گا...... سب اٹھو تو مل کر پکڑیں چور کو...... مہینے کے تیس روپے دے کر تم لوگ تو مجھے قربانی کا بکرا ہی سمجھ لیتے ہو۔'' چوکیدار برا سا منہ بنا کر سیٹی بجاتا آگے بڑھ گیا۔

''منزہ بہن آپ بس چوکنی رہا کریں اور شور مچانے سے پہلے مجھے فون کر دیا کریں۔'' شاہد صاحب نیک طبع انسان تھے ایک عرصے سے منزہ کو منہ بولی بہن بنا رکھا تھا' منزہ کو بھی ان کا بڑا آسرا تھا' ہر اچھے برے وقت میں وہ ساتھ دینے آ جاتے تھے۔

''جی بہتر بھائی صاحب' بہت شکر گزار ہوں آپ کی...... اس وقت بھی آپ کی نیند خراب ہوئی ہماری وجہ سے۔'' منزہ مردوں کی نظریں صحن کے اندر جھانکتے دیکھ کر آدھے سے زیادہ دروازہ بھیڑ چکی تھیں۔ انوشا اور ماورا تو صحن میں چارپائی پہ بیٹھ گئی تھیں' کھلے دروازے سے وہ دونوں نظر نہیں آ رہی تھیں مگر لوگوں کی نظروں نے منزہ کو دروازہ بھیڑنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''زحمت کیسی بہن' پڑوسی ہی کام آتے ہیں' اپنے تو بعد میں آتے ہیں۔'' شاہد صاحب کی بیگم صائمہ نے مروتاً کہا تو منزہ مسکرا دیں۔

''بہت شکریہ صائمہ بہن...... اچھے پڑوسی بھی نصیب سے ملتے ہیں۔''

''چلیں اب آپ آرام کریں' صبح بات کرتے ہیں۔'' شاہد صاحب کو بھی منزہ کا بار بار دروازہ بھیڑنا اور لوگوں کا اچک اچک کر دیکھنا کھل رہا تھا۔ انہوں نے رخصتی لی تو منزہ بھی اللہ حافظ کرتی دروازہ بند کر کے اندر چلی آئیں۔

''صبح کے چار بج رہے ہیں۔ نیند حرام کر دی منحوس چور نے' صبح اسکول بھی جانا ہے' نیند پوری نا ہوئی تو ٹکریں مارتی پھروں گی اسکول میں سب کو۔'' انوشا صحن کی چارپائی پہ ہی لیٹ گئی۔

وہی صحن جو اندھیرے میں ڈوبا کچھ دیر قبل علاقہ غیر لگ رہا تھا' دیوار پہ بیٹھا شخص خوف کی علامت بن گیا تھا مگر منظر بدلتے ہی وہ تینوں اسی صحن میں نارمل بیٹھی تھیں' ہاں ابھی بھی خوف کا تاثر ذہن و دل سے محو نہیں ہوا تھا مگر اس میں کمی ضرور آ گئی تھی کہ اتنے سارے لوگ جاگ رہے ہیں۔ کون دوبارہ ایسی ہمت کرے گا۔ کبھی کبھی انسانوں کی بھیڑ سے وحشت

ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ ہی بھیڑ سکون کا باعث بھی بن جاتی ہے اکیلے پن کا احساس زائل کر دیتی ہے۔

"اٹھ ہی گئی ہو تو وضو کر کے تہجد پڑھ لو...... فجر کی اذان بھی ہونے والی ہے۔" منزہ بھی چارپائی پہ بیٹھ گئی تھیں۔

"اماں یہ گھر بالکل بھی محفوظ نہیں ہے صحن کی دیواریں بہت نیچی ہیں کوئی بھی مرد باآسانی پھلانگ کر صحن میں داخل ہوسکتا ہے بنا سیڑھی کے۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھی ماورا دیواروں پہ نظریں جمائے بولی تو دونوں تائیدی انداز میں سر ہلانے لگیں۔

"ٹین کی چھت کبھی محفوظ پناہ گاہ نہیں ہوتی ابھی تو انکل شاہد تھے جو آ گئے اکثر وہ شہر سے باہر ہوتے ہیں پھر کبھی ایسی صورت حال ہوئی تو کیا کریں گے؟ ویسے بھی محلے میں کافی نئے لوگ آ گئے ہیں پرانے واقف کار گھر بیچ کر یہاں سے کوچ کر گئے ہیں۔ نئے آنے والے لوگ کس شہر سے ہیں کیسی شہرت رکھتے ہیں کیسی نیت والے ہیں ہمیں خبر نہیں۔" ماورا سنجیدگی سے رونما ہونے والے واقعے کے تناظر میں اپنا تجزیہ پیش کر رہی تھی جو حقیقت پہ مبنی تھا۔

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو بہت ہی عجیب و غریب لوگ آ کر بس گئے ہیں محلے میں۔" منزہ کو بھی اندر جھانکتی نظریں یاد آ گئیں۔

"اس کا حل کیا ہے تمہاری نظر میں؟" انوشا دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے کروٹ ان کی طرف بدل کر اس سے دریافت کرنے لگی۔

"بہتر حل تو یہی ہے کہ ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں کوئی ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پہ لے لیں فلیٹ میں کم از کم نیچی دیوار اور ٹین کی چھت کا ڈر نہیں ہوگا پھر اوپر نیچے گھر ہونے کی وجہ سے بھی غیر محفوظ نہیں ہوں گے۔" ماورا کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" انوشا پُرجوش ہو کر اٹھ گئی۔

"لیکن شفٹ ہونا کون سا آسان ہے بیٹا پچاس ساٹھ ہزار ایڈوانس کم سے کم دس سے بارہ ہزار کرایہ پہ ایک کمرا بھی مل جائے تو غنیمت پھر بروکری دینے کی جھنجٹ الگ کہاں سے لائیں گے ہم لاکھ روپے یہ سب کرنے کے لیے۔ برسوں سے اس گھر میں ہیں پانچ ہزار میں گزارا کر رہے ہیں اتنے سستے میں کرایہ پہ فلیٹ کہاں ملے گا جب کہ اس گھر کا ایڈوانس بھی نہیں دیا ہوا میں نے۔" منزہ بھی سب جانتی تھیں انہوں نے بارہا ایک محفوظ پناہ گاہ کا سوچا تھا مگر پیسوں کا نا ہونا اس سوچ کو عملی جامہ پہننے نہیں دیتا تھا ماورا بھی چپ سی ہوگئی تھی انوشا جس جوش سے اٹھی تھی سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"کوشش کرتے ہیں..... آج نہیں تو شاید ایک آدھ سال میں ہم اس قابل ہو جائیں کہ اپنا ٹھکانا بدل کر رات کو سکون کی نیند تو سو سکیں۔" ماورا نے عزم سے کہا۔

"جہاں اتنے سال کٹ گئے اس گھر میں بخیر و عافیت کچھ سال اور کٹ جائیں گے۔ ان شاء اللہ..... اور تم دونوں نے کون سا ساری زندگی یہاں میرے ساتھ رہنا ہے چند سال میں تم دونوں کی شادی ہو جائے گی پھر تم دونوں اپنے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی مجھ بڈھی کو پھر کیا پریشانی ہوگی یہاں ہے ہی کیا لوٹنے کو..... میری اصل دولت تو تم دونوں ہو۔" منزہ کو یہ حل ہی مناسب لگا تھا وہ اب جلد سے جلد اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

"یہ اچھی رہی بات مسائل سے شروع ہوئی اور شادی کے ذکر پہ رک گئی۔ اب مل گیا تمہیں پکا حل؟" انوشا کھلے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بناتی ماورا سے استفسار کر رہی تھی۔ ماورا پھیکے سے مسکرا دی کہ جب تک پیسہ نا ہوتا تب تک شفٹ ہونے کا صرف سوچ ہی سکتی تھی۔

''میں چائے پکانے جارہی ہوں سر میں درد ہونے لگا ہے' کچی نیند سے اٹھ کر پھر تھوڑی دیر سوؤں گی تاکہ اسکول میں اونگھتی نا رہوں۔'' انوشا چارپائی سے پیر لٹکائی چپل گھسیٹ کر پیر میں ڈالنے لگی۔

''اور نماز؟'' منزہ نے ابرو اچکائے۔

''چائے چولہے پہ رکھ کر آرہی ہوں وضو کر کے اماں حضور' آپ شروع تو کریں نماز۔'' انوشا کھلکھلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی اور ماورا بھی مسکرادی۔



بے آرامی کے باوجود سکڑ سمٹ کر منہ تک شال ڈالے شنائیہ چودھری کو غضب کی نیند آرہی تھی۔ بار بار جھٹکا لگنے اور ہلکی سی بھی رفتار کم یا زیادہ ہونے پہ کئی بار یوں ہوا کہ اسے لگا اس کا سر بری طرح ڈیش بورڈ سے ٹکرا جائے گا۔ گو کہ شاہ زرشمعون کی ڈرائیونگ کی وہ فین ہو چکی تھی (دل ہی دل میں) اونچے نیچے کھڈوں' پلوں سے لانے کے باوجود بھی اسے زیادہ جھٹکے محسوس نہیں ہوئے تھے۔ وہ بہت متوازن ڈرائیو کر رہا تھا' بہت اسموتھ انداز تھا' ورنہ کچھ لوگوں کے ہاتھ اسٹیئرنگ پہ ہوں تو یوں لگتا ہے ڈریگن کوسٹر پہ بیٹھے ہوں اور موت کے کنویں میں گاڑی چل رہی ہو۔ وہ بار بار نیند میں جھول رہی تھی' شاہ زرشمعون نے کئی بار اس کے مدہوش انداز کو دیکھا تھا' کافی کلر بال شال سے نکل کر شولڈر پہ بکھرے نظر آرہے تھے' کبھی شال سر اور منہ سے سرک جاتی تو اس کا خوابیدہ سکڑا سمٹا حسن سامنے ہوتا' گاڑی کی لائٹ بند تھی۔ سڑکیں بھی ویران تھیں' ایسے میں اسے کسی کے دیکھ لینے کا اندیشہ نہیں تھا' ہاں جب بار بار شال اس کے سر سے سرکتی تو وہ غصے سے کہنا نا بھولتا۔

''عبایا لینے کی عادت ہوتی تو یہ تکلف آپ کو بار بار نہیں کرنا پڑتا۔'' شنائیہ جو پہلے ہی شال کے بار بار اترنے سے جھنجلائی ہوئی تھی اس فتویٰ پہ بل کھا کے رہ گئی۔

''لو جی اب میں لاہور ٹو کراچی بائے روڈ عبایا میں سفر کروں' میری مت ماری گئی ہے.....؟ ٹپکل مشرقی مرد ہونہہ.....'' وہ سر جھٹک کے دل ہی دل میں کہہ کے رہ گئی۔

''اور اس جنگل جھاڑ میں ہے کون مجھے دیکھنے کے لیے کہ عبایا کا تکلف کروں؟'' جملہ اس کی طرف پھینک کر چھپاک سے شال ایک بار پھر سر تک تان لی اور اس کے بعد سے کتنی ہی بار اسے نیند کے جھٹکے لگے تھے۔

شاہ زرشمعون نے گلاس سے ٹکے اس کے سر پہ نظر ڈالی۔ شنائیہ کے پیر گیئر تک آنے لگے تھے' لب بھینچ کر دو انگلیوں کی مدد سے اس نے اس کی چھوٹی انگلی کو پکڑ کر اس کا پیر پیچھے کرنا چاہا تھا کہ نرم و نازک پیر کی چھوٹی انگلی پکڑ کر پیر اٹھائے ہی تھے کہ شنائیہ نے جھٹکے سے پیر کھینچ لیے.....شال بھی منہ سے سرک گئی تھی۔

''کک.....کس کیڑے نے کاٹا میری انگلی پہ؟'' وہ ایک دم سے اپنے پیر کا جائزہ لینے لگی۔ کیڑا سن کر شاہ زرشمعون کے ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی۔

''پہلے ہی پیر زخمی ہے میرا' اب کس نے کاٹ لیا؟'' وہ اونچی آواز میں خود سے باتیں کرتی انگلی کا معائنہ کر رہی تھی۔

''محترمہ.....میں نے پیر ہٹانا چاہے تھے آپ کے' گیئر پہ آرہے تھے' کسی نے نہیں کاٹا.....کہا بھی تھا پیچھے جا کر سو جاؤ مگر تمہیں سنائی نہیں دیتا۔ ساری ساری رات فیس بک پہ جاگنے والوں کو آج بڑی نیند آرہی ہے۔'' شاہ زرشمعون ہو اور طعنہ نا مارے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور یہ تھا بھی سچ۔

''مما جانی.....'' شنائیہ چودھری ہونٹ چبا کر دل میں پکارنے لگی۔

''یہ شخص کیا میری وال پہ ہی سوتا ہے آ کر.....صبر کرو بیٹا' گھر جا کر ہی بلاک کرتی ہوں تمہیں' ایڈ تو کبھی مر کے نا کروں۔'' وہ آئندہ کا لائحہ عمل بنانے لگی۔

''جا کر پیچھے سو جاؤ۔'' شاہ زرشمعون نے ایک بار پھر موقع دیا۔
''میں نہیں سو رہی۔'' وہ شال شانوں پہ رکھ کر آنکھیں پھاڑ کر اسے دکھانے لگی۔
نیند بھگانے کے خیال سے اس نے تھرماس سے چائے نکالی اس کا خیال تھا چائے پی کر نیند بھاگ جائے گی مگر چائے کی چسکیاں ختم ہوئیں تو وہ پھر سے اندھیرے منظر سے بور ہو کر آنکھیں موند گئی۔ اس کے ضدی اور ہٹیلے انداز کو شاہ زرشمعون نے سخت نظروں سے دیکھا جب اس کا سر پھر ڈولنے لگا تھا۔
''الٰہی خیر کیا ہو گیا؟'' شنائیہ کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہونے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھیں مگر آنکھیں کھلتے ہی آفتاب کی تیز کرنوں سے پھر سے بند ہو گئیں۔
''ہیں......! صبح ہو گئی؟'' اجلا اجلا منظر اسے اپنا وہم لگ رہا تھا۔ وہ مندی مندی پلکیں جھپک کر تیز دھوپ کو دیکھنے کے قابل بنا رہی تھی۔
''اف...... یہ شخص شور کیوں کر رہا ہے؟'' شاہ زرشمعون ہارن پہ ہاتھ رکھ کر جیسے ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر نظر پھیر گئی اور اس کی مندی مندی آنکھیں چوپٹ ہو گئیں۔ دل خوشی سے بھنگڑا ڈالنے لگا...... لینڈ کروزر اس کے گھر کے بڑے سے دروازے پہ کھڑی تھی۔
''ارے گھر آ گیا؟'' وہ بچوں جیسی سرخوشی سے اسے دیکھ رہی تھی جو نان اسٹاپ کئی گھنٹے ڈرائیو کر کے بھی چاق و چوبند نظر آ رہا تھا...... اس کا جی چاہ رہا تھا گاڑی سے اتر کر بھاگتی ہوئی اندر چلی جائے...... آج سے پہلے گھر پہنچنے کی اتنی خوشی اسے کبھی نہیں ہوئی تھی...... اس کے اندازے کے مطابق تو وہ بہت جلدی پہنچ گئی تھی۔
''جی...... گڈ مارننگ، لیکن لگتا ہے آپ کے چوکیدار کی صبح ابھی نہیں ہوئی۔'' وہ جتاتی ہوئی آواز میں سنا گیا۔
''ہونہہ......'' شنائیہ منہ ٹیڑھا کر کے رہ گئی۔ بالآخر گیٹ کھل گیا تھا...... وہ زن سے لینڈ کروزر اندر لے گیا۔
''مما جانی......'' لینڈ کروزر کی آواز سن کر دیا اور چودھری بخت نکل آئے تھے۔ شنائیہ بھاگتی ہوئی دیا کے گلے لگی لیکن اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی جسے ابھی کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔
''السلام علیکم چچا جان، سلام چچی جان۔'' شاہ زرشمعون بھی اتر آیا تھا۔
''وعلیکم السلام کیسے ہو برخوردار؟'' چودھری بخت نے شاہ زرشمعون کو گلے لگا کر پوچھا۔
''الحمدللہ۔'' اس نے سر تسلیم خم کیا۔
''وعلیکم السلام! سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' دیا مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔ انہیں شاہ زرشمعون کی سعادت مند طبیعت بہت اچھی لگتی تھی...... سعادت مند تو سبحان آفندی بھی بہت تھا مگر چوں کہ شاہ زرشمعون کے مزاج سے سب واقف تھے اس لیے سب کو اس کا انداز زیادہ محسوس ہوتا تھا۔
''تکلیف تو ہوئی ہے جس کا تذکرہ بھی آپ سے جلد ہی ہو جائے گا چچی جان۔'' شاہ زرشمعون نے ہلکے پھلکے انداز میں ذومعنی بات کی تو وہ دونوں تو نا سمجھ سکے شنائیہ سلگ کے رہ گئی۔ اب وہ اس کے رحم و کرم پہ نہیں تھی اب اس کی باڈی لینگویج بھی بدل گئی تھی جسے شاہ زرشمعون نے بہت اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔
''لمبے سفر سے لوٹے ہو پہلے فریش ہو کر ناشتا کر لو پھر بات کرتے ہیں۔''
''ہاں...... ہاں میں اسپیشل ناشتا بنواتی ہوں شاہ کے لیے۔'' چودھری بخت نے احساس دلایا تو وہ بھی ہمنوا ہو گئیں۔
''میں بس تھوڑی دیر میں واپسی کے لیے نکلوں گا چچا جان۔'' شاہ زرشمعون نے اپنا لائحہ عمل بتایا۔
''پاگل ہو گئے ہو اتنا طویل سفر طے کر کے آئے ہو بنا ریسٹ کیے نکلو گے...... کوئی ضرورت نہیں ہے آج آرام کرو کل

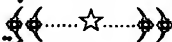
چلے جانا۔" چودھری بخت نے اس کے پروگرام میں ترمیم کی۔
"مجھے چچا جہانگیر کی طرف بھی جانے کا حکم دیا ہے' داجان نے۔ کل تک تو بہت دیر ہو جائے گی' حویلی میں بھی کام ہیں۔" اسے بڑوں کا حکم ماننے کی عادت تھی' گستاخی نہیں کرتا تھا مگر وہ اپنے تحفظات بھی ضرور گوش گزار کرتا تھا۔
"ہونہہ.....شو تو ایسے کرتے ہیں موصوف جیسے ان کے بنا حویلی میں کسی کو سانس نہیں آئے گی۔" وہ جل گئی۔
"ہاں تو ٹھیک ہے ناشتا کر کے آرام کرو' پھر ہمارے ساتھ لنچ کر کے شام کو جہانگیر کی طرف چلے جانا' ڈنر کا موڈ وہاں ہو تو ٹھیک' ورنہ ہمارے ساتھ کرو' پھر صبح اسی وقت نکل جانا مجھے ہاسپٹل ڈراپ کر کے' سنا تم آرہے ہو تو میں نے ایک دن کی چھٹی بھی لے لی کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر شطرنج کی دو چار بازیاں کھیلوں گا' حویلی کا کام سبحان آفندی دیکھ لے گا۔" چودھری بخت بڑے ٹھنڈے مزاج کے تھے ان کی ینگ جنریشن سے بہت اچھی دوستی تھی۔ خصوصاً دونوں بھتیجوں سے.....ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا مگر انہیں یہ کمی شاہ زرشمعون اور سبحان آفندی زیادہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔ اپنا پن تو ایشان جاہ بھی دکھاتا تھا مگر اس کے انداز میں شہری محبت زیادہ جھلکتی تھی اور وہ ٹھہرے بدیسی متوالے۔
"چلیں جو آپ کا حکم۔" ان کا پروگرام سن کر اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔
"ہونہہ.....فرماں بردار کہیں کا۔" شنائیہ نے بھی ان سب کی تقلید میں ساتھ قدم بڑھائے۔
"ارے یہ تمہارے پیر کو کیا ہوا؟" دیا نے اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ دیکھی تو بے ساختہ سوال کر بیٹھیں.....وہ تشویش سے اس کے الٹے سیدھے انداز میں کیے بینڈیج کا جائزہ لے رہی تھیں۔
"مما جانی.....وہ دراصل....." روہانسے لہجے میں شنائیہ کی رام کہانی شروع ہوگئی تھی۔ شاہ زرشمعون نے کان بند کر کے قدموں کی رفتار چودھری بخت کے ساتھ تیز کر دی تھی تاکہ اس دکھی داستان سے بچ سکے۔



حویلی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ سب ناشتے میں مگن تھے.....چودھری اسفند حویلی میں نہیں تھے.....حویلی کی عورتوں کے علاوہ صرف چودھری حشمت اور سبحان آفندی ہی تھا۔ لڑکیاں بڑی مودب ہو کر ناشتا کر رہی تھیں.....وجہ چودھری حشمت کی موجودگی تھی۔ چودھری حشمت کے گمبھیر چہرے کو دیکھتے ہوئے سبحان آفندی نے ایک نظر عیشال جہانگیر پہ ڈالی تھی۔ وہ سر جھکائے ناشتا کر رہی تھی۔ اس کے تاثرات کا اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد فصل کی کٹائی شروع کروانے کے لیے اسے کھیت کے لیے نکلنا تھا' مگر اس کا ذہن بہت باریکی سے چودھری حشمت کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسکائی بلو کرتے اور وہائٹ شلوار میں تیار ہو کر وہ اپنے کمرے سے نکلا تو نذیراں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔
"چودھری صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے۔" نذیراں حویلی کی پرانی ملازمہ تھی اپنے مخصوص انداز میں پیغام رسانی کر کے چلتی بنی تھی۔ پُرسوچ انداز میں سبحان آفندی نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ وہ ان کی گمبھیر خاموشی سے پہلے ہی پریشان ہو رہا تھا اور یہ بلاوا بھی یقیناً عام نوعیت سے ہٹ کر تھا۔
"جی داجان' آپ نے یاد فرمایا؟" وہ چند ساعتوں کے بعد ان کے روبرو تھا۔
"کہیں جانے کی تیاری ہے؟" انہوں نے اس کی تیاری کے پیش نظر سوال کیا۔ یوں تو وہ ہر وقت ہی ٹک سک سے تیار رہتا تھا.....سبحان آفندی کو محسوس ہوگیا وہ برسبیل تذکرہ دریافت کر رہے ہیں۔
"جی داجان.....کھیتوں پہ جا رہا تھا' شاہ نے فصل کی کٹائی شروع کرنے کا کہا ہے ناں۔" وہ یاد دلا گیا۔
"ہاں.....ہاں۔" وہ چونکے جیسے کسی گہری سوچ میں ہوں۔

"تھوڑا رک کر چلے جانا۔"
"جی جیسا آپ کہیں۔" اس نے سر تسلیم خم کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا انہیں اس سے کوئی ضروری بات کرنی ہے یا حویلی میں اس کی موجودگی چاہیے۔
"فی الحال اپنی دی جان بہو فائزہ اور فریال کے ساتھ عیشال کو بھی بلا لاؤ' میں نے بات کرنی ہے ان سب سے۔"
سمہان آفندی لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ بلآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا...... انہوں نے سب کو یاد کرلیا تھا' سمہان آفندی سعادت مندی سے سر ہلا کر ان کے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔
وہ ہال میں پہنچا تو زمرد بیگم' فائزہ اور فریال وہیں مل گئیں...... ملازماؤں سے دستر خوان سمیٹوا رہی تھیں۔ لنچ کا مینو ڈسکس ہو رہا تھا اس نے پیغام دیا تو تینوں ہی چونک گئیں۔
"الٰہی خیر...... کوئی مسئلہ ہوا ہے جو بابا جان نے ہم تینوں کو اکھٹے یاد کرلیا؟" فریال کی استعجابیہ آواز سب سے پہلے نکلی تھی۔ فائزہ اور زمرد بیگم سوالیہ نظروں سے سمہان آفندی کو دیکھ رہی تھیں۔
"داجان نے مجھے بس آپ لوگوں کو پیغام دینے کو کہا ہے آپ لوگ پہنچیں داجان منتظر ہیں۔" سمہان آفندی سہولت سے ماں کو گوش گزار کر کے طائرانہ نگاہ ہال پہ ڈال رہا تھا' لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں جا چکی تھیں' سب اسکول' کالج اور یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ زمرد بیگم' فائزہ اور فریال تو اسی دم اٹھ کر دوپٹا سر پہ جماتی چودھری حشمت کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔
سمہان آفندی نے عیشال کے کمرے کی طرف پیش قدمی شروع کردی تھی۔ اس کے لب بھینچ گئے تھے' ماتھے پہ غصے سے لکیریں پڑنے لگی تھیں...... درحقیقت اسے اس گھڑی عیشال پہ بلا کا غصہ آ رہا تھا' جس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے باقی سب کی بھی شامت آ گئی تھی۔ جانے کیا سوچ اس کے من میں سمائی رہتی تھی کہ کچھ بھی کرنے سے پہلے وہ نتائج سے بے پروا ہو جاتی تھی۔ اس کے کمرے کے دروازے کے باہر رک کر اس نے خود پہ ضبط کرتے دروازے پہ دستک دی۔
"کون؟ آجاؤ۔" اندر سے آواز آئی تو سمہان آفندی نے دروازہ کھولا۔
سامنے ہی عیشال جہانگیر وہائٹ یونیفارم میں ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی تھی۔ غالباً بالوں کو ہائی پونی ٹیل کرنے کا ارادہ تھا' پونی دانتوں میں دبا رکھی تھی۔ آواز سن کر وہ اسی پوزیشن میں پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔
"داجان نے یاد کیا ہے۔" سمہان آفندی کو غیر متوقع طور پر دیکھ کر اس کے بالوں کو پکڑے دونوں ہاتھ پہلو میں آ گرے تھے' ہاتھ سے چھوٹتے ہی شہد رنگ بال ریشم کی طرح اس کے شانوں اور پشت پہ پریشانی سے بکھر گئے تھے۔ لپ گلوس سے چمکتے گلابی لب نیم وا ہوئے تھے۔
"کیوں؟" اس نے ابرو اچکاتے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔
"آدھی رات کو مغربی لباس میں آپ جو روحوں کی طرح بے چین پھرتی رہتی ہیں حویلی میں' اس پہ ایوارڈ سے نوازنے اور آپ کو داد سے نوازنے کے لیے دی جان' تائی جان اور مما کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔" نہایت ترش لب و لہجے میں سمہان آفندی اسے گوش گزار کر گیا تھا۔ عیشال جہانگیر کی روشن پیشانی پہ لکیریں پڑنے لگی تھیں۔ چہرے پہ کسی قدر پریشانی کے تاثرات امڈ آئے تھے۔
"مجھے لگا تھا داجان رات کا قصہ بھول گئے ہوں گے تمہاری آمد کے بعد...... مگر اب...... میں کیا کروں؟" وہ پریشانی سے چلتی اس تک آئی تھی۔
"جائیں اور جا کر ایوارڈ وصول کریں اور کیا کرنا ہے آپ نے۔" وہ بدستور تیکھے لہجے میں بول رہا تھا۔

"پلیز سبحان...... ایسے تو طنز مت کرو...... ہیلپ می پلیز۔" وہ لجاجت سے کہہ کر ہونٹ چبانے لگی۔
"اگر سوچ سمجھ کر حرکتیں کرو تو اس وقت کا سامنا نا کرنا پڑے' تمہیں تو خود تماشا کرنے کا شوق ہے ناں' بھگتو اب۔" وہ ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس لے رہا تھا۔
"ایسا کون سا گناہ کر دیا میں نے' کیا میں اپنی مرضی سے کپڑے بھی نہیں پہن سکتی' بے وقت بھوک نہیں لگ سکتی؟" اس کی باغیانہ فطرت زیادہ دیر لجاجت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھی بلاآخر وہ چڑ ہی گئی اور ناگواری سے بولی۔ سبحان آفندی غصے سے نفی میں سر ہلانے لگا۔
"ابھی بھی تمہیں کوئی ندامت محسوس نہیں ہو رہی' تمہاری وجہ سے باقی سب کی بھی شامت آئے گی...... اور تمہیں اپنی غلطی نظر نہیں آ رہی۔ تم نئی نہیں ہو اس حویلی میں' بچپن سے یہیں پلی بڑھی ہو' یہاں کے اصول تمہیں ازبر ہیں پھر بھی اصول توڑتے تمہیں خوف محسوس نہیں ہوتا کہ تم غیروں سے نہیں اپنوں سے بغاوت کر رہی ہو۔" سبحان آفندی کو اس کا انداز مزید بھڑکا گیا تھا۔
"ایسا کر کے تم اپنے لیے مزید دشواریاں پیدا کر رہی ہو جو تمہیں تمہارا کند ذہن دکھا نہیں پا رہا۔" سبحان آفندی بہت کم اس پہ بھڑکتا تھا...... حویلی کے مردوں میں سب سے زیادہ خود پہ کنٹرول اسے ہی تھا۔ وہ عیشال کی زود رنجی سے بھی واقف تھا تب ہی ہر گھڑی اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا' جواباً وہ بھی مورچہ سنبھال کر گولہ باری کرتی رہتی تھی مگر اس کی الٹی سیدھی حرکتیں اسے کس قدر مہنگی پڑ سکتی ہیں وہ بے وقوف اس حقیقت سے شاید واقف نہیں تھی۔ سبحان آفندی اسے گھور رہا تھا۔
"پہلے کون سی آسانیاں ہیں اس حویلی میں' میرے لیے۔" عیشال نے سر جھٹکا۔
"دیر ہو رہی ہے' داجان منتظر ہیں۔" سبحان آفندی نے بحث موخر کر کے گزرتے وقت کا احساس دلایا۔
عیشال تن فن کرتی اس سے پہلے اس کی سائیڈ سے کمرے سے نکل گئی۔ سبحان آفندی بھی لپکا اور اسے دو تین قدموں میں ہی جا لیا۔
"اب داجان کو تاویلیں دینے مت کھڑی ہو جانا۔ خاموشی سے غلطی مان کر معافی مانگ لینا' اس وعدے کے ساتھ کہ آئندہ غلطی نہیں دہراؤں گی۔" بھلے وہ اس پہ بھڑاس نکال گیا تھا مگر درپردہ وہ اس کے لیے فکر مند بھی تھا۔
"مجھے ڈکٹیٹ مت کرو...... مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں' کرلوں گی فیس اکیلے...... تمہیں میرا حمایتی بننے کی ضرورت نہیں۔ پھانسی پہ تو نہیں چڑھا دیں گے نا داجان...... جاؤ یہاں سے' میرے پیچھے مت آؤ' اپنا کام کرو۔" وہ حسب عادت اپنے مزاج کے عین مطابق شروع ہو گئی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے ساتھ چلتے سبحان آفندی کو غصے سے دیکھا تھا۔
"مدد مانگنے پہ کیسے منہ بھر کر باتیں سنا دیں اور اب ہمدرد بنے مشورے سے نواز رہے ہو۔" وہ بڑبڑائی۔
"شٹ اپ......" سبحان آفندی اس کی بڑبڑاہٹ سن کر دھیمے سے غرایا۔
"ہونہہ......" عیشال جہانگیر سر جھٹک کر چودھری حشمت کے کمرے تک پہنچی۔
دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تو تینوں معزز خاتون خاموشی سے ایک دوسرے کو تکتی نظر آئیں۔ چودھری حشمت اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان تھے...... ان دونوں کو ساتھ آتے دیکھ کر فریال کسی قدر چونکی تھیں...... آخر ماجرا کیا تھا جو یوں پیشی ہوئی تھی...... ماحول کی گمبھیرتا سے عیشال جہانگیر کا دل ایک لمحے کو کانپا تھا۔



ماورا یحییٰ اور انوشا گھر کی اشیاء خورد و نوش کے لیے قریبی سپر مارکیٹ آئی تھیں...... سپر مارکیٹ سے چیزیں معیاری اور

مناسب قیمتوں میں مل جاتی تھیں جو قریبی جنرل اسٹور سے انہیں سستی ہی لگتی تھیں۔ منزہ انہیں یوں اکیلے باہر جانے دینے کے حق میں کبھی نہیں رہی تھیں مگر ان کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی انہیں راضی کر کے کہ اب وہ دونوں بڑی ہوگئی ہیں اکیلی ہی نکل آئی تھیں۔ سپر مارکیٹ میں انہوں نے تیزی سے ضروری اشیاء اپنی ٹرالی میں ڈالی تھیں۔

''بل بنوا لیتے ہیں ماورا..... میرا خیال ہے چیزیں پوری ہوگئی ہیں۔'' انوشا نے ٹرالی پہ نظر ڈالتے ماورا یحییٰ سے کہا تو اس نے بھی تائیدی نظروں سے ٹرالی کو دیکھتے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے' چلو بل بنوا لیتے ہیں' دیر ہوگئی تو اماں نہیں چھوڑیں گی۔'' دونوں باتیں کرتے کاؤنٹر کی طرف بڑھنے لگی تھیں' کاؤنٹر ایک سے زائد تھے' اس کے باوجود بھی تمام کاؤنٹر پہ رش تھا' وہ دونوں اردگرد پہ نظر ڈالتی اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔

''انوشا اسپیگٹی کے پیکٹس رکھے تھے؟'' ماورا یحییٰ' انوشا سے کنفرم کررہی تھی۔

''ہاں رکھے تو تھے شاید' دیکھ لیتی ہوں۔'' انوشا کنفیوز ہوکر ٹرالی میں موجود پیکٹس کو اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

اسی وقت ماحول میں ایک دم سراسیمگی سی پھیل گئی۔ چند ایک لوگ بڑی بڑی گن لگائے اسٹور میں داخل ہوئے تھے..... چند پولیس یونیفارم میں تھے۔ ہر طرف سسپنس پھیل گیا تھا..... ہلچل بھرے ماحول میں ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پہ ساکت ہوگیا تھا..... ماورا یحییٰ اور انوشا کی نظریں بھی اس تیز رفتار قافلے پہ پڑی تھیں..... دونوں سب کی طرح ساکت نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس قافلے کو لیڈ کرتے سب سے آگے وہائٹ شلوار سوٹ میں بائیں ہاتھ میں پسٹل پکڑے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے چیمبر چڑھاتے وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھے تھے..... ان کے پیچھے کچھ سول لباس اور کچھ یونیفارم میں پولیس اہلکار بھی لپکے تھے۔

''بابا.....!'' ماورا یحییٰ کی استعجابیہ آواز نکلی۔

''بابا..... او میرے اللہ..... چودھری جہانگیر آپ کے والد ہیں؟'' ان کے ساتھ ہی بل بنوانے کے انتظار میں کھڑی خاتون نے ماورا یحییٰ کی استعجابیہ آواز سنی تو چونک کر استفسار کرنے لگیں۔

''چودھری جہانگیر..... یہ یحییٰ فراز ہیں ناں؟'' ماورا یحییٰ بے یقینی سے عورت سے الٹا دریافت کرنے لگی۔ عورت بے ساختہ ہنس پڑی وہ سمجھ گئی تھی ماورا یحییٰ کو کوئی دھوکا ہوا ہے۔

''ارے نہیں' یہ تو مشہور و معروف ایس ایس پی چودھری جہانگیر ہیں..... ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ کی شہرت رکھتے ہیں۔ مجرموں کے حوالے سے.....'' عورت کہہ رہی تھی اور ماورا بے یقین کھڑی تھی۔

''چودھری جہانگیر..... ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ.....!'' انوشا کو دیکھتے ماورا یحییٰ نے استعجاب بھرے انداز سے دہرایا..... انوشا کی تو اس سے بری حالت تھی..... وہ تو کچھ کہنے کے بھی قابل نا رہی تھی شاید.....!!!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)



رت گلاب کی آئی

حمیرا علی

''کیا فرق پڑتا ہے عیشا نہیں تو پھر کوئی بھی ہو۔'' اس نے جوتے کی نوک سے پتھر کو ٹھوکر ماری' پتھر اڑتا ہوا دور جا گرا۔

''عیشا نہیں تو پھر کوئی بھی کیوں' میں کیوں نہیں؟ تم نے مجھے عیشا کی وجہ سے رد کیا تھا مگر اب وہ نہیں ہے اور اس کی واپسی کا کوئی امکان بھی نہیں۔ برہان...... تم چچی جان سے بات کرو' مجھے یقین ہے وہ میرے لیے انکار نہیں کریں گی اور اگر کریں بھی تو تم انہیں منا لینا۔'' صدف لجاجت سے بولی۔ برہان نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا وہ اس کی چچا زاد تھی' اس کی زندگی میں آنے والے نشیب و فراز سے آگاہ بھی تھی مگر اس کے باوجود بضد تھی کہ وہ اس کے لیے اسٹینڈ لے۔ وہ ایک بازی ہار چکا تھا اور دوسری کھیلنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''صدف...... میں یہ شادی اپنی خوشی اور مرضی سے نہیں کررہا' امی نے ہی کوئی لڑکی منتخب کی ہے میں تو اسے جانتا تک نہیں ہوں اور پھر پاپا کی بھانجی ہو یا بھتیجی امی کو اپنے سسرالی رشتے داروں سے ازلی پُرخاش ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج عیشا میری زندگی میں ہوتی۔'' وہ دل گرفتہ تھا۔

''اور پھر بھی تم زینب چچی کے اشاروں پر چل رہے ہو' انہوں نے اپنی ہی جیسی کسی تیز مزاج اور کڑوی زبان کی کینہ پرور اور جھگڑالو لڑکی کو منتخب کیا ہوگا جو اُن ہی کی طرح مغرور اور خود غرض بھی ہوگی سیدھی سادی لڑکی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں میری ہمراہی میں تم گزری ہر بات فراموش کردو گے۔ مجھے یقین ہے کہ تم عیشا کو بھی بھول جاؤ گے۔'' وہ وثوق سے بولی' برہان نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''صدف...... میں گھر میں کوئی نیا محاذ نہیں کھولنا چاہتا' بہتر ہے امی اپنی تسلی کرلیں' وہ لڑکی جیسی بھی ہوگی کم از کم امی مجھ سے شکایت نہیں کریں گی اس کی۔ میں اپنی زندگی میں سکون چاہتا ہوں' میں تمہارے لیے بلکہ کسی کے لیے بھی کوئی مشکل نہیں کھڑی کرنا چاہتا اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ساری زندگی شادی ہی نہیں کرتا۔ تم اچھی طرح عیشا کے لیے میرے پاگل پن سے واقف ہو مگر وہ اجنبی لڑکی جسے امی میرے لیے منتخب کرچکی ہیں' وہ ہر بات سے انجان ہے' اسے فی الحال آگہی کا عذاب نہیں جھیلنا پڑے گا۔ وہ میری محبت اور اس کی شدت سے بے خبر ہے اگر کبھی ہمارے درمیان حتمی فیصلے اور دائمی فاصلوں کی نوبت آئی تو فیصلہ کرنا دشوار نہیں ہوگا کیونکہ اس کی مجھ سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوگی جبکہ تمہارے معاملے میں صورت حال بالکل اس کے برعکس ہوگی۔''

''او...... تو یوں کہو ناں کہ اب بھی عیشا کی واپسی کا امکان روشن ہے' تمہیں توقع ہے کہ وہ پلٹ کر آئے گی لہٰذا تم نے مستقبل کی پوری منصوبہ سازی پہلے ہی کرلی ہے۔ شادی سے لے کر علیحدگی تک ہر بات کا جواز موجود ہے تمہارے پاس۔'' صدف زہرخند ہوئی' برہان اس کے پل پل بدلتے مزاج کے رنگوں سے بخوبی واقف تھا مگر پھر بھی اسے اس کا انداز ناگوار گزرا۔

''ہرگز نہیں' میں صرف تمہیں نفع و نقصان سے آگاہ کررہا ہوں' میرے ساتھ سفر کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے تمہارے ہاتھ سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہ آئے۔'' وہ بے مروتی سے بولا' رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

صدف اسے لان میں تنہا دیکھ کر چلی آئی تھی' وہ آج یہاں اس سے بات کرنے کی غرض سے زبردستی رکی تھی ورنہ زینب چچی کے خطرناک تیور اور حرا بھابی کا بےزار چہرے سے اچھی طرح باور کرا گیا تھا کہ اس کا رکنا انہیں کس قدر ناگوار گزرا ہے اور اس وقت کم و بیش برہان کا



انداز اور لب ولہجہ بھی ویسا ہی تھا۔
"اور اگر کبھی اس اجنبی لڑکی نے تم سے توقعات وابستہ کیں تم سے تمہاری محبت کا مطالبہ کیا۔ ایک مکمل اور آسودہ زندگی کا تقاضا کیا' اپنی وفا' اپنی محبت اور اپنی رفاقت سے تمہارا دل موہ لینا چاہا تو پھر کیا عذر تراشو گے۔ کیسے دامن بچاؤ گے' تمہیں کیا لگتا ہے وہ اجنبی لڑکی تمہیں تمہاری محبت کے ساتھ تنہا چھوڑ دے گی' کبھی تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرے گی۔ کیا اس کے لیے بھی تم سے دستبردار ہونا اتنا ہی آسان ہوگا' جتنا تمہارے لیے ہے۔ تمہیں یقین ہے کہ عیشا کے پلٹ کر آجانے کے بعد وہ اپنی جگہ آرام سے چھوڑ دے گی؟" صدف نے استہزائیہ انداز میں استفسار کیا' برہان نے برہمی سے اسے دیکھا۔
"صدف...... میں تمہارے سامنے جوابدہ نہیں ہوں' بہتر ہوگا کہ تم میرے معاملات سے دور رہو۔" وہ بے رخی سے بولا' صدف پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ برہان سر جھٹک کر رہ گیا۔ "اور اگر وہ لڑکی بھی صدف کی طرح خود سر اور تندو تیز مزاج کی حامل ہوئی تو زندگی پہلے سے زیادہ دشوار اور تلخ ہوجائے گی۔" برہان نے بددلی سے سوچا' عیشا نہیں تو کوئی بھی نہیں اس نے ایسا ہی سوچا تھا مگر آخر اسے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے تھے۔

❁......❁......❁

مریم پھوپو جس وقت بیوگی کی چادر اوڑھ کر ان کی دہلیز پر آئیں' اس وقت عیشا صرف آٹھ سال کی تھی۔ مریم کے شوہر اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے' ان کے ساس سسر حیات نہیں تھے نہ ہی ان کے پاس کوئی دوسرا ٹھکانہ تھا۔ مریم پھوپو کے شوہر یوسف ایک رات خاموشی سے خالق حقیقی سے جاملے یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ ان کا چھوٹا سا کاروبار ڈوب گیا تھا اور وہ قرضوں کے تلے ڈوبے ہوئے تھے فکر معاش اور آنے والے وقت کے خوف نے انہیں دیمک کی طرح چاٹ لیا تھا ان کا انتقال دماغ کی رگ پھٹنے سے ہوا تھا۔ مریم کا استقبال بھائی کے گھر میں بے دلی اور بے زاری سے ہی نہیں بلکہ طعنوں تشنوں سے ہوا تھا۔ زینب ہرگز بھی انہیں اس گھر میں رکھنے کے حق میں نہیں تھیں۔
"صرف ایک رضا ہی تمہارے بھائی نہیں ہیں' ذکاء بھائی اور حسن بھی تمہارے بھائی ہیں۔ تم ان میں سے کسی کے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں۔" زینب بدلحاظی سے بولی تھیں' مریم کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں تھا' رضا صاحب اپنے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ صاحب استطاعت اور مالی طور پر مستحکم تھے۔ دوسرے دونوں بھائیوں نے مریم کو رضا صاحب کے گھر کی راہ دکھائی تھی' کوئی بھی انہیں رکھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ یہاں سے جاتیں تو ان کا ٹھکانہ یقیناً دارالامان ہوتا مگر خوش نصیبی سے اس کی نوبت نہیں آئی رضا صاحب نے بیوی کی مخالفت کی پروانہ کرتے ہوئے بہن کو رہنے کے لیے ایک کمرہ دے دیا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کے بعد اٹھتے بیٹھتے زینب' مریم اور عیشا کو ان کی کم مائیگی کا احساس دلاتی رہتی تھیں' ان کی دیکھا دیکھی بلکہ ان کی شے پر ان کی اکلوتی بیٹی جویریہ بھی عیشا پر حکم چلانے لگی۔ مریم اس کی پھوپو تھیں مگر وہ ان سے بھی بدتمیزی کرتے ہوئے نہیں چوکتی تھی۔
رضا صاحب کی وفات کے بعد زینب کی زبان کی تیزی نئے جوہر دکھانے لگی تھی۔ انہوں نے شوہر کے انتقال کے دوسرے ہی دن مریم کو نیا ٹھکانہ ڈھونڈنے کا کہہ دیا تھا جیسے نیا ٹھکانہ ڈھونڈنا بے حد آسان ہو۔ مریم بے چاری ان کی صورت دیکھتی رہ گئیں' عیشا بی ایس سی کی طالبہ تھی خواہش تو اس کی بھی یہی تھی کہ پڑھ لکھ کر وہ اپنا اور اپنی ماں کا بوجھ خود اٹھائے مگر ابھی تو وہ خود کسی قابل نہیں ہوئی تھی۔ برہان پہلی بار ماں کے فیصلے کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ فیضان بھائی غیر جانبدار بنے صرف تماشہ دیکھتے رہے۔
"پھوپو کہاں جائیں گی؟ اتنا بڑا گھر ہے اگر ایک کمرے میں پھوپو اور عیشا رہ رہی ہیں تو آپ کو کیا

اعتراض ہے اس پر، آخر یہ پاپا کا فیصلہ تھا۔ میں اس طرح پھوپو اور عیشا کو بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا اگر پھوپو اور عیشا گئیں تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلا جاؤں گا۔'' وہ خود سر اور سرکش ہی نہیں جذباتی بھی تھا اور کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ایسا کر بھی گزرتا۔ زینب اسی دن سے خوف زدہ تھیں' بیٹے کی آنکھوں میں عیشا کے لیے پسندیدگی کے رنگ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھیں اور مریم اور عیشا کو گھر بدر کرنے کا فیصلہ بھی سدباب کے طور پر کیا تھا مگر برہان کی جذباتیت اور بے خوفی نے انہیں متوحش کر دیا تھا۔

اس نے حال ہی میں ایم بی اے کے امتحانات دیئے تھے ابھی تو اس کا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا' اس کے باوجود اسے اپنے مستقبل کی فکر نہیں تھی کیونکہ اسے اپنی ذہانت اور زور بازوؤں پر پورا بھروسہ تھا۔ اس لڑکی کے لیے وہ سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ تھا' زینب نے اسے جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دی مگر اس نے اہمیت نہیں دی۔ زینب کو ہرگز گوارہ نا تھا کہ وہ اس طرح گھر چھوڑ کر چلا جاتا' انہوں نے وقتی طور پر خاموشی اختیار کر لی اور اپنے مطالبے سے پیچھے ہٹ گئیں۔ بیٹے کی سرکشی اور خودسری انہیں بہت کچھ باور کرا گئی تھی' انہوں نے اندر ہی اندر عیشا کے لیے رشتے تلاش کرنا شروع کر دیئے تھے حالانکہ برہان کہہ چکا تھا کہ انہیں عیشا کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مگر زینب کے نزدیک اس کی خواہش سے زیادہ اپنی ضد کی اہمیت تھی' ان کے لیے اول روز سے مریم اور عیشا کا وجود ناقابل برداشت تھا اور اب تو جیسے انہوں نے برہان کی خواہش کو انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ انہوں نے عیشا کے خلاف خاندان بھر میں نامناسب باتیں پھیلانا شروع کر دیں۔ نازیبا زبان' رکیک الزامات مریم اور عیشا ان کی زبان کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھیں۔ عیشا برہان سے محبت کرتی تھی مگر اسے اپنا پندار' اپنی عزت نفس ہر شے سے زیادہ عزیز تھی۔ برہان نے ماں کی باتوں سے تنگ آ کر عیشا سے کورٹ میرج کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر عیشا نے انکار کر دیا وہ لوگوں کی باتوں سے خوف زدہ تھی'

مریم اپنے مرحوم بھائی کے احسانات کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے اس گھر میں کوئی تلخی نہیں چاہتی تھیں حالانکہ ان کی کتنی خواہش تھی کہ برہان ان کا داماد بنتا وہ انہیں ہمیشہ سے عزیز تھا۔

فیضان کے مقابلے میں اس نے ہمیشہ ماں کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر مریم کا خیال رکھا تھا حالانکہ اسے مریم پھوپو اور عیشا سے بات کرنے کی وجہ سے عموماً ماں کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا تھا مگر اس کے باوجود اس نے کبھی زینب کے ناروا سلوک اور تلخ کلامی کی مخالفت کرنا نہیں چھوڑا۔ عیشا کی آنکھوں میں ہمہ وقت ٹھہرے رہنے والے آنسو برہان کو اذیت میں مبتلا کر دیتے تھے' وہ ان آنکھوں میں فقط اپنے لیے محبت دیکھنا چاہتا تھا اس کے سنجیدہ چہرے پر خوشیوں کے رنگ بکھیر دینا چاہتا تھا۔ مسکراہٹ سے ناآشنا گداز لبوں کو مسکراہٹ سے روشناس کرانا چاہتا تھا۔ عیشا اس کی خوشیوں کا سبب تھی اس کے خوابوں اور خواہشوں کا محور تھی مگر اس کی بے خبری میں اس کی دنیا ویران کر دی گئی۔ برہان کو کسی بات کی ہوا تک نہیں لگنے دی اور عیشا کو رخصت بھی کر دیا گیا' وہ سر شام گھر آیا تو گھر میں منعقد ہونے والی تقریب کے آثار دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

''آج عیشا کا نکاح تھا۔'' جویریہ آپا نے مسرور سے انداز میں اسے آگاہ کیا' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا' عیشا کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے؟''

''کیوں نہیں ہوسکتا اور یہ نوبت اسی کی وجہ سے آئی ہے اگر وہ ایسے گل نہ کھلاتی تو مجھے بھی مجبور ہو کر اسے اس طرح جلد بازی میں رخصت نہ کرنا پڑتا اور سچ بات تو یہ ہے کہ یہ اس کی ماں کا فیصلہ تھا۔'' انہوں نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

''امی...... اس نے ایسا بھی کیا کر دیا تھا جو آپ اس پر اس طرح الزامات عائد کر رہی ہیں' آپ کا دل نہیں کانپا اس معصوم پر الزامات لگاتے ہوئے' آپ کی اپنی

بھی بیٹی ہے پوتی اور نواسیاں ہیں اگر ان میں سے کسی پر اس طرح براوقت آن پڑے.....'' وہ پھٹ پڑا۔

''اونہہ..... اس بے کردار اور بے حمیت لڑکی سے میری بچیوں کا کیا مقابلہ میں جانتی نہیں کہ اس نے کس طرح تمہیں اپنے حسن اور اداؤں کے جال میں پھنسایا ہے۔ ایسے ہی تو تم اس کے لیے اپنی ماں کے سامنے ڈٹ کر نہیں کھڑے ہوگئے' اس لڑکی نے تمہیں ورغلایا ہے اور تم اس بدچلن لڑکی کے لیے اپنی ماں سے الجھ رہے ہو۔'' وہ بے لحاظ ہو کر بولیں۔

''امی.....! اگر وہ بے کردار اور بے حمیت ہے تو پھر میں بھی بے کردار اور بے حمیت ہوں کیونکہ جو الزام آپ نے اس پر عائد کیا ہے وہ میرے حوالے سے ہے۔ امی آپ کو احساس تک نہیں کہ مظلوم و معصوم لڑکی کی آہ اس گھر کو لگ سکتی ہے میرے دل کی طرح یہ گھر بھی ویران اور برباد ہو سکتا ہے۔'' وہ تھکن زدہ لہجے میں بولا' اس نے مریم پھوپو سے بہت مشکلوں سے اس کے سسرال کا پتا لیا تھا' وہ ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر اگلے دن اس کے سسرال چلا آیا اور وہاں آ کر اسے ایک نئے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ لوگ مالی طور پر ہی نہیں ذہنی طور پر بھی پسماندہ تھے۔ پتا نہیں اس کی ماں کو عیشا سے ایسی کون سی پُرخاش تھی جس کا بدلہ انہوں نے اس طرح لیا تھا اسے جیسے کسی برزخ میں دھکیل دیا گیا تھا اسے جہیز کے نام پر کچھ نہ دینا پڑے اس لیے اس کی شادی اس طرح کے پست ذہنیت لوگوں میں کردی تھی۔ وہ لوگ برہان کو دیکھتے ہی جہیز نہ دینے کا شکوہ کرنے لگے تھے۔

''تم وہ ہی ہو ناں جس کے ساتھ اس لڑکی کا چکر چل رہا تھا۔'' ایک بھاری بھرکم خاتون نے لب کشائی کی۔

''اسے جہیز کے نام پر ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں دی ایسے ہی خالی ہاتھ رخصت کردیا تم لوگوں نے۔'' اس کی نند نے جتایا وہ پہلے ہی ان لوگوں کے انداز و اطوار دیکھ کر ششدر تھا' عیشا کے شوہر کو دیکھ کر غم و غصے سے پاگل ہونے لگا' وہ شخص چالیس پینتالیس سال کے لگ بھگ تھا انتہائی واجبی شکل و صورت کا آٹھویں پاس بے روزگار انسان تھا۔ اس کی پہلی دو بیویاں اسے اس کی کام چوری اور کاہلی کی عادت سے تنگ آ کر چھوڑ گئیں تھیں اس کے پہلے ہی تین بچے تھے۔

عیشا جیسی کم عمر' خوب صورت اور تعلیم یافتہ باشعور لڑکی ہرگز بھی اس ظلم کی مستحق نہیں تھی۔ اس نے برہان کے کہنے کے باوجود اس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔

''تم ابھی یہاں سے چلو۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔

''میں اب کبھی اس گھر کا رخ نہیں کروں گی' ان الزامات کے بعد مجھے مرجانا چاہیے تھا مگر میں زندہ ہوں اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو شاید اب تک میں موت کو گلے لگا چکی ہوتی۔'' وہ سرد لہجے میں بولی تھی' برہان اس کے لہجے کی سفاکیت پر کانپ اٹھا' ایک دم ہی جیسے گھٹن بڑھ گئی تھی' برہان کا دل بند ہونے لگا وہ اس چھوٹے سے گھر کا بیرونی دروازہ عبور کرنے تک نڈھال ہو چکا تھا۔



''تمہاری پھوپو بتا رہی تھیں کہ عیشا کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے اور تم ہو کہ جوگ لے کر بیٹھے ہو کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم کہ اس کی آہ و بکا تمہاری خوشیوں کو نگل چکی ہے۔'' عیشا کی شادی کو ڈیڑھ سال گزر چکا تھا' وہ خواب جو کبھی اس نے دیکھے تھے آج اس کی کرچیاں آنکھوں کو لہولہان کر رہی تھیں۔ زینب کا اصرار تھا کہ وہ شادی کرلے انہوں نے بالا ہی بالا اس کے لیے لڑکی بھی ڈھونڈ لی تھی اور اس سے ہاں کرانے کے لیے زینب کو زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑا' وہ بلند فشار خون کی مریضہ تھیں۔ پابندی سے بلڈ پریشر کی دوائی کھاتی تھیں' بس ایک دن انہیں دوائی چھوڑنا پڑی تھی' ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ برہان سے انہوں نے اکھڑتی سانسوں اور اپنی بگڑتی حالت میں آخر ہاں کروائی تھی۔ اس کے ننھیال اور ددھیال میں ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں مگر زینب نے خاندان سے باہر کی

لڑکی کو ترجیح دی تھی۔

''ماریہ...... تمہارے لیے کال ہے۔'' نائلہ آپی کی آواز پر اس نے چونک کر موبائل تھاما' نائلہ آپی عجلت میں تھیں اسے موبائل پکڑا کر چلی گئیں۔ شادی والا گھر تھا اور ان کے لیے کرنے کے لیے ہزار کام موجود تھے۔

''میں صدف بول رہی ہوں' تمہارے ہونے والے شوہر برہان رضا کی کزن۔'' وہ دوسری طرف موجود شخصیت سے قطعی ناواقف تھی مگر ساتھ دیا جانے والا مستند حوالہ اسے چونکا گیا حالانکہ برہان رضا سے بھی فقط نام کی حد تک واقفیت تھی۔ چند ایک رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد جو کچھ اس صدف نامی لڑکی نے کہا وہ ہرگز بھی نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں تھا۔

''میں نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا' وہ آج بھی عیشا کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ اپنی ماں سے بھی ناراض ہے صرف عیشا کی وجہ سے میں برہان کی ہی نہیں تمہاری بھی خیر خواہ ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم بے خبری میں ماری جاؤ' اسے کسی ہمدرد اور غمگسار کی ضرورت ہے۔ ایسی لڑکی جو اسے عیشا سے بھی زیادہ چاہے' تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہرگز خوش نہیں رہ سکو گے' بہتر ہوگا کہ تم انکار کردو کیونکہ یہ شادی تمہارے لیے سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔'' صدف نے پُرزور تاکید کی اور سلسلہ منقطع کردیا' ماریہ لب بستہ ہاتھ میں موبائل لیے بیٹھی رہ گئی۔

''انکار......'' کتنی دیر بعد اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی اس نے اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کے پیچیدہ نقش ونگار کے درمیان میں لکھے اس شخص کے نام کو بغور دیکھا جسے وہ جانتی تک نہیں تھی۔ وہ اس کے والدین کا انتخاب تھا' چند دن پہلے ان کے جاننے والوں کے توسط سے یہ رشتہ آیا تھا' سارے معاملات آناً فاناً ہی طے پاگئے تھے۔ امی ابو کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے جانا تھا اور انہیں یہی مناسب لگا کہ پہلے اس کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں اس کا دل وسوسوں اور اندیشوں میں گھر گیا مگر اس نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ اگلے دن اس کی بارات تھی نہ ہی سوچنے کا وقت تھا اور نہ ہی فیصلے کا اختیار' وہ دل میں در آنے والے اندیشوں کے ہمراہ رخصت ہوگئی تھی۔



سسرال میں اس کا استقبال روایتی گرم جوشی اور تپاک سے کیا گیا' ساس' نندیں' جٹھانی اور خاندان کی دیگر خواتین رسمیں کرنے کے لیے اسے تادیر اپنے جھرمٹ میں لیے بیٹھی رہیں مگر دلہا صاحب کو اپنے دوستوں سے فرصت نہیں تھی۔ کافی دیر انتظار کے بعد اسے حجلہ عروسی میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی تھی۔ کمرے کا خوشگوار اور فسوں خیز ماحول بھی اس کی کبیدگی دور کرنے میں ناکام تھا۔

''ہوسکتا ہے گزشتہ رات کسی نے میرے ساتھ مذاق کیا ہو۔'' وہ ذہن ودل میں کنڈلی مار کر بیٹھ جانے والے ہر اندیشے کا سر کچل دینا چاہتی تھی مگر کل رات سے اب تک اس صدف نامی لڑکی کی باتیں اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھیں۔ خود کو مسلسل سمجھانے کے باوجود اس کا دل بوجھل ہورہا تھا' آخر تین بجے کے قریب اس کے صبرو برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اپنے سجے سجائے سراپے پر اس نے ایک نظر بھی ڈالنا گوارہ نہیں کیا۔ انتہائی بددل ہوکر اس نے زیور' میک اپ اور بھاری شرارے سے جان چھڑائی' ہلکے پیازی رنگ کا کاٹن کا لباس زیب تن کیا اور بیڈ کے کنارے پر لیٹ کر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ لی' اس میں رد کیے جانے اور ٹھکرائے جانے کی اذیت سہنے کی ہمت نہیں تھی۔ کوشش کے باوجود نیند اس پر مہربان ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اس کی سماعتیں کسی آہٹ کی منتظر تھیں اور اس کے لیٹنے کے کچھ دیر بعد ہی وہ آ گیا بلکہ اسے مجبور کرکے جبراً بھیجا گیا تھا۔

''حد ہوگئی ہے برہان...... وقت دیکھو چار بجنے والے ہیں اور تم اس وقت بھی اپنی پرانی محبت کا سوگ منا رہے ہو۔ دلہن بے چاری تمہارا انتظار کررہی ہوگی۔'' جویریہ آپا کی سرگوشی نما آواز رات کے سناٹے میں ماریہ کو

دروازے کے اس پار بھی سنائی دے گئی۔

"اصل میں تو میں یہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر امی کے بیماری کے بہانے نے مجھے مجبور کردیا اور آپ سب بھی اس ڈرامے میں شامل تھے۔" اس کی بھاری مردانہ آواز قدرے بلند تھی، ماریہ نے بغیر کسی کوشش کے باآسانی ایک ایک لفظ سنا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے فی الحال تم اندر جاؤ وہ بے چاری تمہارا انتظار کررہی ہوگی۔" جویریہ نے دوبارہ وہ ہی بات دہرائی، وہ ان پر ایک برہم نظر ڈال کر اندر چلا آیا۔ ماریہ منتظر ہی رہی کہ وہ مخاطب کرے گا مگر وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد صوفے پر نیم دراز سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔ اپنی جلد بازی پر کڑھتے ہوئے برہان کے طرز عمل سے خائف اپنی ہی سوچوں سے الجھتے ہوئے وہ پتا نہیں کب سوگئی تھی۔

❀......❀......❀

صبح ماریہ کی آنکھ کھلی تو وہ نا صرف جاگ رہا تھا بلکہ بے حد تروتازہ ڈریسنگ ٹیبل کے قدآور آئینہ کے سامنے کھڑا اپنے گھرے سیاہ چمک دار بالوں کو سنوار رہا تھا۔ اس کا بلند قد نمایاں تھا، چمک دار گندمی رنگت اور تیکھے جاذب نظر نقوش والے چہرے پر سجی بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھوں کے تصادم نے ماریہ کو اچھا خاصا نروس کردیا تھا کچھ سمجھ نہیں آیا تو اس نے سٹپٹا کے سلام کردیا، برہان نے فقط دیکھنے پر اکتفا کیا۔ وہ اپنی متلاطم دھڑکنوں کو سنبھالتی اٹھ کر جلدی سے واش روم میں بند ہوگئی۔

نائلہ آپی نے کہا تھا "تم اسے دیکھو گی تو اپنی خوش نصیبی کا یقین ہوجائے گا" اپنی خوش نصیبی کا تو پتا نہیں البتہ برہان کی خوب صورتی کے جتنے قصیدے اپنی بھابی بہن اور اکلوتی سہیلی طاہرہ سے سنے تھے ان پر وہ ضرور ایمان لے آئی تھی۔ سارا دن وہ منظر سے غائب رہا، شام کو ولیمے کی تقریب تھی۔

"کل سے زیادہ آج حسین لگ رہی ہو۔" نائلہ آپی نے اس سے ملتے ہوئے بلند آواز میں کہا، وہ جزبز ہو کر رہ گئی۔ وہ بالکل قریب ہی بیٹھا تھا اور ماریہ کے حواس کل بارات والے دن سے زیادہ آج بیدار تھے۔

"برہان کے ہوش تمہیں دیکھ کر اڑے ہوں گے یا تمہارے برہان کو دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل ہے۔" نائلہ آپی نے مزید اس کی جان مشکل میں ڈال دی، کیا کہتی دم بخود تو وہ رہ گئی تھی۔ برہان تو بالکل نارمل نظر آرہا تھا، ولیمے کی تقریب ختم ہونے کے بعد اس کے والدین اسے اس کی ساس کی اجازت سے ساتھ ہی لے گئے۔ دو دن بعد ان کی عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانگی تھی، برہان سے اس کی براہ راست کوئی بھی بات نہیں ہوئی، اس کے رویے سے اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس کے احساسات کیا ہیں وہ کم گو تھا لیکن اس کے گھر والوں سے اچھی طرح ملا تھا۔ ماریہ نے اس صدف نامی لڑکی کو بھی دیکھا تھا مگر اس سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی البتہ عیشا نامی لڑکی سے ملنے کے لیے وہ اندر ہی اندر بے چین ہوتی رہی۔ اپنی کیفیت سے وہ خود بھی جھنجلا رہی تھی۔

"میری کون سی اس سے دلی وابستگی ہے اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو کرتا رہے۔" اس نے تقریب کے دوران کئی بار خود کو باور کرایا تھا۔

❀......❀......❀

"کیا بات ہے تم اس طرح خوش اور مطمئن نظر نہیں آرہی جس طرح تمہیں نظر آنا چاہیے۔" طاہرہ اس سے ملنے آئی تو اس کی چھیڑ چھاڑ اور شوخ جملوں پر ماریہ یا تو خاموش تھی یا پھر زبردستی کی نمائشی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر طاہرہ کو مطمئن کرنے میں کوشاں تھی، اس کے پوچھنے پر بھی ماریہ نے اسے سہولت سے ٹال دیا تھا۔

"نہیں پہلے کبھی امی ابو کے بغیر نہیں رہی، اب وہ جارہے ہیں اور مجھے شدت سے احساس ہورہا ہے کہ اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔" اس کی آنکھیں خود بخود بھیگیں، ابھی چند روز پہلے کی بات تھی وہ کس قدر بے فکر تھی، ابھی پندرہ دن پہلے اس نے بی اے کا آخری پرچہ دینے کے بعد اعلان کیا تھا کہ وہ یونیورسٹی میں ہرگز ایڈمیشن نہیں

لے گی۔ پڑھائی سے یوں بھی اس کی جان جاتی تھی طاہرہ کا مزید پڑھنے کا ارادہ تھا کاش وہ بھی مزید پڑھائی کا شوق ظاہر کردیتی یہ ہی بہانہ کام آجاتا۔ امی ابو نے کتنی آرام سے پرایا کردیا تھا وہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی دونوں بھائی اور بڑی بہن نائلہ شادی شدہ اور بچوں والے تھے مگر اس کے باوجود وہ سب کی لاڈلی اور سر چڑھی تھی' والدین کی ہی نہیں بہن بھائیوں کی بھی جان تھی اس میں' وہ چاہتی تو اپنا دل ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیتی۔ والدین کی عزت و ناموس کا خیال کرتے ہوئے وہ بے چوں چرا رخصت ہوگئی تھی مگر آج وہ اپنے اندیشے برہان کی محبت کے سنے سنائے قصے انہیں بتاسکتی تھی اور کسی کو نہیں مگر اپنی عزیز از جان سہیلی کو ہمدرد اور رازدار جان کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکتی تھی لیکن اپنی جلد بازی میں وہ کوئی بھی مسئلہ نہیں کھڑا کرنا چاہتا تھی اور پھر برہان نے کون سا اس سے براہ راست کوئی بات کی تھی جو وہ شکایت کرتی۔ وہ دو دن تک کڑھتی رہی۔

''کوئی اتنا بے خبر رہ سکتا ہے' اتنا خاص تعلق اور ایسی بے نیازی ایک فون کال تک نہیں کی اس نے۔'' دھیان بھٹک بھٹک کر اسی کی طرف جارہا تھا' خود سے فون کرنا اسے معیوب لگ رہا تھا۔ ''پتا نہیں وہ کیا سوچے گا۔'' عجب طرح کے اندیشے لاحق ہوگئے تھے لیکن جب وہ اپنی فیملی کے ہمراہ اس کے والدین سے ملنے آیا تو وہ حیران رہ گئی۔ وہ امی ابو سے ملنے کے بعد اس کے بھائیوں سے مل رہا تھا اس کی طرف دیکھا تو وہ ایک بار پھر نروس ہوکر نگاہوں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

''تم کیسی ہو؟'' اس نے ماریہ کو حیران کردیا' اس نے اعتماد سے عاری آواز میں ''ٹھیک ہوں'' کہا اور کچن میں چلی آئی۔ کچھ دیر بعد وہ سب کے درمیان سے اٹھ کر بڑی بھابی سے اس کا پوچھتا ہوا اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔ ماریہ اس کے اطوار دیکھ کر پریشان ہوا تھی۔

''تمہیں ہمارا آنا برا لگا ہے جو سب کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے کچن میں چلی آئیں۔ یہاں ملازم موجود ہیں' سب کے ساتھ آکر بیٹھو۔'' عجیب حکمیہ لہجہ تھا۔ واقعی اس کی پرسنالٹی غضب کی تھی اگر کوئی عیشا نامی لڑکی اس کی محبت کی دعویدار تھی اور وہ صدف خود کو اس کی محبت کا حق دار سمجھتی تھی تو اس میں کوئی حیرانگی کی بات نہیں تھی' اس کی شخصیت تھی ہی متاثر کن' انوکھی سی مقناطیسی قوت تھی جو دل اس کی جانب کھنچتا ہوا محسوس ہوتا تھا' ماریہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس کررہی تھی۔



''حیرت ہے تم تو وہاں جاکر بالکل گھل مل گئے تھے' خوب اپنے سسرال والوں کے ساتھ شیر وشکر ہورہے تھے اور گھر میں بھی بے تکلفانہ بیوی کے پلو سے بندھے گھوم رہے تھے' جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔'' وہ لوگ ماریہ کے والدین کو رخصت کرنے کے بعد سیدھا گھر چلے آئے تھے' ماریہ بھی ان کے ساتھ ہی آگئی تھی' دل پہلے ہی بوجھل ہورہا تھا' جویریہ آپا نے آتے ہی بھائی پر طنز کے تیر برسانا شروع کردیا' ماریہ بھی ٹھٹک گئی مگر برہان نے جیسے ان کی بات سنی ان سنی کردی۔

''میں تھک گیا ہوں کچھ دیر آرام کروں گا' ماریہ تم بھی آجاؤ۔'' حرا بھابی کی چائے کی پیشکش کو رد کرتے ہوئے اس نے بے تکلف سے انداز میں ماریہ کو کہا اسے بھی تقلید کرنا پڑی۔ زینب پہلو بدل کر رہ گئیں۔

''دیکھو کیسی لڑکی ہے آتے ہی شوہر کو اپنی مٹھی میں کرلیا۔'' زینب تڑپ کر بولیں۔ ماریہ نے بھی سنا اور یقیناً برہان کے کانوں تک بھی ان کی آواز پہنچی ہوگی مگر کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری تھا وہ لوگ کمرے میں آئے ہی تھے کہ برہان کا موبائل بج اٹھا۔

''برہان...... شہزاد کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے' میں کیا کروں کچھ سمجھ نہیں آرہا...... پلیز تم آجاؤ'' دوسری طرف آنسوؤں کی یلغار کے دوران عیشا کی گھبرائی ہوئی آواز کال ریسیو کرتے ہی برہان کی سماعت تک پہنچی تھی۔

''کون سے ہسپتال میں ہے وہ عیشا...... میں ابھی آرہا ہوں تم پلیز روؤ نہیں۔'' وہ عجلت میں پلٹ گیا' ماریہ

ساکت رہ گئی۔

❀......❀......❀

"دیکھو اس چالاک لڑکی کو کس طرح میرے بچے کو اپنے اشاروں پر چلا رہی ہے اس کی شادی کو چار دن بھی نہیں ہوئے اور اس نے شوہر کے ایکسیڈنٹ کو بہانہ بنا کر اسے بلا لیا۔ مریم...... تمہاری بیٹی میں کوئی لحاظ شرم نام کی شے موجود ہے یا نہیں؟" زینب بیگم بے تکان بول رہی تھیں بلکہ عیشا اور مریم پھوپو پرسنگ باری کررہی تھیں۔ ماریہ کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ برہان سہ پہر میں گیا تھا اور اب رات سر پر آ گئی تھی' اس نے فیضان بھائی کو عیشا کے شوہر کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی تھی اور اس کے بعد سے گھر میں طوفان آ گیا تھا۔ ماریہ اپنے کمرے میں چلی آئی' زینب بیگم کی باتوں سے دل کی کبیدگی بڑھ گئی تھی' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی تھی' صدف دروازے پر دستک دے کر چلی آئی۔

"اب تو یقین آ گیا ہوگا تمہیں میری باتوں کا' میں نے کہا تھا ناں کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی۔ دیکھ لو وہ عیشا کا دیوانہ ہے' اسے اس وقت تمہارے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر اب بھی دیر نہیں ہوئی تم اپنا نفع ونقصان خود اچھی طرح سمجھ سکتی ہو اگر اس وقت میری بات مان لیتیں تو آج سر پکڑ کر نہیں بیٹھی ہوتیں۔ ہاں وقتی تکلیف پریشان ہوتی لیکن......" صدف ایسے ہی کسی موقع کی تاک میں تھی۔

"صدف میں اب بھی پریشان نہیں ہوں اگر فکر ہے تو عیشا کے شوہر کی' اللہ سے ان کی زندگی اور صحت کے لیے دعا گو ہوں۔" وہ صدف کی بات قطع کر کے مضبوط لہجے میں بولی۔

"اونہہ...... تمہیں اس کی زندگی کی دعا کرنی چاہیے اگر اسے کچھ ہو گیا تو تمہارا شوہر ویسے ہی تمہارا نہیں ہے پھر تو......" وہ طنزاً کہہ کر جس طرح آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی۔ ماریہ اس کی تلخ زبان اور بے تکی باتوں پر پیچ وتاب کھا کر رہ گئی۔

برہان رات گئے واپس آیا' ماریہ جاگ رہی تھی' وہ پریشان ہی نہیں تھکا ہوا بھی لگ رہا تھا۔

"مجھے تو لگا تمہیں دیر تک جاگنے کی عادت نہیں ہے نیند کی کچی ہو شاید مگر حیرت ہے آج جاگ رہی ہو۔" وہ اسے پہلی رات کا طعنہ دے رہا تھا' ماریہ کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر رہے تھے۔

"اب کیسے ہیں عیشا کے شوہر؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں کہہ سکتے ڈاکٹرز کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔" وہ اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھول کر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹا۔

"اور عیشا؟" ماریہ نے جھجک کر اضافہ کیا۔

"کیسی ہوسکتی ہے' پریشان ہے۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"آپ کیوں آ گئے؟ اگر پھر آپ کی ضرورت پڑی؟" وہ پتا نہیں نا چاہتے ہوئے بھی کیا جاننا چاہ رہی تھی' اسے خود بھی ٹھیک سے پتا نہیں تھا۔

"وہاں ڈاکٹرز موجود ہیں' میں کیا کرتا رک کر۔" اس نے عام سے انداز میں جواب دے کر آنکھیں موند لیں۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" اسے یکبارگی خیال آیا تو مستعدی سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تو ماریہ لائٹ بند کر کے بیڈ کے دوسرے کنارے پر آ ٹکی وہ لیٹتے ہی غافل ہو گیا اور وہ صبح تک جاگتی رہی۔



"یہ شادی میری مرضی اور پسند سے نہیں ہوئی جو میں اپنی اہم ترین مصروفیات ترک کر کے گھومنے پھرنے کے لیے وقت نکالوں۔" ماریہ کی آنکھ صبح کے قریب لگی تھی' بمشکل ایک گھنٹہ ہی وہ سوئی تھی اس کی آنکھ کھلی تو برہان کمرے میں موجود نہیں تھا وہ تازہ دم ہو کر ناشتے کی غرض سے وسیع وعریض ڈائننگ روم کی طرف آئی تو برہان کی

آواز سن کر اس کے قدم دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی رک گئے۔ آنکھیں خوامخواہ بھر آئیں حالانکہ اس حقیقت سے وہ بخوبی آشنا تھی کہ وہ اس کی ''من چاہی'' نہیں ہے پھر بھی دل جل جل اٹھا تھا' وہ واپس پلٹ گئی۔

زینب ان دونوں کو ہنی مون پر بھیجنے پر مصر تھیں' برہان ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا' زینب کو خدشہ تھا کہ وہ کہیں پھر عیشا کے چکر میں نہ پڑ جائے۔ منظر سے ہٹانے کا یہی طریقہ ان کی سمجھ میں آیا' انہیں یہ گوارہ نہیں تھا کہ اس کڑے وقت میں ان کے گھر کا کوئی فرد خصوصاً برہان اس کی مدد کرے۔ عیشا خود کسی پرائیوٹ اسکول میں ملازمت کرتی تھی' اس کی تنخواہ پندرہ ہزار تھی' جو پوری کی پوری اپنی ساس کے ہاتھ پر رکھنے کی پابند تھی اور اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اس کا گھر میں رہنا آسان نہیں ہوتا' اس کے ہاتھ خالی تھے شوہر کے علاج کے لیے اس کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ سسرال میں کوئی اس کا مددگار اور غم گسار نہیں تھا اسے لامحالہ برہان سے مدد مانگنی پڑی' جہاں سے اسے مدد ملنے کی توقع تھی۔ برہان کو ماں کی بات مان کر فی الفور گھومنے کے لیے جانا پڑا۔ ماریہ بد دل ہوگئی' کراچی سے اسلام آباد تک کا سفر خاموشی کی نذر ہوگیا' اسلام آباد کا خوش گوار ماحول اور ہلکی بارش بھی ماریہ کے مزاج پر اثر انداز نہیں ہوسکے۔ برہان نے ہوٹل پہنچتے ہی کمرے میں بند ہوکر بیٹھنے کے بجائے باہر گھومنے کو ترجیح دی۔ ماریہ نے سفر کی تھکن کا بہانہ بنا کر انکار کردیا' وہ گیارہ بجے کے قریب کمرے میں آیا تو ماریہ سو چکی تھی اس نے لائٹ آن کی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

''کھانا منگواؤں تمہارے لیے؟'' اس نے آتے ہی استفسار کیا۔

''نہیں' مجھے بھوک نہیں ہے آپ اپنے لیے منگوالیں۔'' وہ پھیکے سے انداز میں بولی۔

''میں تو کھا کر آیا ہوں۔'' وہ بے نیازی سے بولا ماریہ کا دل جل کر خاک ہوگیا۔

''یعنی اس کی کوئی فکر ہی نہیں تھی اسے۔'' اس نے آنکھوں پر بازو رکھ کر نیند کے سلسلے کو جوڑنا چاہا مگر برہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں پر سے ہٹادیا۔ وہ بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی' اس کارروایتی' شرعی و قانونی حق وہ جیسے مجبوراً سر سے اتارے گئے کسی بوجھ کی مانند ادا کر کے سوگیا۔ وہ ساری رات جاگتی رہی۔ وہ خود پر جبر کررہا ہے یہ خیال دل میں پختہ ہوگیا تھا' وہ لوگ ایک دن اسلام آباد میں رک کے پھر مری آگئے۔ مری میں ایک ہفتہ قیام کیا مگر شدید بارشوں اور لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے وہ لوگ آگے نہیں جاسکے لیکن مری میں جتنا وقت گزرا وہ یادگار اور خوب صورت ترین تھا' وہ ماریہ کا شریک سفر تھا ہم قدم تھا' اس کی توجہ ماریہ کو ہر لمحے حیران کررہی تھی۔ وہ اس کے انداز میں بناوٹ اور مصنوعی پن کا شائبہ تک نہیں دیکھ سکی' وہ عیشا نامی لڑکی جیسے کہیں موجود نہیں تھی۔ وہ لوگ آٹھ دن بعد واپس آئے تو ایک اندوہناک خبر اس کی منتظر تھی' دو دن قبل مریم پھوپو کا انتقال ہوگیا تھا' عیشا صرف ماں کی تدفین تک وہاں رکی تھی پھر فوراً ہی چلی گئی تھی اس کا شوہر ابھی بھی انتہائی نگہداشت میں تھا۔ شہزاد کے علاج معالجے کے تمام تر اخراجات برہان اٹھا رہا تھا اور زینب اٹھتے بیٹھتے اس بات کے طعنے مریم پھوپو کو دیتی تھیں' ان کی تندخوئی' ناروا سلوک اور عیشا پر لگائے جانے والے الزامات ناقابل برداشت تھے۔ مریم کب تک برداشت کرتیں آخر ان کی برداشت بھی جواب دے گئی۔ پہلا ہی ہارٹ اٹیک جان لیوا ثابت ہوا' برہان کے لیے یہ خبر بہت بڑا سانحہ تھی' وہ غم سے نڈھال ہوگیا۔

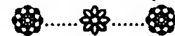
''کیا یہ کوئی معمولی بات تھی امی...... ایک بار آپ مجھے بتادیتیں اگر آپ کہتیں کہ نہیں آؤ...... تو میں نہیں آتا مگر آپ مجھے بتا تو دیتیں۔ وہ کوئی غیر نہیں تھیں میری سگی پھوپو تھیں مگر آپ نے بتانا تک گوارہ نہیں کیا۔'' وہ پھٹ پڑا۔

''میں نے جو مناسب سمجھا وہ ہی کیا' وہ تمہارے آنے سے زندہ تو نہیں ہوجاتیں۔'' وہ

بے رحمی سے بولیں۔
"عیشا کے آنسو پوچھنے والے اور لوگ موجود ہیں' تمہاری شادی ہوچکی ہے اپنی بیوی کی فکر کرو تم' ابھی عیشا کا شوہر مرا نہیں زندہ ہے۔" جویریہ آپا نے اضافہ کیا' وہ بری طرح سلگ اٹھا۔
"آپ کو کس نے حق دیا کہ آپ میری ذاتی زندگی میں دخل دیں' میرا جو دل چاہے گا میں کروں گا اگر آئندہ کسی نے میرے معاملات میں بولنے کی کوشش کی یا عیشا کا نام غلط انداز میں لیا تو میں ہر بات فراموش کردوں گا۔ ہر لحاظ بالائے طاق رکھ دوں گا۔" وہ چیخ اٹھا۔
زینب بیگم بھی اونچا اونچا بولنے لگیں' فیضان بھائی برہان کو زبردستی باہر لے گئے' ماریہ اس صورت حال سے گھبرا کر اپنے کمرے میں چلی آئی' اس کی شادی کو ابھی دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

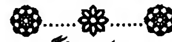


وہ واپس آیا تو ماریہ متفکر سی اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس وقت اس کی خاموشی ماریہ کو تشویش میں مبتلا کررہی تھی۔
"کھانا لاؤں آپ کے لیے۔" ماریہ نے طویل ہوتے خاموشی کے دورانیے سے گھبرا کر استفسار کیا۔
"برہان...... آپ ٹھیک تو ہیں۔" اس نے متوحش ہوکر پوچھا۔
"نہیں' میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں ماریہ...... کیا میرا پھوپو سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ کیا میرا فرض نہیں تھا کہ میں ان کے جنازے کو کندھا دیتا' ان کی آخری رسومات میں حصہ لیتا۔ انہیں ان کی آخری آرام گاہ تک چھوڑ کر آتا مگر امی نے مجھے یہ بھی نہیں کرنے دیا۔ پھوپو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں' میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکا بلکہ سب سے زیادہ تکلیفیں انہیں میری وجہ سے ہی ملی ہیں' ان کے دکھوں کا سبب میری ذات بنی۔" وہ ضبط کرتے بھی رو دیا' ماریہ کی اپنی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔



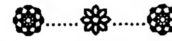
اگلے دن وہ زینب کی مخالفت اور اعتراضات کے باوجود ماریہ کو ساتھ لے کر عیشا سے پھوپو کی تعزیت کرنے چلا آیا تھا' ہسپتال کے ٹھنڈے کاریڈور میں اس نے بے حد پریشان حال مگر بے حد حسین نین نقش والی نازک اندام لڑکی کو دیکھا اس کی گود میں دو ڈھائی ماہ کا بچہ تھا۔
"تم یہاں اکیلی ہو؟" برہان کے استفسار پر وہ چونکی۔
"نہیں۔" اس نے اردگرد دیکھتے ہوئے مختصر سا جواب دیا۔
"یہ ماریہ ہے ناں تمہاری بیوی' امی نے بتایا تھا برہان کی دلہن بہت خوب صورت ہے۔ بالکل کانچ کی گڑیا جیسی واقعی تم نازک اندام اور معصوم صورت ہو۔ دیکھو کس موقع پر ملاقات ہوئی ہے تم سے اگر کوئی اور وقت' کوئی اور جگہ ہوتی تو میں تمہاری خاطر تواضع بھی کرتی۔" وہ متانت سے بولی۔
"عیشا...... کیا تم مجھے ایک فون کال نہیں کرسکتی تھیں' اتنی بڑی قیامت گزر گئی تم پر اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ عیشا کی باتوں کے برعکس غم سے چُور لہجے میں بولا۔
"مجھے خیال ہی نہیں آیا۔" وہ ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر رہی تھی۔
"اور تمہارا شوہر کیسا ہے اب؟" وہ عیشا سے مخاطب تھا' ماریہ ایک دم ہی منظر سے غائب ہوگئی اسے اپنا وجود غیر اہم لگ رہا تھا اس پریشان حال' اجڑے حلیے والی غم زدہ لڑکی سے اسے حسد و رقابت محسوس ہورہی تھی۔ کسی زمانے میں برہان اس کے لیے سب کچھ چھوڑ دینے پر آمادہ تھا اور اس لڑکی نے برہان کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا تھا' کچھ دیر بعد آئی سی یو میں موجود عیشا کے شوہر کو دیکھ کے ماریہ کو یقین ہوگیا تھا وہ برہان سے کس قدر محبت کرتی تھی' وہ شخص کہیں سے بھی عیشا جیسی خوب صورت اور کم عمر لڑکی کا شوہر نہیں لگ رہا

تھا۔ عیشا واقعی برہان سے محبت کرتی تھی اسی لیے اسے چھوڑنے کے بعد اس نے یہ سزا منتخب کی تھی' ماریہ ان دونوں کی محبت کی قائل ہوگئی تھی۔



ماریہ کے والدین عمرہ کی ادائیگی کے بعد واپس آ گئے تھے ان کے گھر میں ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

''کیا بات ہے تم دن بہ دن نکھرتی جارہی ہو۔'' طاہرہ نے اسے دیکھتے ہی کہا' برہان کے دیکھنے پر وہ نروس ہوگئی' وہ اپنا موازنہ عیشا سے کرنے لگی تھی' شاید اول روز سے جب اس نے عیشا کو دیکھا بھی نہیں تھا اور برہان کی خود پر اٹھنے والی نگاہیں اسے مزید بے چین کردیتی تھیں۔ ''پتا نہیں وہ اس کے معیار کے مطابق ہے بھی یا نہیں'' عجیب وہم میں گرفتار ہوگئی تھی۔



امی ابو تو چاہتے تھے کہ وہ دو چار دن رک جائے مگر اس نے اپنے گھر جانا مناسب سمجھا حالانکہ برہان سمیت کسی کو اس کے رکنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا البتہ وہ خود متامل تھی آج کل صدف آئی ہوئی تھی حالانکہ گھر میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا تھا پھر بھی وہ روز چلی آتی تھی۔ عجیب ڈھیٹ قسم کی لڑکی تھی' برہان کے سرد مہر رویے کے باوجود اس کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ زینب بیگم صدف کی حرکتوں پر کبھی کبھار ہی تنقید کرتی تھیں' اس سے انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا وہ اچھی طرح جانتی تھیں برہان کو اس میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں اور اندازہ تو ماریہ کو بھی ہوگیا تھا اس کے باوجود وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔

''تم رک جاتیں' سب کتنا اصرار کررہے تھے۔'' واپسی پر برہان نے عام سے انداز میں کہا مگر اسے ایسا ہی لگا جیسے وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہو۔

''اگر آپ کہیں تو واپس چلی جاتی ہوں۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا' تمہاری مرضی ہے۔'' وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

''ہاں میری مرضی ہے آپ سے شادی کرنے سے لے کر آپ کے ساتھ رہنے تک ورنہ آپ کے اردگرد موجود لوگ ایسا چاہتے ہی کب تھے؟'' وہ سلگ اٹھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......! کون نہیں چاہتا تھا؟'' وہ یک لخت سنجیدہ ہوگیا۔

''صدف۔'' اس نے شادی سے پہلے جو کچھ فون پر کہا تھا ماریہ نے ایک ایک لفظ بتادیا۔

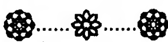
''اور پھر بھی تم نے مجھ سے شادی کی۔'' برہان کے نزدیک جیسے یہ کوئی معمولی بات تھی اسے فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

''تو کیا نہیں کرنی چاہیے تھی؟'' ماریہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوا' ماریہ کو پہلی بار اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا۔

''یعنی آپ کے نزدیک یہ تعلق ان چاہا اور مجبوری کا ہے۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''پتا نہیں میری مجبوری تو فی الحال یہ ہے کہ تم سے دور نہیں رہ سکتا۔'' اس نے بات ختم کردی' ماریہ جل کر رہ گئی' وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور اگر ماریہ کوئی بات چھیڑ بھی دیتی تھی تو موضوع بدل دیتا تھا۔ ماریہ کو یقین ہوگیا کہ وہ اس کی کسی بات کو خاص اہمیت نہیں دیتا' اپنی مرضی ہوتی تو بات کرتا ورنہ گھنٹوں خاموش رہتا۔ اپنی مرضی سے پیش قدمی کرکے سارے فاصلے مٹا دیتا' وہ بے حد خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ کم گو اور کم آمیز مگر بے حد نرم مزاج' اسے گھمانے لے جاتا۔ میکے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی' ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق تھی۔ ماریہ اگر اسے کریدنے کی کوشش کرتی تو بات بدل دیتا' جیسے اس کی محبت کا معاملہ اس کا ذاتی معاملہ تھا اس کے ماضی سے ماریہ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔



شہزاد ڈیڑھ سال عیشا کی آزمائش بننے کے بعد آخر

خالق حقیقی سے جاملا۔ عیشا نے اس کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر اب اس کی موت کے بعد عیشا کی مشکل ترین زندگی پہلے سے زیادہ دشوار ہوگئی تھی۔ سسرال والے اپنے مظالم میں مزید بڑھ گئے تھے۔ اب تو ایک نام کا تحفظ بھی چھن گیا تھا' اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا برہان کبھی کبھار فون کرکے اس کی خیریت پوچھ لیتا تھا۔

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہے...... کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادو؟'' اس کا مہربان لہجہ عیشا کی ڈھارس بندھانے کے لیے کافی تھا' وہ ہر بار سہولت سے منع کردیتی تھی۔ وہ اس سے مزید کوئی احسان نہیں لینا چاہتی تھی مگر ابھی زندگی میں ایسے مقامات اور بھی آنے والے تھے جب اسے برہان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامنے پر مجبور ہونا تھا۔

آدھی رات کو عیشا کے کمرے کا خستہ حال دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہونے والا شخص شہزاد کا چھوٹا بھائی حماد تھا۔ عیشا نے کبھی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ادب لحاظ نہیں دیکھا تھا وہ شہزاد کی زندگی میں بھی حماد سے کتراتی تھی اور اب شہزاد کی موت کے آٹھ ماہ بعد اس نے آخر اپنا اصل رنگ دکھا ہی دیا تھا۔ عیشا جاگ رہی تھی اس کے شور مچانے پر پورا گھر اکٹھا ہوگیا تھا مگر سب عیشا کے خلاف تھے' اسے ہی موردِ الزام ٹھہرایا جارہا تھا وہ چھتیس سال کا شخص چار بچوں کا باپ مظلوم و معصوم بن گیا' اس کی بیوی نے عیشا کا ہاتھ پکڑ کر آدھی رات کو گھر سے باہر نکال دیا' وہ اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے اس دروازے پر چلی آئی جہاں سے کبھی واپس نہ آنے کے لیے گئی تھی۔ دروازہ فیضان بھائی نے کھولا تھا' وہ ایک طوفان سے نکل کر آئی تھی یہاں ایک اور طوفان اس کا منتظر تھا' زینب نے اسے فوراً باہر کا راستہ دکھایا تھا۔

''ہم نے یتیموں مسکینوں کو پالنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا' پہلے تم پر اپنا پیسہ برباد کیا اب تمہاری اولاد پر کریں۔'' وہ پھنکاریں۔

''امی...... یہ کہاں جائے گی اس کا ہمارے سوا ہے ہی کون؟'' برہان کی مداخلت نے انہیں مزید آگ بگولہ کردیا۔

''تم اس معاملے میں نہ ہی بولو تو بہتر ہے' اچھی طرح سمجھ رہی ہوں میں اس لڑکی کا ارادہ کیا ہے؟'' وہ تنفر سے بولی۔

''امی...... اگر آپ نے اسے یہاں نہیں رکھا تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔'' وہ بھڑک کر بولا' اس کے پاس یہی طریقہ تھا ماں سے بات منوانے کا۔

''تو تم اس لڑکی کے لیے پھر مجھ سے الجھنے لگے' پھر سے اس نے تمہیں اپنے پیچھے لگالیا۔ تم گھر چھوڑ کر جانا چاہتے ہو اس بے حمیت لڑکی کے لیے اور اپنی بیوی کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔'' انہوں نے ماریہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سامنے کیا' وہ اس افتاد پر بوکھلا گئی۔

''امی...... آپ رہنے دیں اسے یہاں' ایک کونے میں پڑی رہے گی۔'' فیضان کو مداخلت کرنا پڑی ورنہ برہان کے تیور خطرناک تھے' زینب بیگم بھی فی الفور خاموش ہوگئیں' بیٹا پھر بغاوت پر آمادہ تھا وہ صاف دیکھ سکتی تھیں۔ عیشا کو گھر میں ایک کونا مل گیا مگر ماریہ کے دل کا ایک کونا تاریک ہوگیا تھا۔

''اس کے لیے کتنا آسان تھا اسے اپنے معاملات سے الگ کردینا' اسے فراموش کردینا۔'' ماریہ کی دل گرفتگی بڑھ گئی تھی' عیشا نے اپنی جاب نہیں چھوڑی تھی' پہلے اس کا بیٹا اپنی دادی کے رحم و کرم پر ہوتا تھا اب ماریہ نے کسی کے کہے بغیر ہی عیشا کے جاب پر جانے کے بعد اس کے بیٹے کا خیال رکھنا شروع کردیا تھا۔



ماریہ کی والدہ فاخرہ بیگم اور بہن نائلہ اس سے ملنے آئیں تو اس کی سہیلی طاہرہ بھی ان کے ساتھ ہی آگئی۔ صدف اور اس کی بھابی پہلے سے ہی آئی ہوئی تھیں' آج کل صدف کی شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں مگر اس کے اطوار ہرگز نہیں بدلے تھے۔

''تم نے کیا عیشا کے بیٹے کو گود لے لیا ہے؟'' صدف

نے حسبِ سابق گوہر افشانی کی۔

''بچوں کے ساتھ تو سب ہی کھیلتے ہیں' ان کا خیال رکھتے ہیں اس میں گود لینے والی کیا بات ہے؟'' طاہرہ کو صدف کا انداز برا لگا تھا۔

''میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ ان کی شادی کو اتنا وقت ہوگیا ہے اور ابھی تک ماریہ اس خوشی سے محروم ہے۔'' صدف نے جتایا۔

''ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا ہے کون سا آٹھ دس سال ہوگئے' ہوجائیں گے بچے بھی' تم بھی ناں صدف ہر وقت الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔'' فیضان بھائی کی بیوی حرا بھابی کا رویہ ماریہ کے ساتھ پہلے دن سے اچھا تھا۔ ماریہ نے انہیں ممنون نظروں سے دیکھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ خود بھی اب اس کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگی تھی مگر کسی اور کو احساس ہی نہیں تھا۔



سب مہمان رات کا کھانا کھانے کے بعد جاچکے تھے' وہ عیشا کے بیٹے فرحان کو عیشا کے حوالے کرکے آئی تو برہان جاگ رہا تھا حالانکہ وہ اسے سوتا ہوا چھوڑ کر گئی تھی۔

''کہاں رہتی ہو آج کل' اس وقت بھی تمہاری مصروفیات ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

''برہان...... آپ کو نہیں لگتا اب ہماری زندگی میں ایک ننھے سے وجود کا اضافہ ہوجانا چاہیے۔''

''ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو اللہ کی مرضی ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''آپ میری بات مت ٹالیے' ہمیں چیک اپ کرانا چاہیے کیا پتا کوئی پرابلم ہو۔ ہم کل ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''اتنی جلدی کیا ہے تمہیں؟'' وہ بیزاری سے بولا۔

''اتنی جلدی...... ہماری شادی کو تین سال ہونے والے ہیں اور آپ کو فکر ہی نہیں ہے۔ کیا آپ کو بچے پسند نہیں؟'' وہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔

''ماریہ جان...... مجھے بچے پسند ہیں مگر جب اللہ چاہے گا نواز دے گا اور اگر اس کی مرضی نہیں تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔ اس طرح بچوں کی فکر میں ہلکان ہونے سے کیا فائدہ۔'' وہ واقعی راضی برضا تھا یا پھر اسے چاہ ہی نہیں تھی' وہ اس کی من چاہی بیوی نہیں تھی جو اٹھلا کر ضد کرتی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا کے چیخ اٹھے' اسے جھنجھوڑ کر اس کی بے نیازی اور گریز کا خول چٹخا دے مگر وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔



زینب بیگم نے ایک بار پھر اپنی من پسند بساط بچھادی تھی' عیشا کے لیے انہوں نے ایک رشتہ منتخب کرلیا تھا۔ عیشا کو قائل کرنا آسان تھا وہ ہر طرح سے مطمئن تھی مگر برہان کو خبر ہوگئی وہ لوگ جو عیشا کے طلب گار بن کے آئے تھے وہ لوگ ماریہ کی بڑی بہن نائلہ کے محلہ دار تھے۔ وہ شخص جس کا پرپوزل عیشا کے لیے بھیجا گیا تھا وہ شخص عمر رسیدہ بلکہ قریب المرگ تھا۔ نائلہ کو ان کی بیٹی نے ہی اپنے والد کی شادی کے متعلق بتایا تھا' انہیں مستقل دیکھ بھال کی ضرورت تھی' بیوی کا انتقال ہوچکا تھا اور بچوں کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنے بیمار باپ کی تیمارداری کریں' وہ سب شادی شدہ تھے' نائلہ نے ماریہ سے بات کرنے کے بجائے براہ راست برہان سے بات کرنا مناسب سمجھا۔

عیشا بے شک بیوہ اور ایک بچے کی ماں تھی مگر اس جیسی بردبار اور شائستہ مزاج کم عمر لڑکی اس زیادتی کی مستحق نہیں تھی۔ برہان نائلہ کی بات سنے بغیر' وہ فون بند کرکے غصے میں کھولتا ہوا زینب کے کمرے میں چلا آیا۔

''میں اس کا برا نہیں چاہتی' اس شخص کی کروڑوں کی جائیداد ہے' اس کے مرنے کے بعد عیشا کو بھی جائیداد میں سے حصہ ملے گا۔ آج وہ ہماری محتاج اور دستِ نگر ہے لیکن اس شخص سے شادی کے بعد بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی اسے اس طرح کسی اور کے در پر

جا کر نہیں رہنا پڑے گا۔'' زینب بات کھلنے پر نہ ہی بوکھلائیں اور نہ ہی انہوں نے تردید کی بلکہ بہت اطمینان سے بات سنبھالی۔

''امی...... کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا' ہم سب ایک ہی ذات پاک کے محتاج ہیں اور پھر یہ گھر اس کے ماموں کا ہے' اس کا ہم سے بھی کوئی تعلق ہے' اس طرح اسے دوبارہ برزخ میں دھکیل دینا اس پر ظلم ہوگا آخر اس کے یہاں رہنے میں آپ کو قباحت کیا ہے۔'' وہ جھنجھلایا۔

''کیوں نہیں ہوگی قباحت؟ آخر لوگوں کی باتیں تو ہمیں سننے کو مل رہی ہیں' لوگ تو یہی کہہ رہے ہیں اس کا شوہر مر گیا اور تمہاری پرانی محبت زندہ ہوگئی ہے۔'' ان کے کاری الفاظ پر وہ تڑپ اٹھا۔

''امی آپ نے زندگی بھر اپنی مرضی کی ہے کم از کم میرے معاملے میں آپ نے میری رضا اور پسند کے بجائے اپنے فیصلے مجھ پر مسلط کیے۔ مجھے پابند کرنے کے بعد بھی آپ کو اطمینان نہیں ہوا' اپنی خوشی اور مرضی کے برخلاف میں نے آپ کی ہر بات مانی مگر آپ ابھی بھی......'' وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا ہمیشہ کی طرح یہ سن کر ماریہ کا دل خون ہوگیا۔

''لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' زینب نخوت سے بولیں۔

''مجھے لوگوں کا ڈر نہیں ہے اگر میں ایسا کرنا چاہوں تو آپ یا کوئی اور مجھے روک نہیں سکتا۔'' اس کی دھمکی ماریہ کا دل لرزا گئی۔ زینب بھی اس کے ہموار اور مضبوط لب و لہجے کو سن کر دم بخود رہ گئیں۔ بات کچھ نہیں تھی مگر ماریہ کا دل اندھیروں میں ڈوب گیا' عیشا وہاں موجود نہیں تھی وہ اپنے کمرے میں تھی۔ زینب برہان کے جاتے ہی پھر زور زور سے بولنے لگی تھیں' عیشا کو برا بھلا کہنا' اسے کوسنا اس پر الزام لگانا' بہتان لگانا اس کی کردار کشی کرنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ ماریہ غائب دماغی سے انہیں سن رہی تھی' اسے صاف نظر آرہا تھا زینب برہان کو کسی دن انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کردیں گی۔



اس نے اپنے گھر جانے کی بات کی اور برہان نے معمول کے مطابق آرام سے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ نائلہ آپا ہمیشہ اس پر رشک کرتی تھیں' برہان اس پر پابندیاں عائد نہیں کرتا نہ ہی روک ٹوک اس کا جب دل چاہتا تھا وہ امی ابو اور نائلہ آپا سے ملنے چلی آتی مگر ماریہ اس آزادی سے کبھی خوش نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس کی محبت نہیں تھی جو وہ اس کا عادی ہوتا عادتیں پابند کردیتی ہیں اور پھر ان پابندیوں سے بھی محبت ہوجاتی ہے' وہ چاہتی تھی برہان اسے روکے مگر اسے تو جیسے اس کی پروا ہی نہیں تھی وہ چاہے جتنے دن اپنے گھر رہے۔ وہ جانتی تھی وہ اس سے ملنے آئے گا' فون کرے گا مگر ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہے گا۔ جلدی آنے کی تاکید نہیں کرے گا' نہ ہی کوئی بے تابی' نہ بے قراری۔ جدائی کے دن صرف ماریہ پر گراں گزرتے تھے مگر اس بار اس کا قیام معمول سے زیادہ طویل ہوگیا تھا۔

''خیر تو ہے پندرہ دن ہوگئے تمہیں آئے ہوئے واپس کب جاؤ گی۔'' امی کے استفسار پر وہ بلاوجہ ہی چڑ گئی۔

''امی...... خیر ہی ہے' کیا یہ میرا گھر نہیں' میں یہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ خوامخواہ آبدیدہ ہوئی۔

''ہاں بالکل تمہارا گھر ہے مگر بلاجواز اتنے دن رکنا ٹھیک نہیں' شادی شدہ لڑکیاں میکے سے زیادہ سسرال میں ہی اچھی لگتی ہیں۔'' امی وضع دار سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ ماریہ کو چاروناچار اسے فون کرکے بلانا پڑا' وہ نہیں آتا تو بھی امی ہزار سوال کرتیں۔ وہ لوگ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہاں سے نکلے تھے اس کے بعد برہان نے گاڑی ساحل سمندر کی طرف گھمائی' ریت پر اس کے قدم سے قدم ملا کر اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے بھی وہ اسے خود سے صدیوں کے فاصلے پر کھڑا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کبھی اس سے اپنے دل کی بات نہیں کرتا تھا' عیشا کے

موضوع پر وہ کیسے بات کرتی؟ خود سے اس کا ذکر کرنے سے وہ خود احتراز برت رہی تھی پتا نہیں اس ذکر پر وہ کیا کہہ گزرتا ویسے بھی وہ ماریہ کے اندیشوں اور وسوسوں سے آگاہ ہی کب تھا' وہ لوگ گھر آچکے تھے اور دونوں طرف خاموشی ہنوز برقرار تھی۔ برہان زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا اور ماریہ اپنی ہی سوچوں میں گرفتار رہنے لگی تھی' وہ آنے کے بعد بلاوجہ ہی کمرے کی قرینے سے رکھی چیزوں کو دوبارہ ترتیب سے رکھنے لگی تھی۔

''اتنا طویل قیام مجھے تو لگ رہا تھا تم گھر واپس آنا بھول ہی گئی ہو۔'' برہان بیڈ پر دراز نیم وا آنکھوں کے ہمراہ اس کی مصروفیت کا جائزہ لیتے ہوئے گویا ہوا۔

''اونہہ...... میرے آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے یہاں کون سا کسی کو میری ضرورت ہے۔'' وہ بھری بیٹھی تھی۔

''کیا مطلب' کسے تمہاری ضرورت نہیں؟ کیا کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟'' وہ اٹھ بیٹھا اس کا استفسار ماریہ کو بدمزہ کر گیا' وہ خود ہی ناراض ہو کر گئی تھی' اس کو تو اس کی ناراضگی کی خبر نہیں تھی۔

''نہیں' مجھے کوئی کیوں کچھ کہے گا' میں اتنی اہم نہیں ہوں۔'' وہ بددلی سے وارڈ روب کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' وہ اس کے انداز بغور ملاحظہ کر رہا تھا' اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔

''نہیں۔'' وہ پہلو بدل گئی۔

''ماریہ...... جو بات ہے کھل کر کہو اس طرح دل میں بات رکھنے سے بدگمانی بڑھ جاتی ہے اور خوامخواہ غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولا۔

''ضروری نہیں ہے کہ ہر بات کہی جائے' ہم جن لوگوں سے محبت کرتے ہیں ان کی ہر بات کہے بغیر سمجھ جاتے ہیں۔ جان لیتے ہیں کہ کیا بات انہیں خوشی دیتی ہے اور کیا تکلیف۔ کہے سنے بغیر ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے' آپ نہیں بھی بتائیں تو بھی میں آپ کی آنکھوں کے رنگ دیکھ کر آپ کے دل کی بات سمجھ جاتی ہوں۔ مجھے پتا ہے آپ کی اداسیوں کی وجہ آپ کی خوشیوں کا سبب کیا ہوسکتا ہے آپ کس بات سے ناراض ہوں گے' کون سی بات آپ کو مسرور کرے گی' آپ کی پسند ناپسند آپ نے کبھی نہیں بتائی مگر میں جانتی ہوں۔ آپ سے وابستہ ہر بات کا علم ہے کیونکہ بات ساری محبت اور دلچسپی کی ہے۔ وہ لوگ جو ہمارے دل سے قریب تر ہوتے ہیں ان کے لیے ہمیں تردد نہیں کرنا پڑتا' ان کے لبوں کی جنبش سے پہلے ہم ادراک ہو جاتے ہیں' رہنے دیں آپ نہیں سمجھیں گے میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''کیسے نہیں سمجھوں گا' صاف ظاہر ہے تم مجھ سے بدگمان ہو ماریہ ڈیئر...... تمہیں پورا حق ہے مجھ سے سوال کرنے کا اگر میری کوئی بات بری لگے تو تم مجھ سے شکایت کرسکتی ہو مجھ سے ناراض ہونے کا روٹھنے کا اختیار ہے تمہیں اور مجھے تمہارے نخرے اٹھانے اور تمہیں منانے کے لیے ہزار جتن کرنے میں کوئی عار نہیں مگر اس طرح باتیں دل میں رکھ کر بیٹھ جانا بالکل بھی درست نہیں ہے۔'' وہ سر جھکائے اسے سن رہی تھی' براہ راست شکایت کرنے کی ہمت تھی ہی نہیں۔

''ماریہ...... تم اہم ہو اور یہ بات کہنے کی ضرورت تو نہیں تمہیں تو خود ہی سمجھ جانا چاہیے آخر تم میری اکلوتی بیوی ہو۔'' وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے مزید بولا تھا' اس کی گرم سانسیں ماریہ کے چہرے اور گردن کو چھونے لگی تھیں' وہ نظریں نہیں اٹھا سکی۔ اس کی تسلی و تشفی کے لیے برہان کی گرم جوش قربت ناکافی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی اس سے ''کیا وہ آج بھی عیشا کو چاہتا ہے؟'' مگر اس میں نہ ہی سوال کرنے کی جرأت تھی نہ ہی جواب سننے کا حوصلہ۔



صدف کی شادی کے ہنگامے شروع ہوچکے تھے مہندی کی تقریب میں عیشا نہیں گئی تھی اور نہ ہی بارات یا ولیمے میں اس کا جانے کا ارادہ تھا۔ لوگوں کی باتیں' نظریں اور زینب ممانی کی ہر جگہ اسے موضوع گفتگو بنادینے کی عادت سے وہ واقف تھی اس نے اپنے بیٹے کے ہمراہ گھر میں ہی رکنا مناسب سمجھا تھا۔ ہزار باتوں کے باوجود یہاں اسے ایک چھت کا تحفظ میسر تھا اور اس کے لیے فی الحال یہی غنیمت تھا مگر یہ اطمینان بھی عارضی ثابت ہوا۔ کچھ دنوں سے جویریہ آپا کے شوہر مسعود کے تیور اسے بدلے بدلے لگ رہے تھے مگر اسے ان کے ارادوں کی خبر نہیں تھی ورنہ وہ گھر میں رک جانے کے بجائے صدف کی بارات میں جانے کو ترجیح دیتی۔ سب گھر والے جاچکے تھے اس نے کمرے میں آ کر دروازہ' کھڑکیاں اچھی طرح بند کرلیں اس کا بیٹا سوچکا تھا۔ کمرے کے باہر کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے خوف زدہ کردیا وہ پہلے ہی کسی انجانے خوف کے زیر اثر دروازے کی سمت ہی تک رہی تھی پہلے اسے اپنا وہم لگا پھر متواتر دستک ہونے لگی۔ وہ مسعود بھائی تھے جو اسے دبی آواز میں دروازہ کھولنے کا کہہ رہے تھے' وہ خوف سے کانپنے لگی وہ دھمکیوں پر اتر آئے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تو برہان کو فون کرکے آنے کے لیے کہہ دیا' وہ بھی اس کی آواز سن کر کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر فوراً دوڑا چلا آیا۔ مسعود بھائی کو عیشا سے اس اقدام کی توقع نہیں تھی' وہ بوکھلا کر وضاحتیں دینے لگے' وہ برہان سے عمر میں بڑے تھے اس کے بہنوئی تھے۔ برہان نے ہمیشہ ان کی عزت کی تھی مگر اس وقت ہر بات فراموش کرکے ان کا گریبان پکڑلیا وہ اس وقت برداشت کرگئے مگر سب گھر والوں کے آتے ہی انہوں نے سارا الزام برہان پر رکھ دیا۔

''میں نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔'' وہ بے خوفی سے بولے۔

''آپ یہاں کیا کرنے آئے تھے صرف اس بات کا جواب دیں۔'' برہان ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

''تم میرے شوہر پر الزام لگا رہے ہو' دیکھ لیں امی..... آخر اس لڑکی نے رنگ دکھا ہی دیا اور یہ آپ کا بیٹا ساری شرم وحیا بالائے طاق رکھ کر اس لڑکی کے اکسانے پر اتنا گھٹیا الزام میرے شوہر پر لگا رہا ہے۔'' جویریہ آپا بولنے کے ساتھ آنسو بھی بہا رہی تھیں۔

''آپا..... آپ کے شوہر کتنے شریف ہیں یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں' میں ان پر گھٹیا الزام نہیں لگا رہا بلکہ ان کی اپنی ذہنیت گھٹیا ہے۔'' وہ غرایا۔

''برہان..... مسعود تم سے بڑا ہے' مجھے تم سے زیادہ اس کی بات کا بھروسہ ہے وہ اس گھر کا داماد ہے۔ تم اس سے معافی مانگو' اپنی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تم مسعود یا کسی اور پر الزام نہیں لگا سکتے۔'' زینب سرد مہری سے بولی تھیں' بیٹے سے زیادہ انہیں بیٹی کی فکر تھی۔ وہ داماد کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھیں' برہان انہیں بے یقینی سے دیکھتا رہ گیا' عیشا شرمندگی کے احساس سے زمین میں گڑھی جارہی تھی۔

''امی..... میں آپ کی سگی اولاد ہوں آپ کو میری بات کا یقین نہیں' آپ مجھ پر اتنا رکیک الزام لگا رہی ہیں' کیا میں اتنا گر سکتا ہوں۔'' اسے ماں کے رویے پر ازحد افسوس ہوا۔

''کیا ہم سب نہیں جانتے تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔'' جویریہ نے مزید آگ کو ہوا دینا چاہی۔

''آپا..... آپ خاموش رہیں بلکہ بہتر ہوگا کہ آپ اب اپنے گھر جائیں۔'' وہ جھڑک کر بولا۔

''یہ کیوں جائے گی' جانا تو اس فساد کی جڑ کو چاہیے' اب میں اسے مزید یہاں برداشت نہیں کروں گی۔'' زینب نے عیشا کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر کی طرف گھسیٹا۔ عیشا گلے میں پھنسی ہڈی بن گئی تھی ان کے لیے۔

''اگر یہ یہاں نہیں رہے گی تو میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔'' بات پھر اسی نہج پر آ گئی تھی جہاں زینب کو

خاموش ہونا پڑتا تھا۔ وہ عیشا کا ہاتھ چھوڑ کر تن فن کرتی ہوئیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ باقی سب بھی ایک ایک کر کے چلے گئے صرف برہان رہ گیا مگر اس کے پاس عیشا کو تسلی اور معذرت کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے یہاں کسی کو بھی اپنے رویہ پر ندامت نہیں تھی مگر وہ عیشا کے سامنے شرمندگی محسوس کر رہا تھا اس پر ایک خاموش بے بس نظر ڈال کر وہ بھی اپنے کمرے کی طرف چلا آیا۔

❁......❁......❁

''دیکھا ماریہ...... اس گھر کے لوگوں کی ذہنیت کو امی ہمیشہ میرے ساتھ سوتیلوں والا سلوک کرتی آئی ہیں' صرف اس لیے کہ میں پھوپو اور عیشا کی طرف داری کرتا تھا اور آج امی نے مسعود بھائی کی وجہ سے مجھ پر اتنا گھٹیا الزام بھی لگا دیا حالانکہ میں نے اپنی خوشی کی پروا نہیں کی اور جو کچھ امی نے کہا خاموشی سے مان لیا' شادی تک کر لی مگر انہیں اب بھی خدشہ ہے کہ میں کہیں عیشا سے شادی نہ کر لوں اور اگر میں ایسا کرنے کی ٹھان لوں تو کون مجھے روک سکے گا۔'' وہ اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔ ماریہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔

''ہاں واقعی آپ کو کون روک سکتا ہے؟ یہ لوگ تو نہیں مگر شاید میں ہی آپ کے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوں' اس لیے آپ بار بار یہی بات کرتے ہیں شاید آپ سپریشن چاہتے ہیں۔'' وہ غصے سے تمتماتے چہرے کے ساتھ بولی۔

''پاگل ہوگئی ہو' میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو صرف ایک بات کہہ رہا تھا کہ اگر میں ایسا کرنا چاہوں تو......'' اس نے وضاحت دینا چاہی مگر ماریہ نے اس کی بات قطع کر دی۔

''آپ ہر موقع پر یہ بات آرام سے کہہ دیتے ہیں' بہت آسان ہے ناں آپ کے لیے ایسا کرنا' کسی اور کو اپنا لینا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''ہرگز نہیں...... بلکہ ناممکن' میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اگر......'' برہان کو اپنی ہی بات کی وضاحت دینا مشکل لگ رہا تھا' برا پھنسا تھا وہ۔ ''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے تمہارے علاوہ اب کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ اس بات کا یقین کر لو تمہارے آنے کے بعد میری زندگی میں کسی کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کسی کی اب کوئی خواہش ہے۔'' وہ واضح اور قطعی لہجے میں بولا۔ ماریہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

''اعتبار کر لو میری جان اس کے علاوہ کوئی اور آپشن بھی نہیں ہے۔'' وہ اس کے چہرے پر جھکا اس کی گستاخی پر وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

''اعتبار بھی آ ہی جائے گا۔'' وہ فاصلہ مزید کم کرتے ہوئے گنگنایا۔ ماریہ کے غصے پر پہلے حیرانی غالب آئی پھر جھجک' اس کے حصار میں مقید وہ کچھ دیر پہلے والی ہنگامہ خیز سنگین صورت حال' شکوے شکایت اپنے جلتے سلگتے دل کے اندیشے' خدشے ہر بات یکسر فراموش کر گئی تھی۔

❁......❁......❁

مسعود بھائی اور جویریہ آپا کے درمیان پہلے بھی کئی بار مسعود بھائی کی دلچسپیوں کی وجہ سے جھگڑے ہوئے تھے۔ جویریہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر کئی کئی مہینوں کے لیے گھر آ کر بیٹھ جاتی' عیشا والی بات کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے' مسعود نے پھر ایک لڑکی میں دلچسپی لینا شروع کر دی وہ ایک ابھرتی ہوئی ماڈل تھی صرف تحفے تحائف اور گھمانے پھرانے سے بہلنے والی نہیں تھی جیسا کہ اس سے پیشتر مسعود کی کئی گرل فرینڈز بس ان چیزوں سے ہی خوش ہو جاتی تھیں۔ اس نے شادی کے لیے اصرار کیا' مسعود پر اس کی محبت اور حسن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا' لہٰذا انہوں نے حامی بھرنے میں دیر نہیں لگائی اس کی شرط تھی کہ پہلے مسعود اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیں' انہوں نے بالکل بھی تامل نہیں کیا' اپنے بچوں کی بھی پروا نہیں کی اور ادھر جویریہ کو طلاق دی اور اُدھر بڑی دھوم دھام سے شادی بھی رچا لی اور یہ زینب کے لیے پہلا اور بہت بڑا جھٹکا تھا۔ جویریہ کا بسا بسایا گھر ایک ہوا کے جھونکے سے تاش

کے پتوں کی مانند بکھر گیا' جویریہ کے آنسو زینب سے دیکھے نہیں جاتے تھے مگر انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی تھی۔ جب بھی موقع ملتا وہ عیشا کے کردار کو نشانہ بنانے سے اس پر الزامات لگانے سے دریغ نہیں کرتی تھیں' انہیں جیسے اس سے کوئی دشمنی تھی۔

اس دن بھی عیشا کے بیٹے کو بخار تھا' برہان اسے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا جیسے ہی زینب کو خبر ہوئی وہ تن فن کرتیں اپنے کمرے سے نکلی تھیں' ان کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا ارادہ تھا کہ نیچے جاکر عیشا کو کھری کھری سنائیں آخر وہ ان کے بیٹے کے پیچھے پڑ گئی تھی مگر ان کا پاؤں پہلے اسٹیپ سے پھسلا اور وہ لڑھکتی ہوئی نیچے آ کر گریں' ان کی دردناک چیخوں سے گھر کے در و دیوار لرز اٹھے' انہیں بہت شدید چوٹیں آئی تھیں' بائیں ٹانگ ہی نہیں کمر اور گردن بھی متاثر ہوئی تھی۔ وہ بستر سے لگ گئی تھیں' ان کی نگاہوں کے سامنے ہر وقت ان کا ماضی کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔

وہ روز ایک بات سوچتیں اور ہزار ہزار بار مرتی تھیں' ان کی ذہنی و جسمانی حالت بہترین علاج اور دیکھ بھال کے باوجود بہتری کی جانب جانے کے بجائے دن بہ دن ابتری کا شکار ہو رہی تھی۔ فیضان ان کا لاڈلا بیٹا تھا اگر وہ ان کا خیال رکھ رہا تھا تو کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی۔ وہ اگر حیران ہوتی تھیں تو برہان کو دیکھ کر جس کی خوشی کو انہوں نے اپنی ضد کی بھینٹ چڑھا دیا تھا اور وہ ہر زیادتی فراموش کر کے بغیر کچھ بھی جتائے فیضان ہی کی مانند ان کا خیال رکھ رہا تھا۔ وہ گھنٹوں ان کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتا' ان کی دوائیوں کی تفصیلات تک اسے ازبر تھیں' اس نے ہمیشہ انہیں خبردار کیا تھا کہ مکافات عمل سے ڈریں مگر وہ ہی سخت دلی اور تندخوئی پر قائم رہیں' اب ہر لمحہ ان کے لیے اذیت ناک تھا۔ انہیں عیشا سے کی گئی اپنی ہر تکلیف دہ بات ہر الزام یاد آنے لگا تھا اور شاید یہ جھٹکا سنبھلنے کے لیے تھا کیونکہ ابھی سانسوں کی ڈور بندھی تھی وہ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔

❁......❁......❁

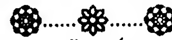
گھر کا ہر فرد حیران تھا' زینب نے نا صرف سب کی موجودگی میں عیشا سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگی تھی بلکہ وہ اس کی تلافی کرنے پر بھی بضد تھیں۔ وہ عیشا کو خوش دیکھنا چاہتی تھیں انہیں یقین تھا اس طرح ان کی اولاد کی زندگی بھی پُرسکون اور خوش گوار ہو جائے گی۔ وہ عیشا کے دکھوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں جس کا سبب کہیں نہ کہیں وہ خود کو ہی گردانتی تھیں۔

''میں جانتی ہوں وقت پلٹ کر واپس نہیں آسکتا میں نے عیشا کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے' اس کی زندگی برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی حتیٰ کہ اپنی ضد میں اپنے بیٹے کی خوشیوں کی پروا نہیں کی میں تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ برہان میری جان...... میرے بچے' تم عیشا سے نکاح کر لو۔'' انہوں نے صحیح معنوں میں سب کو حیران کر دیا تھا' ماریہ کے سر پر تو جیسے کمرے کی چھت ہی آن گری تھی' اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

''بیٹا...... میں جانتی ہوں بہت دیر ہو چکی ہے مگر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لڑکی کو ایک مضبوط چھت' ایک سائبان کی ضرورت ہے۔ تحفظ کی ضرورت ہے' میں نے ہی لوگوں کو تم دونوں کی طرف انگلیاں اٹھانے پر مجبور کیا تھا' آج میں پچھتا رہی ہوں۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' تم عیشا کی خوشیوں کے ضامن بن کر میرے ضمیر پر موجود اس بھاری بوجھ کو سرکا دو۔'' وہ برہان کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بول رہی تھیں' وہ نادم تھیں' برہان نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر انہوں نے اشارے سے روک دیا۔

''مجھے پتا ہے تم ماریہ کی وجہ سے انکار کرو گے مگر یہ لڑکی بہت مختلف ہے' اس کا ظرف بہت وسیع ہے۔ عیشا کی موجودگی پر ہم سب نے اعتراض کیا مگر اس نے کبھی اس کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا یہ بہت سمجھ دار' وسیع القلب اور وسیع النظر لڑکی ہے' ہماری طرح کوتاہ نظر اور کم ظرف نہیں ہے۔ برہان...... میں تمہیں خوش دیکھنا

چاہتی ہوں بیٹا' تمہاری شادی کو چار سال ہوگئے ہیں اور تم آج تک اولاد کی خوشی سے محروم ہو' پہلے کبھی مجھے احساس ہی نہیں ہوا مگر اب سوچتی ہوں شاید میرے بچوں کی زندگی میں موجود مصائب و آلام اور محرومیاں میرے عیشا کے ساتھ رواں رکھے گئے رویہ کی وجہ سے ہیں۔ جویریہ کا بسا بسایا گھر اجڑ گیا اور تم اولاد سے محروم ہو' برہان عیشا سے نکاح کرلو وہ خوش رہے گی تو میں بھی سکون سے مرسکوں گی۔'' اتنا بولنے پر ان کی سانس اکھڑنے لگی' حرا بھابی نے انہیں سکون آور دوا دی تب جا کر ان کی طبیعت بہتر ہوئی وہ سوگئیں اور برہان بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ ہمیشہ انتہا پسندی پر مائل رہی تھیں پہلے عیشا کی مخالفت اور نفرت میں اور اب اس کی محبت میں۔



''روز ایک ہی بات نکل آتی ہے' میں سخت عاجز آچکا ہوں۔ امی کو کس طرح سمجھاؤں اب وہ وقت گزر گیا وہ کچھ بھی سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بس ایک بات پر اصرار کررہی ہیں اور ان کا یہ اصرار روز بروز زور پکڑتا جارہا ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا۔

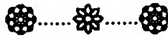
آج پھر زینب نے یہی موضوع چھیڑ دیا تھا اب یہ بات بھی پرانی ہوچکی تھی' ماریہ بالکل خاموش تھی جیسے اسے ان باتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ عیشا الگ مجرموں کی طرح چھپتی پھر رہی تھی' زینب برہان اور عیشا کے انکار کو اہمیت ہی نہیں دے رہی تھیں۔ سکون تو ان کی زندگیوں سے کب کا رخصت ہوچکا تھا' برہان اس صورت حال سے تنگ آگیا تھا' ایک طرف ماں کا بڑھتا ہوا اصرار تھا دوسری طرف ماریہ کی بے نیازی اور خاموشی۔

''آپ کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہورہا ہے؟'' وہ اسے میکے چھوڑنے جارہا تھا' وہ کیا سوچ رہی تھی برہان بالکل بے خبر تھا اس بات سے۔

''کیسا فیصلہ؟'' اس نے چونک کر استفسار کیا۔

''نہیں' بس ایسے ہی کہہ دیا میں نے۔'' گھر آچکا تھا وہ شش و پنج میں مبتلا گاڑی کا دروازہ کھول کر اترنے لگی مگر پھر رک گئی۔

''برہان...... میں ان باتوں سے تنگ آچکی ہوں' میرا وجود زندگی اور موت کے درمیان معلق ہے۔ پتا نہیں کب آپ مجبور ہوجائیں' کب آپ کا ارادہ بدل جائے۔ بہتر ہوگا آپ جلد فیصلہ کرلیں اگر آپ عیشا کے حق میں بھی فیصلہ کریں گے تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ خوشیوں پر آپ کا بھی حق ہے۔ وہ آپ کی محبت ہے اور میں کچھ بھی نہیں اور آپ آج تک اولاد کی خوشی سے بھی تو محروم ہیں' عیشا آپ کی زندگی کو مکمل کردے گی مگر میرا ظرف اتنا وسیع نہیں ہے' میں شراکت برداشت نہیں کرسکتی۔'' اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر مضبوط لہجے اور ہموار آواز میں اپنا فیصلہ سنادیا اور برہان کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی۔



اپنی طرف سے وہ ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی' واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ ان دونوں کے درمیان میں آگئی تھی' اس نے برہان کے لیے فیصلہ کرنا آسان کردیا تھا۔ گھر آکر اس نے کسی سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نائلہ آپا اور طاہرہ نے تو اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''تمہیں یہ سب باتیں پہلے بتانی چاہیے تھیں مگر اب بھی دیر نہیں ہوئی' ہم بھی انہیں ناکو چنے چبوادیں گے۔ تم کیوں اپنا گھر چھوڑ کر آئیں' وہیں رہ کر دیکھتیں' تم نے خود ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔'' نائلہ کا غصہ عرش کو چھو رہا تھا۔

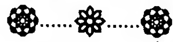
''دبی دبی زبان میں تو لوگوں نے بہت کچھ ہمارے کانوں میں بھی ڈالا' برہان کی چچازاد صدف نے خود مجھے یہ سب بتایا تھا اور میں نے امی سے بھی ذکر کیا تھا مگر امی نے اہمیت ہی نہیں دی ان باتوں کو۔'' فریال بھابی نے انکشاف کیا۔

''کہنے والے تو بہت کچھ کہتے ہیں' اب سنی سنائی باتوں کو کیا اہمیت دینا' گھر بسانے کے لیے ہزار باتیں

برداشت کرنی پڑتی ہیں عورت کو پھر یہ تو شادی سے پہلے کا معاملہ تھا۔ گڑھے مردے اکھاڑنے کا فائدہ۔'' امی اب بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں' جتنے منہ اتنی باتیں' سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ ماریہ بالکل خاموش تھی۔

(کسی کا دل نہیں بدلا جاسکتا وہ عیشا سے محبت کرتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ ہی اس کی خوشیوں کی ضمانت ہے اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ ایک بار تو پلٹ کر پوچھتا)

اسے اپنے میکے میں آئے ہوئے کافی دن ہوچکے تھے مگر اس نے فون کال تک کرنا گوارہ نہیں کی۔ اچھا ہے تم ہم سے روٹھے' ہم ہر غم سے چھوٹے' ماریہ جتنا سوچ رہی تھی اسی قدر اس سے بدگمان ہورہی تھی۔



ملال' پچھتاوا' کھو دینے کا شدید اور اذیت ناک احساس۔ دل جیسے کرب سے پھٹا جارہا تھا' رگوں کو کاٹنے والا زہر تھا جو اس کے اندر اتر کر سانس تک لینا دشوار کررہا تھا۔ آج عیشا کا نکاح تھا وہ صبح سے بولائی بولائی پھر رہی تھی' نائلہ آپا اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر بصد اصرار اسے اپنے ساتھ بازار لے آئی تھیں۔ انہیں خود کچھ شاپنگ کرنی تھی خیال تھا کہ اس طرح وہ بھی بہل جائے گی مگر یہاں برہان اور عیشا سے ملاقات ہوگئی۔ عیشا کس قدر مطمئن نظر آرہی تھی اور برہان بالکل بے فکر۔

''اوہو تو آپ لوگ بھی شاپنگ پر نکلی ہوئی ہیں' لگتا ہے شام کو ہونے والے نکاح میں شرکت کی تیاریاں ہورہی ہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولا تو ماریہ کا دل کٹ کررہ گیا۔

''اور تم کیسی ہو؟ بظاہر تو ٹھیک لگ رہی ہو مجھے تو خبر ملی تھی کہ تم اداس ہو۔ اچھا چھوڑو ان باتوں کو چلو گھر چلتے ہیں' باقی باتیں گھر جاکر کریں گے۔'' اس نے یک دم ہی بات بدل کر ماریہ کا ہاتھ پکڑ کر لگاوٹ سے کہا۔ ماریہ کی آنکھیں بلاوجہ ہی نمکین پانی سے لبالب بھر گئیں' بے بسی کے احساس نے الگ جھنجلاہٹ میں مبتلا کردیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور جب آنا ہوگا خود ہی جاؤں گی۔'' وہ چاہ کر بھی آنے سے قطعی انکار نہیں کرسکی' عجیب سی لاچاری تھی۔

''اچھی بات ہے' تمہارا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آجانا۔'' اس نے برہان کی گرفت سے ہاتھ چھڑانا چاہا' اس نے ماریہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے خود ہی اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا اور عیشا کے ساتھ چلا گیا۔ ماریہ کا دل کہیں پاتال میں ڈوب گیا تھا۔

''آپا......آپ ان سے میرے بارے میں بات کرتی ہیں' آپ نے ہی ان سے کہا ہے ناں کہ میں اداس رہتی ہوں۔'' وہ دکان سے باہر نکلتے ہوئے ان پر الٹ پڑی۔

''اب وہ خود ہی فون کرکے پوچھتا ہے تو میں کیا کروں۔'' نائلہ بھی اس کے پیچھے آتے ہوئے بولیں' وہ غصے سے بہت تیز تیز چل رہی تھی مگر چند قدم چل کر ہی وہ لڑکھڑائی اگر نائلہ اسے بروقت نہ سنبھالتیں تو وہ یقیناً وہیں گرجاتی۔ نائلہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے جیسے تیسے انہوں نے اس کے نڈھال وجود کو سنبھال کر ٹیکسی روکی۔

''بھائی......فوراً قریبی کلینک لے چلو۔''

''پلیز آپا...... مجھے نہیں جانا' بس گھر لے چلیں۔''

ماریہ متامل تھی' اس کے منع کرنے کے باوجود نائلہ اسے قریبی کلینک لے آئیں۔ اس کی نڈھال شکستہ حالت' زرد رنگت انہیں متوحش کرگئی تھی مگر کچھ ہی دیر بعد وہ ساری فکر اور ہمدردی چھوڑ کر اس پر برس رہی تھیں۔

''مجھے یقین نہیں آرہا تم جیسی سمجھ دار لڑکی اس قدر احمقانہ حرکت کرسکتی ہے' اتنی بڑی بات تم نے ہم سب سے پوشیدہ رکھی اور کسی کو نہیں کم از کم برہان کو تو بتادیتیں' آخر چاہتی کیا تھیں تم؟''

''آپا...... میں کچھ نہیں چاہتی' بس یہی چاہتی ہوں کہ برہان کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوجائے۔'' وہ روہانسی ہوکر بولی۔

''اس طرح تم اپنا اور اس کا نقصان کررہی ہو' آج

نہیں تو کل اسے پتا چلے گا پھر......'' وہ متفکر ہوئیں۔

''پھر کچھ نہیں وہ مجھے چھوڑ چکے ہیں' آج نکاح کررہے ہیں۔'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی رودی۔

''ماریہ...... یہ بات جاننا برہان کا حق ہے' گھر چھوڑ کر آنا تمہارا فیصلہ تھا۔ برہان نے تمہیں مجبور نہیں کیا' تم اسے کس بات کی سزا دے رہی ہو۔ اتنی بڑی خوشی اس سے مخفی رکھ کر' وہ تو تمہیں اب بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہا تھا' تم نے خود انکار کردیا۔ کم از کم اسے یہ بات تو بتاؤ کہ وہ باپ بننے والا ہے' دیکھنا وہ ہر چیز چھوڑ کر بھاگا چلا آئے گا۔'' جویریہ کا ناصحانہ انداز اسے گراں گزرا' آپا کے لیے سب آسان تھا' وہ اس کے احساسات سے بالکل انجان تھیں۔

''آپا میں اپنی محبت میں شراکت برداشت نہیں کرسکتی' اس تصور سے ہی میری جان نکلنے لگتی ہے کوئی اور ان کی زندگی میں اہم ہو' وہ کسی اور کو اس قدر چاہیں جتنا مجھے چاہتے ہیں میں نہیں برداشت کرسکتی۔'' وہ سسکی۔

''کم عقل لڑکی تم صرف اپنے بارے میں سوچ رہی ہو' اپنے آنے والے بچے متعلق نہیں۔ کتنے سالوں بعد اللہ نے تمہیں یہ خوشی دی ہے اور تم ناشکری بن رہی ہو۔'' آپا نے اسے سخت لہجے میں ٹوکا۔

''آپا...... مجھے بھی نہیں پتا تھا ورنہ شاید میں نہیں آتی' مجھے بھی وہاں سے آنے کے بعد علم ہوا اور اب میں یہ بہانہ بنا کر واپس نہیں جانا چاہتی۔ کچھ بھی ہو آپا...... آپ کو میری قسم آپ انہیں نہیں بتائیں گی' کم از کم آج کے دن نہیں۔'' اس نے لجاجت سے کہا' نائلہ متذبذب تھیں مگر اس کی شکستہ حالت دیکھ کر انہوں نے اس کی بات مان لی۔



برہان شام ڈھلے اسے لینے آ گیا حالانکہ کچھ گھنٹے پہلے وہ اس کے ساتھ جانے کی پیش کش رد کرچکی تھی مگر اب انکار کی تو گنجائش نہیں تھی۔ امی نے سختی سے کہہ دیا تھا۔

''بہت ہوگئی تمہاری من مانی' اب اپنے گھر جاؤ۔ اتنا اچھا شوہر مل گیا قدر کرو اس کی' ناراض ہو کر تم آئی تھیں پھر بھی لینے آ گیا۔'' امی کی منطق ہی نرالی تھی' انہیں برہان میں کوئی خامی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ابو اور بھائیوں سے امی نے کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا تھا پھر بھی بڑے بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت تسلی دی تھی۔

''ماریہ گڑیا...... یہ تمہارا اپنا گھر ہے جب دل چاہے آجانا' ابھی تمہیں برہان لینے آیا ہے آج ان کے گھر میں تقریب ہے اور تمہارا جانا ضروری ہے۔'' نائلہ آپا کی تاکید نے اسے زچ ہی کردیا۔

''ماریہ جان...... اسے جاتے ہی بتا دینا یہ اس کا حق ہے۔'' اور بتانا تو تھا ہی مگر جاتے ہی بتانے کی تاکید بے جا تھی اس کے پاس وقت ہی کہاں ہوگا' اس نے جل کر سوچا۔

برہان اور عیشا کی تقریب میں اس کا شریک ہونا ازحد ضروری تھا' وہ واپسی کے سفر میں مضمحل تھی۔ چند گھنٹوں پہلے یہ شخص اتنا پرایا نہیں لگ رہا تھا جتنا اس وقت اجنبی اور پرایا لگ رہا تھا۔

''تم کہاں غائب ہوگئے تھے' نکاح ہو بھی چکا ہے اب آرہے ہو۔'' جویریہ آپا دروازے میں ہی مل گئیں۔

''کہیں نہیں اپنی بیوی کو لینے گیا تھا کسی اور کو اس کی کمی محسوس نہ بھی ہو مگر مجھے شدت سے اس کی کمی محسوس ہورہی تھی۔'' وہ جتا کر بولا۔

''اچھا اب اندر آؤ' وہ لوگ رخصتی کے لیے شور کررہے ہیں۔'' جویریہ عجلت میں کہہ کر پلٹ گئیں۔

''یہ فرہاد ہیں عیشا کے شوہر اور یہ میری مسز ماریہ برہان......'' عیشا کے پہلو میں بیٹھا شخص کوئی اور تھا' نہایت سنجیدہ صورت اور باوقار نظر آنے والا فرہاد نامی شخص کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ وہ برہان کے دوست جواد کے بڑے بھائی تھے وہ جواد کی بہن کی شادی کی تقریب میں گئی تھی اور وہیں اس نے فرہاد بھائی کو دیکھا تھا۔

''میری جان...... اب اس قدر بھی حیران ہونے کی

ضرورت نہیں، سب کو پتا چل جائے گا کہ تم کتنی عقل مند ہو۔" وہ اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر کے اس کے کان میں بولا۔ وہ دل میں در آنے والے اطمینان اور سکون کے ناقابل بیان احساسات کے باوجود اس پر ایک برہم نظر ڈال کر رہ گئی۔

فرہاد کی بیوی کا انتقال تین سال قبل دوسرے بچے کی ولادت پر ہو گیا تھا' فرہاد دوسری شادی کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی دوسری عورت ان کے بچوں کو سگی ماں کی طرح محبت نہیں دے سکتی اور نہ ہی ان کا خیال رکھ سکتی ہے مگر عیشا سے ایک ہی ملاقات کے بعد اس کی زندگی میں در آنے والے نشیب و فراز کی بابت برہان اور اپنے بھائی جواد کی زبانی جان کر' ان کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔ وہ خود بھی سیدھے سادے انسان تھے' ان کی شادی کے لیے کوئی خاص ڈیمانڈ نہیں تھی' انہیں عیشا جیسی صابر' قناعت پسند لڑکی متاثر کر گئی تھی۔ وہ صرف یہی چاہتے تھے کہ عیشا ان کے بچوں کا خیال رکھے' عیشا کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ فرہاد نے بھی عیشا کے بیٹے کی ہر ذمہ داری اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ عیشا سے عمر میں آٹھ دس سال بڑے تھے مگر بے حد سلجھے ہوئے اور روشن خیال انسان تھے۔ اچھا خاصا باشعور گھرانہ تھا' فرہاد کی بہترین جاب تھی۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے تھے' دونوں طرف کے لوگ خوش اور مطمئن تھے خصوصاً عیشا مطمئن بھی تھی اور برہان کی احسان مند بھی اس نے رخصتی کے وقت کہا تھا۔

"ماریہ..... شاید تمہیں یہ دوغلا پن لگے مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے برہان کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا ہمیشہ بڑے بھائی والا رتبہ اور احترام دیا اور آج ایک بھائی کی طرح مجھے رخصت بھی کر رہا ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں تم دونوں کی احسان مند ہوں۔" زینب نے ابتداء میں اس رشتے کی مخالفت کی تھی مگر پھر عیشا کو مطمئن دیکھ کر وہ بھی پُرسکون ہو گئی تھیں۔



"تو یہاں میرے علاوہ سب جانتے تھے حتیٰ کہ میرے گھر والے بھی' سب ہی شریک تھے اس شادی میں اور سب نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔" وہ سخت خفت محسوس کر رہی تھی۔

"نہیں یار..... اس کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ تم پہلے ہی کچھ کچھ پاگل ہو۔" اس نے والہانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔

"ہاں آپ کے لیے تو یہ سب مذاق تھا اور میری کڑی آزمائش۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ارے تم کیوں شکوہ کر رہی ہو؟ تمہیں تو میری ہر بات کی خبر تھی' میری اداسیوں کی وجہ' میری خوشیوں کا سبب اور وہ کیا کہا تھا تم نے بات ساری محبت اور دلچسپی کی ہے جو لوگ دل کے قریب ہوتے ہیں ان کے لیے تردد نہیں کرنا پڑتا وغیرہ وغیرہ۔" ماریہ نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے جو میں نے ایسا کہا' آپ نے ہمیشہ گریز برتا۔ مجھے یہی لگا آپ کے نزدیک میری حیثیت اور اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ اب بھی اپنے ماضی میں بھٹک رہے ہیں' میں ہمیشہ اندیشوں میں گرفتار رہی آپ نے کبھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میری تکلیف کا احساس نہیں تھا آپ کو' اتنے دن میں اذیت ناک سوچوں کا شکار رہی اگر آپ کو ذرا بھی احساس ہوتا تو مجھے بتا دیتے۔" وہ برہم ہوئی۔

"بالکل احساس تھا میری جان..... مگر میں پہلے اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا۔" اس کے انداز پہلے بھی ایسے ہی تھے اس وقت بھی وہ بہکنے کے لیے تیار تھا۔

"اونہہ..... اگر یہ مسئلہ اب بھی حل نہ ہوتا گزشتہ ڈیڑھ ماہ میں آپ کو کھو دینے کے خیال سے ہر دن' ہزار بار مری ہوں میں' اگر میرے بچے کو کچھ ہو جاتا' اگر میں اسے کھو دیتی....." وہ ضبط کرتے بھی برہان کے بازوؤں میں بکھر گئی۔

''ماریہ......! کیا کہا تم نے......! او میرے اللہ...... میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی کی خبر تم اس طرح آنسو بہاتے ہوئے سنا رہی ہو۔ پاگل لڑکی...... یہاں دیکھو میری طرف یہ بات چھپانے کی تھی کی' پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے اور دیکھو تمہارے گھر والوں نے بھی پوشیدہ رکھا۔'' وہ اس کی وارفتگی اور استفسار دونوں سے خائف ہوگئی۔

''گھر میں کسی کو نہیں پتا' نائلہ آپا کو بھی آج ہی پتا چلا ہے اور میں نے انہیں آپ کو بتانے سے منع کر دیا تھا۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولی' آنکھیں بدستور بھیگ رہی تھیں۔

''مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ کسی کشمکش کا شکار ہوں۔'' وہ پست آواز میں گویا ہوئی' وہ اس کے آنسوؤں کو پوروں پر سمیٹتے ہوئے مسکرا دیا۔

''تمہاری اس معصوم صورت کا شکار ہونے کے بعد میں کسی بھی کشمکش کا شکار کیسے ہوسکتا تھا۔'' وہ اس کے چہرے پر جھکا' ماریہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی۔

''اپنی والدہ محترمہ کو یہ خوش خبری سنا کر آئیں کہ وہ دادی بننے والی ہیں' کہیں ایسا نہ ہو صبح تک وہ آپ کی ناخوشگوار' بے رنگ زندگی کی محرومیاں دور کرنے کے لیے پھر کسی لڑکی کو منتخب کرلیں اور آپ کی دوسری شادی کرانے پر کمر بستہ ہوجائیں۔ کیا پتا وہ اب تک کوئی نام سوچ بھی چکی ہوں اور ہوسکتا ہے اس بار آپ مجبور ہوکر شادی کر بھی لیں۔'' اس نے منہ پھلا کر خفیف سا طنز کیا' برہان بے ساختہ ہنس دیا۔

''اچھا اتنا ناقابل اعتبار ہوں میں۔'' اس نے شوخ و شریر لہجے میں استفسار کیا۔

''میں ہمیشہ اندیشوں کا شکار رہی اور آپ گریز برتتے رہے کبھی مجھے میری اہمیت کا احساس نہیں دلایا۔'' اس نے سلگ کر کہا۔

''تمہیں پتا ہے مجھے لمبے لمبے رومانی مکالمے نہیں بولنے آتے' ویسے بھی جذبات الفاظ کے مرہونِ منت نہیں ہوتے اور اب پلیز لڑائی جھگڑے کو چھوڑ کر صلح کرلو۔ اتنے دنوں بعد ہاتھ لگی ہو اور اب بھی تمہیں مجھ پر رحم نہیں آرہا۔'' اس کی سرگوشی نے ماریہ کو شرم سے سرخ کر دیا۔

''اونہہ...... منہ دیکھے کی محبت ہے' اتنے دنوں آپ مجھ سے ملنے آئے نا ہی مجھے فون کال کی اور اس بات پر ہی کیا موقوف آپ تو ہمیشہ مجھے میرے میکے جانے کی اجازت اس طرح دیتے ہیں جیسے جان چھڑانا چاہ رہے ہوں۔ میں ہمیشہ اپنی مرضی سے خود آتی ہوں' میں آپ کی منِ چاہی بیوی نہیں ہوں ناں' آپ کے سر سے تو بلا اترتی ہے پلٹ کر کبھی پوچھتے بھی نہیں کب آرہی ہو۔'' اس کے معصومانہ شکوے پر برہان ہنستا چلا گیا۔

''میری اچھائی پر بھی اعتراض ہے تمہیں' میری شرافت پر شک ہے' میں تمہاری خوشی کا خیال کرکے کچھ نہیں کہتا اور تم شکایت کررہی ہو۔ ٹھیک ہے میری جان...... اب تمہیں میکے جانے کی اجازت نہیں ملے گی' ایک دن بلکہ ایک گھنٹے کے لیے بھی نہیں۔'' وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگیا' ماریہ بری طرح پچھتائی شکایت کرکے۔

''میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔'' اس نے سٹپٹا کر جلدی سے کہا۔ برہان کا شوخ بے باک قہقہہ اسے خجل کرگیا۔ دوسرے ہی پل ماریہ کے ہونٹوں پر بھی مہکتے گلاب بکھر گئے اس کی ہنسی کے جلترنگ خوش رنگ گلاب برہان کو یقین دلا رہے تھے کہ ان کی آنے والی زندگی حسین اور خوشنما ہوگی۔ گلاب رُت ان کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے در آئی تھی۔



من کی دنیا

ماورا طلحہ

اپریل کے اوائل میں ہی سورج کی تپش برداشت سے باہر تھی' دن کے آغاز سے گرمی جوبن پر ہوتی اور اس پر ستم ظرفی یہ کہ گرمی کے ماروں کو واپڈا والے اور مار رہے تھے' ساری رات گھر کے اکلوتے پنکھے کو دیکھتے گزر جاتی اور پنکھا چند ساعتیں چل کر رک جاتا اور رہی سہی کسر دن میں آگ برساتا سورج پوری کر دیتا تھا۔ سارا دن ساری رات اردگرد کے گھروں سے جنریٹر کی کان پھاڑ آوازیں آتیں اور وہ ان ہی آوازوں سے دل بہلاتی رہتی کیونکہ جس گھر میں ایک وقت کے کھانے کے بعد اگلے وقت کے لالے پڑے ہوں وہاں ایسی عیاشیاں برداشت سے باہر ہوتی ہیں۔ اندرون لاہور کی چھوٹی گلیوں میں موجود چھوٹے گھروں میں سورج کی تپش آگ جیسی لگتی تھی مگر جہاں پیٹ کی آگ نہ بجھتی ہو وہاں شمس کی گرمی کا اثر نہیں ہوتا اس نے معاشرتی رویوں کے ایسے موسم دیکھ لیے تھے کہ قدرتی موسم شدت سے اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔

بجلی کی آمد سے مایوس ہوتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی' کالے گھنیرے بالوں کو کیچر میں مقید کیا' سانولے پاؤں جوتی کی قید میں دیئے اور باہر نل کی سمت آ گئی۔ باورچی خانے میں ہونے والی کھٹر پڑ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اماں وہی ہیں۔ صابن کے چھوٹے سے ٹکڑے سے ہاتھ منہ دھویا اور مرے قدموں سے باورچی خانے کی سمت آ گئی۔

''منہ ہاتھ دھولیا تو ناشتا کرلو۔'' اماں نے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی' چنگیری پکڑی اور وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور ناشتا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے کچھ بول کیوں نہیں رہی؟'' اماں نے اس کی طویل خاموشی کا سبب پوچھا۔

''کل شام سے بجلی غائب ہے' رات کو نیند بھی ٹھیک سے نہیں آئی اور تھکن بھی نہیں اتری۔'' شکستہ لہجے میں جواب دیا تاکہ اماں کو مطمئن کر سکے۔

''تو آج چھٹی کرلو' آرام کرو' تھکن اتر جائے تو کل چلی جانا۔'' اماں نے آرام سے حل بتایا۔

''آپ باجی زلیخا کو جانتے ہوئے بھی یہ بات کر رہی ہیں' ایک دن کی غیر حاضری پر تنخواہ کی کٹوتی کر لیتی ہیں اور آپ جانتی ہیں حالات یہ اجازت نہیں دیتے کہ میں اپنے آرام کے لیے چند پیسے گنوا دوں۔'' اس کے لہجے کی تلخی نے انہیں چپ کرا دیا۔

وہ خاموشی سے کمرے میں آئی' کالی چادر اوڑھی اور بوجھل قدموں سے داخلی دروازے کا رخ کیا' یہ چھوٹا سا دو کمروں کا گھر بھی اس کے لیے مضبوط قلعہ تھا جس کی پینٹ سے اکھڑی دیواریں اور دیمک کے کھائے ہوئے لکڑی کے دروازے اسے تحفظ کا مضبوط احساس مہیا کرتے تھے۔ ٹوٹے دروازوں کی درزوں سے دنیا ایسے اندر جھانک رہی ہوتی جیسے شکاری کی تاک میں بیٹھا ہو بس ایک جھلک نظر آئے اور وہ ہوس کے تیر چلا دے۔

ایسی ہی ایک آفت اس کے گھر کے سامنے مقیم تھی جس کی ہوس سے پُر آنکھیں اس کو خطرناک حد تک ہراساں کر دیتی تھیں اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ خود کو گھر میں مقید کر لیتی مگر یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اپنے گھر کی وہ واحد کفیل تھی۔ گھر سے باہر نکل کر دروازہ آہستگی سے بند کیا' سامنے بیٹھے رشید قصائی کو نظر انداز کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔ گلی کے موڑ تک اسے غلیظ نظریں اپنی پشت پر محسوس ہوتی رہیں اور وہ انجانے خوف کے تحت اپنی چادر سمیٹتی رہی۔ گلی کا موڑ مڑتے ہی دائیں ہاتھ چند قدموں کے فاصلے پر ''دی شائننگ بیوٹی پارلر'' تھا جہاں وہ ایک سال سے کام کر رہی تھی۔

''انٹر کرنے کے بعد اس نے ایک قریبی پرائیوٹ اسکول میں ملازمت اختیار کر لی مگر وہاں کے پرنسپل کو بچوں کو پڑھانے والا استاد نہیں بلکہ اپنی وقت گزاری کا سامان چاہیے تھا۔ اسکول کی نوکری کو خیرباد کہا اور ''بیوٹی پارلر'' جانا شروع کر دیا۔ پارلر کی مالکن اماں کی دور پرے کی رشتہ دار تھی' اس نے اس شرط پر نائلہ کو فری کورس کی اجازت دی کہ وہ سیکھنے کے بعد انہی کے ساتھ کام کرتی رہے گی۔ چند ماہ میں وہ اس ہنر میں طاق ہو گئی اور اب باجی زلیخا کے پارلر میں چند پیسوں کے عوض کام کر رہی تھی۔ گھر کی گاڑی مشکل سے چل رہی تھی مگر عزت کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

''آج بڑی دیر کر دی آنے میں' خیر اب آ گئی ہو تو جلدی ہاتھ چلالو کب سے تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔'' باجی زلیخا نے تلخی سے اسے مخاطب کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پیشانی پر



آیا خوف کا پسینہ اپنی کالی چادر میں سمویا' عجلت میں وہ ان عورتوں کی طرف بڑھی جو آئینہ کے سامنے بیٹھی بُرے زاویوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی ایک عورت کا فیشل شروع کردیا جو مستقل گاہک تھیں اور اسی کے ہاتھوں مطمئن ہوتی تھیں۔

"جلدی سے ان کا فیشل کر کے میرا کام کرو' گھر بچے چھوڑ کر آئی ہوں' یہ چند پل بھی میری ساس پر بھاری ہوتے ہیں۔" ساتھ والی عورت نے ناک چڑھاتے ہوئے اسے کہا' اس کے جلدی سے چلتے ہاتھوں نے اور تیزی پکڑلی اور اسی تیزی سے اپنے انتظار میں بیٹھی سب عورتوں کو فارغ کردیا۔ اتنی دیر کھڑے ہونے سے ٹانگیں تھکنے لگی تھیں' وہ چند پل ستانے کو بیٹھی تھی تو اس کی نظر ایک سائیڈ پر بیٹھی خواتین کی طرف پڑی' اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ سب سے پہلے عجلت میں کام کروانے والی خاتون ابھی بھی بیٹھی باتیں بھگارنے میں مصروف تھیں اور موضوع سخن ساس ہی تھی' اسے ہر روز ایسے واقعات دیکھنے کو ملتے تھے جو اسے حددرجہ کوفت میں مبتلا کردیتے تھے۔

"توبہ ہے ان خواتین سے بھی' نا معلوم ساس کی اتنی بدخوئی کرنے والی اس بات کو کیوں بھول جاتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے بھی یہ ہی عہدہ سنبھالنا ہے۔" اس نے کوفت سے سوچا مگر اسے حیرت کا جھٹکا لگا جب ان خاتون کو اپنے سر پر کھڑے خود کو گھورتے پایا۔

"یہ باہر دو ٹکے کی نوکری کرنے والی کیا جانیں گھروں کے کیا مسائل ہوتے ہیں' سسرال کس جہنم کا نام ہے' نا تم جیسی لڑکیوں کے گھر بستے ہیں اور نا ساس نامی رشتے سے پالا پڑتا ہے۔" خاتون اس کے سر پر کھڑی زہر میں بجھے نشتر چلا رہی تھیں اور وہ ان تیروں سے لہولہان ہورہی تھی۔

چند پل لگے تھے آنکھوں میں آئی نمی جذب کرنے میں اور جو سر اٹھا کے دیکھا تو سامنے باجی زلیخا کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں بارہا کہہ چکی ہوں یہاں آئی عورتوں کو رشتوں کے سبق نہ پڑھایا کرو' وہ یہاں منہ کا میل صاف کروانے آتی ہیں دلوں کا نہیں۔" باجی زلیخا کے لہجے میں اس کے لیے ہمدردی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا' آنسو پیتے ہوئے اٹھی اور کولر کے پاس چلی آئی' یخ ٹھنڈے پانی کو پیتے ہوئے اپنے اندر کی آگ بجھانے کی ناکام کوشش کی۔



شام پھیل چکی تھی اور اس اندھیرے میں پینٹ سے اکھڑی دیواروں پر بنے نقش ونگار عجیب ہیولوں کی شکل اختیار کرتے ہوئے اندھیرے کو اور خطرناک بنارہے تھے۔ بہت سارے دنوں کی طرح ایک اور دن اس کے دامن میں زہر میں بجھے الفاظ اور ڈھیر ساری حقارت ڈال گیا تھا اور اس نے اسی زہر کو زندگی کا تحفہ سمجھتے ہوئے خوشی سے اپنالیا تھا۔

"اس اندھیر نگری میں کھانے پینے کی بہت فروانی ہے ناں اسی لیے آگے رکھا کھانا ٹھنڈا کر کے رزق کی بے حرمتی کررہی ہو۔" اس کی سماعت سے اماں کا جھنجلایا ہوا لہجہ ٹکرایا تو اس نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا۔

اپنے خیالات میں کھوئی وہ سامنے رکھا کھانا کب کا بھول چکی تھی' اس نے خاموشی سے کھانے کی پلیٹ اپنے سامنے کی اور چھوٹے چھوٹے نوالے بے دلی سے منہ میں رکھنے لگی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ پھر سے خیالوں میں کھوگئی تھی۔ بچپن کے خواب' اچھے دنوں کے خیال' جب اس کے پیارے ابا زندہ تھے اللہ دتہ ریڑھی والا سارا دن ریڑھی پر محلے میں سبزی بیچتا اور اس کی ایمان داری کے باعث اس کی سبزیاں جلد ہی فروخت ہوجاتی تھیں۔ اس کی ریڑھی پر تازہ سبزی مناسب دام میں

موجود ہوتی تھی اور یہ ہی بات سب دکان داروں کو بری لگتی تھی۔ دکان داروں کے خیال میں اللہ دتہ ریڑھی والی کی وجہ سے ان کا کاروبار ڈھپ ہورہا تھا۔ ہر گھر میں اس کا ذکر ہوتا' کہیں تعریف کی جاتی اور کہیں نام بگاڑ کر اندر کی کھولن نکالی جاتی۔ اس تلخ حقیقت کا احساس اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔ وہ چوتھی کلاس میں تھی جب اس نے جانا کہ الفاظ بھی دودھاری تلوار کی طرح ہوتے ہیں جو دونوں طرف سے گھاؤ لگاتی ہے۔ وہ اپنے ابا کی سائیکل پر روزانہ کی طرح خوش وخرم اسکول آئی تھی اور مسکراتی ہوئی کلاس میں داخل ہوئی تھی جب ایک لڑکی بولی۔

''کالو ریڑھی والے کی بیٹی بھی آ گئی ہے۔'' اور اس نے حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا کہ کیا اس نے یہ الفاظ میرے پیارے ابا کے لیے بولے ہیں۔

''کیا...... اس کے ابا کالے ہیں؟'' دوسری لڑکی نے حیرت سے سوال کیا۔

''ہاں میرے گھر میں سب اس کے ابا کو کالو ریڑھی والا کہتے ہیں۔'' اس کے محلے کے دکان دار کی بیٹی کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ بہت بڑے راز سے پردہ اٹھا رہی ہو۔

اسکول میں سارا دن نائلہ خاموشی سے روتی رہی اور واپسی پر خاموشی سے اپنے ابا کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پسینے سے تربتر چہرہ سورج کی روشنی میں ایسا چمک رہا تھا جیسے اندھیری کان میں ہیرے آنکھوں کو خیرہ کررہے ہوں' سارا دن وہ خاموش ہی رہی اور شام میں اس کی یہ خاموشی اس کے پیارے ابا کی نظر میں آ گئی تھی۔

''کیا بات ہے؟ آج میری شہزادی ناراض کیوں ہے۔'' اللہ دتہ نے اسے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا تھا اور اس کی برداشت کی حد تک تھی' اس نے زاروزار رونا شروع کیا تو اللہ دتہ کو بھی اسے چپ کروانا مشکل ہوگیا تھا۔

''نائلہ...... اگر تُو چپ نہ ہوئی تو تیرے ابا بھی رونے لگ جائیں گے۔'' یہ بات کہنے کی دیر تھی اس کی آنکھوں کی برسات رک گئی تھی۔

''ابا...... آپ یہ ریڑھی لگانا چھوڑ دو اور کوئی اور کام شروع کردو۔'' اس کی بات نے اللہ دتہ کو ساکت کردیا۔

''اچھا چھوڑ دوں گا مگر میری شہزادی وجہ تو بتائے۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے وجہ پوچھی۔

''ابا میری کلاس کی لڑکیاں آپ کو کالو ریڑھی والا کہتی ہیں' نا آپ ریڑھی لگاؤ اور نا وہ باتیں کریں۔'' اس نے آخرکار پٹاری کھول ہی دی۔

''تجھے کس بات کا زیادہ دکھ ہوا' کالو کہنے پر یا ریڑھی والا کہنے پر؟'' اللہ دتہ کو یقین تھا کہ وہ دونوں باتوں پر دکھی ہوئی ہے مگر پھر بھی سوال پوچھ لیا۔

''کالو کہنے پر ابا۔'' اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آئے تھے۔ ''ابا میں روز آپ کو دیکھتی ہوں مگر آج پھر غور سے دیکھا پر آپ تو کالے نہیں ہیں۔ آپ تو میری ساری سہیلیوں کے اباؤں سے زیادہ پیارے ہیں۔'' اس کی معصومانہ باتوں پر اللہ دتہ ہنس دیا تھا۔

''اچھا تو پھر میری بیٹی میری ایک بات مانے گی۔'' اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس دنیا میں کوئی بھی پیشہ برا نہیں ہے' نیت حلال ہونی چاہیے بیٹا' روزگار کوئی بھی ہو اور جب دلوں میں میل ہو نا تو سارا تن کالا ہوجاتا ہے اس لیے تن سے زیادہ من کی فکر کرو۔ سیرت اچھی ہے تو سب خیر ہے صورت کے پھر کیا معنی؟'' ابا کی سب باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں مگر اس نے سر زور وشور سے ہلایا تھا۔

''شاباش میرا بیٹا بس آئندہ یہ بات یاد رکھنی ہے اور رونا نہیں ہے۔''

ابا کے جانے کے اتنے سالوں بعد بھی وہ ان باتوں کی پیروی کررہی تھی اور ہر قدم پر طنزیہ گفتگو کا سامنا کررہی تھی فرق بس اتنا تھا اب لفظوں کے تیر کلاس کی بچیوں کی بجائے معاشرے کے سمجھ دار اور باشعور' تن کے اجلے اور من کے کالے لوگ چلا رہے تھے۔ دن کی تلخ یادیں پھر سے آنکھوں میں آنسو لے آئی تھیں۔



حسب معمول سارا دن پارلر میں گزار کر شام سے پہلے وہ گھر واپس آجاتی تھی' کچھ معمول سے زیادہ رش ہوجاتا تو شام بھی ہوجاتی مگر اس صورت میں باجی زلیخا گلی کے موڑ پر کھڑی ہوتیں اور وہ تیز قدموں سے گھر تک آجاتی تھی۔ آج بھی یہی صورت حال تھی پارلر میں زیادہ رش ہونے کے باعث اسے تاخیر ہورہی تھی مگر اس کے مسئلے کو سمجھتے ہوئے شام سے پہلے اسے گھر جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس نے تیزی سے چلنا شروع کردیا تا کہ اندھیرے سے پہلے گھر پہنچ جائے مگر جس ڈر

سے وہ بھاگی جارہی تھی وہ آفت گھر کے دروازے پر کھڑی تھی۔ رشید قصائی اپنے پیلے دانتوں میں ماچس کی تیلی چلاتے ہوئے اس کے دروازے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا' وہ اسی کشمکش میں تھی کہ اسے سائیڈ پر ہونے کا کہہ کر اندر چلی جائے یا اسی جگہ کھڑی انتظار کرے۔ دل کڑا کرتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور گھر کے سامنے جا کھڑی ہوئی' اس پر نظر پڑتے ہی وہ شیطانی مسکراہٹ سجاتے ہوئے ہوس زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''دروازے کے سامنے سے ہٹو مجھے اندر جانا ہے۔'' اندر کا ڈر چھپاتے ہوئے وہ کڑک لہجے میں بولی۔

''جاؤ جی جاؤ' اندر سسرال والے آئے ہیں ان سے اچھے طریقے سے پیش آنا' بڑی مشکل سے منا کے لایا ہوں۔'' ہنستے ہوئے وہ اس کے قدموں سے زمین کھینچ رہا تھا۔

اس نے سست قدموں کو آگے بڑھایا اور گھر میں داخل ہوگئی' سامنے کمرے میں رشید قصائی کی بڑی بہن اور ماں بیٹھی نظر آئیں' اس نے نظر انداز کرنے والی پالیسی اپنائی اور دوسرے کمرے میں آگئی۔ قسمت کا ایک اور امتحان سامنے آیا تھا' اس پر آنے والے سارے امتحان اس کی قابلیت سے بڑھ کر ہوتے تھے۔ اس کے حصے میں آنے والے پرچے کے سارے سوال اسے سکھائے ہوئے نصاب میں سے نہیں تھے۔ ہر سوال کا جواب فیل ہونے کے بعد آتا تھا' خاموشی' صبر اور تحمل مزاجی کے نصاب کو اس نے بہت ٹھوکروں کے بعد سیکھا تھا۔



ابا کے جانے کے بعد وہ بہت روئی' چلاتی رہی اور پھر اماں کو دل کا مرض لاحق ہوگیا' اماں کے دل کے خاموش ہونے سے بہتر اسے یہ لگا کہ وہ خاموش ہوجائے اور وہ خاموشی کے دامن میں چھپ گئی۔ اسی خاموشی کی انگلی تھامے وہ جوانی کی دہلیز پر آئی اور اماں نے اسے اگلے گھر کا کرنے کی ٹھان لی۔ آئے روز خاندانی لوگ اس کے گھر آتے کچھ تو گھر کی خستہ حالی سے مکینوں کی حالت جان لیتے اور غریبی کا طعنہ مارتے واپس ہولیتے اور کچھ ایسے رنگین خواب اس کی آنکھوں کو دیتے کہ جب وہ ان خوابوں کو زندگی کا حاصل سمجھ لیتی تو ان خوابوں کی ساری رنگینی چھین لی جاتی۔ رشتے توڑتے اور جوڑتے اس نے صبر کا کڑوا گھونٹ بھی پی لیا تھا' شکوے اندر ہی کہیں دم توڑ گئے تھے۔

زندگی کو آگے بڑھاتے ہوئے کمانے کے لیے گھر سے نکلی تو تلخ رویے اور بگڑے مزاج تحمل و برداشت کا سبق پڑھا گئے۔ ابا کی باتوں کو مشعل راہ بناتے ہوئے چلتی رہی' من کو اجلا رکھتے ہوئے لوگوں کے طعنے سنتی رہی' ہر تلخ بات پر اپنا حوصلہ آزماتی برداشت کی دلدل میں اترتی گئی تھی۔

''تم نے دیکھا بھی تھا کہ مہمان آئے ہوئے ہیں مگر تم سلام کرنے نہیں آئیں' ایسی تربیت تو نہیں کی میں نے تمہاری۔'' وہ سوچوں کے دریا میں بہتی نہ جانے کس سمت کو چل دی تھی جب اماں کی خفگی بھری آواز سنائی دی۔

''آپ چلیں اماں...... میں آرہی ہوں۔'' اس نے دوپٹہ ٹھیک کیا اور دوسرے کمرے کی سمت قدم بڑھائے۔

''السلام علیکم!'' سلام کرکے وہ اماں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''ارے ہم نے سمجھا اتنی دیر سے بناؤ سنگھار میں مصروف ہوگی مگر تم تو ایسے ہی منہ اٹھا کے چلی آئی۔'' رشید قصائی کی ماں پورا رس گلہ منہ میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''پارلر میں کام کرتی ہو تھوڑی توجہ خود پر بھی دے لیا کرو' کیسی اجڑی اجڑی لگ رہی ہو۔'' اپنی ماں والا طرز عمل اختیار کرتے ہوئے رشید قصائی کی بہن بولی۔

اماں ان کی باتوں سے پریشان لگ رہی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی ان کی خاطر مدارت کے لیے اماں نے کتنے پیسے ادھار لیے ہوں گے اس کی کتنی تنخواہ اس ادھار کو ختم کرنے میں لگ جائے گی۔

''بہن لگتا ہے تمہاری بیٹی کو ہمارا آنا پسند نہیں آیا' جب سے بیٹھی ہے ایک لفظ بھی نہیں بولی۔ پارلروں میں کام کرنے والی لڑکیوں کی تو گز بھر کی زبانیں ہوتی ہیں اور ایک یہ ہے کہ گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی ہے۔'' وہ بے بسی سے ان کی باتیں سن رہی تھی اور اماں آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کررہی تھیں۔

''ایسی بات نہیں ہے بس سارا دن کام کرنے کے باعث تھکاوٹ ہوگئی ہے۔'' الزام لگاتی زبانوں کے آگے بندھ باندھنے کی کوشش کی تھی۔

''ارے تم پریشان ہی نا ہو میرا رشید کہہ رہا تھا تمہیں ذاتی پارلر کھول کردے گا' بس بیٹھ کر آرڈر کرنا۔'' اس کے ذہن میں رشید نام سوئی کی طرح چبھ رہا تھا مگر ہونٹ سیے خاموشی سے

سب سن رہی تھی۔

"بہن آج کل تو لوگوں کا معیار بہت بڑھ گیا ہے اعلیٰ تعلیم حسن و امارت ہی رشتوں کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کے گھر تو ان میں سے ایک چیز بھی نہیں مگر ہمارا رشید ان سب باتوں سے بے پروا ہو کر آپ کی بیٹی کو اپنانا چاہتا ہے۔" اس کی برداشت کی حد یہیں تک تھی وہ اٹھی اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

نامعلوم وہ لوگ کب گئے اور بقیہ وقت کیا باتیں ہوئیں وہ تو صرف اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی اگر وہ امیر اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھی تو اس میں اس کا کیا قصور تھا اگر لڑکی کا اچھا نصیب دولت سے جڑا ہے تو پھر رب کو بیٹیاں صرف امیرزادوں کی گود میں ڈالنی چاہییں اگر وہ حسین نہیں تھی تو ایسی بھی نہیں تھی کہ دیکھ کر حقارت ہو اگر حسن ہی گھر میں بہولانے کی دلیل ہے تو یہ خاندانی لوگ کوٹھوں سے حسن خرید کیوں نہیں لیتے۔ اس نے دیوار پر لگے اکلوتے آئینہ میں اپنا سانولا چہرہ دیکھا۔ وہ حسن دو آتشہ کی مالک نہیں تھی مگر سانولے رنگ میں جھلکتی ملاحت نظر انداز کرنے والی نہیں تھی۔

"کیا سوچا تم نے نائلہ...... اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں لوگوں کا برا رویہ سہہ سکوں اس لیے سوچتی ہوں اب یہ جنیا کسی کنارے لگادوں۔" اماں کے لہجے میں شکستگی تھی۔

"اماں آپ رشید قصائی کے بارے میں یہ کہہ رہی ہیں اس کے اور اس کے گھر والوں کے تشدد سے اس کی بیوی مر گئی اس کے تین بچے ہیں اور سب سے بڑی بات اس کو عورت کی عزت کرنا ہی نہیں آتی۔" اس کے لہجے میں کرب واضح تھا۔

"تو اس اندھیر نگری میں محبت کے پھول کھلانے کون آئے گا کون آئے گا عزت اور محبت جیسے انمول جذبے لے کر۔" اماں کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند ہو رہی تھیں۔

"اماں محبت کے بنا زندگی گزر جاتی ہے مگر عزت کے بنا سانس لینے میں مشکل پیش آتی ہے زندگی بوجھ ہو جاتی ہے۔" آنسو لڑی کی صورت اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"میں بہت مجبور ہوں نائلہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں کب دل بند ہو جائے۔ تم جانتی ہو میں نے تمہارے لیے بہت کوشش کی مگر کہیں بھی بات نہیں بنی۔ اکیلی عورت کی زندگی بہت مشکل ہوتی ہے میں مانتی ہوں وہ بہت برا ہے مگر تم اس کے گھر میں محفوظ تو ہوگی۔" اماں بھی اس کے ساتھ بیٹھی رو رہی تھیں۔

"اماں اس سے تو اچھا ہے کہ آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں۔" وہ خود کو اذیت کی انتہا پر محسوس کر رہی تھی۔

"بس کر میری بیٹی اس ذات پر بھروسہ کر جس نے تجھے پیدا کیا وہ اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ تنگی اور پریشانی میں بندوں کا مددگار ہے۔ تُو بس اس ذات پر یقین رکھ وہ تجھے مایوس نہیں کرے گا۔" اماں کا اعتقاد ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

اس کی ذات بھی گھر کی دیواروں کی طرح ہوگئی تھی یقین اعتماد انا اور عزت نفس ٹکڑوں میں ٹوٹتے ہوئے اس کی ذات سے علیحدہ ہوگئے تھے وہ جذبوں سے خالی صرف ایک وجود بن گئی تھی۔



پارلر میں معمول کی طرح ہلچل تھی عورتیں آتیں کام کرواتیں اور واپسی کی راہ پکڑتی تھیں جو فارغ بیٹھی ہوتیں وہ گھر کے رونے دوسروں کو سنانے میں مگن تھیں وہ ہی ساس کے ظلم خاوند کی بے وفائی اور گھر کی بے سکونی کی کہانیاں زبان زد عام تھیں۔ ایسی صورت میں اس کا دل کرتا تھا کانوں میں روئی ٹھونس لے یا چیخ چیخ کر سب کو بتائے کہ درد اور بے سکونی کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

باجی زلیخا کڑی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں سرخ اور سوجی ہوئی آنکھوں میں کرب کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ چہرہ انہونی کی داستان سنا رہا تھا آج اس کے ہاتھوں میں نہ روانی تھی اور نہ ہی وہ جذبہ۔ جو اس کی خاصیت تھی اسی باعث کسٹمرز بھی مطمئن نہیں ہو رہے تھے انہوں نے اسے آواز دے کر پاس بلالیا تھا۔

"آج ایسی کیا انہونی ہوگئی جس نے تمہیں کام ہی بھلا دیا ہے۔" انہوں نے نظریں اس کے چہرے پر ٹکائیں۔

وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس نے غریب ہونے کا تاوان ادا کیا ہے اس نے اپنی ماں کی زندگی کی خاطر خود کو گروی رکھ دیا ہے۔ آج صبح کے منظر پھر اس کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے وہ سودائیوں سا حلیہ بنائے ٹوٹے دروازے کو پار کرتے ہوئے گلی میں آئی تھی۔ آج اسے سامنے بیٹھے شخص سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا تھا اس نے قدم بڑھائے ہی تھے کہ اچانک وہ سامنے آ کھڑا ہوا تھا اس نے سرخ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ......میں نے یہ کہنا تھا کہ آج اس پارلر والی کو جواب دے آنا' میں نے اسی ہفتے میں شادی کا دن رکھا ہے' اچھا نہیں لگتا کہ چند دن کی دلہن گلیوں میں گھومے' ویسے بھی بعد میں خود تجھے پارلر بنا کر دوں گا۔" اس نے بنا کوئی جواب دیئے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے نائلہ......تم کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" باجی زلیخا نے اسے زور سے ہلایا۔

"باجی اس ہفتے میں میری شادی ہے' اس لیے آج میرا یہاں آخری دن ہے۔ میں کل سے نہیں آؤں گی' شادی کی تیاری کرنی ہے۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"کس سے ہے تمہاری شادی؟" باجی کے لہجے میں حیرانی کا غلبہ تھا۔

"محمد رشید قصائی سے' کل اس کے گھر والے آئے اور اماں نے منگنی کے ساتھ ساتھ تاریخ بھی طے کردی۔" اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ کسی کا سامنا کرتی اسی لیے بات کا اختتام ہوتے ہی وہاں سے نکل آئی اور باجی زلیخا آنکھوں میں حیرانی لیے اسے دیکھتی رہ گئی مگر یہ حیرانی چند لمحوں کی تھی' اس کے بعد ان کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کا عکس نظر آرہا تھا۔



اللہ دتہ ریڑھی والے کے گھر بہت سارے مہمان جمع تھے' مہمانوں کی خاطر مدارت کرنے کے لیے نائلہ نہیں تھی اسی لیے انہیں اکیلے ہی ساری بھاگ دوڑ کرنی تھی۔ رشتہ دار نہیں تھے اور محلے دار اپنی زندگیوں میں مگن تھے۔ کبھی کسی نے دو اکیلی عورتوں کی مشکلات جاننے کی کوشش نہیں کی تھی الغرض باتیں بہت بنائی گئیں' اس خوشی کے موقع پر زلیخا ان کے ساتھ تھی اور برابر کی بھاگ دوڑ میں مصروف تھی' وہ تہہ دل سے اس کی مشکور تھیں جو اس نے ان کی بیٹی کے لیے کیا تھا وہ تو اپنے بھی نہیں کرتے۔

نائلہ سرخ جوڑا پہنے سولہ سنگھار کیے دوسرے کمرے میں بیٹھی تھی۔ دوسروں کو تیار کرتے دلہن بناتے آج وہ خود دلہن بنی بیٹھی تھی۔ لوگوں کی باتیں سنتے سنتے اس کے اندر یہ خوف پختہ ہو چکا تھا کہ کام کرنے والی لڑکیوں کے کبھی گھر نہیں بسا کرتے' اس کے جتنے رشتے آئے وہ اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے اسے رد کرتے گئے اور اس خوف کے پودے کو رشید قصائی کا رشتہ تناور درخت بنا گیا تھا۔

باجی زلیخا کو جواب دے کر وہ واپس گھر آئی اور آتے ہی کمرے میں بند ہوگئی۔ وہ خود کو سب کی نظروں سے دور لے جانا چاہتی تھی۔ اماں نے ایک دو بار دروازہ کھٹکھٹایا مگر کمرے میں خاموشی ہی رہی۔ شام تک وہ روتی رہی اور صبر کی دعائیں مانگتی رہی' ایک دم زور سے دروازہ بجا تو وہ چونکی' اماں اسے آوازیں دے رہی تھیں اور ان کے لہجے سے خوشی کی سوتے پھوٹ رہے تھے۔ حیرانی سے اس نے دروازہ کھولا اور اماں اس سے لپٹ گئی۔

"نائلہ میں کہتی تھی ناں وہ ذات اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتی' ہم پر بھی کرم ہوگیا۔ تیرے نصیب جاگ گئے میری بیٹی......!" وہ حیرانی سے یک ٹک اماں کو دیکھ رہی تھی۔

"زلیخا تیرے لیے اپنے نند کے بیٹے کا رشتہ لائی ہے' لڑکے کی بیوی چند ماہ پہلے چل بسی ایک چھوٹی بچی باپ کی گود میں ڈال کر۔ وہ تو بہت عرصہ سے ایسا چاہ رہی تھی مگر ہچکچا رہی تھی مگر رشید قصائی کے رشتے کا سن کر وہ رہ نہ پائی اور فوراً اپنی نند کو لے آئی۔" اماں شکرانے کے نفل پڑھنے چل دیں اور وہ ساکت کھڑی رہ گئی' نم آنکھوں سے آسمان کی سمت دیکھا' پہلی مرتبہ گھر کے اوپر چھوٹا سا نظر آتا آسمان بھلا لگا تھا۔

"جس دن اس نے رشید قصائی کے نام کا جوڑا پہننا تھا اسی دن اسی وقت وہ کسی اور کی منکوحہ بن گئی تھی جس کے نام سے وہ واقف بھی نہیں تھی مگر یقین کے بہت سے جگنو اس کے ہمراہ تھے۔ اس نے صرف عزت مانگی تھی اور اسے امید تھی عزت کے ساتھ ساتھ محبت بھی ملے گی۔ لوگوں کے چہرے صاف کرتے ہوئے وہ ان کے دل بھی صاف کرنا چاہتی تھی کہ کام کرنے والی لڑکیاں گھر بسانا بھی جانتی ہیں بس کوئی عزت کی چادر تلے ان کو رخصت کروالے۔ باہر دھکے کھانے والی لڑکیاں بھی گھر کی چاردیواری کا تحفظ چاہتی ہیں مگر چہرہ صاف کرنا آسان ہے اور دلوں کا میل دھونا بہت مشکل' اس نے من کی فکر کی تھی اور اس کا انعام اسے مل گیا تھا۔



نیا سال اور فٹ پاتھ

سلمیٰ فہیم گل

ہر صبح اپنی ماں کے ساتھ اور دیگر محلے کی اپنی ہی جیسی حالات کی ماری عورتوں اور بچیوں کے ساتھ خشک میوہ جات لے کر وہ جب فٹ پاتھ پر آ کر بیٹھتی تو روڈ پر تیزی سے گزرتی ہر طرح کی موٹر کو دیکھ کر اسے لگتا کہ دن گویا پَر لگا کر گزر جائے گا مگر...... یہ اس کی خام خیالی ہی ہوتی تھی‘ اس کی آنکھیں تو دن گزرنے کا انتظار کرتے ہوئے پتھرا سی جاتی تھیں۔ پورا دن وہ اردگرد کی چیزیں دیکھتے ہوئے گزارتی مگر اس کے لیے کشش کا باعث یہ چیزیں اور تیز رفتار نہیں تھیں۔

اس کے لیے تو پُرکشش وہ رات کی تاریکی تھی جس میں اس کی زندگی بستی تھی اس کی خوشی کا ہر سامان تھا دن تو بس مشقتوں کی نذر ہو جاتا تھا گو کہ وہ تھک جاتی تھی مگر جاگتی آنکھوں سے وہ جو خواب دیکھتی تھی وہ اسے تھکنے نہ دیتے تھے کیونکہ یہ تھکن اس کی ضرورت تھی۔ اسی باعث تو وہ رات کی تاریکی میں اپنی من پسند خوشی کو محسوس کر پاتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

”پیپر کیسا رہا؟“

”دے آئی ہوں‘ رزلٹ پر علم ہوگا کیسا رہا۔“ تھکے تھکے سے انداز میں وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

”کیا مطلب تمہارا پیپر...... دے کر تم آئی ہو اور تمہیں ہی نہیں پتا کیسا ہوا؟“ وہ مصنوعی حیرت سے گویا ہوئی اور وہ اس کے لہجے اور انداز کو بخوبی جانتی تھی۔

”تمہیں پتا ہے میں پیپر لکھتی ضرور ہوں مگر دوبارہ پڑھتی نہیں‘ بس دے کر آ جاتی ہوں۔ کیا لکھا‘ کیسا ہوا آئی ڈونٹ نو۔“ انداز بے پروا سا تھا مگر یہ تو اس کا دل ہی جانتا تھا کہ ہر آنے والا امتحان اس کے لیے کتنا کڑا ہوتا تھا اور کس قدر اہم۔

”اُفف اللہ...... تم اور یہ اندازِ معصومیت‘ خیر چلو بھوک لگی ہے کچھ پیٹ پوجا کا بندوبست کرتے ہیں۔“ دفعتاً اسے اپنے پیٹ میں اچھل کود کرتے چوہوں کا احساس ہوا۔

”تم کھالو جا کر مجھے تو بالکل بھوک نہیں۔“ اس نے نظریں چراتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

”کیا چیز ہو تم یار......! نہ تمہیں بھوک لگتی ہے‘ نہ سردی کا احساس ہوتا ہے نہ گرمی کا۔ مجھے تو لگتا ہے تم صرف پانی کے آسرے پر زندہ ہو۔ انسان ہی ہو ناں؟“ اس نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

”تمہیں شک ہے کیا؟“ وہ ذرا سا مسکرائی۔

”شک ہے اسی لیے تو پوچھا ہے۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”سو فیصد انسان ہی ہوں یار‘ میرے پاؤں دیکھ لو کہیں سے الٹے نظر آ رہے ہیں کیا؟“ اس نے کسی قدر استہزائیہ انداز اپنایا۔

”ہنہہ...... نظر کا کیا ہے نظریں تو اکثر دھوکا کھا جاتی ہیں۔ وجدان کا وجدان تو کچھ اور ہی کہتا ہے۔“ جواب آیا ضرور مگر غیر متوقع طور پر غیر متوقع بندے نے دیا تھا‘ اس نے رخ موڑتے ہوئے اپنے لب بھینچے تھے۔

”آہو...... خیر کیا کہتا ہے وجدان صاحب کا وجدان؟“ وہ ایک دم شوخ ہوئی۔

”وجدان کا وجدان کہتا ہے کہ محترمہ کسی اور ہی دیس کی باسی معلوم ہوتی ہے‘ جو راہ بھٹک کر اس دیس میں آن بسی ہیں۔ اسی لیے تو اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی بھی حیران و پریشان سی بدحواسی کے عالم میں......“ اس نے کسی قدر دزدیدہ سے انداز میں اس کی جانب دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ کہاں تھی‘ حسب معمول اسے نظر انداز کیے سامنے لگے درخت پر جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

”درست کہا آپ نے‘ میں واقعی اس دیس کی باسی نہیں بس علم کی جستجو یہاں کھینچ لائی ہے اور جہاں تک بات



ہے گھلنے ملنے کی تو جہاں سے میں تعلق رکھتی ہوں وہاں کی حدود و قیود ایسی ہیں جنہیں میں چاہ کر بھی فراموش نہیں کرسکتی اور پھر جس دیس جانا نہیں اس کے کوس کیا گننا...... ایکسکیوزمی......'' وہ بنا کسی کی جانب دیکھے اپنی بات کہہ کر رکی نہیں وہاں سے چلی گئی اور وہ بس دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

''چچ چچ...... مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن......''

''لیکن......''

''مجھ سے امید مت رکھنا' ہاں کوشش کرسکتی ہو۔'' اسے اپنی جانب آس و امید سے دیکھتے ہوئے وہ حفظ ماتقدم کے طور پر بولی تھی۔

''تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کرسکتیں۔'' اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

''اوں ہوں' بالکل نہیں۔ اس نے میرے ساتھ دوستی کی جو لمٹ رکھی ہے ناں وہ میں چاہ کر بھی کراس نہیں کرسکتی سو آئم رئیلی سوری۔'' الینہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے معذرت خواہ انداز میں کہا۔

''پلیز آئی نیڈ ہیلپ یار......'' وہ منت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''اگر کرسکتی تو کبھی انکار نہ کرتی' ایم سوری...... اگین سوری۔'' وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔



''گڈو جلدی کرلے پتر اب بہت رات ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر سو جا صبح کام پر بھی جانا ہے۔'' اماں تھک ہار کر بستر پر آ گئی تھیں اور معمول کا جملہ بول کر دراز ہوگئیں۔

''آپ سو جائیں اماں' مجھے نیند نہیں آرہی۔'' اپنا کام جاری رکھتے ہوئے اس نے مصروفیت بھرے انداز میں کہا۔

''آہو تجھے نیندر کہاں سے آئے گی' بند آنکھوں سے دیکھنے والا خواب جو اس وقت حقیقت بنا تیرے ہتھ میں ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہے اماں تُو' ایک یہی تو خواب ہے جو میں بند آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتی ہوں اور کھلی آنکھوں سے بھی۔ بس اماں تُو دعا کر میرے لیے کہ میرا یہ خواب پورا ہوجائے' میں تیری طرح اور تیرے ہی جیسی دوسری عورتوں کی طرح اپنی زندگی کو بے مقصد نہیں بنانا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی میں بھی تیری طرح یونہی پورا دن مزدوری کروں' دو وقت کی روٹی کھاؤں اور ہر طرح کی فکریں بھول بھال کر لمبی تان کر سو جاؤں۔ میں اپنی زندگی کو با مقصد بنانا چاہتی ہوں اماں' دوسروں کے لیے اپنی زندگی کو وسیلہ بنانا چاہتی ہوں' بس تُو میرا ساتھ دیتی رہ۔'' وہ تو گویا اپنے خواب کے زیر اثر بولتی چلی جارہی تھی' نیند تو جیسے آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''جنے کیا بولتی رہتی ہے تُو۔ میری سمجھ میں تو تیری باتاں نہ آویں ہیں۔''

''تُو سو جا اماں' ابھی تجھے میری باتیں سمجھ میں نہیں آئیں گی' وقت کے ساتھ ساتھ سب سمجھ میں آجائے گا۔'' وہ ذرا سا مسکرائی اور سر جھٹکتے ہوئے اپنے کام میں مگن ہوگئی جبکہ دوسری جانب اس کی اماں لمبی تانے جانے کب کی

سوچکی تھیں۔



"اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ڈراپ کرسکتا ہوں۔" گاڑی اس کے قریب روکتے ہوئے وہ کسی قدر بے بسی سے بولا تھا' اس کے معاملے میں وہ اتنا ہی بے بس اور لاچار تھا۔ وہ اسے جاننا چاہتا تھا مگر وہ اسے کوئی موقع ہی نہ دیتی تھی' وہ اسے سمجھنا چاہتا اور وہ سمجھنے نہ دیتی تھی۔ وہ اس کے لیے ایک ایسے بند سیپ کی مانند تھی جسے وہ کھولنا تو چاہتا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

"بہت شکریہ مگر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چند قدم کے فاصلے پر ہی تو ہے اکیڈمی' میں چلی جاؤں گی۔" بنا اس کی جانب دیکھے کسی قدر سختی سے کہا۔

"چند قدم کا فاصلہ..... کیا تم پاگل ہو' آدھے گھنٹے کی مسافت کو آپ چند قدم کہہ رہی ہیں' آمیزنگ۔" وہ استہزائیہ ہنسا' ہنسی تو وہ بھی تھی مگر انداز بہت تلخ تھا۔

"میرے لیے یہ آدھے گھنٹے کی مسافت چند قدموں پر ہی محیط ہے مسٹر وجدان' جس راستے پر میں چل رہی ہوں یا چلنا چاہتی ہوں اسی رہ پر میرے قدم رینگتے نہیں بلکہ دوڑتے ہیں جیسے آپ کی اس گاڑی کے پہیے۔ آپ فکر نہ کریں تھکنا میری سرشت میں نہیں ہے۔"

"اور دوسروں کو تھکانا' کیا یہی ہے آپ کی سرشت میں؟" اس نے طنزاً استفسار کیا۔

"میں نے کسی کو تھکنے پر مجبور نہیں کیا' میں تو آسانیوں کی مسافر ہوں دوسروں کے لیے بھی آسانیوں کی تمنائی ہوں۔ میں کیونکر تھکاؤں گی کسی کو؟"

"مجھے کیوں تھکا رہی ہو؟ میرے لیے ان آسانیوں میں کوئی گنجائش نہیں ہے کیا؟" اس نے کسی قدر معنی خیزی سے کہا۔

"نہیں' بالکل نہیں۔ آپ اپنے لیے آسانیاں کہیں اور تلاش کیجیے' آپ کے لیے 'میں' محض تھکن ہوں اور کچھ نہیں۔ خود کو تھکا کر مجھے گناہ گار مت کیجیے پلیز۔" اس کی گہری سنجیدگی میں بہت سے معنی پوشیدہ تھے جسے وجدان سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتا تھا مگر بے بس اور مجبور تھا چاہ کر بھی کچھ نہیں کرسکتا تھا۔



"یہ کیا گڈو آج تو تیرا سارا میوہ ایسے ہی پڑا ہے' آج بکری نہیں ہوئی کیا؟" وہ اداس سا پژمردہ چہرہ لیے اماں کے پاس چلی آئی تھی۔ اماں کے پوچھنے پر وہ اور پریشان ہوگئی۔

"نہیں اماں! آج میرے پاس میوہ لینے کوئی نہیں آیا' فرو کا میوہ سارا بک گیا' میرا سارا کا سارا ایسا ہی پڑا رہ گیا۔" وہ ہنوز پھولا ہوا منہ لیے دکھ سے بولی۔

"چل کوئی نہیں پتر' جس کے جو نصیب میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے' تُو فکر نہ کر آج نہیں بکا تو کل بک جائے گا۔ سردیاں ہیں' سردیوں میں خشک میوہ بہت بکتا ہے' تیرا بھی بک جائے گا۔" اماں نے اس کے پھولے ہوئے افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دی تھی حالانکہ اندر سے وہ بھی پریشان ہوگئی تھی' بکری تو ان کی بھی بہت کم ہوئی تھی۔

"پریشان کیوں نہ ہوں اماں' مالکوں کو کیا جواب دے گی اور پھر کل آخری تریخ (تاریخ) ہے مجھے ہر حال میں پیسے چاہئیں۔" وہ روہانسی ہوکر بولی۔

"اچھا۔" اماں ایک پل کو چپ سی ہوگئی۔ "تُو فکر نہ کر میری دھی' میں کچھ کرتی ہوں۔"

"تُو کیا کرے گی اماں' تیرے پاس تو دو وقت کی روٹی کے پیسے نہیں ہیں' مجھے کہاں سے دے گی۔"

"شدو نے دو سوٹ دیئے ہیں سینے کو' رات لگا کر سی دوں گی اور کچھ ادھار پکڑ لوں گی بس صبح تک ہوجائے گا انتظام۔"

"ادھار کون دے گا اماں' ہم جیسوں کو کون دیتا ہے ادھار' جن سے واپسی کی کوئی امید ہی نہ ہو۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"لے لوں گی کسی سے' تُو فکر نہ کر۔"

"پر اماں اگر ابا کو پتا لگ گیا تو......" اسے ایک اور فکر نے ستایا۔

''ہونہہ......اسے کیا پتا لگتا ہے؟ اسے تو اپنی ہوش نہیں ہوتی' نشہ کرکے پڑا رہتا ہے۔ اسے تو تب ہماری یاد آتی ہے جب اسے چار پیسے چاہیے ہوں' اس کی بات نہ کیا کر تُو۔'' اس کی بات پر اماں نے ناگواری سے کہا تو وہ چپ ہوگئی۔

''اچھا چل اب یہ چیزیں سمیٹ' گھر کی راہ لیں' ہنھیرا (اندھیرا) ہورہا ہے' گھر جاکر کوئی کام دھندا ہی کرلیں۔ اج تو بغیر کھائے ہی گزارا کرنا پڑے گا۔'' میوے کو سمیٹتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ بڑبڑاتی بھی جارہی تھی' اماں کی بڑبڑاہٹ سے اس کا دل گویا اچاٹ سا ہوگیا تھا۔



''چلو الینہ' سر اسلم کا لیکچر شروع ہونے والا ہے۔'' اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے ٹائم دیکھا تو وقت کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''ہاں چلو۔'' الینہ کا موڈ تو نہیں تھا مگر اس کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی لمحے وجدان اور اس کے دوست چلے آئے تھے۔

''کہاں جارہی ہو؟'' اس کی جانب دزدیدہ انداز میں دیکھتے ہوئے الینہ سے استفسار کیا۔

''سر اسلم کا پیریڈ ہے' کلاس میں جارہے ہیں جناب۔''

''سر اسلم کا پیریڈ......ہنہہ کوئی پاگل ہی ہوگا جو ان کا لیکچر اٹینڈ کرے گا۔''

''دنیا میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں علم جن کے پیچھے بھاگتا ہے مگر اساتذہ کے انداز کو علم پر فوقیت دی جاتی ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی بستے ہیں جو علم کے پیچھے بھاگتے ہیں مگر وسائل نہ ہونے کے برابر۔ اللہ نے امیری اور غریبی میں فرق بھی رکھ دیا اور اس کی اہمیت کو دو مختلف پیمانوں میں رکھ کر کیا خوب موازنہ کیا ہے۔'' گہرا طنز اور گہری بات' کچھ کے تو سر کے اوپر سے گزر گئی تھی جسے سمجھ آیا تھا اس نے بڑی گہری نظر سے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''علم تو انسان کے اندر ٹھہراؤ پیدا کرتا ہے' نرمی اور شائستگی کا درس دیتا ہے۔ یہ کیسا علم ہے جس کے پیچھے لوگ بھاگتے تو ہیں مگر تفاخر سے تنے چہرے کو دوسروں سے نمایاں کرنے کی کوشش میں محض دکھاوا بن کر رہ گیا ہے۔''

''خود میں دوسروں میں فرق یہی تو جتارہا ہے کہ لوگ خود کو جانے کتنا بڑا علم دان سمجھتے ہیں۔'' اس نے بھی اسی کے انداز میں گہرا طنز کیا۔

''علم دان بننا ہی تو میرا خواب ہے جسے میں جانے کب سے اپنی آنکھوں میں سجائے جگہ جگہ کشکول لیے پھرتی ہوں۔ کشکول تو بھر رہا ہے مگر یہ خواب میری آنکھوں سے ایسا چمٹا ہے کہ جدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ علم اور میرے خواب کی کسوٹی کا کیا پیمانہ ہے یہ میں ابھی تک سمجھ نہیں پائی' اسی لیے تو میں علم کو لوگوں کو انداز گفتگو پر فوقیت دیتی ہوں۔ مجھے علم دینے والوں کے خشک رویوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا' فرق پڑتا ہے تو صرف علم دینے والے کے علم سے۔''

''او گاڈ یار......اتنی گہری باتیں کرتی ہو' مجھے تو بالکل ہضم نہیں ہورہیں۔'' الینہ نے ایک دم گویا اسے اس فیز سے باہر نکالا۔

''اور مجھے تو یقیناً بدہضمی ہوجاتی ہے۔'' وجدان کے دوست علی نے بھی چٹکلہ چھوڑا' وجدان نے سرزنش کرتے ہوئے اسے دھپ رسید کی۔

''چل رہی ہو الینہ؟'' ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کس قدر سنجیدگی سے پوچھا۔

''آں......ہا......ہاں چلو۔'' الینہ فوراً اس کے پیچھے لپکی۔ وجدان نے بڑی گہری نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

''یہاں دال نہیں گلنے والی باس' کیوں خود کو خوار کرتا ہے؟'' ظفر بولا۔

''پتا نہیں یار اس کے پیچھے خوار ہونا اچھا لگتا ہے۔''

''کب تک ہوگا خوار' یہ راستہ بہت خاردار ہے۔''

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' میرے کون سا کوئی آگے پیچھے ہے جس کے لیے اپنی زندگی کو بامقصد بناؤں' ایک

یہی تو ہے۔ اس کے لیے اگر زندگی بھر خوار بھی ہونا پڑا تو کوئی پروا نہیں۔"

"تو کیا جوگی بن جائے گا؟"

"بننا پڑا تو بن جاؤں گا۔" وہ تو گویا اپنے ہی خیالوں میں مگن تھا' سبھی نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔



"کون ہو تم؟" وہ مضطرب سی ٹہل رہی تھی تبھی ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ تو پہلے ہی پریشان سی میڈم کا انتظار کررہی تھی' اوپر سے ایسے لمبے چوڑے بارعب شخص کو دیکھ کر تو اس کے اوسان ہی خطا ہوگئے تھے۔

"ج۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ م۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔" وہ ازحد گھبرا سی گئی تھی' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہے۔

"یہ میرے ساتھ ہے۔" تبھی اس کی میڈم آگئی تھیں اس کا رکا ہوا سانس گویا بحال ہوا۔

"مسز طفیل آپ' یہ آپ کے ساتھ ہے؟" اس نے کسی قدر تعجب اور ناگواری سے دیکھا۔

"جی سر۔۔۔۔۔ آج اس کا پیپر ہے اور یہ پیپر دینے آئی ہے۔" میڈم کی بات پر اس نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا تھا' جو حلیے اور انداز سے ہی کسی جھونپڑی کی پیداوار لگ رہی تھی۔

آج سے میٹرک کے بورڈ کے پیپر شروع تھے اور گڈو کا آج پہلا پیپر تھا۔ اس گڈو کا جو فٹ پاتھ پر اپنی ماں کے ساتھ خشک میوہ جات فروخت کرتی تھی۔ گڈو بھی بچپن سے ان بہت سی بچیوں کے ساتھ اپنی ماں کے ہمراہ فٹ پاتھ پر مزدوری کرتی تھیں۔ فرق یہ تھا کہ وہ ساری بچیاں کام تو کرتی تھیں مگر ساتھ ساتھ اپنے بچپن کو خوب انجوائے بھی کرتی تھیں' فارغ وقت میں کھیلنا کودنا' ہلا گلا کرنا' کھیلتی تو وہ بھی تھی اس نے بھی بچپن کا کچھ حصہ دوسرے بچوں کی مانند ہی گزارا تھا مگر تب تک جب تک وہ مسز طفیل سے نہیں ملی تھی۔

مسز طفیل ایک این جی او چلا رہی تھیں' اس این جی او کا مقصد ہی سڑکوں پر محنت مزدوری کرنے والے بچوں کو تعلیم دینا تھا' کبھی وہ مانگنے والے بچوں کے پیچھے دوڑتی دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی گاڑیاں صاف کرتے بچوں کے پیچھے' کبھی ہوٹلوں پر کام کرتے بچوں کے پیچھے۔ غرض روڈ پر نظر آنے والا ہر ایسا بچہ جو کمانے کے لیے کسی چیز کی پروا نہیں کرتا تھا مسز طفیل اس کے پیچھے پیچھے ہوتی تھیں۔ گڈو کی قسمت بھی جاگ اٹھی جب مسز طفیل کی نظر اس پر پڑی تھی۔

وہ بھی معمول کی طرح کا مشقت بھرا دن تھا جب وہ اپنی ماں کے ساتھ میوہ لیے سڑک کے کنارے بیٹھی تھی تبھی ایک گاڑی ان کے قریب آن رکی تھی۔ اس فٹ پاتھ پر جتنی بھی میوہ بیچنے والیاں تھیں وہ یکلخت متحرک ہوئی تھیں' ہر کسی کو یہی آس تھی کہ شاید وہ انہی کے پاس آئی ہو مگر وہ تو کسی اور ہی مقصد سے آئی تھی۔

"مجھے ڈرائی فروٹس بھی چاہیں مگر میں آج کسی اور ہی مقصد سے آئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں تم لوگ ان بچیوں کو تعلیم دلاؤ۔"

"لو جی' کھانے نوں نئیں آنے' آ گئی پڑانے (ہاتھ میں پیسے نہیں ہیں کھانے کو اور پڑھانے آ گئی ہے)۔" ان میں سے ایک عورت نخوت سے بولی تھی۔

"ضروری تو نہیں تعلیم پیسوں سے ہی حاصل کی جاسکے۔ میں فری تعلیم دیتی ہوں ایسے ہی بہت سے بچوں کو جو۔۔۔۔۔"

"نہ بی بی نہ۔۔۔۔۔ ایہہ بالڑیاں پڑھن گیاں تے اسی کھاں گے کتھوں؟ (نہیں بی بی' یہ بچیاں اگر پڑھیں گی تو ہم کھائیں گے کہاں سے)؟"

"آہو جی' ایہوں ای تے گاک لے کے آندیاں نے۔ (ہاں جی یہی تو گاہک گھیر کر لاتی ہیں)۔"

"اگر ایہہ پڑھن چلیاں گئیاں تے اسی تے پکھے مر جاں گے جیری دو وقت دی روٹی ملدی اے او وی نئیں ملنی' نہ جی نہ سی ایئے ایہہ جئی تعلیم توں۔ (اگر یہ پڑھنے چلی گئیں تو جو دو وقت کی روٹی ملتی ہے وہ بھی نہیں ملنی نہیں جی

ہمیں ایسی تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔'' وہاں پر بیٹھی عورتوں نے تو ہاتھ کھڑے کردیئے تھے جبکہ وہیں پر بیٹھی گڈو بہت آگے کا سوچنے لگی تھی مگر فی الحال چپ تھی۔

مسز طفیل تو بہت کچھ کہہ رہی تھیں مگر کوئی ان کی بات سننا نہیں چاہتا تھا' اس کا ارادہ جان کران کے تو تیور ہی بدل گئے تھے۔ مسز طفیل نے بہت کوشش کی تھی انہیں قائل کرنے کی مگر ان کا انداز ہی بدل گیا تھا وہ دل برداشتہ سی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ مگر گڈو کی سوچ کا رخ بدل گئی تھیں' اسی رات جب سب سو گئے تھے تب وہ اور اس کی اماں جاگ رہی تھیں اس کی اماں رات کے اس پہر کپڑے سی رہی ہوتی تھیں سو تو وہ بھی جاتی تھی مگر آج اس کی سوچوں نے نیند کو کہیں دور چھوڑ دیا تھا۔

''اماں ایک بات کہوں' مانے گی؟'' ڈرتے ہوئے اس نے بات شروع کی۔

''کیا بات اے بالڑی؟ (کیا بات ہے بچی؟)'' وہ دھاگا توڑتے ہوئے بولی۔

''میں پڑھنا چاہتی ہوں اماں.....'' اماں کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ دوسرے ہی لمحے ہاتھ دوبارہ سے متحرک ہوا تھا۔

''سوجا پتر سوجا' یہ پڑائی وڑائی ہمارے لیے نئیں ہے۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پچکارا تھا۔

''کیوں نہیں اماں؟ وہ باجی کہہ تو رہی تھی کہ.....''

''ہنہہ..... کہنے اور کرنے میں فرق ہوتا ہے پتر' مجھے بھی کہا تھا ایک باجی نے اور میں پڑھنے کو تیار بھی ہوگئی تھی مگر اس نے پڑھانا کیا تھا اس کے تو گھر کے کام کر کر کے ہی میں دوہری ہوجاتی تھی اور پڑھائی کے نام پر ایک قلم تھما دیا تھا خود ہی پڑھو اور خود ہی لکھو۔ میں تو بچ (بھاگ) آئی تھی اس کے بعد میں نے نام نئیں لیا پڑھنے کا۔''

''پر اماں یہ باجی ایسی نئیں لگتی۔''

''یہ بڑے لوگ سب ایک جیسے ہوتے ہیں پتر' سب اپنے مطلب کے لیے ہم جیسے غریبوں کو لارے لگاتے ہیں' امیدیں دیتے ہیں مگر انہیں صرف ہمارے کم (کام) سے مطلب ہوتا ہے۔ اب تُو ہی سوچ ایسا کون ویلا بیٹھا ہے ہم جیسوں کے لیے دل میں درد رکھنے والا۔''

''اماں کہہ تو تُو ٹھیک رہی ہے مگر میں اپنی طرف سے ایک کوشش کرنا چاہتی ہوں۔ تُو مجھے منع نہ کر میں باجی سے کہہ دوں گی وہ مجھے پڑھائیں۔ میں رات کو دیا ہوا ان کا سبق یاد کیا کروں گی اور دن کو تیرے ساتھ کام اگر اسے منظور ہوا تو میں بھی پڑھ لوں گی ورنہ.....''

''تیری مرضی ہے..... پر زیادہ امیدیں نہ لگائیں۔'' وہ استہزائیہ ہنستے ہوئے گویا ہوئی تھیں' جیسے انہیں ایسی کوئی امید نہ ہو مگر گڈو کے دل میں ابھی بھی امید جاگ رہی تھی اور پھر کوشش کرنے میں بھلا حرج کیا تھا۔



''مجھے نہیں لگتا کہ میرا بار بار آپ کے پیچھے آنا' آپ کی راہ میں حائل ہوجانا' آپ کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرنا' آپ کی نظروں سے اوجھل ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ بے خبر ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں میں جانتا ہوں کہ آپ باخبر ہو کر بھی بے خبر بننے کی اداکاری کیے ہوئے ہیں۔ مان کیوں نہیں جاتیں آپ' کمی کیا ہے آخر مجھ.....'' آج اس نے سوچ لیا تھا کہ ہر حال میں فیصلہ کرنا ہے۔

''کمی آپ میں نہیں مجھ میں ہے' میں وہ نہیں جو آپ جیسے انسان کی محبت کی مستحق ہوتی ہیں۔ میں وہ نہیں جس کے لیے آپ جیسا شاندار آدمی اپنے جوتے گھساتا پھرے۔ میں وہ نہیں جس کے لیے آپ اپنا قیمتی وقت ضائع کریں۔ آپ پلیز میرا پیچھا کرنا چھوڑ دیں' میرے راستے میں مت آیا کریں' اس راستے کی منزل آپ کی لیے قطعاً نہیں ہے پلیز.....''

''یہی میں جاننا چاہتا ہوں' ایسا کون سا راستہ ہے جس پر اگر میں عازم سفر ہوا تو مجھے منزل نہیں ملے گی؟''

''میری راہ اور اس کی منزل بہت کٹھن ہے وجدان صاحب' اس پر چلنا آپ کے بس کی بات نہیں۔'' وہ کسی قدر تلخی سے گویا ہوئی۔

''راستے تو سارے کٹھن ہوتے ہیں' یہ تو مسافر کے

حوصلے پر منحصر ہے کہ وہ راستے کی کٹھنائیوں کو کہاں تک جھیلنے کی استطاعت رکھتا ہے اور مجھ میں حوصلہ بھی ہے اور صبر و برداشت بھی۔ تم ایک دفعہ ہامی تو بھرو۔'' لہجہ اور انداز دونوں ہی بدلے تھے اور آنکھوں سے گویا جذبوں کی تپش نکل رہی تھی۔

''دعوے اور وعدے کرنا بہت آسان ہے وجدان صاحب' جب عمل کا وقت آتا ہے تو حوصلے بھی پست ہوجاتے ہیں اور صبر بھی جواب دے جاتا ہے' آپ پلیز اپنی راہوں کا تعین ذرا سوچ سمجھ کر کیجیے اور پلیز میری راہ میں آنا چھوڑ دیجیے یہی آپ کے لیے بہتر ہوگا اور میرے لیے بھی۔'' اب کہ وہ ذرا سخت اور کھردرے لہجے میں بولی تھی کیونکہ یہ اس کے لیے بہت ضروری تھا' اور پھر وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

''آئی ایم سوری ٹو سے مس فاطمہ' راہیں تو میں نے چن لی ہیں' اس راہ کی مسافر میرے ہمراہ آپ ہی ہیں اور منزل بھی ایک ہی' آئی پرامس۔'' اس کی پشت پر نظریں جماتے وہ بڑبڑایا اور مسکراتے ہوئے دوسری سمت چل دیا تھا۔



اس روز وہ خود گئی تھی' مسز طفیل کے پاس' وہ مسز طفیل جو دوسروں کے بچوں کو پڑھانے کا بیڑہ اٹھائے خود لوگوں کے پاس جاتی تھیں۔

''کون ہو تم؟'' وہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور پہچاننے کی کوشش کررہی تھی۔

''میں...... میں گڈو ہوں جی...... آپ آئی تھیں ناں ہمارے پاس...... میں وہ فٹ پاتھ پر اپنی اماں کے ساتھ میوہ بیچتی ہوں جی...... یاد آیا؟'' اس نے اپنے طور پر بڑے اچھے انداز میں اپنا تعارف کروایا تھا۔

''او...... اچھا...... اچھا...... کوئی کام تھا کیا؟''

''وہ میڈم جی آپ نے کہا تھا ناں کہ آپ میرے جیسے بچوں کو پڑاتی ہیں۔''

''ہاں...... ہاں' بالکل...... تم پڑھنا چاہتی ہو کیا؟'' وہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی تھیں۔

''جی جی میں وی پڑنا چاہتی ہوں جی پر میں اپنا کم نہیں چھوڑ سکتی' یہ ہماری مجبوری وی ہے اور ضرورت وی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں میرا مقصد صرف پڑھانا ہے لوگوں سے کام چھڑوانا نہیں' اگر تم میں پڑھنے کی لگن ہے تو تم کام کرتے ہوئے بھی پڑھ سکتی ہو۔''

''شکریہ میڈم جی میں فیر کل آجاؤں گی۔'' اس کی آنکھوں میں ایک دم چمک ابھر آئی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں' ضرور۔''



آج وہ بہت خوش تھی' جس مقصد کے تحت اس نے اپنا تعلیمی سفر شروع کیا تھا' وہ مقصد پورا ہونے جارہا تھا۔

''بہت خوش نظر آرہی ہو؟''

''ہاں میں آج بہت خوش ہوں۔ میری تعلیم مکمل ہوگئی ہے' ڈگری میرے ہاتھ میں ہے' خوش کیوں نہ ہوں؟'' اس کے انداز اور لہجے میں آج انوکھا ہی سرور تھا۔

''ڈگری تو میں نے بھی لی ہے مگر تمہاری خوشی کسی اور ہی نوعیت کی ہے۔'' وہ بڑے جانچنے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''ہاں سچ کہہ رہی ہو' جانتی ہو الینہ' جس مقصد کو لے کر میں نے یہ ڈگری حاصل کی ہے وہ مقصد کبھی میری زندگی کا لاحاصل تھا مگر آج لگ رہا ہے لاحاصل تو کچھ بھی نہیں ہوتا اگر آپ میں لگن ہو تو۔ پہلے میرا مقصد میری نگاہوں سے اوجھل تھا اور میری استطاعت سے بھی بڑھ کر مگر آج گویا آسانیاں ہی آسانیاں دکھائی دیتی ہیں۔'' اس کی آنکھیں لودے رہی تھیں بے تحاشہ چمک رہی تھیں اور چمک بھی آنکھوں کو ہیرا کردینے والی۔

الینہ کتنی ہی دیر حیران سی اسے دیکھتی رہی تھی۔ ان کی دوستی بہت گہری تھی مگر فاطمہ نے ایک حد مقرر کررکھی تھی' الینہ چاہ کر بھی یہ حد کراس نہیں کرسکتی تھی مگر آج لگتا تھا وہ بتانا چاہتی تھی الینہ کو بھی اسے جاننے کا تجسس ہوا تھا۔

''وجدان صحیح کہتا تھا۔ تم اس

دیس کی باسی نہیں لگتیں اسی لیے تو پہلے دن سے ہی پوشیدہ راز ہو تم کیا ہو فاطمہ؟ جو دکھتی ہو وہ ہو نہیں اور جو ہو تو کیا ہو؟" آج وہ اس کا بھید جاننا چاہتی تھی فاطمہ بڑے پراسرار سے انداز میں مسکرائی تھی۔

"میں...... میں گڈو تھی ایک چھوٹی سی بستی میں رہنے والی ایک جھونپڑی کی پیداوار۔ گڈو جو فٹ پاتھ کے کنارے پر بیٹھ کر بہت سے مزدوروں کی طرح اماں کے ساتھ ڈرائی فروٹس بیچتی تھی اور شاید اپنی ہی جیسی بہت سی بچیوں کی طرح وہیں فٹ پاتھ کی ہو کر رہ جاتی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا جس نے میری محسنہ مسز طفیل کو میرے لیے بھیجا جو میرے ہی جیسے بہت سے مستحق بچوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی راہ دکھاتی تھیں اور دکھاتی ہیں۔ وہ مسز طفیل جنہوں نے مجھ جیسے پتھر کو تراش کر ہیرا بنایا تھا تاکہ میں اپنا مقصد حیات تلاش کرسکوں۔ جانتی ہو البنہ...... نہیں تم کیا جانو؟ فٹ پاتھ پر رہنے والوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے بظاہر وہ ہر وقت روشنیوں میں رہتے ہیں مگر درحقیقت ان کے لیے اندھیر ہوتا ہے جب وہ مالکوں کا دیا مال بیچ کر نہیں جا پاتے۔ وہ مالک جو اُن کی کمائی پر اپنی تجوریاں بھر رہے ہوتے ہیں وہی مالک ایک دن کی کم مزدوری پر مزدوروں کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے تھے۔ وہ مالک جن کو اللہ نے ہمارے لیے وسیلہ بنایا ہے وہی ہاتھ ہمارے لیے دو وقت کی روٹی بھی بمشکل نکال پاتے تھے ہونہہ خیر...... مجھے پڑھنے کا شوق تو تھا مگر میں نے ہمیشہ فٹ پاتھ پر بیٹھ کر گاڑیوں کے شور میں اسے کہیں دور بہت دور مدغم کردیا۔ میرے اس شوق کو جلا بخشنے والی مسز طفیل ہیں ان کی کوئی شرائط وضوابط نہیں تھیں ان کا کام تھا تعلیم دینا تعلیم لینے والوں کی شرائط پر وہ کوئی آبجکشن نہیں لگاتی تھیں اور میری شرط تھی کہ میں اپنے گھر والوں کی کفالت پر کوئی کمپرومائز نہیں کروں گی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا میں دن کو کام کرتی تھی اور رات کو اپنے خواب کی تکمیل کا سامان۔ فٹ پاتھ پر کام کرنا ہماری ماؤں اور بہنوں کی مجبوری تھی مرد جو اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے ان کی عزت کا رکھوالا ہوتا ہے انہیں لوگوں کی گندی نظروں سے بچا کر سینت سینت کر رکھتا ہے اور ہمارے مرد ہونہہ...... غنڈا گردی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کی کمائی سے عیاشیاں کرتا ہے انہیں بالکل پروا نہیں کہ ان کے گھر کی عزت فٹ پاتھ پر مردوں کی غلیظ نگاہوں سے خود کو بچانے کی سعی کرتے ہوئے کیسے ان کے لیے روپے کما رہی ہوتی ہے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا جب وہ کریہہ صورت مردان بے غیرت مردوں سے آ کر ان کی عزت کا سودا کرتا ہے۔ انہیں صرف پیسہ چاہیے ہوتا جو اُن کی ضرورتیں پوری کرسکے۔ میں نے میٹرک تک فٹ پاتھ پر کام کیا ہے میٹرک کے بعد مجھے مسز طفیل نے کہا میں ٹیوشن پڑھانا شروع کردوں تو فٹ پاتھ سے بھی جان چھوٹ جائے گی تب انہی کے توسط سے مجھے ٹیوشنز ملیں ساتھ ساتھ میں نے سلائی کڑھائی کا کام بھی کیا یوں اپنے حصے کے روپے میں چار دیواری کے اندر کمانے لگی تب بھی میں مضطرب ہی رہتی تھی حالانکہ مجھے خوش ہونا چاہیے تھا میری جان فٹ پاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ میرا دھیان تو ان فٹ پاتھ پر کام کرنے والی لڑکیوں کی طرف تھا جو میرے ساتھ پلی بڑھی تھیں صرف وہی نہیں ان سے چھوٹی پھر ان سے چھوٹی ان کی بہنیں بھتیجیاں وغیرہ۔ یہ سلسلہ تو بڑھتے ہی جانا تھا اور مجھے اس سلسلے کو روکنا تھا خواتین کو آمادہ کرنا تھا کہ وہ چار دیواری کے اندر رہ کر بھی کام کرسکتی ہیں مگر ہمارے ہاں عورتوں کو کام کرنے کا معاوضہ بھی پورا نہیں دیا جاتا تو وہ مانتی کیسے؟ خیر...... میں نے اپنی بستی کے لوگوں کو علم کی باتیں اور اس کے فائدے بتانا شروع کردیئے ان کی کمائی کو بڑھانے کے گر سکھانے شروع کردیئے۔ اس سے مجھے اور میری فیملی کو بہت سے نقصانات اٹھانے پڑے دوستیاں رشتہ داریاں ختم ہوئیں۔ اناج دینے والوں کے ہاتھ رک گئے دو وقت کی روٹی ایک وقت پر آ گئی۔ مجھے اس دنیا میں لانے والا میرا نام نہاد باپ جس نے مجھے روز روز مار کر اپنا غصہ اتارنے کا ٹھیکا لے لیا تھا مگر میں نے

بھی ہمت نہ ہاری تھی کیونکہ میرے ساتھ میرا اللہ تھا جو رازق ہے۔ میرے ساتھ میری ماں تھی جس نے قدم قدم پر میری پیٹھ ٹھونک کر ہمت بندھائی تھی۔ میرے ساتھ مسز طفیل تھیں جنہوں نے مجھے روشنیوں کا راستہ دکھایا تھا' مجھے کسی کی کیا پروا۔ وہ میری ہمت ہی تھیں کہ آج میری بستی کی بہت سی لڑکیاں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر نہیں بلکہ چار دیواری کے اندر اپنے گھر والوں کی کفالت کررہی ہیں۔ مجھے اپنی بستی کو اس معاشرے کا حصہ بنانا ہے' شروعات تو میں کرچکی ہوں مگر میرا سفر ابھی بہت لمبا ہے اور کٹھن بھی اور شاید نہ ختم ہونے والا بھی۔"

"اور وجدان...... کیا وہ ہے تمہارے اس سفر میں کہیں؟" الینہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا الینہ کہ تمہاری دوست ایک تھرڈ کلاس بستی میں رہتی ہے۔" اس کے سوال پر اس نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔

"نہیں' بالکل نہیں کیونکہ میری دوست اور اس کی سوچ تھرڈ کلاس نہیں ہے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا کہ تم کیسا اوڑھتی پہنتی ہو اور کہاں رہتی ہو؟ تم اچھی ہو' تمہاری سوچ اچھی ہے اور تم پُرخلوص ہو اور بس مجھ سے دوستی کے لیے یہی کافی ہے۔"

"تم خود مخلص ہو الینہ' اسی لیے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"وجدان بھی بہت مخلص ہے اگر تم......"

"میرے اس سفر میں وجدان کہیں نہیں ہے الینہ' اسی لیے میں نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی کیوں کہ میں جانتی ہوں میری اوقات کیا ہے اور وہ کیا ہے؟" اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا اور انداز ایسا اپنایا تھا گویا اس پر مزید کوئی بات نہیں کرنی۔ الینہ بھی چپ رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

"کانگریچولیشن فاطمہ...... فائنل ڈگری لیے کھڑی ہو کیسا محسوس کررہی ہو؟" سب سے پہلے وہ اپنی محسنہ مسز طفیل کے پاس آئی تھی۔

"میرے محسوسات کیا ہیں' میں بیان نہیں کرسکتی میم' مگر آپ کی شکر گزار تاحیات رہوں گی۔ آپ کی بدولت ہی میں آج یہاں تک پہنچی ہوں' تھینک یو میم...... تھینک یو سو مچ۔"

"نہیں بیٹا' شکر گزار تو میں ہوں تم جیسے بہت سے بچوں سے اور ان کی ماؤں سے جنہوں نے میرے کہنے پر اتنے سخت حالات کا مقابلہ کیا اور تم لوگوں کو تعلیم دلائی' یہی تو میرا مقصد ہے اور تاحیات رہے گا ان شاء اللہ۔ تم بتاؤ اب آگے کا کیا پلان ہے؟"

"آپ جانتی تو ہیں میم...... میں اپنی بستی میں ایک اسکول قائم کرنا چاہتی ہوں' اب تو وہاں کے لوگوں میں بھی شعور آرہا ہے' لوگ چاہتے ہیں ان کے بچے بھی پڑھیں اور میں یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی مگر......"

"اگر مگر کچھ نہیں' تمہارا جذبہ سچا ہے' سرمائے کی فکر مت کرو۔ میں تمہیں قرضہ لے کر دوں گی' آج کے دور میں کچھ مشکل نہیں بیٹا بس جذبہ سچا ہو اور ارادہ پکا ہو تو آسانیاں ہی آسانیاں ہیں اور پھر میں تو ہوں ہی ناں تمہارے ساتھ۔ تمہاری بستی کو ایک خوب صورت سا مقام بنانے کے لیے' ہوں......" وہ تو شروع سے اس کی رہنما رہی تھیں اب پیچھے کیوں ہٹتیں۔

"میم اگر آپ برا نہ مانیں تو مجھے گلے لگالیں؟" خوشی کی انتہا تھی۔

"ہاں' بالکل۔" وہ فوراً اٹھی تھیں اور بڑی گرم جوشی سے اسے گلے لگایا تھا۔

"تھینک یو میم...... تھینک یو سو مچ۔" گہرے تشکر سے دیکھا تھا آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"یور ویلکم مائی چائلڈ۔" انہوں نے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

❁......❁......❁

"آپ اتنی اسٹیٹس کونشس کیوں ہیں مس فاطمہ...... جب مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔" یونیورسٹی میں اسے کچھ کام تھا اسی لیے یونیورسٹی کی راہوں میں دوبارہ آنا پڑا تھا۔

وجدان تو گویا اس کے تعاقب میں تھا اسے دیکھتے ہی کس قدر سنجیدگی اور رنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ہمنہہ...... یہ آپ سے کس نے کہا مسٹر وجدان‘ میں ابھی بھی اسٹیٹس کونشس نہیں رہی مگر ہاں دوسروں کو اس سے بچانے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔ یہی میں نے آپ کے ساتھ کیا ہے‘ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کو بھی بھی اسٹیٹس کونشس ہونا پڑے۔" اس نے دوٹوک جواب دیا۔

"میں نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی ہوں گا۔"

"یہ آپ کی محض خام خیالی ہے محترم...... جب جذبات سرد پڑتے ہیں ناں تو زمانہ سازی کا علم ہوتا ہے۔ ہمارا معاشرہ کسی کو نہیں بخشتا اور معاشرے کے سر پر ہی تو ہر انسان چلتا ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا آپ بھی نہیں۔"

"ہاں نہیں کرتا مگر مانتا بھی نہیں ہوں۔"

"آپ کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے‘ معاشرہ اپنا آپ منوالیتا ہے وجدان صاحب۔" وہ کسی قدر تلخی سے گویا ہوئی تھی‘ اس نے اپنی زندگی کا کافی عرصہ فٹ پاتھ پر گزارا تھا‘ جہاں بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ کیونکر فراموش کرسکتی تھی۔

"تم اتنا نگیٹو کیوں سوچتی ہو؟" اس نے کسی قدر بے بسی سے کہا۔

"میں حقیقت میں دیکھتی ہوں اور حقیقت ہی سوچتی ہوں‘ آپ بھی ذرا حقیقت کو دیکھنے کی کوشش کریں سب سمجھ آجائے گا۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور وجدان چاہنے کے باوجود اسے روک نہیں پایا تھا۔



مسز طفیل کے توسط سے اس نے اپنی بستی میں چھوٹا سا اسکول کھول لیا تھا مگر جتنا آسان وہ اسے سمجھ رہی تھی‘ اتنا تھا نہیں۔ اسے علم نہیں تھا‘ بستی کے بہت سے لوگ ابھی بھی اس کے مخالف تھے‘ اس نے بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ ہر روز انہیں کنوینس کرنے کے لیے دن کا بیشتر حصہ وہ فٹ

پاتھ پر اُن کے گھروں کے چکر لگا کر انہیں کونیس کر رہی تھی اس کے لیے ابھی بھی دن ویسا ہی مشقت بھرا اور رات پسندیدہ تھی۔

نیا سال شروع ہو چکا تھا اور یہ نیا سال اس کے لیے بہت مبارک ثابت ہوا تھا۔ لوگوں کے رویے میں لچک آرہی تھی' بچوں کو اسکول بھیجنے میں آمادگی دکھائی دیتی تھی' اُن کے بدلتے رویوں سے اسے بہت ڈھارس ملی تھی۔ اب اسے لگ رہا تھا اس کی محنت رنگ لے آئی ہے' مقصد پورا ہونے میں اب مزید دیر نہیں ہوگی وہ بہت خوش تھی۔ وہ بہت دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کوئی اس کے تعاقب میں ہے' شروع شروع میں تو اس نے توجہ نہیں دی مگر اب کچھ پریشان سی ہوگئی تھی۔ پھر کچھ دنوں بعد اسے محسوس ہوا جیسے تعاقب کرنے والا اب شانہ بشانہ ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے مگر جونہی نظریں گھمائی کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اچانک اس کے دل نے گواہی دی تھی کہ یہ کوئی اور نہیں وہی ہے جو حقیقت کو جاننے اور پرکھنے نکلا ہے' وہ سب سمجھ گئی تھی مگر یونہی لاتعلق بنی رہی تھی۔

سال کا پہلا دن تھا اور جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا اس دن کو آخری دن سمجھ کر وہ فٹ پاتھ پر جاکر پرانے دن یاد کرے بھلے اسے یہ فٹ پاتھ پسند نہیں تھا مگر آج جو مقام اسے ملا تھا' اس فٹ پاتھ ہی کی بدولت تو تھا۔ وہ اس جگہ چلی آئی تھی جہاں وہ اپنی ماں کے ہمراہ بیٹھتی تھی۔

''ایکسکیوزمی......'' اسے کافی دیر ہوگئی تھی' فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے تبھی ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تو وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا' یہ وہ شخص تھا جو اس کی زندگی میں کہیں بھی نہیں تھا مگر پھر بھی زبردستی اس کا ہم سفر بننے کی کوشش میں رہتا تھا۔ کتنا عرصہ گزر گیا تھا اس نے چاہ کر بھی اسے سوچوں میں آنے نہیں دیا تھا مگر وہ اس کا سایہ بنا ہمہ وقت اس کے اردگرد رہتا تھا۔

''کیا اس نئے سال کا پہلا دن اس فٹ پاتھ پر میں تمہارے ساتھ گزار سکتا ہوں۔'' وہ بڑی آس اور امید کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس چپ چاپ بیٹھی سامنے دیکھتی رہی۔ اس نے چند پل اس کے جواب کا انتظار کیا اور دوسرے ہی لمحے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''یہ جگہ آپ کے شایان شان نہیں ہے مسٹر وجدان..... آپ کیوں زمین کی خاک کو سر کا تاج بنانے کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ خاک کو خاک ہی رہنے دیجیے پلیز۔'' بنا اس کی جانب دیکھے خشک سے لہجے میں کہا۔

''زمین پر بیٹھنے سے میرا مقام بدل نہیں جائے گا اور نہ ہی میری شان میں کوئی فرق آئے گا لیکن ہاں' تم نے جانے خود کو کس مقام پر رکھا ہوا ہے کہ میں چاہ کر بھی تم تک نہیں پہنچ پا رہا؟ حالانکہ میں نے تم تک پہنچنے والے ہر رستے پر سفر کرلیا مگر تم نے جانے کیسے پہرے بٹھائے ہوئے ہیں کہ میں چاہ کر بھی انہیں توڑ نہیں پا رہا۔'' اس کے لہجے میں بلا کی بے بسی اور بے چارگی تھی۔

''آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں اپنے مقصد سے ہٹ جاؤں اور ایک بے مقصد زندگی کی مسافر بن جاؤں۔'' اس نے پہلی بار کوئی سوال کیا۔

''میں نے کب چاہا کہ تم اپنے مقصد سے ہٹ جاؤ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے اس' سفر میں تمہارا ہمسفر بن جاؤں۔ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے مگر میں اسے بامقصد بنانا چاہتا ہوں اگر تم چاہو تو۔'' اس نے کسی قدر رزدیدہ نظروں سے دیکھا۔

''میرے ساتھ سفر کرنا اتنا سہل نہیں ہے' بہت کٹھن ہے۔ آپ تھک جائیں گے' بےزار ہوجائیں گے اور میں یہ ہرگز نہیں چاہتی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''میرے لیے ہر وہ سفر آسان ہے' جس میں تم میرے ساتھ ہو' میں بالکل نہیں تھکوں گا' اگر تم میری ہم سفر ہوگی۔ میں ہرگز بے زار نہیں ہوں گا' شرط صرف تمہارا ساتھ ہے۔'' وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

''آپ بہت ضدی ہیں۔'' اس کے لہجے میں ذرا سی لچک دکھائی دی۔

''ہوں تو...... تم کیوں ضدی بن رہی ہو؟'' اسے کچھ امید نظر آئی۔
''آپ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟'' بے بسی کی انتہا تھی۔
''تم ساتھ چلو تو میں پیچھے نہیں آؤں گا' آئی پرامس......'' دوبدو جواب دیا۔
''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟'' کسی قدر کوفت سے پوچھا۔
''صرف تمہیں......'' وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر لالی در آئی تھی کتنے ہی پل وہ کچھ بھی بول نہ پائی تھی۔
''میرا اور آپ کا تعلق لوگوں کے سوالوں کو سہار نہیں پائے گا' کیا جواب دیں گے لوگوں کو کہ آپ کی ہم سفر ایک چھوٹی سی بستی کی پیداوار ہے۔ ایک جھونپڑے میں پلی بڑی ہے ایک ایسے گھر کی......''
''اللہ نے مجھے حقیقی رشتوں سے محروم رکھا ہے اور جن سے میرا تھوڑا بہت تعلق ہے بھی تو ان کے سوالوں کے جواب دینا میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے اگر تم میرے ساتھ ہو تو......؟'' وہی مرغے کی ایک ٹانگ تھی ہر بات کے آخر میں اس کا سوال ایک ہی تھا۔ وہ مصنوعی غصہ لیے اس کی جانب پلٹی تھی۔
''آپ کیوں نہیں سمجھ رہے میرا اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں۔''
''تم کیوں نہیں سمجھ رہیں میں تم سے محبت کرتا ہوں' بے تحاشا محبت اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری محبت میں جوگ لے لوں تو جوگی بن جاتا ہوں۔ تم کچھ چاہو تو سہی بس خود کو چھوڑنے کا مت کہو۔''
''اگر زندگی میں کبھی آپ کو اپنے اس فیصلے پر پچھتانا پڑ گیا تو......'' اس نے تھک ہار کر پوچھا۔
''تو سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گا آئی پرامس......'' اس نے استہزائیہ انداز اپنایا۔
''میں مذاق نہیں کر رہی۔'' اس کے انداز پر منہ پھیرتے ہوئے ذرا سا مسکرائی تھی۔
''مان تو رہی ہو ناں؟''
''ہاں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔
''واقعی......!'' وہ ایک دم بے یقین ہوا۔
''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی اچانک کچھ احساس ہوا تھا۔
''یہی کہ میرا ساتھ قبول ہے۔''
''میں نے ایسا کب کہا؟''
''ابھی تو کہا' مان رہی ہو؟ اور ویسے بھی اب نہ ماننے والی تو کوئی بات ہے بھی نہیں۔ تمہارے ہر سوال کا جواب دے تو دیا ہے میں نے اور کیا بے یقینی ہے تمہیں؟''
''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر......؟''
''اب یہ اگر مگر چھوڑ دو یار...... ہر فکر بھلا دو' نیا سال شروع ہو چکا ہے اس کی شروعات پر اچھا سوچو' اچھا بولو' ان شاء اللہ سب اچھا ہی ہوگا' بھروسہ کرو۔'' اس نے گویا بھرپور یقین دہانی کروائی تھی۔ وہ محض سر جھکا گئی تھی اور کیا کہتی اسے' مان تو گئی تھی وہ' یونہی تو اتنے دعوے نہیں کر رہا تھا۔ کتنا عرصہ وہ اس سڑک کی خاک چھانتا رہا تھا وہ سایہ جو اس کے تعاقب میں رہا اور پھر ہم قدم ہوا وہ کوئی اور نہیں وجدان ہی تو تھا۔
''تھینک یو...... تھینک یو سو مچ...... نیا سال اور منتظر خوشیاں بہت مبارک ہوں۔''
''آپ کو بھی۔'' گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بمشکل کہا تھا۔ بالآخر یہ نیا سال اور فٹ پاتھ اس کے لیے ڈھیروں خوشیوں کا پیام لائے تھے وہ طمانیت سے مسکرائی اور پھر ناشکری کیوں کرتی بھلا؟

قسط نمبر 13

شبِ آرزو تیری چاہ میں

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زرق گھر خریدنے کی خاطر راسب کی مدد چاہتا ہے تب رجاب بھی راسب کو اس کی مدد کرنے کا کہتی حیران کر جاتی ہے رجاب کے مجبور کرنے پر ہی راسب زرق کے ساتھ پراپرٹی ڈیلر سے ملتا اسے گھر کا مالک بنا دیتا ہے زرق کے گھر والے کافی عرصے پہلے اسے چھوڑ کر راہ عدم سدھار چکے تھے اب رشتے کے طور پر صرف ایک بہن تھی جس سے وہ ابھی سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ عرش کو زرق کا ایڈریس مل جاتا ہے اور فوری طور پر اس سے مل کر زنائشہ کے حوالے سے پوچھتا اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناتا ہے اسے اب جلد از جلد زنائشہ سے ملنا تھا لیکن زرق اسے زنائشہ کا ایڈریس نہیں دیتا اور اسے زنائشہ سے دور رہنے کا کہتا ہے۔ حازق رجاب سے ملنا چاہتا تھا اس لیے وہ اس کے اسپتال آ کر اسے پریشان کر دیتا ہے رجاب اب اس سے کوئی رابطہ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی زرق کو فوراً وہاں سے چلنے کا کہہ کر اسے شک میں ڈال دیتی ہے تب زرق اس سے سوال کرتا حازق کے وہاں ہونے کے تصدیق کرتا غصہ میں آ جاتا ہے، رجاب اسے یہ بات راسب کو بتانے سے منع کر دیتی ہے۔ عرش تنہائی میں روتا زنائشہ کے ملنے کی دعائیں مانگتا ہے شاید اسے اب بھی اپنی دعاؤں کا پورا ہونے کا یقین ہے جب ہی وہ گھر فون کرتا سحر سے کچھ خاص ہونے کی بابت پوچھتا اسے حیران کر جاتا ہے سحر اسے جلد گھر آنے کی تائید کرتی سلسلہ منقطع کر دیتی ہے تب عرش کو گیراج میں زنائشہ کی موجودگی کا گمان ہوتا ہے شادی سے واپسی پر زرکاش کی گاڑی عرش کے گیراج کے پاس خراب ہو جاتی ہے جب تک وہ گاڑی ٹھیک کراتا ہے دراج اور زنائشہ گیراج کے اندر داخل ہوتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



تشویش ناک نظروں سے وہ زنائشہ کو دیکھ رہی تھی جو روم میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر ڈھے گئی تھی، پتہ نہیں پیروں کو بھی کیسے اس نے سینڈلز سے آزاد کیا تھا اور اب بے سدھ تھی۔

"زنائشہ..... آنکھیں تو کھولو بات کرو مجھ سے، گھبراہٹ ہو رہی ہے مجھے، زرکاش ابھی راستے میں ہی ہوں گے میں ان کو کال کرتی ہوں، ڈاکٹر سے چیک اپ کروانا پڑے گا، مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" دراج مزید اپنی بے چینی پر قابو نہیں رکھ سکی تھی سو اس کے یخ بستہ وجود کو متوجہ کرنے کے لیے جھنجوڑا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں ہوا دراج..... بس بہت تھکن ہو رہی ہے، میں سونا چاہتی ہوں، تم بھی آرام کرو....." بمشکل آنکھیں کھولتی وہ غنودگی اور کمزور آواز میں بولتی نیند میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

"تم نے کھانا بھی نہیں کھایا، مجھے تمہارا بلڈ پریشر لو لگ رہا ہے، میں اس طرح تمہیں نہیں سونے دوں گی، تھوڑی ہمت کر کے اٹھ کر بیٹھو۔" اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے دراج نے اس کے انکار کی پروا نہیں کی اور زبردستی جوس کا پورا گلاس اسے پلا یا دیا تھا۔ تکیے پر سر رکھتے ہی وہ اردگرد سے غافل ہوتی چلی گئی تھی، اسے جھنجھوڑ کرنے کا کہنا بے



کار تھا‘ اس کی جیولری دراج کو ہی اتارنی پڑی تھی‘ کمبل اس پر پھیلا کر وہ اس کے سرہانے ہی بیٹھی اس کی سرد ہتھیلیوں کو دھیرے دھیرے اپنے ہاتھوں سے سہلاتی گرم کرنے کی کوشش میں لگی رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں وہ زنائشہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہو پا رہی تھی جو کچھ وہ محسوس کررہی تھی اس کے بعد مطمئن رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ زنائشہ نے اس سے کچھ چھپایا ہے یا جو وہ بتا نہیں پائی اس کا خود بھی سامنا کرنے کی تاب نہیں لاسکی تھی۔ دھیرے دھیرے گزرتے وقت کے ساتھ اس کے دل کو کچھ سکون ملنے لگا تھا کہ زنائشہ کی سرد پیشانی بھی اب گرم ہوتی جارہی تھی‘ اس کی سانسوں کے اتار چڑھاؤ نارمل تھے اور گہری نیند میں ہونے کا پتہ دے رہے تھے۔ چینج کرکے اس نے کھانے کے بس چند لقمے لیے تھے‘ بھوک تو پہلے ہی ختم ہوچکی تھی‘ سارا کھانا فرج میں محفوظ کرنے کے بعد وہ لائٹ آف کرتی اپنے بیڈ پر آ گئی تھی‘ غائب دماغی سے زنائشہ پر نظر جمائے وہ گیراج میں سامنے آنے والے غیر متوقع حالات پر ہی سوچ رہی تھی‘ وہ جانتی تھی کہ زنائشہ کو ایسی کوئی غلط فہمی نہیں ہوسکتی کہ وہ سب کچھ بھلا کراتنی بے اختیاری میں کسی انجان شخص کے قریب پہنچ جائے‘ وہ خود زرکاش جیسے شخص کو پانے کے بعد کسی کی وجاہت‘ کسی کی بھی خوبروئی پر یوں چونک نہیں سکتی تھی‘ پہلی ہی نظر میں اس شخص کو دیکھ کر یونہی اسے گمان نہیں ہوا تھا کہ یا تو اس شخص کو کہیں دیکھا ہے یا کسی کے لفظوں سے اس شخص کے پیکر کو اس کے ذہن نے تراش کر محفوظ کررکھا ہے اور اب اسے یقین تھا کہ چاندنی رات میں روشنی بکھیرتے اس شخص کے سراپے کو اس نے جس کی آنکھوں میں لہراتے دیکھا‘ جس کی باتوں میں اس کی شبیہہ دیکھی وہ آنکھیں‘ وہ باتیں زنائشہ کی ہی تھیں‘ یہ سب کچھ اس کے ذہن کا خبط بھی ہے تو وہ شخص کیوں اپنی جگہ پتھر کا بت بنا رہا تھا‘ کیوں ان کی گاڑی کی طرف متوجہ رہتے ہوئے بھی اس کا سکتہ نہیں ٹوٹا تھا اور اب زنائشہ کی یہ عجیب کیفیت...... بھاری ہوتے سر کو ہاتھوں میں تھامے اسے انجانے خدشات لاحق ہونے لگے تھے‘ دل کو کچھ ہو رہا تھا‘ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے‘ فون پر آتی کال نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا کہ پہلے ہی دل گھبرا رہا تھا۔

’’سب ٹھیک تو ہے زرکاش...... تائی امی ٹھیک ہیں؟‘‘

’’سب ٹھیک ہے دراج...... مجھے تو تم ٹھیک نہیں لگ رہیں‘ اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہو...... کیا میں نے پہلی بار تمہیں رات کے تین بجے کال کی ہے؟‘‘ زرکاش کے لہجے میں حیرت تھی۔

’’نہیں‘ بس یونہی......‘‘ گہری سانس بھر کر خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش میں وہ یہی کہہ سکی تھی۔

’’اگر تمہاری نیند ڈسٹرب ہوئی ہے تو ایم رئیلی سوری کیونکہ میں واقعی تمہیں ڈسٹرب کرکے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔‘‘ زرکاش نے کہا۔

’’میں جاگ ہی رہی تھی اگر اتنی ہی ضروری بات تھی تو آپ پہلے ہی کال کرلیتے‘ اب جلدی بتائیں بات کیا ہے؟‘‘

’’بات شاید تمہارے لیے بھی زیادہ اہم نہ ہو مگر میرے لیے پریشان کن ضرور ہے‘ آج اماں نے مجھے بتایا کہ اس کی بہن اپنے بیٹے بابر کے لیے تمہیں پسند کرتی ہیں۔‘‘

’’آپ یہ جان کر پریشان ہیں؟‘‘

’’تو کیا نہیں ہونا چاہیے؟‘‘ اس کے لہجے میں پریشانی درآئی تھی۔

’’تو پھر مجھے تو پریشان رہ رہ کر ڈپریشن کا مریض اب تک بن جانا چاہیے تھا کیونکہ آپ کی بہنیں بے شمار لڑکیوں کو آپ کے لیے پسند کرچکی ہیں۔‘‘

’’میری بات مت کرو‘ تمہیں پتہ ہے کہ میں ان کی پسند کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔‘‘

’’تو میں بھی کسی ایرے غیرے کو اپنے گلے کا ہار نہیں بنانے والی۔ پسند کی بنیاد پر...... کیوں پریشان کررہے ہیں خود

کو.....'' اس کا جھلایا لہجہ زرکاش کو پسند نہیں آیا۔
''دراج..... انسان جس سے بے پناہ محبت کرتا ہے اس پر کسی کی بری کیا اچھی نظر پڑنے سے بھی خوف زدہ رہتا ہے کم از کم میرے ساتھ تمہارے معاملے میں ایسا ہی کچھ ہے۔'' زرکاش کے بے حد سنجیدہ لہجے پر وہ ایک پل کے لیے خاموش رہ گئی تھی۔
''زرکاش.....! آپ کیا چاہتے ہیں؟'' وہ بھی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
''میں اب فوری طور پر امی سے اپنے اور تمہارے بارے میں بات کر کے ان کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' ایک پل کو رک کر وہ بولا۔
''آپ کی بہنیں اور بھائی؟''
''میرے لیے سب سے بڑھ کر امی کی خوشی اور اجازت اہم ہے ان کے بعد میں کسی کو بھی کنوینس کرنا کسی بھی حالات کو فیس کرنے میں دشواری محسوس نہیں کر سکتا۔'' زرکاش کے کہنے پر وہ چپ رہی۔
''خاموش کیوں ہو.....؟ ایک تو کبھی کبھی مجھے تم پر شدید غصہ آتا ہے پہلے شادی کی رٹ لگائے رکھتی تھیں اب شادی کا ذکر بھی نہیں کرتیں مشورہ حوصلہ تو دے سکتی ہو تمہارے ساتھ کے بغیر میں کیسے قدم آگے بڑھا سکتا ہوں۔'' وہ آج گلہ کر ہی گیا۔
''پہلے رشتوں کی قدر و اہمیت نہیں تھی زرکاش..... صرف اپنی خوشی کی پروا تھی لیکن اب ایسا نہیں ہے اور اب تو سب سے بڑھ کر ان رشتوں کی پروا زیادہ ہو گئی ہے جن کا آپ سے تعلق ہے آپ ان سب سے ہیں اور وہ سب آپ سے..... آپ سے شادی کا ذکر کرتے ہوئے اب دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ یہ خواہش سب کچھ ختم نہ کر دے..... یہ خوف رہتا ہے کہ مجھے آپ کے قابل نہ جان کر رد کر دیا جائے گا آپ سے تعلق رکھنے والے لوگ مجھ سے اور زیادہ نفرت کرنے لگیں گے مجھے آپ سے دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔''
''میں تمہارے اس خوف کو سمجھ سکتا ہوں دراج..... لیکن اس خوف کی وجہ سے میں اور تم اپنی ساری زندگی یونہی برباد نہیں کر سکتے ہمیں ایک دوسرے پر جو یقین اور بھروسہ ہے وہ ہمیں پہلے خود پر بھی ہونا چاہیے کس کا ردعمل کیا ہوگا کون دیواریں اٹھانے کی کوشش کرے گا یہ سب حاوی نہیں ہونا چاہیے ہماری کوششوں پر..... مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس طرح کمزور پڑ جاؤ گی اتنی بزدل کب سے ہو گئیں تم.....؟ مجھ پر تمہارا یقین متزلزل ہے تو وجہ بتاؤ مجھے؟'' زرکاش کے لہجے میں ناراضگی کا عنصر تھا۔
''ایسا بالکل نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ میں آپ کے لیے بہت زیادہ حساس اور محتاط ہوتی جا رہی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔
''دراج..... کچھ دن بعد شندرا گھر آ رہی ہے میں اس کی موجودگی میں اپنے اور تمہارے معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں حالات جو بھی سامنے آئیں اب پیچھے نہیں ہٹنا میں چاہتا ہوں کہ تم اب مستقل طور پر اپنے گھر آ جاؤ اور ایک نئی زندگی کی ابتداء کرو تمہارا اب ہاسٹل میں رہنا مجھے گوارہ نہیں دل سے بوجھ ہٹ جائے گا کہ میں ہی تمہیں وہاں تک لے گیا تھا۔''
''مگر میری بہتری کے لیے اچھا اور مناسب وقت آنے تک کے لیے.....'' دراج نے درمیان میں کہا۔ ''میں آپ کے ہی آگے بڑھ کر فیصلہ کر لینے کے انتظار میں اب تک خاموش تھی..... آپ کو ذہنی طور پر مخالفت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔''

''جانتا ہوں مگر تم ساتھ ہو تو ثابت قدم رہوں گا' میں تم سے بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ تم صبر اور برداشت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دو گی' بس یہ یقین رکھنا کہ کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو میں حالات کو اپنے اور تمہارے لیے سازگار کر کے رہوں گا۔''

''میری طرف سے آپ مطمئن رہیں' میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''اب کافی اطمینان ہوا ہے دل کو تم سے بات کر کے کل گھر آ رہی ہو تم؟ کب تک آؤں پک کرنے؟''

''نہیں...... میں گھر نہیں آ رہی کل کیونکہ مجھے زنائشہ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مگر آپ تھوڑا وقت نکال کر ہاسٹل ضرور آئیں کل' مجھے زنائشہ کے حوالے سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''ٹھیک ہے مگر تمہیں یاد رکھنا ہوگا کہ ہم اس کے معاملات میں ایک حد تک ہی دخل دے سکتے ہیں' وہ تمہارے ساتھ ہے مگر کسی کی بیوی' کسی کی امانت ہے۔''

''وہ سب صرف ایک دھوکہ تھا۔'' وہ بول اٹھی۔

''قیاس آرائیاں نہ کرو' زنائشہ کو راضی کرو کہ وہ حقیقت کو کھوجنے کی کوشش کرے تب ہی میں اس کے اتنے ذاتی معاملے میں کوئی ساتھ دے سکوں گا۔'' زرکاش کے قطعی انداز پر وہ خاموش رہی تھی۔



بہت دشوار گزاریوں کے بعد کہیں جا کر زندگی کے راستے سہل ہوئے تھے' بہت پامال ہونے کے بعد وہ ہموار ہوئی تھی کہ اب پھر زندگی کی تلخیاں ماضی کی دھند سے نکل کر اس کے سامنے آتی رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے تیار تھیں...... اوس میں بھیگی یخ بستہ گھاس اس کے مسلسل چلتے پھرتے قدموں کو سن کر چکی تھی' نڈھال ہوتی وہ چیئر پر جیسے ڈھے گئی تھی' دزدیدہ نظروں سے اس نے چاند' تاروں سے روشن و منور آسمان کو دیکھا تھا' کیا کیا منظر' کیا کیا ہولناک حقیقتیں بھی اس آسمان نے نہ دیکھ رکھی تھیں' اس کے ماضی کے کتنے ہی ہولناک لمحوں کا گواہ تھا آسمان' اس وقت بھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نہیں بلکہ آسمان اسے دیکھ رہا ہے' اسے یہ تسلی دے رہا ہے کہ آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ ہے' تماشائی بن کر نہیں بلکہ گواہ بن کر...... آج اسے اکبر نے ہاسپٹل سے کال کر کے یہ اطلاع دی کہ حاذق پھر ہاسپٹل آیا تھا تو وہ چند پل کے لیے گم صم ضرور ہوئی تھی مگر اسے کوئی دھچکا نہیں پہنچا تھا' یقیناً حاذق کو آج ہی معلوم ہوا ہوگا کہ ہاسپٹل میں وہ روزانہ موجود نہیں ہوتی' اکبر نے بتایا کہ جب اس نے حاذق کو دیکھا' وہ واپس جا رہا تھا ورنہ اکبر خود اس تک پہنچ کر باز پرس کرتا...... رجاب نے اکبر کو تاکید کی تھی کہ وہ حاذق کی دوبارہ آمد کے بارے میں زرق کو کچھ نہ بتائے لیکن وہ جانتی تھی کہ اکبر اس کی تاکید پر زیادہ دیر عمل نہیں کر سکے گا' کیونکہ زرق پہلے ہی بہت سختی سے اکبر کو یہ ہدایت دے چکا تھا کہ حاذق کے بارے میں ضرور اسے خبر دے اگر وہ ہاسپٹل کے اردگرد بھی دکھائی دے' یہ زرق بھی جانتا تھا کہ راسب بظاہر پُرسکون ضرور ہیں مگر اندر سے وہ کسی زخمی شیر سے کم نہیں' حاذق رجاب تک پہنچنا چاہتا ہے اس بات کی بھنک بھی ان کو پڑی تو وہ ایک پل کی بھی دیر نہیں لگائیں گے حاذق کے گریبان تک پہنچنے میں' ایک قیامت وہ اٹھا دیں گے...... رجاب کو اب کسی قیامت کا خوف نہیں تھا البتہ یہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا کہ راسب مزید کسی اذیت میں مبتلا ہوں یا ایک بار پھر ان کے زخم تازہ ہو جائیں' حاذق کا نام ان کے زخموں پر نمک سے کم ہرگز نہ تھا...... اور وہ خود کسی طور پلٹ کر دیکھنے کے لیے تیار نہ تھی۔ حاذق کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اس کے دل و دماغ میں بس یہی ایک چیز تھی کہ حاذق سے اپنے سائے کو بھی چھپا کر رکھنا ہے' اس وقت بھی یہ سوچ کر ہی اسے ابکائی محسوس ہو رہی تھی کہ حاذق سے اس کا کوئی مضبوط تعلق بھی استوار ہوا تھا' حاذق کے لیے اس کے دل میں کچھ نہیں تھا' کچھ بھی نہیں...... بس

MEDICAM

Whiteness in 14 days

*No Side Effects



ایک وحشت تھی، جس سے بچنے کے لیے وہ اب کبھی حاذق کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی، وہ اپنے حصے کی اذیتوں کا بوجھ اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھا چکی تھی اس کے باوجود اس نے تب بھی یہی کوشش کی تھی کہ حاذق ایسا کوئی قدم نہ اٹھائے جو اس کے ہی دل کو ویران کر ڈالے کہیں عجلت میں وہ اس راستے کی طرف نہ چلا جائے جو راستہ اپنے مسافر کو پچھتاوؤں کی بھڑکتی آگ تک پہنچا کر تاریک کھائی میں گم ہو جاتا ہے مگر نہ حاذق کو اس کا خلوص سمجھ آیا نہ اس کے الفاظ سنائی دیے تھے، وہ بس اسی خوف میں مبتلا رہا کہ کہیں اسے ساری زندگی ایک بدصورت لڑکی کے ساتھ نہ گزارنی پڑ جائے اسے بس دامن جھٹکنا تھا سو وہ جھٹک گیا تھا، خوب صورت چیزوں کی ہوس میں اندھا دھند بھاگنے والے خوب صورت منزلوں سے محروم ہو جایا کرتے ہیں مگر اس نے کبھی بددعا نہیں دی تھی کسی کو، جس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جس کے لیے دل میں کوئی مبہم سا جذبہ تک نہ ہو اس کے لیے برا کہنے یا چاہنے کا بھی سوال نہیں پیدا ہونا چاہیے، اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا، اب وہ کسی قیمت پر بھی ماضی میں اٹھائی گئی ذلتوں، اذیتوں اور وحشتوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، کسی پکار پر رکنا بھی اس کے لیے ناممکن تھا...... وہ نہیں جانتی تھی کہ کس وجہ سے حاذق اس کے پیچھے آیا ہے، وہ جاننا چاہتی بھی نہیں تھی، وقت گزر چکا تھا، اب اس کے پاس حاذق کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا، وہ خود کو اس قابل سمجھتی ہی نہیں تھی کہ کسی کو کچھ دے سکے، کم از کم حاذق کے لیے تو وہ مفلس ہی تھی بالکل اسی طرح جیسے کبھی وہ رجاب کے کشکول میں یقین واعتبار کے چند سکے بھی ڈالنے کے قابل نہ تھا۔ دور کہیں سے فجر کی بلند ہوتی آوازوں پر اسے فضا کی چبھتی ہوئی یخ بستگی کا احساس ہوا تھا، ٹھنڈی سانس بھر کر ایک آخری نگاہ آسمان پر ڈالتی وہ چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، وہ بروقت ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی اس لیے زرق کی کال اس نے ریسیو کر لی تھی۔

''مجھے پتہ تھا تم بیدار ہو چکی ہو گی، نماز کے بعد اگر تم نے سونا ہے تو مجھے بتا دو؟''

''میرے سونے جاگنے کی چھوڑو، تم گھر آ کر کچھ گھنٹوں کے لیے سو جاؤ، آغا جان بھی رات میں کھانے پر خفا ہو رہے تھے تم پر لیکن تم جانے کس مٹی کے بنے ہو......''

''اب یہ تحقیق بعد میں کر لینا، ابھی جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔''

''اگر تم حلوہ پوری کا ناشتہ کروا رہے ہو تو میں بالکل جاگ رہی ہوں۔'' وہ فوراً بولی۔

''اب فجر کے وقت تمہارے لیے کون حلوہ پوری تیار کر رہا ہو گا؟'' زرق کا لہجہ خشمگیں ہوا۔

''تو تم کون سا ابھی آ رہے ہو، تمہارا ایک گھنٹہ بھی تو دو گھنٹے کے برابر ہوتا ہے، نماز پڑھنے کے بعد شہر کے کسی بھی حصے سے ڈھونڈ کر حلوہ پوری لے کر آؤ، زیادہ انتظار نہیں کرواتا۔'' وہ تاکید کر رہی تھی۔

''ہاں، میں خود جلد از جلد تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، مشورہ بھی کرنا ہے۔'' زرق کے کہنے پر وہ چونکی۔

''اگر اتنی ضروری بات ہے تو تم سب چھوڑو، نماز کے بعد سیدھے گھر آؤ، میں اپنے اور تمہارے لیے گھر میں ہی ناشتہ تیار کروں گی۔''

''نہیں تم کچھ مت کرنا، میں بس ایک گھنٹے کے اندر پہنچتا ہوں۔''

''اچھا سنو، معاملہ کیا ہے کچھ بتا دو، ورنہ بے چین ہی ہوتی رہوں گی۔'' وہ اصرار سے بولی۔

''تم جاننا چاہتی تھیں کہ ہاسٹل میں کون رہتا ہے اور اس سے میرا کیا تعلق ہے آج اس کے بارے میں ہی تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر آج اچانک یہ خیال کیسے آیا...... کوئی خاص وجہ؟'' رجاب حیران ہوئی۔

''ہاں، وجہ بھی ہے آ کر بتاؤں گا وہ بھی...... بس ابھی یہ بات میرے اور تمہارے درمیان رہنی چاہیے۔''

''تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں' بے فکر رہو۔'' رجاب نے کہا' اس کے لیے یہ بھی بہت تھا کہ زرق اتنے اہم اور خفیہ معاملے پر اس سے بات کرنے پر تو تیار ہوا۔



جلتی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو پہچاننے کی کوشش کی' دماغ ماؤف اور اعصاب اب بھی سن تھے' جسم میں جیسے جان ہی باقی نہ رہی تھی۔ رات میں وہ ہاسٹل کے روم تک کس طرح پہنچی' اسے کچھ یاد نہیں تھا' یہاں تک کہ اپنا بھی اسے ہوش نہ رہا تھا' بمشکل اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی' سر کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا' آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا اور اس اندھیرے میں بس ایک ہی چہرہ تھا' وہی چہرہ جو کل اس کی روح قبض کر گیا تھا' وہی چہرہ جسے وہ زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی' ٹھنڈے پانی کے چھینٹے متورم آنکھوں پر مارتے ہوئے بھی اس کا دماغ چکرا رہا تھا' اپنا وجود اسے خلا میں تیرتا' بے وزن سا محسوس ہو رہا تھا' بھیگے چہرے کے ساتھ وہ واش روم سے نکلی تو اسے دراج کی غیر موجودگی کا احساس ہوا' رات تقریب کے لیے جو لباس زیب تن کیا تھا اسے چینج کرنا تھا' اسے ہلکے پھلکے آرام دہ لباس کی ضرورت تھی مگر وارڈروب تک جانا بھی اس کے لیے محال تھا' شدید نقاہت کے باعث آنکھوں کے سامنے تمام منظر گڈمڈ ہو رہے تھے' بند آنکھوں کے ساتھ وارڈروب کا سہارا لے کر اس نے اپنے لڑکھڑاتے وجود کو سنبھالا' گہری سانسیں بھرتے ہوئے اسے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی' یکایک اس کی گہری سانسیں تھم گئی تھیں' وہی خوشبو اس کے اردگرد پھیلتی ساکت کر رہی تھی جو خوشبو اس زمین کی نہیں تھی' اس دنیا کی نہیں تھی' وہی خوشبو جو کہکشاؤں کے سفر پر بھی لے جایا کرتی تھی۔

''زنائشہ......!'' عقب سے ابھرتی دراج کی پکار پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹی مگر اگلے ہی پل اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی' اس کی پشت کو وارڈروب نے سہارا دے رکھا تھا ورنہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہی تھی' دراج کہاں تھی اسے یہ دکھائی نہیں دیا تھا وہ تو بس وحشت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس جان لیوا وہم کو تمام تر حقیقتوں سمیت مجسم اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی...... ایک ٹک اس پر نظر جمائے وہ اس کے قریب آرکا تھا' جو بے حس وحرکت' جامد وساکت تھی' پلک جھپکے بغیر اس کے لٹھے کی مانند سفید چہرے کو تکتا وہ دھیرے سے اس کے شانوں کو تھام چکا تھا' تمام جذبات' احساسات جیسے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں سمٹ آئے تھے اگر زنائشہ ہوش وحواس میں ہوتی تو اس چٹخا دینے والی گرفت کی گہرائی سے ادھ موئی ہو جاتی مگر اس وقت تو اس کی تمام حسیات گم تھیں۔

''زنائشہ...... میں یاد نہیں کرنا چاہتا کہ آخری بار کتنا عرصہ پہلے میں نے تمہارے چہرے کو دیکھا تھا...... مگر آج' اس وقت میں عہد کرتا ہوں کہ اب میں اپنی آخری سانس تک کی زندگی بس تمہارے چہرے کو ہی دیکھتے ہوئے گزار دوں گا......'' آنکھوں میں اذیت کی نمی لیے وہ بھاری لرزتے لہجے میں بولا' ضبط کی حدوں سے تجاوز کرتے جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا' آنکھیں خوں رنگ تھی' کیا کچھ نہیں تھا اس کی بھیگی شہد رنگ آنکھوں میں مگر اس وقت تو دھند چھا رہی تھی' آنکھوں میں ہی نہیں دماغ پر بھی...... دوسری جانب ضبط کی اذیت اور لرزتے لبوں سے وہ پورے استحقاق سے اس کے بے حس وحرکت' بے جان وجود کو اپنے سینے کی وسعتوں میں چھپا گیا تھا' گہری تاریکی میں ڈوبتے ہوئے زنائشہ مضبوط بازوؤں کی آہنی قید میں پھڑپھڑا بھی نہ سکی تھی۔

کچھ فاصلے پر ساکت کھڑی دراج کی نظروں سے زنائشہ کی کیفیت چھپی نہیں تھی' ہوش میں آتی وہ تیزی سے قریب آئی تھی۔

''تم چھوڑو زنائشہ کو دور ہٹو اس سے......'' ہول کر چیختے ہوئے دراج نے زنائشہ کو اس سے الگ کرنا چاہا تھا مگر اگلے

ہی پل دراج ششدر رہ گئی تھی جب عرش نے سرعت سے اس کا ہاتھ زنائشہ سے دور کیا تھا‘ اس کے تاثرات اور ایک کڑی نگاہ ہی کافی تھی دراج کو سن کر دینے کے لیے‘ ہک دک نظروں سے وہ اس کی جرأت کو دیکھ رہی تھی وہ زنائشہ کو سنبھالے روم سے نکل رہا تھا۔

یک دم ہوش میں آتی دراج سرعت سے اپنا بیگ اور فون اٹھاتی اس کے پیچھے ہی بھاگی تھی۔ غفلت میں ڈوبی زنائشہ کا سر اپنی گود میں رکھے وہ بیک سیٹ پر موجود شدید غصے میں بولتی جا رہی تھی۔

''تمہارے اندر ذرا بھی شرم باقی ہوتی تو اسی وقت ڈوب کر مر جاتے جب زنائشہ سے تمہارا سامنا ہوا تھا‘ مگر تمہارے پاس تو انسانیت نام کی بھی کوئی چیز نہیں...... اب کون سی کسر باقی رہ گئی ہے جو تم پھر اس کے پیچھے آ گئے ہو...... لیکن یہ تمہاری بھول ہے کہ تم ایک بار پھر اسے بے وقوف بنا لو گے‘ تم جیسا گرا ہوا انسان صرف دھوکہ دے سکتا ہے‘ جذبات سے کھیل سکتا ہے‘ یہ سچ زنائشہ خود تمہیں بتائے گی۔'' لب بھینچے دراج کی چبھتی آواز سنتا وہ بمشکل ضبط کیے جلد از جلد کسی ہاسپٹل تک پہنچنا چاہتا تھا۔

''تم جیسے بے حس انسان کو یہ تک پروا نہیں تھی کہ جسے آسرے میں رکھا تھا وہ زندہ ہے بھی یا نہیں...... تم نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی میں زہر گھولا تھا‘ میں تمہیں ذلیل و خوار کروا دوں گی اگر تم نے اپنا کوئی گھٹیا حق زنائشہ پر تھوپنے کی کوشش کی...... تم زنائشہ کے لیے مر چکے ہو‘ یہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس لیے صدمے سے بے ہوش ہوگئی ہے جس کے تم ذمہ دار ہو‘ کوئی تعلق نہیں ہے تمہارا اس سے‘ سیدھی طرح شرافت سے‘ ہمیں ہاسپٹل پہنچا دو اور اس کے ہوش میں آنے سے پہلے بھاگ جاؤ جس طرح پہلے بھاگے تھے اسے دھوکہ دے کر......'' سڑک کے کنارے ایک جھٹکے سے رکتی گاڑی کے ساتھ ہی دراج کی چلتی زبان کو بھی بریک لگے تھے‘ جارحانہ انداز میں وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اترتا ایک جھٹکے سے بیک سیٹ کا ڈول کھول تھا۔

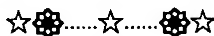
''باہر نکلو تم......'' عرش کے بپھرے تاثرات اور سخت کھردرے لہجے پر دراج ایک پل کو گنگ رہ گئی۔

''ہرگز نہیں‘ میں کسی حال میں زنائشہ کو اس طرح تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی کیونکہ میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں۔''

''باہر آؤ ورنہ پھر مجھے خود یہ کام کرنا ہوگا۔'' عرش کے سخت لہجے پر دراج کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

''تم زبردستی مجھے زنائشہ سے الگ نہیں کر سکتے‘ کوئی بھروسہ نہیں کہ تم اس کی حالت کا فائدہ اٹھا کر اسے اغواء کر کے لے جاؤ‘ ہاسٹل کی انتظامیہ کو تم بے وقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے نہیں‘ اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو تماشہ لگوا دوں گی یہاں اور تم لاک اپ میں......'' غصے میں بھڑکتی دراج کی آواز اس وقت حلق میں گھٹ گئی‘ یقیناً عرش کے ضبط کی انتہا ہو چکی تھی۔ مجبوراً اسے دراج کے ہاتھ کی جانب ہاتھ بڑھانا پڑا تھا مگر وہ اس درجے جرأت پر ہول کر چیختی‘ زنائشہ کو چھوڑ چھاڑ کر خود ہی گاڑی سے باہر نکل گئی‘ عرش کو کوئی تگ و دو کرنی ہی نہیں پڑی تھی۔

''تم جانتے نہیں ہو مجھے‘ اب دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرواتی ہوں‘ ابھی پولیس اسٹیشن جا کر ایف آئی آر کٹواتی ہوں۔ پوری نفری کے ساتھ اسی گیرج پر دھاوا بولوں گی جہاں کل تم......'' وہ بھڑکتی چیختی رہ گئی تھی جبکہ عرش کان دھرے بغیر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتا گاڑی ہوا میں اڑا لے گیا تھا‘ سڑک کے کنارے کھڑی دراج غصے میں بے حال زرکاش کو کال کرتی رو دینے والی ہوگئی تھی۔



سبزے پر ڈھیرے ڈھیرے بکھرتی نرم گرم سی دھوپ سے نگاہ ہٹا کر رجاب نے بغور اسے دیکھا جو ٹیبل کی سطح پر نگاہ

جمائے بالکل خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر ملال اور سوگواری ہی سوگواری پھیلی تھی۔
''تم اگر مجھے پہلے ہی یہ سب کچھ بتا دیتے تو اب تک یقیناً سب بہتر ہو چکا ہوتا۔ حالات تمہارے کنٹرول میں ہوتے' تمہیں تھوڑی ہمت سے کام لینا چاہیے تھا اپنی بہن کے معاملے میں۔ ماضی میں جس حد تک بھی برا ہوا مگر تمہارا اس سے رشتہ ٹوٹ تو نہیں سکتا' اسے واپس تم تک پلٹنا ہی پڑتا۔'' اس کی شدت گریہ سے متورم اور سرخ آنکھوں کو دیکھتی وہ بولی۔ ''بہر حال دیر تو ہوئی ہے مگر اتنی بھی نہیں' جو گزر گیا وہ گزر گیا اب آگے کا سوچو' مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''
''میں بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے معاف کرے یا نہ کرے' ساری زندگی ٹھوکروں پہ رکھے مگر اس غلط انسان کے شکنجے میں دوبارہ نہ پھنسے۔ وہ زنائشہ کو تنہا سمجھ کر ایک بار پھر شیشے میں اتارنے کی کوشش کرے گا' اس تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ مجھے بس زنائشہ کا تحفظ عزیز ہے' میں اسے بربادی کی طرف جاتا نہیں دیکھ سکتا۔ وہ شخص شاطر ہے' جادوگر ہے اور میری بہن آج بھی معصوم اور تنہا ہے۔ وہ شاطر آدمی جانتا ہے کہ میرے اور زنائشہ کے درمیان براہ راست کوئی رابطہ نہیں' زنائشہ کے لیے میں آج بھی گم شدہ ہوں۔ مجھے فی الوقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ زنائشہ کی حفاظت کے لیے مجھے کون سے اقدامات کرنے چاہئیں جبکہ میں آج بھی اس کا سامنا کرنے کی ذرا بھی ہمت نہیں رکھتا۔'' زرق مضطرب انداز میں بولتا چلا گیا۔
''سب سے پہلے تو تم اللہ پر یقین رکھو' اللہ نے اب تک تمہاری بہن کو جس طرح تحفظ میں رکھا ہے وہ آگے بھی رکھے گا۔ دوسری بات یہ کہ اپنی بہن کی بہتری اور بھلائی کے لیے اب تمہیں اس کا سامنا کرنے کی ہمت کرنی پڑے گی۔ میں جانتی ہوں یہ مرحلہ تمہارے لیے بہت مشکل ہوگا مگر اب تمہارا چھپے رہنا تمہارے لیے مزید کسی پچھتاوے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ ایک بار ہمت کر لو گے تو پھر تمام خدشات دور ہو جائیں گے' تمہیں اس شخص کا بھی کوئی خوف نہیں رہے گا جو تمہاری بہن کے تعاقب میں ہے۔ تمہارے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کے بعد وہ شانت ہو کر نہیں بیٹھے گا' اس نے تم پر نظر رکھی ہوگی' تمہارے تعاقب میں ہوگا' تمہارا یہ اندازہ بالکل ٹھیک ہے تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ ہاسٹل کا رخ نہیں کیا' ابھی کچھ دن تک ہاسٹل کے اس راستے سے بھی نہ گزرنا مگر اب وقت آ گیا ہے کہ زنائشہ کو اپنی زندگی میں تمہاری موجودگی کا مکمل علم ہو جائے۔ دو دن بعد میں خود ہاسٹل میں زنائشہ سے ملاقات کروں گی اور میری یہ بھرپور کوشش ہوگی کہ اس کا اعتماد حاصل کر کے اسی دن اسے تمہارے فلیٹ پر لے آؤں۔'' رجاب نے گہری سنجیدگی سے اپنے لائحہ عمل سے اسے آگاہ کیا۔
''رجاب...... مجھے تم پر مکمل یقین اور بھروسہ ہے' تم جو کرنا چاہتی ہو اس پر جلد از جلد عمل کر ڈالو۔ اب میرے لیے ایک ایک دن گزارنا بھی کٹھن ہو رہا ہے' میری بہن کسی بھی لمحے خطرے میں گھر سکتی ہے۔ یہ اندیشے مجھے سانس نہیں لینے دے رہے۔'' زرق شدید بے چینی میں مبتلا تھا۔
''خود کو پرسکون رکھو زرق...... وہ شخص ابھی نہیں جانتا کہ زنائشہ کہاں موجود ہے' میں ہاسٹل بھی ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی' عین وقت تک ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ تم کسی عجلت میں کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے۔'' رجاب کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔
''نہیں' میں صبر کے ساتھ اپنے فلیٹ پر تمہارا انتظار کروں گا' مجھے یقین ہے کہ تم زنائشہ کو اپنے ساتھ لے کر پہنچو گی مگر یہ یاد رکھنا کہ اسے راضی کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ شدید نفرت کرتی ہے مجھ سے' شاید نفرت کی اس دیوار کو گرانے میں تمہیں بھی اذیت پہنچ سکتی ہے۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولا۔
''تمہاری یہ قیاس آرائی غلط بھی ہو سکتی ہے' وقت حالات اور نظریات کو بدلنے کا خوب ہنر رکھتا ہے اگر تمہاری قیاس

آرائی درست ہے بھی تو میں اسے تم تک آنے کے لیے مجبور کردوں گی۔ تم سے پہلے وہ اب میری بہن ہے اُسے قائل ہونا پڑے گا' تمہاری یہ نئی زندگی' تمہارا ظاہر اور باطن اس کے دل سے تمام کدورتوں کو دھودے گا' سب کچھ بھول جاؤ بس یہ یاد رکھو کہ تمہاری بہن بلا آخر اب تمہارے پاس آنے والی ہے۔'' رجاب کے پُر یقین لہجے پر زرق نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔



ہاسٹل کے وزیٹنگ روم میں شدید بے چینی اور فکر میں مبتلا مسلسل ٹہلتی' ہاتھ ملتی دراج طیش میں بھی تھی' جس سڑک پر عرش نے اسے گاڑی سے اتارا تھا' وہیں اس نے شدید اشتعال میں زرکاش کو فون پر مختصراً ساری صورت حال سے آگاہ کر کے جلد ہاسٹل پہنچنے کی تاکید کی تھی' غصے میں بھری وہ واپس ہاسٹل پہنچی تھی' تب سے اب تک زرکاش کی منتظر وہ بھڑکتی آگ بنی ہوئی تھی۔ زرکاش سیدھا اس کے پاس آنے کے بجائے ہاسٹل کے آفس میں زنائشہ کے بارے میں بات کرنے چلا گیا تھا' فون پر اس نے عرش کے بارے میں خوب نمک مرچ لگا کر زرکاش کو سب بتایا تھا اس کے بعد شاید زرکاش کو یہی بہتر لگا تھا کہ پہلے ہاسٹل کی انتظامیہ سے جواب طلبی کی جائے۔ اتنا وقت یونہی گزر گیا اور دراج کو یہی فکر کھائے جارہی تھی کہ جانے عرش اب تک زنائشہ کو لے کر کہاں سے کہاں نکل گیا ہوا سے یقین تھا کہ عرش اب نہ زنائشہ کو واپس ہاسٹل لائے گا نہ ہی اس سے دستبردار ہوگا۔ دراج اسے اسی مقصد میں ناکام کرنے کے لیے پاگل ہوئی جارہی تھی' اس سے پہلے کہ اس کے صبر کی انتہا ہو جاتی' غنیمت ہوا کہ زرکاش کی آمد ہوگئی۔

''میں یہاں پریشانی میں گھل رہی ہوں اور آپ ان بے پروا' غیر ذمہ دار لوگوں سے مذاکرات میں وقت برباد کر رہے ہیں جن کو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ اوباش انسان زنائشہ کو لے کر جانے کہاں غرق ہو چکا ہوگا' آپ کو پہلے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ سب کچھ میری موجودگی میں ہوا تھا' وہ میرے سامنے زنائشہ کو اغواء کر کے لے گیا ہے' ان لوگوں نے تو کر دیا تھا اس بدقماش آدمی کے حوالے میری دوست کو' وہ تو اس حالت میں بھی نہیں تھی کہ یہ دیکھتی اس کے ساتھ کیا ہونے جارہا ہے' میں کس منہ سے سامنا کروں گی اس معصوم لڑکی کا اگر اس کے ساتھ مزید کچھ غلط ہوا تو میں ہی ذمہ دار ٹھہرائی جاؤں گی کیونکہ میں نے بھی بزدلی کا مظاہرہ کیا' ڈٹ جاتی' مر جاتی مگر زنائشہ کو یوں ہاتھوں سے نہ نکلنے دیتی۔ آپ پہلی فرصت میں ہاسٹل والوں کی اس غیر ذمہ داری کی رپورٹ پولیس کو دیں۔'' شدید غصے میں چیختی وہ اپنے آنسو بھی ضبط نہیں کر سکی تھی۔

''اپنے آپ کو سنبھالو دراج...... حالات کو پہلے سمجھنے کی کوشش کرو' اس طرح رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' اس کی کیفیت کو زرکاش اچھی طرح سمجھ سکتا تھا سو پہلے نرمی سے سمجھا کر اسے بیٹھنے اور پانی پینے پر راضی کیا تاکہ اس کے منتشر حواس درست ہوں۔

''اب غور سے میری بات سنو دراج...... یہاں کسی نے کوئی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کیا' اس شخص نے تمام ثبوت دکھائے ہیں جس کے بعد کوئی شک نہیں رہتا کہ وہ زنائشہ کا شوہر ہے جبکہ یہاں سب کے سامنے ان کا نکاح نامہ دیکھ کر تم خود اس بات کی تصدیق کر چکی ہو۔ یہ بھی بتا چکی ہو کہ وہی نکاح نامہ کورٹ کا جاری کیا ہوا زنائشہ کے پاس بھی موجود ہے ورنہ یہاں کی سیکیورٹی کا تمہیں پتا ہے' کسی غیر متعلقہ شخص کا ہاسٹل میں قدم رکھنا بھی ناممکن ہے جبکہ وہ شخص ہاسٹل کے روم تک پہنچ گیا تو صرف اس لیے کہ وہ زنائشہ سے تعلق بھی رکھتا ہے اور حق بھی۔ زنائشہ کی بگڑی طبیعت کی تصدیق کرنے والی سب سے پہلے تم تھیں' زنائشہ کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ اس کے شوہر کو روکا جاتا کہ وہ اسے ہسپتال نہ لے جائے' روکے جانے کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن پھر بھی تمہاری ضد پر تمہیں ان دونوں کے ساتھ بھیجا

گیا اب ہاسٹل کے باہر کے حالات کی ساری ذمہ داری تم پر عائد ہوئی تھی مگر تم نے مجھے کال کرنے سے پہلے ہی سارا معاملہ بگاڑ دیا۔"

"زرکاش...... میں یہ سب مانتی ہوں‘ ہر تصدیق کے ساتھ میں یہ تصدیق کرنے کو بھی تیار ہوں کہ ہوش و حواس میں زنائشہ کبھی اس نام نہاد شوہر کے ساتھ کہیں بھی جانے پر راضی نہ ہوتی۔" دراج درمیان میں بول اٹھی۔

"میں یہی تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ زنائشہ ہوش و حواس میں نہیں تھی کہ مزاحمت کرتی مگر تم تو مکمل حواسوں میں تھیں۔" زرکاش نے جس طرح اس کی بات کاٹی چند لمحوں تک وہ سن بیٹھی اس کے سنجیدہ تاثرات دیکھتی رہی۔

"مگر اس نے زبردستی مجھے گاڑی سے اترنے پر مجبور کردیا تھا اگر غصے میں‘ میں نے اسے بتادیا کہ زنائشہ اس سے نفرت کرتی ہے اس پر لعنت بھیج چکی ہے کہ وہ اسی قابل تھا تو یہ سچ ہے۔"

"تو اپنے سچ کا ردعمل دیکھ لیا تم نے۔"

"ہر سچ کہنے کے لیے نہیں ہوتا اگر کہنا ہی تھا تو موقع کی نزاکت کو پہلے دیکھنا چاہیے تھا تمہیں۔"

"زرکاش...... میں نے جو بھی کہا مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ وہ اس طرح زنائشہ کو لے کر غائب ہوجاتا۔ اس کی نیت پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی‘ میں خاموش رہتی تو بھی اس نے وہی کرنا تھا جو وہ کرچکا ہے‘ وہ اسی ارادے سے یہاں آیا تھا۔" دراج یک دم بھڑکتے لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے‘ میں مان لیتا ہوں کہ اس نے زنائشہ کی غفلت کا فائدہ اٹھایا لیکن اگر تم ضبط کا مظاہرہ کرلیتیں تو زنائشہ کے ساتھ ہوتیں۔ مجھے اتنا وقت مل جاتا کہ میں اس کے شوہر تک پہنچ جاتا یا کم از کم زنائشہ خود حالات کو فیس کرنے کی حالت میں آجاتی مگر تم نے سارے سچ اپنے طور پر ایسے نازک وقت میں بول دیئے کہ جسے سننے کے بعد وہ شخص یقیناً حواس باختہ ہوگیا ہوگا اگر اسے یونہی بھاگنا ہوتا تو وہ تمہیں ہاسٹل کے گیٹ پر ہی چھوڑ کر فرار ہوجاتا۔ پتا نہیں وہ شخص کن حالات میں زنائشہ سے دور رہنے پر مجبور تھا‘ اتنے عرصے بعد جانے کس طرح اپنی بیوی تک پہنچا تھا۔ تمہارے ایسے سچ سننے کے بعد اس نے یونہی فرار ہونا تھا۔ بہرحال ہم یہاں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے‘ اب ایک سچ میں بھی تمہیں بتانا چاہوں گا کہ وہ شخص اپنا ایڈریس‘ کانٹیکٹ نمبر وغیرہ سب غلط دے کر گیا ہے‘ فی الوقت اسے ڈھونڈنے کے لیے ہمارے پاس کوئی سراغ نہیں۔" زرکاش کی اطلاع پر دراج کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

"یہ اس شخص کی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے سچ جھوٹ کے ہیر پھیر سے ہاسٹل والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے مگر وہ مجھے نہیں جانتا۔ میں تو اس کی پچھلی نسلوں تک بھی پہنچ جاؤں گی باآسانی۔ فی الحال آپ ایسا کریں کہ مجھے اسی گیراج تک لے چلیں جہاں کل رات آپ گاڑی کی سروس کے لیے رکے تھے۔" اس کے چبھتے ہوئے مگر ذومعنی انداز نے زرکاش کو حیران کردیا تھا۔

"میں سمجھا نہیں‘ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ کہ اس شخص کا اتا پتا اسی گیراج سے ملے گا‘ کل رات وہ وہیں تھا اور کسی عفریت کی طرح زنائشہ کے تعاقب میں گاڑی کا پیچھا کرتا ہاسٹل تک پہنچا تھا۔"

"مگر وہ گیراج میں کہاں موجود تھا‘ مجھے کل ہی کیوں نہ بتایا تم نے؟" زرکاش دنگ ہوا۔

"بتایا تو مجھے بھی نہیں تھا زنائشہ نے مگر اس شخص کو دیکھ کر زنائشہ کی جو حالت تھی اس کے بعد شک تو مجھے وہیں ہوگیا بلکہ کسی حد تک یقین بھی مگر صبح تک یقین مستحکم بھی ہوگیا۔ آپ نے بھی یقیناً اسے دیکھا ہوگا‘ وہ بلیک جیکٹ میں تھا اور......" دراج رکے بغیر عرش کا نقشہ کھینچتی زرکاش کو بری طرح چونکنے پر مجبور کرگئی تھی۔

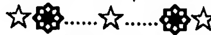
''دراج...... تمہیں پورا یقین ہے کہ وہی شخص زنائشہ کا شوہر ہے جسے کل گیراج میں تم نے دیکھا اور آج ہاسٹل میں؟''

''بالکل سو فیصد وہی تھا' میں تو اب آنکھیں بند کرکے بھی اس فتنے کو پہچان سکتی ہوں' آپ اب مزید دیر مت کریں۔ پولیس کو ساتھ لے کر گیراج پہنچیں' اس شخص کے سب نام و نشان وہیں سے ملیں گے' وہ وہاں جس حیثیت سے بھی موجود تھا مگر گیراج میں کام کرنے والے سب اسے جانتے ہوں گے' سب سے بڑھ کر اسے پہچاننے کے لیے میں خود جو موجود ہوں۔'' دراج تیز لہجے میں بولتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی جبکہ زرکاش جو پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''دراج...... میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے' زنائشہ کو کوئی مشکل بھی پیش آسکتی ہے' بہتر یہی ہے کہ میں پہلے خود اس شخص سے ملاقات کروں اس کے ارادے دیکھوں پھر کوئی انتہائی قدم اٹھانے کی نوبت آئی تو ظاہر ہے عمل کرنا پڑے گا۔'' زرکاش کچھ سنبھل کر بولا۔

''اسے کوئی رعایت دینے کی ضرورت نہیں' ایک تو پہلے ہی آپ جرح اور میری غلطیوں کی نشان دہی کروانے میں اتنا وقت ضائع کرچکے ہیں اس کے بعد بھی آپ کو یہ سب عجلت لگ رہی ہے۔ آپ ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ گیراج چلیں' مجھے آج ہی ہر صورت زنائشہ کو اس شخص کے چنگل سے نکالنا ہے۔'' وہ ہتھے سے اکھڑتی قطعی انداز میں فیصلہ سنا گئی تھی۔

''بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو دراج...... وہ شخص کوئی اغوا کار نہیں' زنائشہ کا شوہر ہے' زنائشہ کیا چاہتی ہے یہ جانے بغیر میں پولیس کو انوالو کرکے کوئی اور مصیبت کھڑی نہیں کرسکتا۔ تم پہلے ہی معاملہ بگاڑ چکی ہو' تمہاری موجودگی میں وہ شخص مجھ سے ملنے کے لیے بھی شاید تیار نہ ہو۔ میں تنہا گیراج جاؤں گا اور میرے کال کرنے تک تم کسی سے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کروگی۔'' یک دم زرکاش جس طرح برہم ہوا تھا' دراج ہک دک نظروں سے اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی جبکہ اس کی خاموشی کو غنیمت جان کر وزیٹنگ روم سے نکلنے میں زرکاش نے بالکل دیر نہیں کی تھی۔



تیز چبھتی روشنی میں آنکھیں کھولنا اس کے لیے مشکل ہورہا تھا مگر پھر دھیرے دھیرے وہ آنکھیں مکمل کھولنے میں کامیاب ہوگئی تھی' اردگرد نظر ڈالتے ہوئے اس کے تمام حواس بیدار ہورہے تھے۔ کشادہ کمرے کی آرائش سے سادگی اور نفاست جھلک رہی تھی مگر یہ اجنبی در و دیوار اور ماحول اسے غنودگی کی کیفیت سے مکمل نکالنے کے لیے کافی تھا۔ خالی دماغ میں آہستہ آہستہ گزرے حالات' واقعات بھی اس کی حسوں کے ساتھ بیدار ہوتے چلے گئے تھے' بمشکل وہ شدید نقاہت کے باوجود اپنے بے جان سے وجود کو کھینچتی اٹھ بیٹھی تھی۔ دل خوف اور اندیشوں سے ڈوبنے لگا تھا' وحشت زدہ نظروں سے ایک بار پھر اپنے اطراف میں دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ دائیں جانب سائیڈ ٹیبل پر رکھی سنہری فریم میں جکڑی ایک تصویر پر ساکت رہ گئی تھی وہ اس تصویر میں نمایاں چہروں کو کیسے بھول سکتی تھی جو اس کی سانسیں روک رہے تھے۔ چند لمحوں تک وہ جامد و ساکت سناٹے میں گھری رہی مگر پھر اگلے ہی پل پیروں پر سے چادر دور جھٹکتے ہوئے اس نے وحشت ناک نظروں سے بند دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

ساری صورت حال اسے خود بخود سمجھ آتی چلی گئی' دراج وہ ڈوبتے دل کے ساتھ جھٹ بیڈ سے اتری تھی' چند لمحوں کے توقف کے بعد شدید اضطرابی کیفیت میں وہ لرزتے قدموں کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ چند قدم ہی وہ چلی تھی کہ دروازے کے باہر ابھرتی آہٹ نے اس کے پیر ساکت کردیئے تھے۔ دھیرے سے دروازہ کھلا اور اس کے

ساتھ ہی اندر داخل ہوتے شخص نے جیسے اس کی روح کھینچ لی تھی' سفید لباس میں ملبوس وہ شخص اگر فرشتہ تھا بھی تو زنائشہ کے لیے وہ صرف موت کا فرشتہ ہی ثابت ہو رہا تھا' پتھر بنی وہ وحشت سے پھٹی آنکھوں اور تھم کر رہ جانے والی سانسوں کے ساتھ اسے اپنی سمت بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ دوسری جانب عرش کے لیے بہت مشکل تھا' اپنے جذبات اپنی بے قراریوں پر بند باندھے رکھنا' زندگی تو یہ تھی جسے کھو کر وہ سر پٹختا رہا تھا' محبت کا ماورائی چہرہ یہی تو ہے جسے واپس پانے کے لیے وہ تنہائیوں میں گریہ وزاری کرتا رہا تھا۔ اپنے سجدوں میں' اپنی دعاؤں میں جسے وہ مانگتا رہا تھا' جسے بلاآخر سجا سنوار کر تحفے کی صورت ایک بار پھر قدرت نے عطا کر دیا تھا۔ وہ حقیقت میں مجسم اس کے روبرو تھی' ہاتھ بڑھا کر وہ اسے چھو سکتا تھا دل اسے محسوس کرنے کی تڑپ میں پگھل رہا تھا مگر دیدار کے رعب نے اس کی جرأت کو پست کر دیا تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کے بغیر تو وہ بس سانس لے رہا تھا' زندہ تو اب ہوا ہے' جانے کتنے الفاظ آتش فشاں بنے سینے کی دیواروں سے ٹکراتے شور مچانے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ فراق میں جنم لینے والی ان گنت آہیں' کراہیں اس بت بے نیاز کے قدموں میں بکھرنے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ کڑی آزمائشوں سے لیس مسافتوں کے گلے شکوے' اذیتیں لبوں تک آنے کے لیے مچل رہی تھیں مگر چارہ ساز کے پہنچنے تک وجود میں جان کی ہلکی سی رمق ہی تو باقی رہ گئی تھی۔ زبان گنگ ہو رہی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ بولنا تو دور کی بات وہ آہ تک نہ بھر سکے گا' بس ایک غبار تھا جو آنسوؤں کی صورت چارہ گر کے دامن کو تر کر سکتا تھا اس وقت تک جب تک کہ دل ہلکا نہ ہو جائے۔ سانسوں میں روانی نہ آ جائے اور اس خواب ناک' زندگی سے بھرپور محبت کی تمام رعنائیوں سے مرقع وجود کے قریب ہونے کا یقین نہ آ جائے تب تک...... تب تک...... شدت ضبط سے سرخ اور نم آنکھوں سے وہ یک ٹک زنائشہ کے متغیر چہرے کو دیکھ رہا تھا' وہ کچھ بھی بولنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ تمام لفظ جیسے کھو گئے تھے مگر پھر بھی جانے کیا کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ لرز رہے تھے' یوں لگ رہا تھا کہ جسے کسی بھی پل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گا۔ یہ خوف حاوی تھا کہ وہ اس کے چھوتے ہی غائب نہ ہو جائے' کہیں یہ خواب ٹوٹ نہ جائے اور ایک بار پھر کہیں وہ تہی دست' تہی داماں نہ رہ جاتے۔ اس کے خوف کے باوجود جانے کس بے اختیاری کیفیت میں اس نے اپنے لرزتے ہاتھوں میں دھیرے سے زنائشہ کا فق چہرہ تھاما تھا' پھٹی آنکھوں سے یک ٹک عرش کے تمتمائے چہرے کو تکتی زنائشہ کو جیسے انگاروں نے چھو لیا تھا۔ اپنے پیروں کے نیچے سے اسے ایک بار پھر زمین سرکتی محسوس ہوئی تھی' ایک جھٹکے سے عرش کے ہاتھ اپنے چہرے سے دور جھٹکتی وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی اور وہ جو پہلے ہی جذبات کی شدت سے مغلوب اور سینے میں اٹھتی درد کی لہروں سے ادھ موا ہو رہا تھا چند لمحوں کے لیے موت جیسے سناٹوں میں گھر از نائشہ کی آنکھوں میں رقصاں خوف' وحشت اور اجنبیت کے تاثرات دیکھتا ساکت رہ گیا تھا' عرش کی آنکھوں میں کیا کچھ تھا یہ دیکھنے کی اسے کوئی چاہ نہ تھی۔ بدحواسی میں وہ سرعت سے کھلے دروازے کی سمت بڑھی تھی مگر بروقت اس کے ارادے بھانپتا عرش دوسرے ہی قدم پر اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں جکڑ گیا تھا۔ زنائشہ کے حلق سے بلند ہوتی وحشت ناک چیخ عرش کے دل و دماغ کے پرخچے اڑا گئی تھی۔ زنائشہ اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے نکالنے کی کوشش میں ادھ موئی ہو رہی تھی حتیٰ کہ وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتا اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے یہاں سے جانے دو۔'' کوشش میں ناکام ہوتی وہ حلق کے بل اس پر چیخی۔

''کیوں...... کیوں دور بھاگ رہی ہو مجھ سے؟ کیوں جانا چاہتی ہو تم یہاں سے؟'' زنائشہ کی آنکھوں میں ابلتے غصے' نفرت و کراہیت کو بے یقینی سے دیکھتا وہ بمشکل بول سکا۔

''میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی' میں نہیں جانتی تمہیں' مجھے جانے دو یہاں سے۔'' اپنا ہاتھ آزاد کروانے کے لیے جدوجہد کرتی وہ پھر چیخی جبکہ عرش کو لگا تھا جیسے بہت اونچائی سے کسی نے اسے دھکا دے دیا ہو' زنائشہ کے الفاظ برچھی بن کر سینے میں پیوست ہوئے تھے۔

''کیا کہا تم نے' تم مجھے نہیں جانتیں؟'' شدید صدمے سے اسے دیکھتے ہوئے عرش کے تاثرات تن گئے تھے۔

''کیوں مجھے کند چھری سے یوں ذبح کر رہی ہو؟ کیوں ایک بار پھر مجھے جہنم میں غرق کردینا چاہتی ہو تم؟'' شدید اذیت سے عرش کا لہجہ گھٹ گیا۔

''میں مر تو سکتی ہوں مگر ایک منٹ بھی اور یہاں نہیں رک سکتی۔ میں تم جیسے غلیظ انسان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی' دور رہنا چاہتی ہوں تمہارے سائے سے بھی۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ......'' بڑھتی گرفت کی اذیت سے وہ طیش میں غرائی تھی جبکہ عرش کی رگوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

''میں غلیظ انسان ہوں...... یہ آج تمہیں یاد آیا ہے؟ یہ تم نے اس وقت کیوں نہ یاد رکھا جب مجھ سے تعلق باندھا تھا' یہ سچ اس وقت تم کیسے بھول گئی تھیں۔ جب مجھ سے محبت کی تھی' آخری سانس تک ساتھ رہنے کا عہد کیا تھا' بتاؤ مجھے؟'' سرخ چہرے اور بھینچے لہجے کے ساتھ سوال کرتا وہ بخوبی اپنے لیے زنائشہ کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت دیکھ سکتا تھا۔

''کل رات میں یہی سوچ کر خود کو سمجھاتا رہا تھا کہ تم مجھ سے دور نہیں بھاگ رہی ہو' بس مجھ سے بدظن ہو' بدگمان ہو' خفا ہو اور اس سب کے لیے تم حق بجانب ہو مگر اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے حقیقت کا۔ یقین ہو رہا ہے مجھے کہ میرے منظر سے ہٹتے ہی تمہیں احساس ہوا کہ مجھ جیسے غلیظ انسان سے تعلق جوڑ کر تم نے کتنی بڑی غلطی کر ڈالی...... میری غیر موجودگی نے تمہارے پچھتاوے کو پختہ کر دیا اور اسی لیے تم نے اپنے پیچھے ایسا کوئی نشان تک نہیں چھوڑا کہ جس کے ذریعے میں دوبارہ تم تک پہنچ سکتا۔ مجھے اب احساس ہوا ہے کہ کل رات تم نے مجھ سے منہ نہیں پھیرا تھا بلکہ میرے منہ پر طمانچہ مارا تھا' اس کا یقین مجھے اس وقت تمہاری نفرت اور حقارت دیکھ کر ہو چکا ہے۔ تمہیں موقع ملا اور تم مجھ سے جان چھڑا گئیں' ہر جذبے' ہر تعلق پر مٹی ڈال کر بھاگ گئیں میری پہنچ سے دور اور اب تک بھاگ رہی ہو ورنہ ایک ہی شہر میں دن رات تمہاری تلاش میں سرگرداں میں مر مر کر نہ جی رہا ہوتا۔'' وہ بلند آواز میں بولا جبکہ اس کی کمزور پڑتی گرفت سے اپنا ہاتھ جھٹک کر نکالتی زنائشہ نے زہرخند نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے لیے کوئی راستہ باقی چھوڑا تھا تم نے جو میں کہیں بھاگ جاتی' جان چھڑا کر میں نہیں تم بھاگے تھے۔ نت نئے شوق تمہارے منہ کو لگے تھے بدکردار انسان' تم کہاں ساری زندگی کسی ایک پر صبر کر سکتے تھے۔ گھاٹ گھاٹ پر منہ کالا کیے بغیر تھا تمہارا گزارہ؟'' خون خوار انداز میں چیختے ہوئے زنائشہ کی آواز یک لخت اس لمحے بند ہوئی تھی جب اس نے عرش کو انتہائی جارحانہ انداز میں اپنی طرف قدم بڑھاتے اور پھر یک دم رکتے دیکھا تھا' اس کی خون رنگ آنکھوں اور چہرے کے بکھرے تاثرات سے زنائشہ کو لگا تھا کہ اب عرش کا ہاتھ اٹھے گا اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑ جائے گا مگر جانے کیوں ایسا ہوا نہیں تھا۔ زنائشہ کے دو دھاری لفظوں نے اس کے سینے کو زخموں سے بھر دیا تھا۔

رگوں میں ابلتے لہو میں انگارے دوڑ گئے تھے' بڑھتا اشتعال مقابل کی دھجیاں اڑا دینے کے لیے کافی تھا مگر وہ یہ نہیں بھول سکتا تھا کہ اس کے مقابل کون ہے' کون ہے کہ جس کی نفرت کا پھندہ گردن میں تنگ ہوتا اسے زمین و آسمان کے درمیان معلق رکھے ہوئے تھا۔

''زنائشہ...... تمہاری زبان سے یہ سب سننے سے پہلے مجھے واقعی زندہ نہیں رہنا چاہیے تھا۔'' زنائشہ کی خونخوار نگاہوں میں دیکھتا وہ بھینچے لہجے میں بولا۔

"میں ہر بار اسی یقین کے سہارے تم تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ کم از کم ایک انسان تو اس دنیا میں جس سے میرا گہرا اٹوٹ رشتہ ہے۔ وہی رشتہ جسے آسمانوں میں کہیں جوڑا گیا تھا' سانس لینے کے لیے یہ احساس کافی تھا کہ ایک انسان کے پاس تو وہ آنکھیں ہیں جسے میرے وجود میرے دامن پر لگے داغ نظر نہیں آسکتے' جسے کبھی غلاظت میں لتھڑی میری روح سے بھی گھن محسوس نہیں ہوئی تھی' اس انسان پر یقین کے سہارے میں نے اپنے شب و روز دو ہی کام پوری دیانت داری سے کرتے ہوئے گزارے۔ ایک اس قیمتی انسان کو تلاش کرنا' دوسرا اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگتے رہنا' تمہیں اللہ سے مانگنا کام نہیں تھا۔ میرے سانس لینے کی وجہ اور ضرورت تھی' ضرورت اس لیے کہ میں تمہارے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا جو خواب تمہاری آنکھوں میں' میں نے دیکھے تھے' ان کو تعبیر دینے کے لیے مجھے دار پر لٹکتے ہوئے بھی سانس لیتے رہنا تھا' ہر سانس میں' ہر گھڑی تمہیں مانگنا۔ گزرے ماہ و سال میں بس یہی سب کچھ رہا میری زندگی میں' کل رات اچانک تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یہ یقین کرنے میں دیر لگی کہ میرے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں' اسی لیے قدرت نے مجھے ایک بار پھر تم سے نواز دیا۔ تم ثبوت تھیں میری دعاؤں کے مقبول ہوجانے کی مگر آج میرے سب یقین ملیا میٹ ہوچکے ہیں' آج تم نے دوبارہ مجھے اسی غلاظت میں دھکیل دیا جس سے باہر نکلتے نکلتے میری روح تک چھلنی ہوگئی تھی۔ آج تمہیں اپنی دسترس میں' اپنے روبرو دیکھنے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ اگر میں تمہارے مل جانے کی دعائیں مانگتا ہی رہ جاتا تو کم از کم آس اور امید کے سہارے زندہ تو رہ جاتا مگر آج تم نے مجھے مار دیا ہے اپنے لفظوں سے' اپنی نفرت سے۔ کل رات تمہیں مجھ تک نہیں آنا چاہیے تھا یا ماضی میں مجھے اپنی ذات سے' اپنی زندگی سے محبت کرنے کا درس نہیں دینا چاہیے تھا۔ اتنی نفرت مجھے اپنے آپ سے پہلے کبھی نہیں ہوئی جتنا کہ اب ہو رہی ہے۔" دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتا وہ زخم خوردہ لہجے میں بولا۔

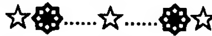
"تمہیں خود سے نفرت ہونی بھی چاہیے کیونکہ تم اس نفرت کے حق دار ہو' تم پر بھروسہ کرنے جیسی بھیانک غلطی کے بعد میں بھی آج تک اپنی ذات سے نفرت کرتی رہی ہوں مگر اس ایک غلطی کی سزا کے طور پر مجھے موت تو قبول ہے لیکن تمہارے اس جہنم میں چند لمحے بھی رکنا گوارا نہیں' مجھے اس دوزخ میں روکنے کی کوشش بے کار ہے۔" زہرخند لہجے میں بولتی وہ ایک بار پھر دروازے کی سمت بڑھنا چاہتی تھی مگر عرش نے ایک قدم بھی اسے اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا۔ شدید اذیت کے باعث زنائشہ کے حلق سے کراہ بلند ہوئی تھی۔

"لہو تھوکتا رہا ہوں تمہارے لیے' اتنی آسانی سے تم مجھے یوں ٹھوکر مار کر نہیں جاسکتیں۔" اس کے بال مٹھی میں جکڑے وہ شعلہ بار لہجے میں بولا' سرخ انگارہ آنکھوں اور اس کے جارحانہ سلوک نے زنائشہ کو سن کردیا تھا۔

"اس گھر کی بنیادوں میں میرے ماں باپ کی محبت ان کے خواب شامل ہیں' تمہیں اس گھر تک لانا میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان تھا' اس گھر کو میری اس جنت کو دوزخ کا نام دے کر تم نے مجھ سے زیادہ میرے ماں باپ کو اذیت پہنچائی ہے۔ توہین کی ہے ان کی' اب اس گھر سے تم تو کیا تمہارا سایہ بھی باہر نہیں جاسکتا' اپنے ہاتھوں سے یہیں دفن کروں گا تمہیں۔" بھڑکتے لہجے میں غراتے ہوئے عرش نے ایک جھٹکے سے اسے آزاد کیا' لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ منہ کے بل گری تو پھر اٹھ نہ سکی۔ دوسری جانب وہ مزید کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ دروازہ دھماکے سے بند کرنے کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح اسٹیئرز تک پہنچا تھا' وجود خلاء میں تھا' پیروں تلے زمین محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ دوسرے ہی اسٹیپ پر رکتا وہ ریلنگ کا سہارا لیتا مزید قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا۔

گردن موڑ کر اس نے جلتی نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھا تھا' کاری وار اس کے اعصاب کو بری طرح توڑ پھوڑ گئے تھے' یہ سب تو نہیں چاہا تھا اس سب کے لیے تو ریاضتیں نہیں کی تھیں۔ دماغ ماؤف تھا کہ سنگ دلی کی حد اس نے

توڑ ڈالی تھی جو زندگی اور قسمت سے بھی زیادہ بڑھ کر ظالم ثابت ہوئی تھی۔ سر ہاتھوں میں تھامے وہ اپنی جلتی آنکھوں سے بہتے گرم سیال کو چہرے پر بکھرتا محسوس کررہا تھا۔



طائرانہ نگاہوں سے کیبن کا جائزہ لیتے ہوئے زرکاش یہی سوچ رہا تھا کہ اسے بات کا آغاز کس طرح کرنا ہوگا کہ بہرحال یہ کسی کا بہت ذاتی قسم کا معاملہ تھا۔ دراج کی طرف سے دباؤ نہ ہوتا تو بھی یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ زنائشہ کے سلسلے میں وہ عرش سے ملے۔ دراج نے کل رات گیراج میں موجود جس شخص کی نشان دہی کرتے ہوئے انکشاف کیا وہ اس کے لیے بہت ناقابل یقین تھا۔ اب تک وہ حیرت اور تعجب میں مبتلا تھا اگر وہ پہلے سے عرش کو جانتا' پہچانتا نہ ہوتا تو کبھی اس قدر نہ الجھتا۔ شہرام کی بدولت عرش سے اس کا تعارف ہوچکا تھا' وہی عرش سے اس کی پہلی سرسری سی ملاقات تھی' ایک شام اتفاق سے شہرام سے کوریڈور میں ملاقات ہوئی' اسی دوران وہاں عرش آتا دکھائی دیا تو شہرام نے بتایا کہ وہ بھی ان کا بھائی ہے' اس تعارف نے زرکاش کو کافی حیران کیا تھا حالانکہ وہ اس سے پہلے شقران سے بھی مل چکا تھا مگر ایسی حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی شخصیت شہرام اور شقران سے بالکل مختلف تھی کسی طور بھی عرش ان دونوں سے مشابہت نہیں رکھتا تھا مگر زرکاش کو اس کی شخصیت بہت پسند آئی تھی اس پر نظر کا ٹھہر جانا کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی۔ شہرام کی وجہ سے عرش کو قدم روکنے پڑے تھے' ان کے تعارف کروانے پر بس اشارے سے اس نے زرکاش کو سلام کرنے پر ہی اکتفا کیا اور عجلت میں ہی شہرام سے شقران کی گھر میں موجودگی کا پوچھتا آگے بڑھ گیا تھا۔

''برا مت ماننا زرکاش...... یہ ذرا اپنے آپ میں مگن رہنے والا بندہ ہے۔ گھر بھر کے چہیتے ہیں اس لیے مزاج ذرا کم ہی ملتے ہیں۔'' شہرام نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''بالکل نہیں' آپ اتنے فارمل نہ ہوں' ویسے بھی بندہ ضرورت سے زیادہ حسین وجمیل ہو تو مزاج ذرا کم ہی ملتے ہیں۔'' زرکاش نے ہلکے پھلکے انداز میں مسکرا کر کہا تھا۔

''اگر ایسا ہے تو اس حساب سے تمہارے مزاج تو بالکل نہیں ملنے چاہئیں۔'' شہرام برجستہ بولے تھے۔

''ایسا ہونا تو چاہیے مگر میں آپ کی طرح عاجزی اور کسر نفسی سے کام لیتا ہوں۔'' شہرام بے ساختہ ہنسا تھا۔

اس سرسری ملاقات کے بعد زرکاش نے دوبارہ کل رات ہی گیراج میں عرش کو دیکھا تھا مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ کل عرش نے اسے دیکھا یا نہیں' یا یہ کہ دیکھا بھی ہے تو پہچانا بھی تھا یا نہیں۔

کھلتے گلاس ڈور کی مدھم آواز پر زرکاش چونک کر متوجہ ہوتا چیئر سے اٹھا تھا۔ اسے امید نہیں تھی مگر عرش نے کافی خوش اخلاقی اور گرم جوشی سے اس بار مصافحہ کیا تھا۔

''اگر فون پر مجھے آپ کی یہاں آمد کا معلوم نہ ہوتا تو آج میرا یہاں آنے کا ارادہ نہیں تھا' تشریف رکھیے۔'' اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا وہ ٹیبل کے دوسری جانب چلا گیا' اس مختصر وقت میں زرکاش نے مکمل اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ رائل بلیو شرٹ کی سلیوز کہنیوں تک چڑھائے وہ اس وقت بھی کافی عجلت میں لگ رہا تھا اس کی آنکھوں کی سرخی اور لہجے کا بھاری پن زرکاش کی نگاہوں سے چھپ نہیں سکا تھا' اس کی مسکراہٹ بھی زرکاش کو جبری اور مصنوعی لگی تھی۔

''پھر تو مجھے معذرت کرنی چاہیے کیونکہ میری وجہ سے تمہیں یہاں آنے کی زحمت اٹھانی پڑی۔''

''بالکل نہیں' شرمندہ مت کریں' زحمت تو آپ نے کی ہے' گاڑی کا کوئی مسئلہ یا معاملہ تھا تو آپ بھائی کو کال کردیتے۔ میں گیراج سے کسی کو بھیج دیتا۔''

''نہیں' میں گاڑی کے کسی سلسلے میں یہاں نہیں آیا ہوں۔'' زرکاش کے کہنے پر اس کے بے حد سنجیدہ تاثرات میں

حیرانی بھی ابھر آئی تھی۔
''میں جس معاملے پر تم سے بات کرنے آیا ہوں وہ ذرا الگ نوعیت کا ہے اگر تم مجھے تھوڑا وقت دے سکو تو......''
''ضرور آپ کے لیے وقت ہی وقت ہے جو بات بھی ہے بلا جھجک کیجیے۔'' عرش کے فوراً کہنے پر زرکاش نے کچھ سنبھل کر اسے دیکھا۔
''میں تم سے زنائشہ کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''
''کیا نام لیا آپ نے؟'' عرش بری طرح چونکا' ایک پل کو اسے یہی لگا کہ اس کی سماعتوں کو دھوکا ہوا ہے۔
''زنائشہ کا ہی نام لیا ہے میں نے' وہ اس وقت کہاں ہے؟'' زرکاش کے مزید کہتے وہ چند لمحوں تک دنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہا مگر پھر اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔
''آپ اسے کیسے جانتے ہیں اور کس حیثیت سے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کررہے ہیں؟'' عرش کا لہجہ سپاٹ اور سرد ہو گیا تھا۔
''ہاسٹل میں تم زنائشہ کی دوست اور روم میٹ سے ملے ہو گے' دراج میری کزن بھی ہے۔''
''تو پھر؟'' حسب توقع عرش کے چہرے پر ہی نہیں لہجے میں بھی ناگواری اتر آئی تھی۔
''زنائشہ کافی عرصے سے میری ایمپلائی ہے اور......''
''تو کیا آپ اپنی کمپنی کے تمام ایمپلائز کے بارے میں اسی طرح پوچھ گچھ کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں؟'' عرش کے چبھتے ناگوار لہجے پر زرکاش فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا۔
''اور بہت معذرت کے ساتھ' اپنی جس کزن کا آپ نے ابھی نام لیا ان کا نام تک میں دوبارہ نہیں سننا چاہتا کیونکہ جو کچھ میں جان چکا ہوں اس کے بعد مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے کہ زنائشہ پر ان کے اثرات کافی گہرے رہے ہوں گی۔'' عرش انتہائی سرد اور خشک لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے اس ذاتی معاملے پر کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا' وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں' مجھے امید ہے کہ اس معاملے کو اپنی طرف سے آپ یہیں ختم کر کے جائیں گے' آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
''میں اس معاملے کا پرچار کرنے کا ارادہ رکھتا بھی نہیں ہوں۔ کل گیراج میں میں نے بھی تمہیں دیکھا لیکن تم سے زنائشہ کے تعلق کے بارے میں مجھے آج دراج سے معلوم ہوا میں یہاں اپنی الجھن اس لیے بھی دور کرنے آیا ہوں کیونکہ شہرام کے بھائی کی حیثیت سے میں تمہیں جانتا ہوں مگر فی الوقت میں نے یہ بات دراج سے چھپائی ہے اگر اسے بھنک بھی لگ گئی تو وہ کسی طور صبر نہیں کرے گی۔ زنائشہ سے اس کا تعلق بہت گہرا ہے' وہ بہت جذباتی ہے میں جانتا ہوں کہ تمہاری موجودگی میں اس نے ضبط کا مظاہرہ نہیں کیا ہو گا یقیناً اس نے مشتعل کر دینے والی بات کی ہوگی اس کے لیے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں' تمہارے کسی ذاتی معاملے میں یقیناً مجھے دخل دینے کا بالکل حق نہیں لیکن میں اپنی الجھن سے زیادہ دراج کی وجہ سے تمہارے پاس آنے پر مجبور ہوا ہوں۔''
''زرکاش...... آپ مجھے یہ سب مت بتائیے' برائے مہربانی آپ اپنا اور میرا وقت برباد مت کیجیے' میں آپ کی عزت کرتا ہوں جب تک میں زنائشہ اور اپنے درمیان سب کچھ ٹھیک نہیں کر لیتا تب تک میں آپ کی کوئی الجھن دور کرنے سے قاصر ہوں۔'' عرش اس کی بات کاٹتا قطعی انداز میں بولا۔
''عرش...... تم میری پوری بات سن لو پہلے' مجھے تمہارے اور زنائشہ کے معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ تم شہرام کے بھائی ہو' زنائشہ کے شوہر ہو میرے اطمینان کے لیے یہ بہت ہے مگر دراج کے لیے تمہیں لچک رکھنی پڑے گی۔'' زرکاش

کا لہجہ کچھ برہم ہوا۔

"اگر میں ایسا نہ کروں تو؟" عرش نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو پھر مجبوراً مجھے شہرام سے بات کرنی ہوگی۔" زرکاش صاف گوئی سے بولا۔

"آپ مجھے بلیک میل کرنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں' خوب۔" عرش نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہرگز نہیں' میں کہہ چکا ہوں کہ مجبوراً مجھے یہ کرنا پڑے گا' دراج اور زنائشہ کے درمیان بہت گہرا جذباتی تعلق ہے۔ دراج اس کے لیے بہت پریشان ہے' میں اسے تکلیف میں دیکھ سکتا ہوں ناں دراج کے آنسو برداشت کرسکتا ہوں کیونکہ میرے لیے وہ صرف ایک کزن نہیں ہے۔ آگے تم خود سمجھ دار ہو مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" زرکاش کے خاموش ہونے پر وہ جو بغور اسے دیکھ رہا تھا' گہری سانس لے کر یوں سر ہلایا جیسے سمجھ گیا ہو۔

"اگر یہ بات ہے تو مجھ سے زیادہ بہتر آپ کی مجبوری کو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا خیر آپ اپنی بات مکمل کرلیں۔" عرش نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں بس تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کم از کم دراج کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ اسے معلوم ہو زنائشہ کیسی ہے' کس حال میں کہاں ہے۔ ان دونوں کا ساتھ تقریباً پانچ سال سے زیادہ کے عرصے پر محیط ہے' دراج کچھ زیادہ ہی اٹیچڈ ہے اس سے ظاہر ہے دن رات کا' دکھ سکھ کا طویل ساتھ رہا ہے شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ دراج کی اس سے پہلی ملاقات بہت گمبھیر قسم کی رہی ہے۔ میں خود اس کا گواہ ہوں' کیا تم یقین کرو گے کہ زنائشہ خودکشی کے ارادے سے میری گاڑی کے سامنے آئی تھی؟" ایک پل کو رک کر زرکاش نے عرش کے بدلتے تاثرات کو دیکھا۔

"وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکی' اسے ایک نئی زندگی کی طرف لانے میں دراج کا بہت عمل دخل رہا ہے' باقی کے حالات زنائشہ تمہیں زیادہ اچھی طرح سے بتاسکتی ہے جہاں تک میری بات ہے تو میں یہ تک نہیں جانتا تھا کہ زنائشہ کے شوہر کا نام کیا ہے' ایک دو بار میں نے دراج سے کہا کہ زنائشہ اپنے شوہر کے بارے میں مجھے بتائے تو میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں مگر زنائشہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ وہ میری کمپنی کے سینئر ایمپلائز میں سے ایک ہے' دراج سے بہت کلوز ہے اس لیے میرے لیے قابل عزت ہے' میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں کو الگ نہ کرو۔ دراج ہی نہیں زنائشہ بھی اچانک یہ سب ذہنی طور پر قبول کرنے پر تیار نہیں ہوگی۔ تم ان دونوں کو کم از کم فون پر رابطہ کرنے کی اجازت دو' دراج کی وجہ سے مجھے تم پر یہ دباؤ ڈالنا پڑ رہا ہے۔ امید ہے کہ تم میری پوزیشن کو بھی سمجھو گے۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ میری غیر موجودگی میں آپ اور آپ کی کزن نے زنائشہ کو سپورٹ کیا ہے' یہ میری خوش قسمتی ہے کہ وہ آپ جیسے اچھے لوگوں کے حصار میں محفوظ رہی ہے۔ حالات کچھ ایسے رہے کہ میں کوشش کے باوجود زنائشہ تک نہیں پہنچ سکا۔ اب جبکہ وہ میرے پاس ہے تو میرا یہ بالکل ارادہ نہیں کہ اسے سب سے کاٹ کر اپنی ذات تک محدود رکھوں مگر آپ کو اندازہ ہوگا کہ میری اتنے طویل عرصے کی گمشدگی نے زنائشہ کو کس حد تک میرے خلاف اور بدظن کر رکھا ہوگا۔ میں آپ کا مقصد سمجھ چکا ہوں اس لیے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں جب تک اس کی بدگمانیاں دور کر کے اسے خود بھی تیسرے شخص کی مداخلت سے بچا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ میرے اپنے گھر والے بھی زنائشہ کے مل جانے سے تب تک لاعلم رہیں گے حالانکہ وہ سب زنائشہ کے حوالے سے سب جانتے ہیں' یہ بھی کہ وہ میری بیوی ہے مگر وقت کے ہیر پھیر نے ہمیں جدا کردیا تھا۔ زنائشہ سے جب میرا تعلق بنا اس وقت میں بالکل تنہا تھا مگر اس سے جدا ہوجانے کے بعد قدرت نے مجھے کچھ محبت کرنے والے مقدس رشتے عطا کردیئے۔ زنائشہ ان سب سے لاعلم ہے ہوسکتا ہے ان سب کو میری زندگی میں قبول کرنا اس کے لیے مشکل ہو لیکن یہ تب بہت مشکل نہیں رہے گا جب وہ مجھ

سے راضی ہو جائے گی جب میں دوبارہ اس کا اعتبار جیت لوں گا۔ آپ کی مشکل کو سمجھتے ہوئے مجھے آپ کی کزن سے زنائشہ کی بات کروانے میں کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ وہ زنائشہ کو اکسانے والی کوئی بات نہ کریں۔''

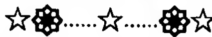
''اس تعاون کے لیے میں تمہارا شکر گزار رہوں گا' میں دراج کو بھی سمجھا دوں گا کہ وہ زنائشہ سے ایسی کوئی بات نہیں کرے جو تمہاری مشکل کو بڑھائے اس طرح سے بھی مطمئن رہو کہ اس معاملے کی کوئی بھنک تمہارے گھر تک پہنچے گی۔ اپنے گھر والوں کو تم زنائشہ کے بارے میں کب بتاتے ہو یہ تمہارا الگ نوعیت کا اپنا معاملہ ہے۔ میری طرف سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی' میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد سب کچھ ٹھیک کرو' زنائشہ بہت سمجھدار اور ذمہ دار لڑکی ہے وہ یقیناً تمہاری تمام پرابلمز سے آگاہ ہونے کے بعد راضی ہو جائے گی مجھے پوری امید ہے۔'' زرکاش نے کہا۔

''مجھے بھی یہی امید ہے اور اگر آپ کو ناگواری نہ ہو تو یہ کر سکتے ہیں کہ زنائشہ کا ضروری سامان پیک کروا کے مجھ تک پہنچا دیں۔ آپ کی کزن یہ کام کر سکتی ہیں؟''

''ضرور' تم یہاں کب تک ہو؟'' زرکاش نے پوچھا۔

''آپ اگر آج ہی یہ کام کروا سکتے ہیں تو مجھے بتا دیں وقت' میں یہیں ملوں گا۔''

''دراصل مجھے یہاں سے ہاسٹل ہی جانا ہے تو میں زنائشہ کا سامان بھی پیک کروا دیتا ہوں۔ ایک گھنٹے بعد میں آتا ہوں یہاں۔'' زرکاش نے رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔



جانے کتنا وقت گزر گیا تھا' نرم دبیز کارپٹ پر وہ اسی طرح منہ چھپائے جامد و ساکت ہو چکی تھی' اپنی بے بسی اور وقت کی سفاکیوں پر سسکتے ہوئے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ وجود غم کی شدت سے لاغر ہو چکا تھا' ماضی کی لغزشیں اس کے حال کو برباد اور مستقبل کو تاریک کر دینے کے درپے تھیں' اسے اپنی انتھک محنت' جدوجہد' حوصلے یہاں تک کہ اپنا وجود بھی خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بند دروزے سے سر ٹکرانے کی کوشش کی تھی' نا فرار کے لیے کوئی روزن تلاش کرنے کی کوشش کی' وہ بس یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وقت اسے اب اور کس حد تک' کہاں تک تباہ کاریوں کی طرف دھکیلتا ہے' اب انتہائی سوجی آنکھوں کے دکھتے پپوٹے کھولتی وہ بمشکل اٹھ بیٹھی تھی۔ نقاہت کی وجہ سے یک دم آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلا تھا' بھاری دکھتے سر کو ہاتھوں میں سنبھالے وہ چند لمحوں تک آنکھیں بند کیے ساکت رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا جس میں رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔

ڈوبتے دل کے ساتھ دراج کا خیال آ رہا تھا جانے فکر و پریشانی میں اس کا کیا حال ہو چکا ہوگا' ایک بار پھر اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ بخار میں پھنکتے وجود کے ساتھ وہ خود کو کھینچتی کچھ فاصلے پر موجود سائیڈ ٹیبل تک آئی اور اس سے پشت ٹکالی تھی' گھٹنوں کے گرد ہاتھ لپیٹتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے مگر کچھ اچھا ہونے کی امید بھی اسے نہیں تھی البتہ دل کو یہ یقین ضرور تھا کہ دراج نے زرکاش کو سب کچھ بتا دیا ہوگا اور وہ دونوں اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ اسے اب کسی انہونی کا ہی انتظار تھا' عرش کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی اس کی وحشت حد سے تجاوز کر رہی تھی کیونکہ وہ باور کروا گیا تھا کہ اپنی دسترس سے وہ اسے نکلنے نہیں دے گا۔ اس کے تیور بھی اس کے ارادوں کی تصدیق کر چکے تھے' سوچنے' سمجھنے کی ہمت بھی اس میں زیادہ نہیں رہی تھی مگر کہیں نہ کہیں دل میں اس نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ وہ بھی آسانی سے عرش کے سامنے زیر ہو کر ہتھیار نہیں ڈالے گی۔ اس کی زندگی ہی کیوں نہ خطرے میں پڑ جائے' زندگی سے کوئی لگاؤ اب باقی بھی نہ رہا تھا' عرش کا چہرہ دیکھنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں' بس ایک نفرت کا جذبہ تھا جسے وہ چھپا کر رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ بخار کی شدت اور اعصابی انتشار

نے اسے بری طرح نڈھال کردیا تھا' نفرت اور اشتعال کے الاؤ اس کے گرد بھڑک رہے تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سلگ اٹھی تھیں۔ گہری خاموشی میں دروازے پر ہوتی آہٹ نے اسے ہوشیار کردیا تھا مگر اس نے گھٹنوں سے سر نہیں اٹھایا تھا' عرش چند لمحوں تک اس کی جانب دیکھتا رہا۔ جان گیا تھا کہ وہ اس کی آمد سے بے خبر نہیں ہے مگر یقیناً وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق جو کھانا اور دوائیں وہ لایا تھا وہ سب سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے پھر بغور زنائشہ کو دیکھا اور اگلے لمحے بہت خاموشی سے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''تم بے شک نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھو مگر میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دیکھو شاید میرے چہرے' میری آنکھوں سے تم ان تمام اذیتوں کو پڑھ سکو جو تمہارے بعد مقدر بنی رہیں' شاید ماضی کا کوئی اچھا لمحہ میرے چہرے کو دیکھ کر تمہیں یاد آجائے یا شاید وہ تمام سنہری وقت یاد آجائے جسے تم بھول چکی ہو اور مجھے بے موت مار گئی ہو۔'' بھاری مدھم لہجے میں کہہ کر وہ چند لمحوں تک اس کے متوجہ ہونے کا منتظر رہا مگر پھر جانے کس بے اختیاری کیفیت میں اس نے دھیرے سے زنائشہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا' اس بات سے بے خبر کہ اس کے اس لمس نے ہی زنائشہ کی رگوں میں شرارے بھر دیئے ہیں' سرعت سے وہ اس کا ہاتھ اپنے سر سے دور جھٹکتی خونخوار نظروں سے اسے دیکھتی غصے کی شدت سے کچھ بول نہ سکی تھی۔

''ہاتھ جھٹکنے سے میرا حق ختم نہیں ہوجائے گا زنائشہ...... یہ مضحکہ خیز حرکت دوبارہ مت کرنا' تم جتنی شدت سے مجھے دور ہوگی میں اس سے زیادہ شدت سے تمہاری طرف بڑھوں گا۔ دنیا کا کوئی قانون' کوئی طاقت مجھے اب تم سے دور نہیں کرسکتی' تم بھی نہیں۔'' اس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں دیکھتا وہ بھینچے لہجے میں بولا تھا۔

''تم بھی یاد رکھو کہ تم کسی طور بھی مجھے زیر ہونے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ بہتر یہی ہے کہ مجھ پر اپنی طاقت مت آزماؤ۔'' وہ بھڑکتے لہجے میں بولی۔

''جو تمہارے قدموں میں روز اول سے ڈھیر ہے' جس کا دل' جس کا سر تمہارے سامنے ہمیشہ کے لیے جھک چکا ہے وہ تمہیں کیا زیر کرے گا زنائشہ' جو تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں چھونے تک کی ہمت نہیں کرسکتا' وہ کیا تم پر اپنی طاقت آزمائے گا۔''

''مجھے اپنی دوغلی باتوں میں مت الجھاؤ' اس چار دیواری میں مجھے قید کرنے کے باوجود تم یہ سب کہہ رہے ہو۔ شرم آنی چاہیے تمہیں زبردستی مجھے اپنی قید میں رکھ کر ایسے دعوے کرتے ہوئے۔'' وہ اسی لہجے میں غرائی۔

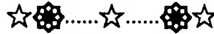
''اس گھر کے مین گیٹ کے علاوہ کوئی دروازہ تمہارے لیے لاک نہیں ہے۔ میں نے اس گھر میں تمہیں قید کرنے کا خواب نہیں دیکھا تھا' ہمیشہ اپنے تصور میں' میں نے تمہیں یہاں استحقاق سے چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ آج حقیقت میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اس گھر کے ہر حصے کو دیکھو' محسوس کرو کہ یہاں کے سب در و دیوار کس شدت سے تمہارے منتظر رہے ہیں۔ یہ گھر تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا اس پر صرف تمہارا حق ہے' ایسا مت سوچو کہ تم یہاں قید ہو یا نظر بند ہو' جس حد تک بھی زبردستی پر میں مجبور ہوا ہوں اس پر میں واقعی شرمسار ہوں مگر اس کے مقصد پر نہیں۔ تم اس مقصد کو سمجھنے کی کوشش تو کرو' میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا بس ایک موقع دے دو۔''

''میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں بچا' ایک موقع بھی نہیں۔ تھوک چکی ہوں تم پر' میں اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہتی ہوں ماضی کی سیاہیوں سے۔ تمہارے سیاہ چہرے سے' یہ میرا گھر نہیں' اس زمین پر قبر کے سوا میرا کوئی گھر کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں یہ قبول کرچکی ہوں' مجھے اپنی سنہری باتوں میں الجھا کر دوبارہ کوئی دھوکہ دینے کا تمہارا ارمان بس ارمان ہی رہے گا۔ میں تمہاری طرح گری ہوئی نہیں ہوں' مجھے آزاد کرو اور جا کر اپنے ہی جیسی کوئی ڈھونڈ و۔'' زہر خند

انداز میں بولتی وہ عرش کو ضبط کی حدوں پر لے گئی تھی۔

''ایک بات ذہن نشین کرلو وہ یہ کہ میرے حصار' میری دسترس سے نکلنا تمہارے لیے ناممکن ہے اس چیز کو تم قید کا نام دو یا کوئی اور......'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ شعلہ بار لہجے میں بولا۔ ''تم جس قدر چاہو مجھے برا بھلا کہو' میں سب سنوں گا' برداشت کروں گا مگر اس غلط فہمی سے نکل آؤ کہ میں تمہیں دامن چھڑانے دوں گا یا تم سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ تمہیں سننا ہوگا' محسوس کرنا ہوگا میرے کرب میں کرلاتے لمحے کو' جس کا ثمر مجھے یہ ملنا تھا۔ تمہاری یہ نفرت' یہ ذلت جو میں دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہا ہوں' تمہیں قائل ہونا پڑے گا۔ واپس لینا ہوگا اپنے ہر الزام کو' اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال تمہارے لیے گنوا سکتا ہوں تو اپنے جذبوں کی بے قدری اور بے حرمتی کے لیے ساری زندگی تمہاری سانسوں پر بھی جبراً مسلط ہو سکتا ہوں اور اس کی ذمہ دار صرف تم ہوگی۔'' بپھرے لہجے میں اس کی آواز بند کرتا وہ سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

''مجھ سے نفرت کرنے کے لیے بہت دم خم کی ضرورت ہے لہٰذا کھانا اور دوائیں کھانا مت بھولنا۔'' بات ختم کرتا وہ پھر رکا نہیں تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ دوسری جانب زنائشہ سلگتی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی رہی تھی اور پھر تھکے تھکے انداز میں دوبارہ سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا۔



''مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھ پر یقین ہونے کے باوجود تم کیوں رو رو کر اپنا حال خراب کیے جا رہی ہو' تمہاری فکر پریشانی کو میں سمجھ سکتا ہوں اس لیے میں نے عرش تک پہنچنے میں دیر نہیں کی۔ بار بار کہہ رہا ہوں کہ زنائشہ محفوظ ہے وہاں' اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوگا پھر بھی تم ہمت ہارے بیٹھی ہو۔'' زچ ہو کر زرکاش نے اسے ڈپٹا جو بار بار بہتے آنسو صاف کرتی بالکل خاموش تھی۔

''عرش اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں۔ میری تفصیلی بات ہوئی ہے عرش سے' وہ بس یہ چاہتا ہے کہ جن حالات میں وہ زنائشہ سے دور رہا ہے ان حالات سے زنائشہ واقف ہو جائے۔ عرش سے راضی ہو کر تمام غلط فہمیوں سے نکل آئے ان دونوں کو ہمیں وقت دینا ہوگا دراج...... جان بوجھ کر عرش نے زنائشہ کو کوئی دھوکا نہیں دیا۔ اس کی زندگی میں زنائشہ کی اہمیت ہے' وہ اپنے اور اس کے تعلق کے لیے پوزیسو ہے اسی وجہ سے ہر ممکن سب کچھ ٹھیک کرنے کی کوشش وہ کرے گا۔ ان دونوں کو اپنے معاملات خود طے کرنے دو' میں تو یہی چاہوں گا کہ زنائشہ مزید اپنا وقت برباد نہ کرے' عرش کو اس سے ہزار گنا زیادہ بہتر لڑکی مل سکتی ہے' اس کے لیے مشکل نہیں زنائشہ سے تعلق توڑنا مگر وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں کہ وہ زنائشہ سے محبت کرتا ہے۔ بے حد حساس ہے وہ اس کے لیے' کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہاری دوست اپنے گھر میں آباد ہو کر مطمئن زندگی گزارے؟ کیا تم اسے ساری زندگی ہاسٹل میں' میرے اور اپنی سہارے دیکھنا چاہتی ہو...... کیا یہ اس کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا؟'' زرکاش کے سوالوں پر وہ بس خاموش تھی۔ جانتی تھی کہ عرش نے بہت اچھی طرح زرکاش کو قائل کرلیا ہے لہٰذا اب کچھ کہنا بے کار ہے' زرکاش اب اس کی نہیں سنے گا۔ معاملہ فہم انسان ہے سو تمام معاملات کو سامنے رکھ کر آگے بڑھے گا۔

''عرش نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ زنائشہ کو تم سے الگ نہیں کرنا چاہتا' میں نے بھی اسے خبردار کر دیا ہے کہ زنائشہ سے تمہارا رشتہ بھی کمزور نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ وہ تمہیں زنائشہ سے رابطہ کرنے دے اور اس نے میری بات مان لی۔ وہ رات تک کال کرے گا پھر تم خود زنائشہ سے بات کر کے تسلی کر لینا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں اس سے عرش کے خلاف بھڑکانے والی کوئی بات نہیں کرنی ورنہ عرش کے سامنے مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔'' زرکاش کے تاکیدی لہجے پر وہ پیشانی پر بل ڈالے بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اب جاؤ اور زنائشہ کا ضروری سامان پیک کر کے لے آؤ' گیراج میں پہنچانا ہے اور تم بھی میرے ساتھ گھر چلو' عرش میرے ہی فون پر رابطہ کرے گا۔'' زرکاش کے کہنے پر وہ جیسے جبراً اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اس کے وزیٹنگ روم سے نکل جانے کے بعد زرکاش نے گہری سانس لے کر رسٹ واچ دیکھی' دراج کی خاموشی نے اسے تشویش میں مبتلا کر رکھا تھا کہ بہر حال یہ خاموشی بڑی غیر معمولی اور کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی معلوم ہو رہی تھی اور زرکاش مسلسل اسے سمجھاتے ہوئے طوفان کو روکے رکھنے کی کوشش میں تھا۔



اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی یہ دیکھ کر کہ کھانا' دوائیں یہاں تک کہ پانی کا گلاس بھی جوں کا توں رکھا ہے' ایک گھونٹ بھی پانی پینا اس نے گوارا نہیں کیا جو خود بھی وہیں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی جیسا کہ عرش اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ صبح نیم غشی میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق عرش نے وقفے وقفے سے اسے دوبارہ جوس پلایا تھا اور اب تو اسے غذا اور دواؤں کی اشد ضرورت تھی۔

''تم نے اب تک کھانا کیوں نہیں کھایا؟ تمہیں یہ لگتا ہے کہ اس طرح بھوکا' پیاسا رہ کر تم مجھے کمزور کر سکتی ہو؟ ایسا کر کے تم مجھ سے زیادہ خود کو نقصان پہنچاؤ گی۔'' کچھ فاصلے پر کھڑا وہ سرد لہجے میں بولا۔

''کیا ہی اچھا ہو کہ تمہاری حسرت پوری ہو جائے' میں یہاں سے نہیں جا سکتی مگر میرا جنازہ تو جا سکتا ہے یا پھر یہیں دفن کر کے مقبرہ بنوا دو گے میرا۔'' ایک جھٹکے سے سر اٹھاتی وہ غرائی۔

''بار بار اس گھر کو جہنم مت کہو تم۔'' وہ بھڑک کر بلند آواز میں بولا۔

''میں ہر اس جگہ کو جہنم کہوں گی' جہاں تمہارا سایہ بھی پڑتا ہے ایک بار نہیں ہزار بار کہوں گی۔ تمہیں آگ لگتی ہے تو لگتی رہے' نہیں کھاؤں گی تمہارا دیا ہوا کھانا' تم سمیت اس گھر کی ہر چیز حرام ہے مجھ پر۔'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان چیخی تھی کہ یک دم عرش درمیانی فاصلہ پلک جھپکتے ہی عبور کرتا اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھتا اس کا چہرہ سختی سے اپنے ہاتھ کی گرفت میں جکڑ گیا تھا جبکہ زنائشہ کی سانس ہی نہیں دھڑکن بھی رک گئی تھی۔ اس کی آہنی انگلیوں کا شکنجہ زنائشہ کو اپنے جبڑوں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''تمہارے کہہ دینے سے حلال' حرام میں نہیں بدل سکتا۔'' عرش کا بھپرا لہجہ آگ برساتا اس کے چہرے کو جھلسا گیا تھا۔ جبڑوں کو چٹخا دینے والی گرفت کی اذیت سے اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئی تھیں' سختی سے لب بھینچے وہ اپنی کربناک چیخ کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔

''میں دوبارہ آؤں گا تب اگر تم نے کھانا کھانے سے انکار کیا تو یاد رکھو مجھے حد سے آگے بڑھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہارے لیے جو کچھ بھی ہوں مگر یہ نہیں بھولنا کہ تم مجھ پر حلال ہو۔'' اس کے سرد لہجے میں جو کچھ تھا وہ یخ بستہ سرد لہریں زنائشہ کے وجود میں دوڑا گیا تھا' دوسری جانب وہ ہلکے سے جھٹکے سے اس کا چہرہ آزاد کرتا سامنے سے اٹھ گیا تھا۔ زنائشہ سن بیٹھی نگاہ اٹھا کر بھی اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی جو کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے سے نکل گیا تھا۔ بند دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے اذیت کا سمندر بہہ نکلا تھا۔ ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے اس کی ہمت اور حوصلہ دونوں ہی ختم ہو کر رہ گئے تھے۔

کچن میں ٹیبل کے گرد کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا' اس کے اعصاب ہی نہیں چہرے کے تاثرات بھی تناؤ میں تھے' کنپٹیوں کی نسیں پھڑک رہی تھیں' جانے زیادہ غم وغصہ اسے زنائشہ کے کٹھور پن پر تھا یا اپنے جارحانہ سلوک پر' بار بار بند آنکھوں میں زنائشہ کا اذیت سے متغیر ہوتا چہرہ لہرا رہا تھا۔ تکلیف سے برستی آنکھوں

کا درد چابک بن کر عرش کو اپنی پشت پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا' وہ یہ کیا کر رہا تھا؟ وہ کیوں اپنی انا' اپنی ضد میں ایسی سفاکی' ایسے جبر کا ارتکاب کر رہا ہے جو اس کی فطرت میں ہی شامل نہیں۔ فطرت کے خلاف جا کر وہ زنائشہ پر ہی نہیں خود پر بھی ظلم توڑ رہا ہے۔ دل کے کسی گوشے سے ابھرتی ہیجان خیز آوازوں نے اس پر عجیب جنونی کیفیت طاری کی تھی۔ پانی کے گلاس کے گرد اس کی گرفت آخری حد تک جا پہنچی تھی' ایک چھناکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹتے گلاس کی کرچیاں اس کی ہتھیلی اور انگلیوں میں اترتی چلی گئی تھیں۔ سپاٹ نظروں سے اپنے زخمی خون سے تر ہاتھ کو دیکھتے ہوئے اسے یک گونا سکون ملا تھا۔ یہی ہاتھ اسے اذیت پہنچانے کی وجہ بنا تھا جسے وہ کبھی کسی اذیت سے دوچار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا' یہ سزا پھر بھی بہت کم تھی اس اذیت سے جو اذیت اس نے زنائشہ کی آنکھوں اور چہرے پر دیکھی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے حواس کھوتا جا رہا ہے' یہ سچ ہے کہ جس سے بے پناہ محبت ہو اسی کی نفرت اور حقارت برداشت کرنا بھی بے پناہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ صبر اور برداشت کے سارے اسباق بھول گئے تھے' وہ تو چند گھنٹوں میں ہی ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

ہاتھ کے زخموں کو صاف کرتا وہ اسی کشمکش میں تھا کہ آخر کس طرح زنائشہ کو کھانا اور ٹیبلٹس کھانے کے لیے راضی کرے' وہ جانتا تھا کہ زنائشہ ٹھیک نہیں ہے' عرش کو بس اب اس کی صحت کی فکر تھی۔ جس قسم کی صورت حال ہو چکی تھی اس میں زنائشہ کو کھانے کے لیے راضی کرنا بھی کسی معرکے سے کم نہ تھا۔ دستک کی آواز پر وہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتی سرعت سے آنکھیں رگڑ کر خشک کر گئی تھی۔ اپنے آنسو عیاں کر کے وہ مزید خود کو بے بس اور لاچار ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی' دوبارہ وہ کھلے دروازے کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی' اس کے جھکے سر کو دیکھتا وہ سائیڈ ٹیبل تک آیا تھا' گرم کھانے کی ٹرے وہاں رکھی اور پھر واپس اس کے سامنے آ رکا تھا۔

''مجھے مارنے کے لیے ایک تمہاری نفرت ہی کافی تھی مزید کسی حربے کے طور پر تمہیں خود کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔'' گمبھیر آواز پر زنائشہ نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ اس کے سامنے سے ہٹتا بیڈ کے کنارے بیٹھ رہا تھا۔

''میں نہیں جانتا تھا کہ محبت میں کبھی جبر کرنا بھی مجبوری بن جاتا ہے اگر یہ واقعی سچ ہے تو بھی میری فطرت کے خلاف ہے' میں اس سے زیادہ کسی سختی کا مظاہرہ کر بھی نہیں سکتا جس حد تک کر چکا ہوں اس کے لیے مجھے معاف کر دینا۔ میں تم سے التجا تو کر سکتا ہوں مگر جبر نہیں' یہ میرے بس کا کام نہیں ہے۔'' اس کی ندامت سے چور مدھم آواز پر زنائشہ اس کی جانب دیکھے بغیر نہ رہ سکی تھی جبکہ اسے اس طرح خاموشی سے یک ٹک اپنی طرف دیکھتا پا کر عرش کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس کے زرد چہرے اور بکھری حالت پر عرش کا دل چاہا تھا کہ اسے سب سے چھپا کر بہت دور کسی اور دنیا میں چلا جائے۔

''تم اپنی دوست سے بات کرنا چاہو گی؟'' عرش کے اس اچانک سوال پر وہ جو سر جھکا چکی تھی بری طرح چونک کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''دراج سے؟'' شدید بے یقینی سے وہ سوال کر گئی جواباً اثبات میں سر ہلاتا عرش اس کی آنکھوں میں پھیلی بے یقینی کو بھانپ گیا تھا۔

''اس کا کزن زرکاش آیا تھا تمہارے سلسلے میں مجھ سے بات کرنے۔''

''وہ خود آئے تھے؟'' زنائشہ بے اختیار پوچھ بیٹھی جبکہ عرش کے چہرے کے تاثرات کچھ بدلے تھے۔

''ہاں' وہ خود آئے تھے' تمہاری دوست سے زیادہ شاید اسے فکر ہے تمہاری۔'' عرش کے عجیب سے چبھتے لہجے پر وہ سناٹے میں گھرتی منہ پھیر گئی تھی کہ یک دم دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے' اس شخص کی جرأت کی وجہ سے

زرکاش کی نظروں میں بھی اس کی عزت کی دھجیاں آج اڑ گئیں۔ سارے پردے اٹھ گئے' جانے زرکاش کیا سوچ رہا ہوگا اس کے بارے میں' ایک بار پھر اسے عرش سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

''میں نے زرکاش کو زبان دی ہے' پھروں گا نہیں ورنہ تمہاری دوست اس قابل نہیں کہ.....'' تلخ ہوتے لہجے کے ساتھ وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

''تمہیں ابھی اپنی دوست سے بات کرنی ہے تو پہلے ہاتھ منہ دھو کر کھانا اور ٹیبلٹس کھاؤ۔''

''کیا تم واقعی ابھی دراج سے میری بات کرواؤ گے؟'' مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ اب بھی بے یقین سی تھی۔

''ہاں لیکن پہلے جو کہا ہے وہ کرو۔'' وہ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا بولا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھتا بیڈ کے دوسری جانب گلاس ونڈو کے پاس جا کھڑا ہوا۔ چند لمحوں تک زنائشہ کچھ سوچتی رہی مگر پھر اپنی نقاہت پر قابو پاتی اٹھ کر واش روم کے دروازے کی طرف بڑھتی تھی۔ ٹھنڈے پانی کے کئی چھینٹے آنکھوں پر مارنے کے باوجود نہ آنکھوں کی جلن کم ہوئی تھی نہ دل کی۔ بے سائبان اور بنا کسی مضبوط ڈھال کے سانس لیتی عورت کو جلتی' بھڑکتی آگ کے درمیان ہی جانے کیوں زندگی کو گزارنا پڑتا ہے۔

تلخ حقیقت کے ادراک سے دل مزید نڈھال اور بوجھل ہوگیا تھا' بھیگے چہرے کو آئینہ میں دیکھتے ایک بار پھر اس نے اپنے شانوں کے گرد لپٹی گرم شال پر غور کیا تھا' شال جس خوشبو میں بھیگی تھی اس سے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کس کی ہوسکتی ہے مگر اپنی نفرت اور کراہیت میں وہ اس شال کو اپنے وجود سے الگ کر کے بے پردگی کی مرتکب بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس کمرے میں آئی تب عرش ہنوز گلاس ونڈو کے پاس کھڑا باہر ہی متوجہ رہا تھا' زنائشہ کی سمت دیکھنے کی اس نے کوشش نہیں کی تھی شاید وہ یہ چاہتا تھا کہ زنائشہ بنا کسی حیل وحجت کے کھانا کھالے۔ ویسے بھی بیڈ کے

کنارے بیٹھی زنائشہ کی پشت اس کی جانب تھی لیکن وہ یہ دیکھ سکتا تھا کہ زنائشہ کھانا کھا رہی ہے‘ عرش نے جہاں سکون کی سانس لی وہیں دل میں ان دونوں شخصیات کے لیے اس کے دل میں رقابت کا جذبہ بھی سر اٹھا رہا تھا۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ زرکاش اور دراج کی کیا اہمیت اور درجہ ہے زنائشہ کے دل میں کہ جو بات منوانا عرش کے لیے ناممکن ہو رہا تھا وہ ان دونوں شخصیات کے نام لیتے ہی زنائشہ نے ممکن کر دیا تھا۔ ٹیبلٹس کھا کر اس نے نیم گرم دودھ کا آخری گھونٹ بھی حلق سے اتارا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا‘ فون پر بات کرتا وہ عقب سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔ زنائشہ کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ زرکاش سے بات کر رہا ہے بہرحال چند منٹ کے بعد اس نے خاموشی سے زنائشہ کی سمت فون بڑھایا‘ فون لیتے ہوئے زنائشہ نے براہ راست اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی جو فوراً ہی سامنے سے ہٹتا واپس ونڈو کی طرف چلا گیا تھا۔

”زنائشہ..... کیسی ہو تم‘ سچ بتانا اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“ بے تابی سے بولتی دراج کی آواز سنتے ہی اس کا دل بھرنے لگا مگر اسے ضبط کرنا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں اور کیا کہوں۔“ زنائشہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

”کیا وہ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟“ دراج نے احتیاطاً پوچھا۔

”نہیں۔“

”کیا وہ قریب ہی کہیں ہے؟“

”ہاں مگر فاصلے پر ہے‘ تم بولتی رہو۔“ زنائشہ نے کہا۔

”بڑی مشکل سے زرکاش نے مجھے تنہائی میں تم سے بات کرنے کی اجازت دی ہے‘ ان کو وہ شخص بہت ہوشیاری سے کنوینس کر چکا ہے۔ زرکاش کو یہ خدشہ ہے کہ میں تمہیں اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کروں گی‘ تم ہی بتاؤ جس قسم کے کرتوت اس کے سامنے آ رہے ہیں اس کے بعد مجھے تم کو اس کے خلاف کرنے کی ضرورت نہیں وہ اپنے ہاتھوں سے بہت پہلے ہی اپنی اصلیت ظاہر کر کے یہ کام کر چکا ہے۔ اس نے بہت عیاری سے زبردستی مجھے راستے میں ہی اپنی گاڑی سے اترنے پر مجبور کر دیا ورنہ میں کبھی تمہیں اس کے آسرے پر نہ چھوڑتی۔ بس ایک غلطی ہو گئی مجھ سے کہ جذبات میں بہہ کر بے موقع اس سے بھڑ گئی اور اس نے اسی موقع کا فائدہ اٹھایا مگر میرا نام بھی دراج ہے اس کے چودہ طبق روشن کر کے ہی دم لوں گی مگر تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ تم پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ تمہاری آواز سے ٹھیک نہیں لگ رہا‘ کیا تم نے تمہارے ساتھ کسی قسم کی زبردستی یا تشدد تو نہیں کیا؟“

”نہیں‘ بس اس نے مجھے زبردستی یہاں روکا ہوا ہے‘ یہ اس کا گھر ہے۔ میں ٹھیک تب ہی ہو سکتی ہوں جب تک اس قید سے مجھے رہائی نہیں مل جاتی۔“ وہ مدھم کمزور لہجے میں بولی۔

”تم فکر مت کرو‘ اس سے زیادہ زبردستی وہ کر بھی نہیں سکتا ورنہ زرکاش چھوڑیں گے نہیں اسے‘ وہ اچھی طرح تمہارے معاملے میں اسے خبردار کر چکے ہیں اور اس سے رابطہ میں ہیں لیکن یہ سب مسئلہ کا حل نہیں‘ اس شخص سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہم دونوں کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔“

”میں ایک کمرے تک محدود ہوں دراج..... تم بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں؟“ وہ بہت ہلکی آواز میں بول رہی تھی۔

”سب سے پہلے تو اپنی سیکیورٹی کا پورا دھیان رکھو‘ یہ کام صرف تم ہی کر سکتی ہو۔ دوسری بات یہ کہ کسی بھی صورت میں خود کو اس کے سامنے کمزور ظاہر کر کے پسپائی اختیار مت کرنا ورنہ میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ تیسری بات یہ کہ جلد از جلد اپنی طبیعت ٹھیک کرو‘ تم لاوارث نہیں ہو میں اور زرکاش ہیں تمہارے ساتھ۔ ہمت سے کام لو‘ عقل کو استعمال کرو‘

تمہیں فوری طور پر اس قید سے نکلنا ہوگا۔''
''مگر کیسے؟'' زنائشہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔
''عقل کے ساتھ آنکھیں بھی استعمال کرو کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔ ایک بار تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئیں تو پھر میں اور زرکاش مل کر سب سنبھال لیں گے۔ یہ بتاؤ تمہیں کچھ آئیڈیا ہے کہ اس کا گھر شہر کے کس حصے میں موجود ہے؟''
''مجھے کچھ خبر نہیں دراج...... مجھے تو ہوش ہی اس کمرے میں آیا ہے' جہاں میں ابھی ہوں۔''
''کیا اس کمرے میں تم قید ہو؟''
''نہیں' دروازہ لاک نہیں ہے مگر میں کیا کروں گی کمرے سے نکل کر' گھر سے باہر نکلنے کا گیٹ تو اس نے لاک کیا ہوا ہے' وہ بتا چکا ہے مجھے۔'' مدھم آواز میں بولتے ہوئے زنائشہ نے چور نظروں سے عرش کو دیکھا جو ونڈو کے پاس جانے باہر کس طرف متوجہ تھا۔
''یہ بھی تمہارے حق میں بہتر ہے کوئی کھڑکی' بالکنی میسر نہیں تو کیا گیٹ اور دیوار پھلانگنا بھی ممکن نہیں؟ بے وقوف کمرے سے باہر نکل کر پہلے جائزہ تو لو۔ تم جانتی ہو کہ وہاں سے تمہیں جلد از جلد فرار ہونا ہے۔'' دھیمی آواز میں دراج نے گھرکتے ہوئے کہا۔
''میں بھی کہاں رکنے والی ہوں لیکن دراج اگر میں کوشش کے باوجود فرار ہونے میں ناکام رہی تو؟'' زنائشہ کا دل ہی نہیں آواز بھی ڈوب گئی تھی۔
''تو بھی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' اپنا اعتماد اور حوصلہ گنوانا مت جب تک میں موجود ہوں تمہاری زندگی میں کچھ غلط نہیں ہوگا اب۔ یہ تمہاری زندگی ہے اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا تمہیں پورا حق حاصل ہے۔ میں تم تک پہنچ کر ہی دم لوں گی اس کام کے لیے میں زرکاش کی بھی محتاج نہیں' ابھی اس لیے ضبط کر رہی ہوں کہ تم اپنی مرضی سے واپس آؤ گی تو زرکاش مکمل تمہارا ساتھ دیں گے۔ دوبارہ زبردستی تمہیں اس شخص کی قید میں نہیں جانا پڑے گا' معاملہ ہمارے حق میں ہوگا۔''
''ہاں' تم ٹھیک کہہ رہی ہو' مجھے ہی پہلا قدم اٹھانا پڑے گا۔''
''بس اسی عزم کے ساتھ کوئی راستہ تلاش کرو' ہزاروں مل جائیں گے اور سنو اس نے زرکاش سے کہہ کر ہاسٹل سے تمہارا سامان منگوا لیا ہے۔'' دراج کی اطلاع نے اسے دنگ کر دیا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)



سنڈریلا 2018

شبینہ گل

مجھے بچپن ہی سے سنڈریلا بے حد پسند تھی' خوب صورت' نازک اندام' معصوم اور مظلوم۔ میرے پاس سنڈریلا کی ڈھیروں ڈھیر اسٹوری بکس' کلرنگ بکس' ڈائریز' اسٹکرز' پوسٹرز اور موویز تھیں۔ جب میں چھ سال کی ہوئی تو ماما ثانیہ نے میری سنڈریلا سے محبت دیکھتے ہوئے میرا پورا بیڈروم سنڈریلا تھیم پر سیٹ کروا دیا اور یہ میری چھٹی سالگرہ کے تحفے کے طور پر تھا۔ میرا برتھ ڈے تھیم بھی سنڈریلا کا تھا اور میرا ڈریس بھی۔ اس کے بعد میں نے سنڈریلا کے درجنوں ڈریسز سلوائے' میں وہ ڈریسز پہنتی اور اپنے ونڈر لینڈ میں رہتی۔ میں ہر وقت یہی سوچتی کہ سنڈریلا کتنی معصوم تھی اگر میں سنڈریلا ہوتی تو یہ کرتی' وہ کرتی وغیرہ وغیرہ۔ سارا دن میری بس یہی سوچیں ہوتیں' سنڈریلا کی موویز دیکھتی اور اس کے ساتھ ساتھ روتی اس کی سوتیلی بہنوں اور ماں کو بددعائیں دیتی۔

اور پھر ایک روز میں خود یعنی انعم احمد......ایک روز میں خود سنڈریلا بن گئی۔ جب میں آٹھ سال کی تھی تو ماما ثانیہ کی ڈیتھ ہوگی' انہیں کینسر تھا پھر پاپا میرے لیے نئی ماما کو لے آئے' وہ پاپا کی کزن تھیں اور چند سال پہلے بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں حنا اور ثناء' مجھے لگا میں واقعی سنڈریلا بن گئی ہوں اور اب میرے ساتھ بھی یہی ہوگا جو سنڈریلا کے ساتھ ہوتا تھا۔ میں کئی دن تک روتی رہی اور پھر مجھے بخار نے آ گھیرا' میرا بخار اترتا ہی نہ تھا۔ پاپا کو فکر تھی کہ بخار بگڑ گیا تو ٹائیفائیڈ میں بدل جائے گا' ان دنوں پاپا نے آفس سے چھٹی لی اور دن رات میرا خیال رکھا اور...... ماما نے بھی......مگر وہ میری مما ثانیہ تو نہیں تھیں ناں۔ وہ تو سنڈریلا کی اسٹیپ مام تھیں' میں ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتی مگر وہ مجھے میڈیسنز دیتیں میرے لیے سوپ بنا کر لاتیں اپنے ہاتھوں سے پلاتیں' میرے کپڑے چینج کروا کر بال سنوارتیں مگر میں ان کے چہرے کو نہ دیکھتی' مجھے ان کے چہرے میں لیڈی ٹریمین نظر آتی۔

پھر میرا بخار تو اتر گیا مگر سنڈریلا میرے پسندیدہ فیری ٹیل کریکٹر سے اب میری بیسٹ فرینڈ کے عہدے پر فائز ہوگئی۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' کھاتے پیتے میں سنڈریلا سے گفتگو میں مصروف رہتی۔ کبھی کبھی تو مجھے پتا بھی نہ چلتا اور سنڈریلا سے سرگوشی میں بولتے ہوئے میری آواز اونچی ہوجاتی جو کبھی تو ماما سن لیتیں اور کبھی حنا ثناء......حنا ثناء نے مجھ سے دوستی کرنے کی کوشش کی مگر مجھے سنڈریلا کے سوا کسی کو دوست بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ مجھے لگتا کہ اگر میں نے انہیں اپنے قریب آنے دیا تو وہ بھی سنڈریلا کی سوتیلی بہنوں والا رویہ اپنا لیں گی۔ سو میں نے ان سے فاصلہ ہی رکھا' وہ بھی فاصلے پر ہوگئیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہی وقت گزارنے لگیں۔

حنا مجھ سے دو برس بڑی تھی اور ثناء میری ہم عمر' جب میں اور ثناء دس برس کی ہوئیں تو ماما نے ہمیں مختلف چھوٹے موٹے کام سونپ دیے۔ پہلے حنا پورے گھر کی ڈسٹنگ کرتی' کھانے کے برتن لگاتی اور سمیٹتی تھی اور اپنے اور ثناء کے دھلے ہوئے کپڑے الماریوں میں ترتیب سے رکھتی تھی' میرے کام ماما خود کرتی تھیں۔ اب کاموں میں تبدیلی آئی' حنا کو ماما نے کچن صاف کرنے اور برتن دھونے کی ذمہ داری سونپ دی اور اس کے سارے کام میرے اور ثناء میں برابر تقسیم کردیے' ان کا کہنا تھا۔

''لڑکیوں کو سب کام سیکھنے چاہئیں' اس سے وہ ایکٹو رہتی ہیں۔ فارغ رہنا اچھی بات نہیں' انسان کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہنا چاہیے اور خصوصاً لڑکیوں کو گھریلو کام میں ماہر ہونا چاہیے' گھر لڑکیوں کے سلیقے کا آئینہ ہوتا ہے۔''

اس روز میں بیڈ پر اوندھی لیٹ کر خوب روئی' مجھے لگا سنڈریلا تھیم بیڈشیٹ پر اپلیک سے بنی سنڈریلا نے مجھے گلے لگا رکھا ہے اور میرے آنسو پونچھ رہی ہو۔ میں اس سے اپنا دکھ شیئر کرنے لگی اس کی طرح مجھ پر بھی کام کاج کا بوجھ لاد دیا گیا تھا۔ مجھے حنا اور ثناء کا کام نظر نہ آتا کیونکہ وہ خوشدلی سے کام کرتیں اور میں ہر کام کے بعد آنسو بہانا اپنا فرض سمجھتی۔ اتنے کام کرنے کے بعد میں نے اپنا غم غلط کرنے کے لیے پھر سے سنڈریلا کی بک اٹھالی۔



سنڈریلا......سنڈریلا
بس سنڈریلا کی پکار سنتی ہوں
جس لمحے میں جاگتی ہوں
رات کے سائے چھا جانے تک
بلاتوقف بس میں سنتی ہوں
یہی پکار‘ سنڈریلا......

میرے آنسو بہہ نکلے‘ مجھے لگا مجھے بھی ہر وقت یہی پکار پڑتی ہے۔
”انعم......اب اٹھ جاؤ۔“
”انعم......اسکول کے لیے تیار ہو جاؤ۔“
”انعم......بہن کے ساتھ مل کر ٹیبل پر ناشتا لگاؤ۔“
”انعم......بہن کے ساتھ برتن سمیٹو۔“
”انعم......!پاپا کو بلاؤ۔“
”انعم یہ......انعم وہ......انعم انعم انعم......“ میں سر جھٹک کر نظم پڑھنے لگی‘ یہی تو میرے بھی حالات تھے اب‘ کتنی جلدی سائرہ ماما‘ لیڈی ٹریمین بن گئی تھیں۔
”اوپر جاؤ بالا خانے ٹھیک کرو۔“
”نیچے جاؤ تہہ خانے ٹھیک کرو۔“
”تم یہ دونوں کام ایک ساتھ کرسکتی ہو۔“
”سنڈریلا......“ ماما نے تو گویا طے کرلیا تھا کہ مجھے اپنی مرضی سے کچھ سوچنے بھی نہ دیں گی جب بھی میں سوچوں میں گم ونڈر لینڈ میں بیٹھی ہوتی وہ مجھے آواز دے کر میرا تخیل پاش پاش کرڈالتیں۔
”انعم...... ڈرائنگ روم کی ڈسٹنگ کرلو مہمان آرہے ہیں۔“
”انعم......لاؤنج کے کشنز سمیٹ کر سیٹ کرو پاپا آنے والے ہیں۔“
”انعم......اپنے کپڑے تہہ کرکے الماری میں رکھو۔“
میں آنسو پیتی اٹھ جاتی‘ میرے آنسو سنڈریلا بہانے لگی۔

کتنا ہوتا
اگر میں اپنے تصورات میں رہ پاتی
مگر میرے خوابوں کے بیچ
وہ مجھ پر چیختے ہیں
سنڈریلا......

پہلے سنڈریلا پر ہوتے مظالم دیکھ کر اس کے ساتھ ساتھ آنسو بہاتی تھی مگر پھر میں بدلنے لگی۔ مجھے غصے آنے لگا‘ میرے بے بس آنسو طیش میں بدلنے لگے‘ سنڈریلا تھیم آئینے کے سامنے کھڑی میں اپنے خوب صورت بھورے سلکی سیدھے بالوں میں کنگھی پھیرتی تو وہ سنڈریلا کے سنہری لمبے بالوں میں تبدیل ہوتے دکھائی دیتے۔ میں غصے سے آئینہ میں دیکھ کر کہتی۔
”میں سنڈریلا ہوتی ناں تو......تو میں لیڈی ٹریمین کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دیتی۔ وہ چلتے ہوئے دھڑام سے گرتی‘ منہ ٹوٹتا‘ موٹا پیٹ پھٹتا پھر وہ بھی بھی میرے حصے کا کھانا ہڑپ نہ کرتی۔“ میں گردن ترچھی کرکے بھویں اچکا کر سنڈریلا تھیم آئینہ کو نخوت سے گھورتی تو آئینہ کو طنز سے بگڑتا ہوا پاتی۔
”پھر کیا ہوتا؟ اس کی بیٹیاں تمہیں مارتیں۔“
”آئینہ بولتا اور مجھے سنڈریلا کے پیچھے‘ مطلب...... اپنے پیچھے آئینہ میں اس کی بیٹیاں جھانکتی دکھائی دیتیں‘ میں گول گھومتی اور جادو کی چھڑی سے پورا منظر تبدیل ہوجاتا۔ اب میں سنڈریلا تھی‘ اپنا سٹینریا نے گھما کر ایک

تھپڑ میرے منہ پر مارا۔ میں پھر سے گول گھوم گئی' ڈریزیلا نے پیر کی ٹھوکر سے چوٹ دی اور اپنے کپڑوں کا ڈھیر میرے منہ پر دے مارا۔

''انہیں استری کر کے لاؤ' ابھی اور اسی وقت۔''

میں کراہتی ہوئی اٹھی یکایک دماغ میں کسی نے جیسے چٹکی کاٹی۔

''میں سنڈریلا ہوتی ناں......تو......'' میں نے ذہن کو جگانے کے لیے سر کو دائیں بائیں جھٹکا اور پھر ڈریزیلا کے لمبے گھیر دار گلابی فراک کے گھیر کے بیچوں بیچ گرم استری رکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ چند لمحوں بعد ہی نفیس شیفون جلنے کی بو اٹھی اور ہلکا سا دھواں بھی اٹھنے لگا میرے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اچانک کسی نے زور سے مجھے دھکا دیا' میں لڑکھڑا گئی اور منظر گول گول گھوم گیا۔ ماما نگاہوں میں غصہ بھرے مجھے یوں گھور رہی تھیں جیسے نظروں ہی سے بھون کر میرا تکہ بوٹی بنا ڈالیں گی اور پھر حناثناء کے ساتھ مل کر میری تکہ بوٹی کیچپ میں ڈپ کر کے کھائیں گی۔

''کبھی دماغ کو حاضر بھی رکھا کرو انعم' ابھی اتنا مہنگا فراک جل جاتا اگر میں بروقت دیکھ نہ لیتی' تم سے کہا کس نے تھا کہ تم استری کرو۔'' وہ غصے میں بولتی کچن میں چلی گئیں اور میرے چودہ طبق روشن ہوگئے' میرے سامنے استری اسٹینڈ پر پھیلی وہ خوب صورت اور مہنگی گلابی فراک ڈریزیلا کی نہیں میری اپنی تھی۔ جی ہاں انعم سنڈریلا کی' جب میں اپنے ونڈرلینڈ میں گم تھی تب ماما نے آ کر کہا۔

''انعم اپنی پنک فراک وارڈ روب سے نکال کر استری اسٹینڈ پر رکھ دو میں کھانا پکا کر استری کروں گی' شام کو فنکشن میں جانا ہے۔''

''مگر میں ڈریزیلا کے فراک کی درگت بنانے کا سوچ رہی تھی۔'' میں نے اپنا سر پیٹ لیا صد شکر فراک جلی نہیں بس وہ حصہ جہاں استری رکھی تھی قدرے زرد سا ہو رہا تھا' مزید خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ فراک کا اگلا حصہ نہیں تھا بلکہ پچھلا گھیر تھا۔ فراک اتنی گھیر دار تھی کہ وہ نشان چھپ سکتا تھا' میں نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

''تم سنڈریلا کیا بنو گی انعم بی بی......تم تو ڈھنگ سے انعم بھی نہیں رہ پائی۔''

❁......✿......❁

ماما سب سمجھتی تھیں جو میرے دماغ میں چلتا تھا مگر وہ ٹوکتی کم ہی تھیں شاید وہ یہ سمجھتی تھیں کہ ٹوکنے سے میں باغی ہوجاؤں گی۔ ایک مرتبہ میں نے انہیں پاپا سے اس بارے میں بات کرتے بھی سنا تھا' ان کا کہنا تھا کہ اگر میں اسی طرح سوچتی رہی اور سنڈریلا ورلڈ سے باہر نہ نکلی تو میرے ذہن میں پلتے منفی جذبات مجھے برباد کرسکتے ہیں اس لیے میرے بیڈ روم کا تھیم تبدیل ہوجانا چاہیے اور سنڈریلا کا سامان سب تلف کردینا چاہیے مگر پاپا اس تجویز سے متفق نہ ہوئے ان کا کہنا تھا۔

''انعم ثانیہ سے بے حد اٹیچ تھی' ظاہر ہے وہ اس کی ماں تھی۔ سنڈریلا تھیم ایک طرف لیکن ماں کے دیئے تحائف اس سے چھین لینا صحیح نہیں ہوگا وہ اور ڈسٹرب ہوجائے گی' اس کو اسی ونڈرلینڈ میں رہنے دو اور اسی کے بیچ اس کی سوچ بدلنے کی کوشش کرو' ابھی بچی ہے' سمجھ دار ہوگی تو خود ہی رویوں کے فرق اور حقیقتوں کو جان لے گی۔'' اس وقت مجھے اپنے پاپا پر بے حد پیار آیا۔

❁......✿......❁

سنڈریلا......سنڈریلا
دن اور رات' سنڈریلا
آگ جلاؤ' ناشتا لگاؤ
برتن دھو' جھاڑو لگاؤ
پونچھا لگاؤ' صفائی کرو
وہ ہر وقت اسے نچائے رکھتے
وہ چکراتی پھرتی
حتیٰ کہ واقعی چکرا جاتی
پھر بھی بک بک جاری رہتی
مصروف رکھو سنڈریلا کو
جب بھی اسے ایک لمحہ ملتا
وہ اسی وقت شروع ہوجاتے
سنڈریلا......سنڈریلا

اسکرین پر سنڈریلا مووی سانگ چل رہا تھا اور میرے آنسو بہہ رہے تھے' اپنا سٹیپ ماں نے اپنے میلے کپڑوں کا ڈھیر اس کے بیڈ پر پھینکا۔

''سنڈریلا...... انہیں دھو کر پھیلاؤ' ابھی۔'' ہر نخوت

سے کہتی وہ چلی گئی تو سنڈریلا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں سنڈریلا کو آنسو بھری آنکھیں لیے کپڑے دھوتے دیکھ کر طیش میں آ گئی اور دبی آواز میں غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

''میں سنڈریلا ہوتی ناں......تو......''

''انعم......انعم......'' ماما مجھے پکارتی ہوئیں میرے بیڈ روم کے دروازے پر آ رکیں۔ ایک نظر اسکرین پر ڈالی اور دوسری میرے سرخ چہرے پر پھر اپنی مسکراہٹ دبائی اور قدرے سوچ کر بولیں۔

''تھوڑی دیر کے لیے ذرا ونڈرلینڈ سے باہر آ جاؤ اور لانڈری میں جا کر اپنا یونیفارم سرف میں بھگو دو میں تھوڑی دیر بعد کھنگال کر پھیلا دوں گی۔'' وہ اسکرین پر کپڑے دھوتی سنڈریلا کو گہری نظر سے دیکھتی واپس چلی گئیں' مجھے مزید غصہ آ گیا۔

''اب یہ جان بوجھ کر میرے لیے سنڈریلا جیسے حالات پیدا کریں گی' موری دیکھ کر یونیفارم دھونے کا آرڈر دے دیا حالانکہ یہ کام میرے کاموں کی لسٹ میں شامل نہیں ہے۔ تینوں بہنوں کے یونیفارم حنا بھگوتی ہے اور ماما بعد میں رگڑ کر کھنگال کر تار پر پھیلا دیتی ہیں۔'' میں موری بند کرتی ریموٹ پٹختی پیروں میں سلیپرز پہنتی مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

''ہونہہ لیڈی ٹریمین کی فوٹو کاپی۔'' میں لانڈری میں گئی تو سنڈریلا ونڈرلینڈ سے نکل کر چپکے سے میرے اندر سما گئی اور اپنے آنسو میری آنکھوں میں بھر دیئے۔

''میں انعم ہوں' سنڈریلا نہیں۔'' میں نے غصے سے آنکھیں رگڑیں اور نل کھول کر ٹب میں پانی بھرنا شروع کیا۔

''اور اگر میں سنڈریلا ہوتی ناں تو...... کپڑوں میں......'' میری نظر سامنے شیلف میں پڑی سوپ کی بوتل پر گئی۔

''تو میں کپڑوں میں سرف کی بجائے ایسڈ ڈالتی۔'' میں نے سوپ کی بوتل اٹھائی اور پانی سے بھرے ٹب میں الٹ دی۔

''تڑاخ......'' کی آواز کے ساتھ میری کمر پر پڑنے والے تھپڑ سے میں لڑکھڑائی اور سنڈریلا دُم دبا کر بھاگ گئی۔ ماما آنکھوں میں غصہ لیے لال بھبوکا کھڑی تھیں۔

''میں یہی دیکھنے کے لیے آئی تھی کہ تم سنڈریلا ہوتی تو کیا کرتی' جاؤ اپنے ونڈرلینڈ میں واپس۔'' میں شرمندہ ہوئی اور سر جھکائے واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

❁......❁......❁

لیڈی ٹریمین کی سہیلی سینڈرا کے گھر میں پارٹی تھی' سب جا رہے تھے ایک سنڈریلا کے سوا۔

''میرے بال کرل کر دو سنڈریلا۔'' ڈریزیلا الیکٹرک رولر اٹھائے بال کھولے سنڈریلا کے کمرے میں آئی' سنڈریلا جو دن بھر کے کام کاج کے بعد ان تینوں کے ملبوسات استری کر کے تھکن سے چور اپنے ٹوٹے پھوٹے بیڈ پر آ کر لیٹی تھی پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور رولر کا پلگ لگا کر ڈریزیلا کے بال سلجھانے لگی۔ اس کے بال قدرتی طور پر بالکل سیدھے لیکن نائلون کی برش کی طرح اکڑے ہوئے تھے جنہیں رول کرنا انتہائی محنت طلب کام تھا لیکن اسے ہر فنکشن پر یہی اسٹائل چاہیے ہوتا تھا۔

''ڈریزیلا کے بال کرل کر کے میرے بالوں کا جوڑا بنا دینا اور اپنا سٹینر پا کے بال اسٹریٹ کر دینا۔'' لیڈی ٹریمین نے نیا آرڈر جاری کیا اور باہر نکل گئیں' سنڈریلا تھکن سے سر ہلا کر ڈریزیلا کے بال سلجھانے لگی' بہت محبت سے۔

مجھے طیش آ گیا میں نے اسٹوری بک بند کر کے پٹخی اور اپنی سنڈریلا تھیم ڈائری نکالی ہر سو سلور لائننگ والے بادل چھا گئے' پرندے چہچہانے لگے' پھول کھلنے لگے' پریاں اڑنے لگیں۔ میں نے ونڈرلینڈ میں قدم رکھا اور سنڈریلا کے گھر کا رخ کیا' سلیمانی ٹوپی پہنے میں اس کے کمرے میں گئی اور اس کے اندر حلول کر گئی۔

ڈریزیلا کے بالوں میں کرل کرتی سنڈریلا نے ایک موٹی سی لٹ رولر پر لپیٹی اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ چند لمحوں بعد سنہری بالوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا اور پھر بال جل کر براؤن ہونے لگے' جب آدھی لٹ جل گئی تو اس نے دوسری لٹ لپیٹی پھر تیسری چوتھی اور سارے بالوں کا یہی حشر کیا اور مسکرانے لگی پھر چھوٹی سی قینچی اٹھائی اور بظاہر اس کی بالوں کے کنارے سیٹ کرتے ہوئے اس نے اس کی فراک کے پچھلے گھیر پر لاتعداد کٹس لگا دیئے۔

یہی سلوک باقیوں کے ساتھ بھی ہوا' اپنا سٹینر پا کے بال سیٹ کرتے ہوئے اس کے بھی کنارے جلائے اور فراک کاٹی' لیڈی ٹریمین کا جوڑا بناتے ہوئے اس نے اندر کامن پنز بھر دیں۔

''جب یہ جوؤں بھرا سر کھجائیں گی تو پنز زور سے چبھیں گی۔'' اس کے بعد اس نے ان کی میک اپ کٹ کے سب شیڈز پر قطرہ قطرہ مٹی کا تیل ٹپکا دیا۔

''اب یہ میک اپ کریں گی تو انہیں زبردست سکن الرجی ہو جائے گی۔'' وہ شیطانیت سے مسکرائی' یہ ساری کارستانی مکمل کر کے میں وہاں سے نکل آئی۔ بادل چھٹ گئے' سورج نکل آیا' میں نے ڈائری بند کی اور دراز میں رکھ دی۔



اس کی ڈائری ماما کے ہاتھ میں تھی اور وہ تشویش سے سوچ رہی تھیں۔

''غلطی کہاں پر ہوئی؟''

دن' مہینے' سال گزرے' موسم بدلے سب کچھ بدلا ہم بھی بدل گئے۔ میں بیس برس کی ہوگئی اور گزرتے وقت نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا کہ ماما کسی طور بھی ثانیہ ماما سے کم نہیں ثابت ہوئیں۔ انہوں نے ہم تینوں کی یکساں تربیت کی ہم تینوں کو ہر ہنر میں طاق کیا ہر کام سکھایا' بہترین اخلاق سکھائے بالآخر وہ دن آ پہنچا جب ہمارے گھر پرنس چارمنگ آیا یعنی کہ پہلا فرشتہ۔

وہ ماما کی دور پار کی رشتہ دار تھیں جنہوں نے مجھے ایک فنکشن میں دیکھا اور رشتہ مانگ لیا۔ ان کا بیٹا مکینیکل انجینئر تھا' خوبرو' خوش اخلاق اور ذہین۔ ماما پریشان ہوگئیں۔

''میرے لیے میری تینوں بیٹیاں برابر ہیں مگر حنا بڑی ہے' اس کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ اگر میں اس کی دل آزاری کا سوچوں تو انعم سوچے گی کہ میں نے اپنی بیٹی کو اس پر فوقیت دے کر سوتیلے پن کا ثبوت دیا اگر حنا کا نہ بھی سوچوں تب دنیا یہ نہ کہے کہ بڑی کیوں بیٹھی رہ گئی۔'' میں نے انہیں پاپا سے کہتے سنا' میں رہ نہ سکی اور دروازہ بجا کر ان کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

''ماما...... میں یہ رشتہ قبول نہیں کرسکتی' میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی کہ بڑی کے ہوتے ہوئے میری شادی ہو جائے۔ لوگ سو طرح کی باتیں بنائیں گے' آپ ان سے بات کریں اگر وہ حنا کا رشتہ لیتے ہیں تو ٹھیک ورنہ انکار کردیں۔'' ماما کی آنکھوں میں آنسو آگئے' وہ اٹھیں اور میرا ماتھا چوم کر بولیں۔

''نہیں بیٹا انہیں صرف تم پسند آئی ہو' البتہ ایسا ضرور ہوسکتا ہے کہ ہم انہیں انتظار کرنے کا کہیں' ایک آدھ سال میں اگر حنا کا رشتہ آ جائے تو دونوں کی منگنی ساتھ ہی کردیں گے ورنہ تمہاری ہی کردیں گے۔'' پاپا بھی اس بات سے متفق ہوگئے اور یوں شاہینہ آنٹی کو انتظار کرنے کا کہہ کر وقت لے لیا گیا' حنا کو پتا چلا تو اس نے خوب شور مچایا۔

''ماما یا آپ کون سے دقیانوسی زمانے کی باتیں کررہی ہیں' آج کل کوئی بھی ایسا نہیں سوچتا نہ ہی کوئی باتیں بناتا ہے' آج کل جس کا اچھا رشتہ آ جائے اس کی شادی کردی جاتی ہے خواہ وہ بڑی ہو درمیانی ہو یا سب سے چھوٹی۔ میری ایک یونیورسٹی فیلو ہے اس کی سب سے چھوٹی بہن کی شادی سب سے پہلے ہوئی اب اس کی منگنی ہوئی ہے اور اس کی بڑی بہن کی ابھی تک کہیں بات بھی نہیں چلی لیکن کسی نے باتیں نہیں بنائیں۔ شاہینہ آنٹی کی اچھی فیملی ہے' میرے چکر میں انعم کا رشتہ نہ گنوائیں' نہ میں مائنڈ کروں گی نہ میری دل آزاری ہوگی۔'' حنا نے اپنی بات مکمل کر کے مجھے گلے لگایا اور میرا ماتھا چوم لیا۔

یوں شاہینہ آنٹی کو بلا کر منگنی کے بجائے ڈائریکٹ نکاح کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ اس رات ماما میرے بیڈ روم میں آئیں اور میرا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر میرے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں' میری آنکھوں میں نجانے کہاں سے ڈھیروں آنسو جمع ہونے لگے۔

''میری بیٹی میری شہزادی......'' میں محبت سے مسکرادی۔

''سو تم سنڈریلا ہی نکلیں' پرنس چارمنگ نے تمہاری اسٹیپ سسٹرز کے بجائے تمہیں ہی پسند کرلیا۔'' میں ایک جھٹکے سے اٹھی اور ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''آپ ایسا سوچتی ہیں ماما...... مجھے کوئی پرنس چارمنگ نہیں چاہیے۔ آپ لوگوں کی خوشی کے آگے سو پرنس چارمنگ ہیچ ہیں' میرے لیے سب سے اہم میری

لیڈی چارمنگ میری ماما ہیں۔'' ماما نے میرا ماتھا چوما اور شرارت سے بولیں۔

''تو پھر وہ ساری چالاکیاں مکاریاں کس سنڈریلا کو سکھاتی تھیں تم؟''

''کون سی مکاریاں؟'' میرا منہ کھل گیا۔

''میں نے تمہاری سنڈریلا ڈائری پڑھی تھی' جب تم چھوٹی تھیں میں تمہاری حرکتوں سے پریشان رہتی تھی اس لیے ایک دن تمہیں ڈائری لکھتے دیکھا تو تمہارے اسکول جانے کے بعد میں نے وہ ڈائری پوری پڑھی تھی جس میں تم نے سنڈریلا کو سب مکاریاں کرتے دکھایا تھا۔'' میں نے شرمندگی سے چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا' کیا کیا نہ لکھا تھا اس ڈائری میں۔ اگر میں سنڈریلا ہوتی تو یہ کرتی' وہ کرتی مگر میں سنڈریلا نہیں تھی' نہ ماما لیڈی ٹریمین تھیں' انہوں نے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھاما اور بولیں۔

''اچھا تو آج مجھے بتاؤ کہ اگر تم سنڈریلا ہوتیں تو کیا کرتیں؟'' میں مسکرائی اور بولی۔

''میں سنڈریلا ہوتی تو میں ماما بننا پسند کرتی۔'' وہ محبت سے مسکرادیں۔

❁......❁......❁

پھر ایک عجیب سی بات ہوئی۔ شاہینہ آنٹی تاریخ طے کرنے آئیں مگر میری اور زوار کی نہیں بلکہ حنا اور زوار کی۔

''میرے اپنے خاندان والوں نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ بڑی بیٹی کو چھوڑ کر چھوٹی کا رشتہ لینا اچھا نہیں۔ زوار کو بھی کوئی اعتراض نہیں اور ویسے بھی آپ کی تو تینوں بیٹیاں ہی ہیرا ہیں۔'' یوں حنا اور زوار کی شادی ہوگئی۔

اور میں...... میں سنڈریلا نہیں بنی' لیڈی ٹریمین بھی نہیں بنی' میں نے ایک انوکھا فیصلہ کیا' ماما بننے کا فیصلہ۔

جی ہاں...... میں نے سائیکالوجی میں ماسٹرز کیا تھا' کلینیکل سائیکولوجی میں ڈپلومہ لیا اور اپنا کلینک سیٹ کرلیا' اس میں سوتیلی ماؤں کے لیے ایک الگ کاؤنسلنگ سیکشن بنایا وہاں کئی سوتیلی ماؤں کی کاؤنسلنگ کی گئی۔ ماما نے بھی میرا ساتھ دیا' ثناء کا ایک اچھا رشتہ آیا اور اس کی بھی شادی ہوگئی۔ میرا پرنس چارمنگ مجھ تک پہنچ نہیں پایا تھا اس لیے میں بہت سی ماما گروم کرنے میں مگن رہی۔

کلینک پر ہی میری ملاقات عبید افضل سے ہوئی جو میرے کلینک کی شہرت سن کر آیا تھا اس کی بیوی شادی کے محض ایک سال بعد ہی بچی کی پیدائش کے دوران چل بسی تھی اور اسے اپنی بیٹی کے لیے ماما کی تلاش تھی۔

''مسٹر عبید...... یہ سائیکالوجسٹ کلینک ہے' شادی دفتر نہیں۔'' اس کا مدعا سن کر میں نے شائستگی سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

''جی میں جانتا ہوں لیکن زویا کو پالنے اور محبت کا دعویٰ کرنے والی تو بہت مل جائیں گی لیکن وہ اپنے دعوے میں پوری بھی اتریں گی اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں۔''

''آپ شادی کیجیے اور اپنی وائف کو میرے پاس لے آئیے' میں اس کی کاؤنسلنگ کروں گی' آپ فکر ہی نہ کیجیے۔'' وہ پُرسوچ نظروں سے مجھے دیکھتا رہا' چند لمحے بعد میں نے متوجہ کیا تو وہ مسکرایا۔

''اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے' آپ ہی بن جائیے زویا کی ماما۔'' میں دنگ رہ گئی۔

❁......❁......❁

میں نے ماما کی محبتوں کا قرض چکادیا' میں زویا کی ماما بن گئی۔ ماما میرے فیصلے پر بہت برہم ہوئیں' بہت روئیں۔

''انعم اگر میں نے ایک بچی کے باپ سے شادی کی تھی تو دو بچیاں میری بھی تھیں۔ تم تو کنواری ہو تم......''

''یعنی اگر آپ کنواری ہوتیں تو میرے پاپا کا پروپوزل ریجکٹ کردیتیں؟'' میں نے برجستگی سے کہا تو ماما گڑبڑا گئیں۔

''نہیں...... میں...... تم...... انعم......'' پاپا نے زوردار قہقہہ لگایا اور ٹھیک ایک ماہ بعد میں مسز عبید افضل بن گئی تھی۔



ڈھل گیا ہجر کا دن

نادیہ احمد

السلام علیکم
سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔
میری بے حد پسندیدہ اور مقبول و معروف شاعرہ محترمہ پروین شاکر کا ایک شعر ہے۔
سکھ کے موسم انگلیوں پر گن لیے
فصل غم کا گوشوارہ اور ہے۔

"ڈھل گیا ہجر کا دن" میں بالآخر وصل کی شام آن پہنچی۔ تین نسلوں کا سفر بارہ ماہ میں سمیٹ کر حجاب قارئین کو پہنچانے کی چھوٹی سی سعی کس حد تک کامیاب رہی یہ تو اگلے ماہ آپ سب کے خطوط کی صورت ہی جان پاؤں گی لیکن پچھلے ایک سال میں ہر ماہ آپ سب کی مجھ تک پہنچنے والی آراء چاہے وہ ڈائجسٹ کی صورت تھی یا پھر سوشل میڈیا اور بلاگز پہ یقین جانیں آپ کی تعریف اور پذیرائی کے ہر حرف نے میرا سیروں خون بڑھایا ہے۔

ڈھل گیا ہجر کا دن" کو اس ایک سال میں، میں نے بھی بالکل اسی طرح محسوس کیا ہے، جس طرح آپ سب دوستوں نے۔ یہ کہانی جب پہلی بار ذہن کے پردے پہ نمودار ہوئی تھی تو میرے اندر اسے صفحہ قرطاس پہ منتقل کرنے کی بے چینی عروج پہ تھی۔ پھر جب میں نے اسے کہانی کے روپ میں ترتیب دینا چاہا تو یوں لگا میں یہ جذبات، یہ کیفیات جو میرے ذہن میں نقش ہیں کبھی لکھ ہی نہیں پاؤں گی لیکن آپ معزز قارئین نے اسے میرے لیے بے حد آسان کردیا۔ قارئین کا کہانی سے جڑ جانا' اس پہ اپنی رائے دینا اور مجھ سے امیدیں وابستہ کرنا میرے ذہن کی گتھیاں سلجھاتا چلا گیا۔ یقین جانیں گذشتہ ایک سال میں اس ناول کو آپ سب کے ساتھ میں نے بھی اتنا ہی انجوائے کیا ہے جتنا آپ نے' اور اسی لیے میں آپ سب پیارے دوستوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی قیمتی رائے کی بدولت میں اسے آگے بڑھا پائی۔ اس کہانی کے ذریعے میں نے جو چھوٹا سا پیغام دینے کی کوشش کی اگر وہ ہم میں سے کسی ایک عورت کی زندگی میں بھی مثبت تبدیلی لا پایا تو میں سمجھوں گی قلم کا حق ادا ہو گیا۔

ہمارا معاشرہ جا بجا سفینہ جیسی عورتوں سے بھرا ہوا ہے۔ مشرقی عورت آج تک تابعداری اور استحصال کے فرق سے ناآشنا ہے۔ ہم سب کو ہر لمحہ اس خوف سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے' دنیا کیا سوچے گی۔ یقین جانیں کوئی کچھ نہیں سوچتا۔ بچپن سے بیٹیوں کو یہی کہتے سنتے آئے ہیں کہ مر کر ہی شوہر کی دہلیز چھوڑنا۔ عورت کو عزت و خودداری کی تعلیم نا تو والدین دیتے ہیں نا ہی معاشرہ۔ سفینہ محض ایک کردار نہیں ایک جیتی جاگتی سچائی ہے۔ میرے نزدیک ایک عورت شوہر کی ہر زیادتی پہ صبر کر سکتی ہے لیکن اس کا خود پہ اٹھتا ہاتھ سہنے والی زندہ نہیں۔ مرد عورت پہ ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ اس کی عزت نفس پہ وار کرتا ہے اور اسے خاموشی سے سہہ جانے والی عورت کے اندر دراصل اس کی عزت نفس مر چکی ہوتی ہے۔ مردوں کا بیوی پہ ہاتھ اٹھانا ایک نفسیاتی بیماری ہے جو نسلوں کا سفر کرتی ہے۔ spousal bullying میں پرورش پانے والے بچے خود کو بھی اس سے جدا نہیں کر سکتے۔ اور یہی اس کہانی کا مرکزی خیال تھا۔

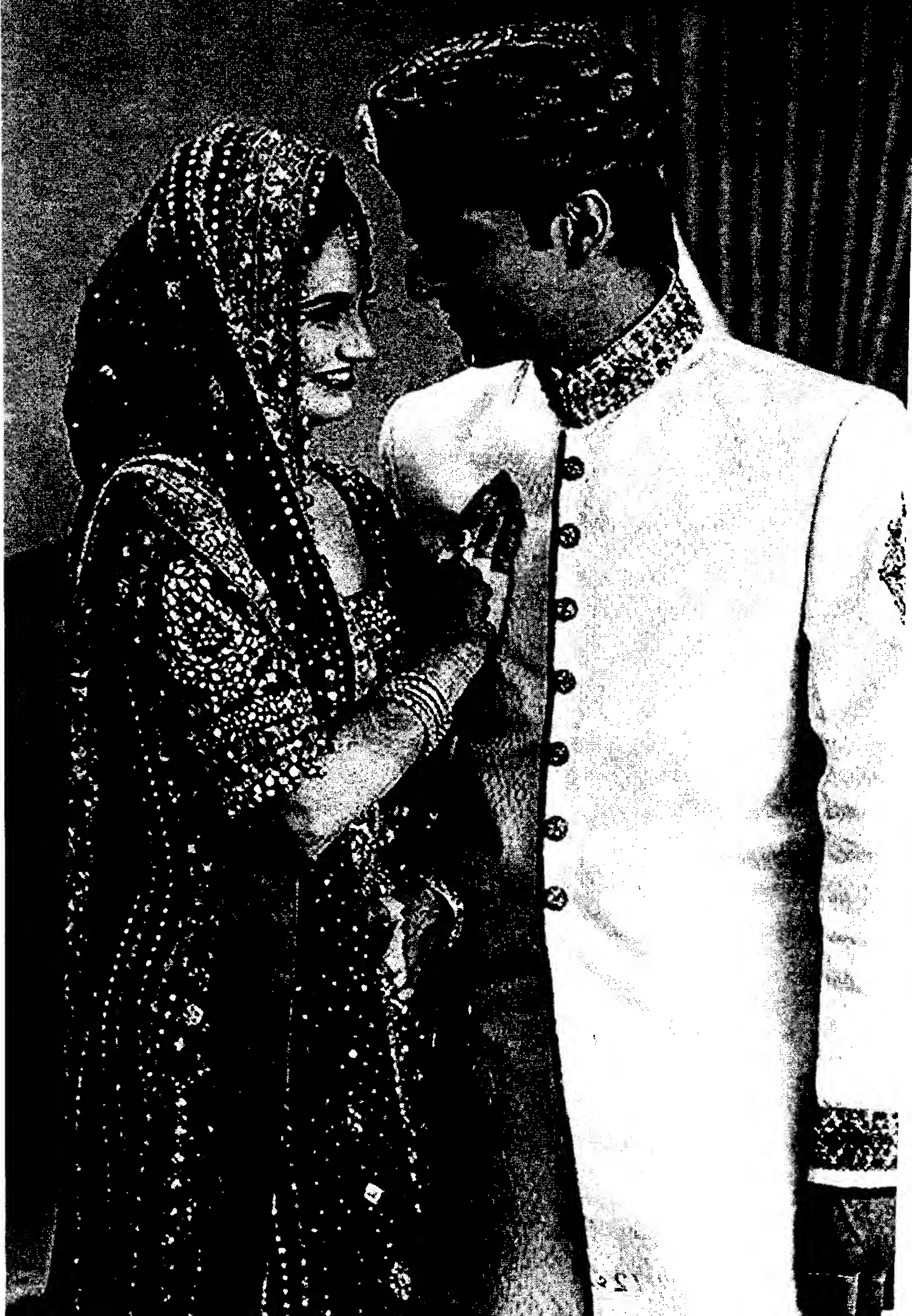
میں ممنون ہوں جناب محترم طاہر قریشی بھائی اور ادارہ آنچل و حجاب سے جڑے ہر اس شخص کی جو بالواسطہ و بلاواسطہ اس ناول کی اشاعت میں شامل رہے ہیں۔ آنچل و حجاب کی ایڈیٹر محترمہ قیصر آنٹی اور ہماری پیاری سعیدہ آپا کا میں بالخصوص شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی حوصلہ افزائی ہر قدم پر میرے ساتھ رہی۔

ان شاء اللہ جلد پھر کسی اور کہانی کی صورت آپ سے ملاقات کا سلسلہ جڑے گا۔ اپنا بہت سارا خیال رکھیں۔

اللہ نگہبان
نادیہ احمد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زبیر انصاری نور فاطمہ کو باعزت طریقے سے اپنا کر اپنے گھر میں اس کا جائز مقام دیتا ہے یہی نہیں شادی کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے میڈیسن کا انتخاب



کرتی ہے۔ سفینہ کی موت اور ٹیپو کی گمشدگی کا غم اپنی جگہ پر ڈاکٹر نور فاطمہ پہ قسمت مہربان رہتی ہے جس کا سارا کریڈٹ ایک قدر کرنے والے اچھے شوہر کی بدولت ہوتا ہے۔ گھر میں زبیر انصاری کی بہن نگہت آپا کا بیٹا عمیر لندن سے مہمان بن کر آتا ہے۔ سب کی طرح وہ علینہ سے بھی گھلنے ملنے کی کوشش کرتا ہے جس پہ سمیر کچھ معیوب محسوس کرتا ہے۔ انصاری ہاؤس میں سمیر کی بطور ڈی سی پرموشن کی خوشی میں ہونے والا ڈنر اس وقت انتہائی مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے جب کشمالہ علینہ کو ملازمہ سمجھ کر اس کی بے عزتی کرتی ہے۔ سمیر جواباً کشمالہ کی طبیعت صاف کر دیتا ہے پر علینہ سے معذرت کرنے جانے پہ وہاں پہلے سے عمیر کی موجودگی اسے سیخ پاء کر دیتی ہے۔ مونس جیل سے پلٹ کر خاور کو علینہ کے کردار اور سمیر کے حوالے سے بہتان تراشی کرتا ہے جس پہ خاور ہرگز یقین نہیں کرتا لیکن مونس اس یقین سے جھوٹ بولتا ہے کہ خاور کو ہلکا سا شک ہوتا ہے۔ ادھر علینہ، فریحہ اور عمیر کے ساتھ ڈنر پہ نہ جانے کی بجائے گھر پہ رکتی ہے جہاں سمیر سے اس کی ہلکی سی نوک جھونک ہو جاتی ہے۔ ڈنر پہ عمیر، فریحہ کو اپنی آمد کا مقصد بتا کر حیران کر دیتا ہے۔ وہ اچانک گھبرا جاتی ہے اور عمیر کے کریدنے پہ اسے سچائی بتانے کا ارادہ کرتی ہے لیکن پھر فارس کی بدگمانی سے نالاں خاموش ہو جاتی ہے۔ عمیر اسے فریحہ کی ہاں تصور کرتے بے انتہا خوش ہے دوسری طرف گھر میں علینہ اور سمیر کا جھگڑا ہو جاتا ہے۔ علینہ جو سمیر سے بدگمان اندر جا رہی تھی اس کا ہاتھ کھینچ کر سمیر اسے روکتا ہے پر وہ اپنا بیلنس برقرار نہیں رکھ پاتی اور گرنے سے بچنے کے لیے سمیر کا سہارا لیتی ہے اسی وقت خاور وہاں آ جاتا ہے اور مونس کی باتوں کو سچ جان کر علینہ کی بے عزتی کرتا ہے۔ سمیر بجائے انکار کرنے کے خاور کی بات پہ سیخ پاء ہو کر تمام الزام خوشی سے قبول کر لیتا ہے جس سے علینہ کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں پر سمیر اسے ٹوک دیتا ہے۔ دوسری طرف سمیر اپنے انداز سے خاور کو اپنی اولاد پہ بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا خاصا روڈ ہو جاتا ہے۔ علینہ تلملا جاتی ہے خاور خاصہ شرمندہ ہوتا ہے پر علینہ اسے باتیں سنا کر روتی دھوتی اندر چلی جاتی ہے۔ سمیر اس سے معذرت کرتا ہے۔ وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن ہوتے ہیں جب مسٹر اور مسز انصاری وہاں پہنچ کر ان کی گفتگو سن لیتے ہیں۔ بیگم انصاری سمیر سے خفا ہوتی ہیں کہ اسے علینہ کے والد سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی نیز اسے یہ بھی فکر ہے کہیں خاور دوبارہ علینہ کی نانی کو کال کر کے شکایت نہ کر دے۔ وہ صفائی دینے اور معذرت کرنے اس کے گھر پہنچتی ہیں۔ زبیر انصاری کو روک کر سمیر ان کے ساتھ خاور کے گھر جاتا ہے جو اس وقت خاصہ پریشان اور شرمندہ ہوتا ہے۔ نور فاطمہ معذرت کرتے اس کی دلجوئی کرتی ہیں اسی وقت ملازم شہباز کی اکھڑتی سانسوں کے خوف سے اطلاع دینے لاؤنج میں پہنچتا ہے۔ خاور گھبرا کر اندر جانے لگتا ہے جب نور فاطمہ کے استفسار پہ وہ انہیں بتاتا ہے کہ اس کے والد شدید بیمار ہیں۔ نور فاطمہ اپنے تیئں اخلاقیات نبھاتے اس کے والد کی مزاج پرسی کرنا چاہتی ہیں دوسر بطور ڈاکٹر وہ اس کی مدد کرنے کی خواہاں ہیں۔ وہ انہیں ساتھ لے آتا ہے۔ بسترِ مرگ پہ آخری سانسیں لیتے شہباز کی نبض ٹٹولتے' جھریوں بھرے ضعیف چہرے کو نور فاطمہ پہچان لیتی ہیں۔ ایک پل میں سب کچھ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ وہ خاور کو اپنی شناخت بتاتی ہیں جس پہ وہ شاک رہ جاتا ہے۔ سمیر حیرت اور پریشانی سے یہ سب دیکھ رہا ہوتا ہے۔ شہباز کی موت کے وقت پزل کا آخری ٹکڑا جڑ چکا ہوتا ہے۔ فریحہ، علینہ اور سمیر تینوں اپنے والدین کا ماضی جان کر شاک رہ جاتے ہیں البتہ علینہ بہت ایکسائیٹڈ ہوتی ہے۔ آسیہ پاکستان پہنچتی ہے تو ماں سے برسوں بعد مل کر علینہ جذباتی ہو جاتی ہے البتہ آسیہ کو علینہ کا نور انصاری کی طرف کھنچاؤ تشویش دے رہا ہوتا ہے۔ فریحہ کی عمیر سے رشتے کی بات چل رہی ہے کیونکہ فریحہ نے عمیر کے سامنے فارس کا راز فاش نہ کرتے ہوئے اپنا بھرم قائم رکھا ہوتا ہے لیکن گھر واپسی پہ اس نے فارس کو فون کر کے اپنے اندر کی بھڑاس خوب نکالی

تھی۔ دوسری طرف کشمالہ اور سمیر کے درمیان گفتگو اس وقت شدید نوعیت اختیار کر جاتی ہے جب کشمالہ عام عورتوں کی طرح حسد کا مظاہرہ کرتے سمیر کا تعلق علینہ سے جوڑتی ہے اور علینہ کو غائبانہ برا بھلا کہتی ہے۔ فریحہ کی منگنی کے موقع پہ نور انصاری اپنے بھائی اور علینہ کی نانی سے سمیر اور علینہ کے رشتے کی بات کرتی ہیں جس پہ خاور مسرت کا اظہار کرتا ہے لیکن شاکرہ چونکہ آسیہ کی وجہ سے پریشان ہوتی ہیں اس لیے وہ اس بات کو بیٹی کے فیصلے تک موخر کر دیتی ہیں۔ سمیر کا رجحان بھی علینہ کی طرف نظر آنے لگتا ہے اور وہ چند مواقع پہ علینہ کو اس کا احساس بھی دلاتا ہے۔ خود علینہ کے دل میں بھی سمیر کے لیے جذبات سر اٹھا رہے ہوتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



ابھی کچھ دن مجھے میری محبت آزمانے دو......!

مجھے خاموش رہنے دو......

سنا ہے عشق سچا ہو تو

خاموشی لہو بن کر رگوں میں ناچ اٹھتی ہے

ذرا اس کی رگوں میں خاموشی کو جھوم جانے دو

ابھی کچھ دن مجھے میری محبت آزمانے دو......!

اسے میں کیوں بتاؤں اس کو میں نے کتنا چاہا ہے

بتایا جھوٹ جاتا ہے

کہ سچی بات کی خوشبو تو خود محسوس ہوتی ہے

میری باتیں میری سوچیں اسے خود جان جانے دو

ابھی کچھ دن مجھے میری محبت آزمانے دو......!

اچانک تاروں بھرا آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ اس نے کمرے کی کھڑکی سے ننھی بوندوں کو زمین پہ ٹپ ٹپ گرتے دیکھا۔ پانی کے قطرے ایک تسلسل سے سطح زمین پہ پھیل کر پیاسی دھرتی میں جذب ہو رہے تھے۔ آسمان کی وسعتوں سے زمین کا سفر کرتے سوکھی زمین کی آبیاری میں فنا ہو رہے تھے۔ موسم میں اس پل یہ خوشنما تبدیلی اسے بہت بھلی لگی تھی۔ شاید یہ دل کے موسم کا اثر تھا ورنہ آج سے پہلے اس پہ موسموں کے تغیر نے کب کوئی تاثر چھوڑا تھا۔ ذہن میں اس وقت گزرے لمحے کسی فلم کی مانند ابھر رہے تھے۔ ابھی چند ماہ پہلے وہ جس کے نام سے بھی واقف نہیں تھی آج اس کے لیے دل میں جذبے سر اٹھا رہے تھے۔ بہت دنوں سے وہ تردد کا شکار تھی لیکن ہر گزرتا دن اس کے انکار کو کمزور کر رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ کیا کبھی زندگی میں اس پل کا سامنا بھی ممکن تھا کہ کوئی ہولے سے دل میں اتر جائے گا۔ دشمن سے دشمنِ جاں بن جائے گا۔ ایک وقت تھا علینہ کو مردوں کے وجود سے نفرت تھی کیونکہ اس کے قریب ترین مردوں نے اس کی زندگی میں فقط مشکلات اور دکھوں میں اضافہ ہی کیا تھا۔ سمیر وہ پہلا شخص تھا جو اس کی سوچ سے یکسر مختلف تھا۔ وہ جتائے بغیر خیال رکھنے والوں میں سے تھا' احساس دلائے بناء محبت کرنے والوں میں سے تھا۔ اس کی موجودگی میں اپنا آپ محفوظ لگتا تھا۔ وہ ساتھ ہوتا تو زندگی' زندگی محسوس ہوتی۔ بظاہر نوک جھونک' شرارت اور غصہ دکھا کر وہ اپنے دل میں اس کے لیے بدلتے جذبات کو دبا رہی تھی کہ اتنا تو طے تھا اسے الفت کے راستے پہ چلنا ہی نہیں تھا لیکن اس دل پہ کب ہمارا اختیار رہا ہے۔ یہ بغاوت پہ اتر آئے تو کچے گھڑوں پہ چناب پار کرنا ہی پڑتا ہے۔

بارش اب کچھ ہلکی ہونے لگی تھی۔ وہ کھڑکی سے ہاتھ نکالے اب بھی بوندوں کی جل ترنگ محسوس کر رہی تھی۔ اچانک ابھی کچھ دیر پہلے بھیجے گئے سمیر کے میسج کا خیال آیا اور بے ساختہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ دل نے بے اختیار اس خوب صورت لمحے سمیر کے ساتھ کی تمنا کی تھی۔ اپنی بے حجابانہ سوچوں پہ گھبرا کر اس نے جلدی سے کھڑکی کے پٹ بند کیے۔ کلائیوں میں پہنی چوڑیوں کی جھنکار سے پورا کمرہ گونج اٹھا تھا۔ وہ اب تک اسی سفید لباس میں تھی۔ اسی سنگھار کے ساتھ جس روپ کی سمیر نے تعریف کی تھی اور یہ پہلا موقع تھا وہ اپنی تعریف بار بار سننا چاہتی تھی۔



"میں تو کہتی ہوں ایک بار پھر سوچ لو۔ زندگی میں ایسا موقع بار بار نہیں ملا کرتا۔" شاکرہ نے موقع ملتے ہی ساری بات بیٹی کے گوش گزار کی۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں بچوں کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں۔ دونوں بچے رات کے اس پہر گہری نیند سو رہے تھے۔ علینہ بھی چند منٹ پہلے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ امید تھی وہ اب تک سو چکی ہوگی یہی سوچ کر شاکرہ نے آسیہ کو نور کا پیغام سنایا۔

"جس راستے پہ چلنا ہی نہیں اس کے متعلق سوچنا بھی کیوں۔ میں اس بات کو کیوں نا سوچوں جس میں بہتری ہو۔" آسیہ نے مدہم لہجے میں کہتے اپنا فیصلہ برقرار رکھا۔ وہ اب بازو کا تکیہ بنائے بیڈ پہ نیم دراز تھی جبکہ شاکرہ بستر پہ آلتی پالتی مارے چھالیہ کتر رہی تھیں۔

"میرا دل تو ایک ہی بات کہتا ہے کہ علینہ کے حق میں یہی سب سے بہتر ہے۔ اس نے کتنی حسرت سے علینہ کا نام لیا ہے۔ تم اگر دل میں وسعت پیدا کرو تو۔" گو وہ پہلے ہی اس انکار سے واقف تھیں لیکن کیونکہ یہ ان کے اپنے دل کی بھی حسرت تھی اسی لیے بیٹی کو سمجھانا ضروری سمجھا۔

"امی آپ اس موضوع کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟" اس بار آسیہ کے لہجے میں واضح جھنجھلاہٹ تھی۔ جیسے وہ بار بار انہیں انکار کرکے مجل ہو رہی ہے۔ شاکرہ نے بیٹی کے اس انداز پہ برا سامنہ بنایا مگر کہا کچھ نہیں۔ "میں ماں ہوں اس کی مجھ سے بڑھ کر بھلا کوئی اس کی خوشی چاہ سکتا ہے۔ اپنے ہاتھوں کیسے اسے جہنم میں جھونک دوں۔" اسے اپنے لہجے کی تیزی کا احساس ہوا تھا اسی لیے دھیمی آواز میں وضاحت دی۔

"تم زیادتی کر رہی ہو آسیہ اور یہ بھی مت بھولنا تمہاری بیٹی کی خوشی بھی اس میں شامل ہے۔ کیسے پھول سی کھل گئی ہے وہاں جاکر۔ تم بھلے اس کی ماں ہو لیکن مجھے بھی وہ تم سے کم عزیز نہیں۔ بلکہ اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔ اولاد کی اولاد جو اس سے بڑھ کر پیاری ہوتی ہے۔" شاکرہ کو تو علینہ کے تیور دیکھ کر سو فیصد یقین تھا کہ وہ دل و جان سے سمیر کو پسند کرتی ہے۔ وہ بہت کم عمری میں ان کے پاس رہنے کے لیے آئی تھی۔ اسے ہر دن، ہر مہینہ اپنی جہاندیدہ نگاہوں سے بڑھتا ہوا دیکھا تھا انہوں نے، ایسا ممکن تھا وہ اس میں نظر آتی اتنی واضح تبدیلی کو محسوس نا کرتیں، اور پھر یہ بات تو خود آسیہ کو بھی محسوس ہو چکی تھی کہ علینہ کا رجحان کس طرف ہے۔

"علینہ نے کون سا کچھ زبان سے کہا ہے امی، جو بھی بات ہے اسے یہیں کے یہیں ختم کریں۔ پھر وہ تو ابھی بچی ہے اسے اچھے برے کی کیا سمجھ؟ اب ایسی بھی کیا افتاد پڑ گئی ہم پہ جو بس ایک "سمیر" کے نام پہ سوئی اٹک گئی ہے آپ کی۔" آسیہ نے زچ ہو کر کہا۔

"ابھی تک تو نہیں کہا، لیکن اگر کہہ دیا تو اس وقت بھی یہی فیصلہ ہوگا تمہارا؟" شاکرہ کے سوال پر آسیہ کا چہرہ ماند پڑ گیا۔ واقعی اگر اس نے خود کہہ دیا تو کیا تب بھی آسیہ اس رشتے سے اتنی آسانی سے جان چھڑا پائے گی۔ علینہ کی ضد سے وہ کون سا ناواقف تھی۔ اس وقت اگر بیٹی کی بات نا مانی تو تمام عمر کے لیے اس کے دل میں یہ گرہ بند جائے گی۔

"ماما کا فیصلہ بالکل درست ہے نانی....." وہ دونوں ہی دروازے پہ کھڑی علینہ کے وجود سے غافل تھیں۔ اس کی آواز پہ چونک کر ان دونوں نے ہی ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کیسے بھول سکتی ہیں بابا کی زیادتیاں۔ ٹھیک ہے وقت گزر گیا اور ہم نے انہیں معاف بھی کر دیا لیکن اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ نئے سرے سے اس فیملی میں رشتے جوڑ لیے جائیں۔" وہ آہستہ آہستہ چلتی بیڈ کے پاس آ پہنچی تھی۔ آسیہ اسے اندر آتا دیکھ کر اب اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ شاکرہ کے سامنے بیڈ کی پائنتی پہ آ بیٹھی۔

"آئے ہائے وہاں تو پھوپی پہ بڑی جان لٹا رہی تھی۔ یہ اچانک پلٹا کس لیے کھایا؟" شاکرہ سے اپنی حیرت پہ قابو رکھنا مشکل تھا۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ علینہ اچانک اس طرح بدل جائے گی۔

"ہاں تو پھوپی سمجھ کر ہی مل رہی ہوں۔ اس سے آگے کا تو سوچیے گا بھی مت۔ اس کی شکل بھی پہلے دن سے زہر

لگتی ہے مجھے اور آپ میرے اس سے رشتے کی بات کررہی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ آسیہ نے اس پل ماں کی طرف اس انداز میں دیکھا جیسے کہتی ہو اب تسلی ہوگئی آپ کی۔

"ویسے بھی ابھی مجھے پڑھنا ہے۔ میں ان شادی بیاہ کے جھنجھٹوں میں نہیں پڑنا چاہتی۔ ماما کی مثال دیکھ کر تو مجھے ویسے بھی شادی کے نام سے وحشت ہونے لگی ہے۔ مرد ذات کم یا زیادہ بابا سے مختلف نہیں ہوتے۔" ایک توقف کے بعد وہ پھر بولی۔ اس کی آواز میں نمی تھی۔ آسیہ جو اس کی طرف یک ٹک دیکھ رہی تھی جانے کیوں اس کی بات پہ اس نے نگاہیں جھکا ئیں تھیں۔

"آپ پھوپو کو صاف منع کردیں۔ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔" بہت دھیمے لہجے میں کہتے وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر تیز قدموں سے چلتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اے لو......اب اسی کی کمی تھی جو پوری ہوگئی۔ ٹکرا توڑ انکار منہ پہ مار گئی کل کی چھوری۔ خیر جو تم دونوں ماں بیٹی کی خوشی۔" اس کے کمرے سے نکلتے ہی شاکرہ نے غصے سے کہا۔ آسیہ کوئی جواب دیئے بغیر ایک بار پھر بستر پہ لیٹ گئی جبکہ شاکرہ اب تک بڑبڑا رہی تھیں۔ ایک اچھا رشتہ ہاتھ سے نکلنے کا قلق اپنی جگہ انہیں تو بس نور فاطمہ کو انکار کرنا مصیبت نظر آرہا تھا۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

"وہاں ایمرجنسی سے کال آرہی ہے آپ کی سر۔" فارس دھیمے قدموں سے چلتا ایمرجنسی روم کی طرف بڑھا۔ آج کی رات ویسے بھی بڑی بھاری تھی۔ آج فریحہ کی منگنی تھی۔ وہ فریحہ جس سے اس کی محبت کی شروعات مطلب کی بناء پر ہوئی پر دھیرے دھیرے وہ عادت کی طرح اس کی نپی تلی زندگی کا حصہ بنتی چلی گئی۔ اس سے فارس کے اختلافات اس وقت شروع ہوئے جب فریحہ نے اس پہ اپنے مقصد کو ترجیح دی۔ وہ مرد تھا انا پہ چوٹ پڑی تھی' کیسے ہار مان جاتا؟ پھر بھی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا فریحہ اتنی آسانی سے اس کی زندگی سے جاسکتی ہے۔ وہ اس کی تھی' اس کے لیے بنی تھی۔ اس ایک اختلاف کے علاوہ ان میں کتنی مماثلت تھی۔ ان کی سوچ' ان کی آئیڈیالوجی میں تضاد ہوتا تو کئی سال پہلے وہ دونوں اپنے راستے جدا کرچکے ہوتے۔ کاش اس دن وہ جھگڑا نہ ہوا ہوتا تو آج وہ اس کرب سے نا گزرتا۔ فارس کے مسائل حقیقی تھے پر ان کا جو حل وہ سوچ کر بیٹھا تھا وہ غیر فطری تھا۔ فریحہ کی محبت بے لوث تھی شاید اسی لیے فارس اس لمحہ کو بھلا نہیں پارہا تھا جب اس نے روتے ہوئے اسے اپنی منگنی کی اطلاع دی تھی۔ وہ قیمتی آنسو اس کی آنکھوں سے سیدھا فارس کے دل پہ گرے تھے اور آج رات فریحہ کی عمیر سے منگنی ہے' پھر کیسے یہ رات سکون سے گزر جاتی؟



وہ کمرے کے باہر بنے برآمدے سے نکل کر صحن میں چلی آئی۔ بارش اب رک چکی تھی البتہ فضا میں شدید حبس تھا۔ ہوا بند تھی اور رات کے اس پہر گھٹن اور وحشت سے اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہورہا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ رات سیاہ اور ویران تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے والا رومان نیند میں دیکھے خواب کی طرح رخصت ہوچکا تھا اور اب جو کچھ تھا وہ حقیقت تھی۔ دردناک' غم ناک اور سفاک۔

دیکھ نجومی ہتھ دیاں لیکاں
بختاں والی گل تے دس دے
ہن تے ساں وی مکدے جاندے
جیون دا کوئی ول تے دس دے

"بس میری محبت کی عمر اتنی مختصر تھی۔ ابھی شروع اور ابھی ختم۔" اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو حیرت سے تکتے اس نے خود کلامی کی۔ چند لمحوں پہلے آنکھوں میں سجایا خواب اپنے ہی ہاتھوں سے نوچ لیا تھا۔ وہ تو اپنے کمرے میں ایک حسین مستقبل کا خواب جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی جب اسے ساتھ والے کمرے سے پانی کی آواز سنائی دی۔ علینہ سمجھی کہ وہ سوچکی ہوں گی اور اسی تجسس میں وہ ان کے

کمرے کی طرف آئی۔ دروازہ کھلا تھا اور اس نے باآسانی ان دونوں کی بحث سن لی تھی۔ اس پل تو تکلیف اور اذیت کے احساس پہ جذبات حاوی تھے۔ بس اتنا یاد تھا اسے ماں کے لیے مزید امتحان نہیں بننا لیکن اب درد کی شدت برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہاں کھڑے کھڑے اس نے آسیہ کی مشکل آسان کردی تھی۔ اس کے انکار کو اپنا فیصلہ بنا کر اپنی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے مشکل فیصلہ کیا تھا۔ وہ چاہتی تو ماں کو قائل کر سکتی تھی اس سے التجا کر سکتی تھی لیکن ایسی خوشی کس کام کی جس میں زندگی دینے والی کی خوشی شامل نا ہو۔

اور اب اس حبس بھری گھٹن زدہ رات میں جب آسمان سے پانی برسنا بند ہو چکا تھا علینہ کی آنکھیں مینہ برسا رہی تھیں کیونکہ زندگی کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹنا سو بار مرنے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔



"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے لڑکے یا باؤلے کتے نے کاٹ کھایا ہے؟" رخشندہ کو مونس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تھا۔ دایاں ہاتھ متعجب انداز میں گال پہ ٹکاتے اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"کتے نے کاٹ کھایا ہے۔" جواب ترکی بہ ترکی دیا تھا۔ "اب خوش؟" وہ سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا اپنے مٹیالے جاگرز میں مقید پاؤں کو مسلسل ہلا رہا تھا جیسے شدید اضطراب میں ہو۔ اس کے ایک دم چڑ کر بولنے پہ رخشندہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن اکلوتی اولاد جان کر برداشت کرلیا۔ البتہ چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا کیونکہ اس بار جو فرمائش وہ اس کے پاس لے کر آیا تھا اسے پورا کرنا رخشندہ کے اختیار میں ہوتا بھی تو وہ ہرگز اسے پورا نا کرتی۔

"یہ بتائیں اب آپ ان سے بات کریں گی یا نہیں؟" اس نے ابرو اچکائے سوال کیا۔ پاؤں اب بھی مسلسل ہل رہا تھا۔

"نہیں۔" رخشندہ کا جواب دوٹوک تھا۔ اسے تو یہ حیرت نہیں جا رہی تھی کہ اچانک مونس کو علینہ سے شادی کرنے کا جنون کیونکر سوار ہوا۔ ٹھیک ہے وہ اس کے ساتھ اس کے کالج میں پڑھتی تھی لیکن جتنا کچھ اس دوران ہو چکا تھا اس کے بعد تو اسے علینہ کی شکل سے بھی نفرت ہونی چاہیے تھی۔ کہاں وہ اب ماں کے پاس اس سے شادی کی فرمائش لیے حاضر تھا۔

"اس منحوس ماری چڑیل کو میں اپنی بہو بنا کر لے آؤں۔ ایسا تو میں مرتے دم تک نہیں ہونے دوں گی۔ میرے اکلوتے بیٹے کو لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے اور تو بھول گیا اس نے کیا کچھ کیا تھا تیرے ساتھ۔" کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ سو دل سے بیٹے کی پسند پہ چلی جاتی رشتہ مانگنے لیکن سوتن کی اولاد کو کیسے بہو بنا کر لے آئے۔ اتنا ظرف نہیں تھا اس میں اور ابھی تو اسے مونس کا ہفتہ بھر تھانے میں بند رہنا نہیں بھولا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی مونس بھی اس بات کو نہیں بھولا تھا بلکہ اپنی ہتک اس کے اندر کانٹا بن کر چبھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں بھولا میں اور آپ کو بھی یاد دلانے کی کوئی ضرورت نہیں...... پھر اس نے کون سا آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ یہ بات میں پاپا سے بھی کر سکتا تھا اور انہیں تو کوئی اعتراض بھی نا ہوتا۔ آپ سے اس لیے کی کیونکہ خاور انکل آپ کی بات مانتے ہیں۔ اب اگر آپ نے میری بات نہیں سنی تو میں سیدھا پاپا کو لے جاؤں گا اس کی نانی کے گھر۔" اس نے اس بار بڑے اکھڑ لہجے میں جواب دیا کہ رخشندہ اس کا منہ حیرت سے تکتی رہ گئی۔ اس کے اندر اس وقت بدلے کی آگ جل رہی تھی۔ علینہ سے شادی وہ کسی محبت میں نہیں بلکہ اسے نیچا دکھانے کے لیے کرنا چاہتا تھا اور جانتا تھا رخشندہ خاور پہ باآسانی پریشر ڈال سکتی ہے۔

"دھمکی دے رہا ہے مجھے۔ بھرے کالج میں تھپڑ مارا تھا اس نے تجھے گھر گیا تو جوتیوں سے خاطر کرے گی تیری یاد رکھنا میری بات کو۔" وہ بھی اس بار سیدھی ہوگئی تھی۔ اب وہ مونس کو کیا بتاتی حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ خاور نے اس دن کے بعد مونس کا اس گھر میں داخلہ تک بند کردیا تھا۔ وہ تو اب خود اس سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتا

تھا۔رشتہ تو کیا خوب دیتا اپنی بیٹی کا۔

''امی میں آپ کو صاف بتارہا ہوں۔ مجھے علینہ سے ہر حال میں شادی کرنی ہے ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا۔ پھر روتی رہیے گا ساری عمر۔ میری شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گی آپ۔'' دھمکی آمیز لہجے میں کہتا وہ ایک جھٹکے سے صوفہ سے اٹھا۔

''اللہ کا نام لے مونس' کیا بکواس منہ سے نکال رہا ہے۔ ایک لڑکی کی خاطر اپنی ماں کو دکھ دے گا۔ قیامت کے دن اپنا دودھ نہیں بخشوں گی تجھے۔'' رخشندہ نے جذبات کا سہارا لے کر بیٹے کو قائل کرنے کے ساتھ اپنے کسی بھی احمقانہ اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ آج ساری حدیں پار کرنے کے موڈ میں تھا۔

''قیامت کی قیامت میں دیکھی جائے گی۔ فی الحال تو دنیا کی بات کریں۔ دیا ہی کیا ہے آپ نے مجھے۔ کم عمری میں باپ کے حوالے کر کے دوسری شادی کرلی۔ اس وقت جب بچوں کو ماں کی ضرورت ہوتی ہے آپ نے میرا خیال نہیں کیا۔ آج آپ کو اپنا حق یاد آرہا ہے۔ میری خوشی اس وقت عزیز بھی نا آج۔'' رخشندہ اس کے اندر بھرا زہر باہر نکلتا دیکھ کر سن رہ گئی تھی۔ اسے تو لگتا تھا وہ ایک بہت اچھی ماں ہے۔ شوہر سے الگ ہو کر دوسری شادی کرنے کے باوجود اس نے مونس سے اپنا رابطہ نہیں توڑا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا خیال رکھتی۔ اس کے آدھی زبان سے کہنے پہ اسے پیسے تھما دیتی۔ اس کی خوشی کی خاطر تو اس نے کبھی خاور کی پروا بھی نہیں کی تھی پھر بھی وہ اسے جتا رہا تھا کہ وہ ایک بری ماں ہے۔ اس نے اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں کیا۔

''اتنا بدظن ہے تو اپنی ماں سے مونس؟'' اس نے کانپتے لبوں سے کہا۔ یہی فرق ہوتا ہے پالنے اور پل جانے میں۔ کاش اس نے اس کی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت بھی کی ہوتی تو آج اپنے اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں اتنی ذلت نا سہنی پڑتی۔

''پلیز کوئی ایموشنل سین مت بنائیں۔ جو میں چاہتا ہوں وہ کردیں بات ختم۔ ورنہ میں خود کچھ کر لیتا ہوں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں کہا اور رخشندہ کا اپنے کندھے پہ ٹکا ہاتھ ایک جھٹکے سے ہٹایا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' اس پل وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھے جب اچانک خاور کمرے میں داخل ہوا۔

''اور تم...... تمہیں منع کیا تھا ناں میں نے کہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔ پھر کیا کر رہے ہو یہاں؟'' مونس کو دیکھ کر خاور نے ناگواری سے تیوریاں چڑھاتے سخت لہجے میں کہا۔ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر رخشندہ ایک دم آگے بڑھی۔

''خاور مونس مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اب کیا میرا بچہ اپنی ماں سے بھی نہ ملے۔ ایسی پابندیاں لگاؤ گے تم اس پر۔'' لہجے میں مٹھاس اور عاجزی رکھتے اس نے منت والے انداز میں خاور سے کہا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

''جو کچھ یہ علینہ کا نام لے کر کر چکا ہے اس کے بعد بھی یہ اپنے ہاتھوں پیروں پہ گھوم رہا ہے تو میرا احسان ہی سمجھے۔'' خاور کا لہجہ ہنوز سخت تھا۔ مونس کی طرف دیکھتے وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''انکل پلیز' مجھ سے اس طرح خفا مت ہوں۔ میں بھی تو آپ کے بچوں جیسا ہوں۔ میری بیوقوفی سمجھ کر معاف کردیں۔'' ایک دم مونس ماں کے پیچھے سے نکل کر خاور کے سامنے آیا اور بڑی عاجزی سے گویا ہوا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا یہ وہ مونس ہے جو ابھی چند لمحے پہلے اپنی سگی ماں سے انتہائی بدتمیزی سے بات کر رہا تھا۔

''امی آپ کہیں نا انکل سے۔'' ماں کو کہنی مارتے اس نے ساتھ ہی ساتھ آنکھ سے اشارہ کیا۔ رخشندہ نے گھور کر مونس کو دیکھا لیکن اب وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔ خاور حیرت سے اب دونوں ماں بیٹوں کو دیکھ رہا تھا لیکن اندر کی پکی کھچڑی سے ناواقف ہوتے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

''ہاں...... وہ...... خاور' مجھے نا تم سے ایک بات کہنی تھی۔ مونس اور علینہ کے رشتے کو لے کر......'' چاروناچار

رخشندہ کو کہنا ہی پڑا کیونکہ کچھ بھی تھا مونس اسے بہت عزیز تھا اور ویسے بھی دل ہی دل میں وہ اس کی دھمکی سے بھی ڈر گئی تھی۔

''دیکھو ناں گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے گی۔ مونس تو تمہارا دیکھا بھالا ہے اور علینہ بھی میری ہی اولاد ہوئی۔ ان دونوں کی شادی ہوجائے تو......'' رخشندہ کی بات خاور کو گولی بن کر لگی تھی۔ وہ اس کی بیوی نا ہوتی یا پھر وہ وہی پرانا خاور ہوتا تو اسی وقت دو تھپڑ مارتا۔

''بس......!'' وہ غصے کی شدت سے دھاڑا۔ ''اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہنا رخشندہ۔'' اس نے انگلی اٹھا کر کانپتے لبوں سے کہا تو رخشندہ کے ساتھ مونس بھی اندر ہی اندر دہل گیا۔

''علینہ کے لیے اچھے رشتوں کی کمی نہیں اور یہ اس دنیا کا آخری لڑکا بھی ہوا تو میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے ہرگز نہیں کروں گا۔ ویسے بھی آپا اس کے لیے پہلے ہی بات کرچکی ہیں۔'' دوٹوک انداز میں اس نے وقت ضائع کیے بغیر صاف انکار کردیا ساتھ ہی ساتھ اس نے بہن کی خواہش بھی ان دونوں کے گوش گزار کردی تھی۔

''سن لیا تو مرا جارہا ہے اس نواب زادی کے لیے اور وہ پہلے ہی بڑا ہاتھ مار چکی ہے۔'' رخشندہ کے دل پہ دھرا بوجھ ایک دم اترا تھا۔ بنا لڑے ہی جیت اس کی ہوگئی تھی۔ گرگٹ بھی شاید کچھ دیر میں اپنا رنگ بدلتا ہو جس تیزی سے رخشندہ کے لہجے میں بدلاؤ آیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے والی شیرینی کی جگہ طنز کے نشتر چلاتے اس نے اپنے اندر کی آگ ٹھنڈی کی اور انتہائی گھٹیا انداز میں اس نے مونس کو اس کی غلطی کا احساس دلاتے علینہ کی کردار کشی کی کوشش کی تھی۔

''زبان سنبھال کے بات کرو۔ مت بھولنا تم میری بیٹی کے متعلق کہہ رہی ہو۔'' خاور نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

''اور تم نے جو بھی میرے بیٹے کے بارے میں قصیدہ گوئی کی اس کا کیا؟ میں تو ایسی چلتی پرزہ لڑکی کی طرف دیکھوں بھی نا' یہ تو بس مونس کی خواہش تھی۔ ارے جو ایک مہینہ پرائے گھر رہنے پہ اتنا بڑا افسر پھنسالے وہ کیسی فتنہ ہوگی۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں تنک کر بولی۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں زبان سے ایسی بات نکالتے ہوئے۔ علینہ پہ بہتان تراشی کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو اپنے بیٹے کے کرتوت دیکھو۔ کیا قابلیت ہے اس کی' کس برتے پہ نام لے رہا ہے اس کا۔ کرتا کیا ہے یہ؟ جس طرح اس نے کالج میں علینہ کا جینا حرام کیا ہوا تھا' جو کچھ اس نے راہ چلتے اس کے ساتھ کیا' یہ سب جان کر بھی تم اس کی طرف دار بن رہی ہو؟ اتنا ہی مسئلہ ہے تو جاؤ اس کے ساتھ چلی جاؤ۔'' خاور کا پارہ پہلے ہی چڑھا ہوا تھا اس پہ رخشندہ کی علینہ کے متعلق ہجو گوئی نے اس کا میٹر مزید گھما دیا تھا غالباً اسی لیے وہ آخری حد تک کہہ گیا تھا۔

''ہائے اب تم اس عمر میں مجھے گھر سے نکالو گے۔ اپنی بیٹی کی خاطر مجھے چھوڑو گے جس نے اس وقت تمہارا ساتھ نبھایا جب سب تمہیں دھتکار چکے تھے۔'' یک دم رخشندہ کا طنطنہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اپنے پسندیدہ ہتھیار یعنی رونا دھونا اور بین کرنا کو میدان میں لے آئی اور مرد کو زندگی میں اگر کوئی شے ہرا سکتی ہے تو وہ عورت کے آنسو ہیں۔ خاور نے بے بسی سے رخشندہ کی طرف دیکھا جو ماتھا پیٹتے گریہ زاری کررہی تھی اور پھر وہ لب کاٹتا پیر پٹختا اندر کمرے میں چلا گیا۔

''ہوگیا جی ٹھنڈا تیرا اماں کی بے عزتی کروا کر۔'' خاور کے کمرے سے جاتے ہی رخشندہ کا رونا دھونا گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوگیا۔ دانت پیستے اس نے اپنے تئیں مونس کو شرم دلانے کی کوشش کی تھی۔ یہ پہلی بار تھا کہ خاور اس کے ساتھ اس حد تک سیدھا ہوگیا تھا۔

''ذلت تو اب ہوگی امی اور سارا زمانہ دیکھے گا۔ میں نے کہا تھا ناں میں اس معاملے میں انکار نہیں سنوں گا۔ اب دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔'' مونس پہ اس کی بات کا الٹا ہی اثر ہوا تھا۔ خاور کا انکار اسے مزید زخمی کرگیا تھا۔ رخشندہ نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا پیچھے وہ دل پہ ہاتھ رکھے آنے والے برے وقت سے بچنے

کی دعا کرتی رہ گئی۔



نورفاطمہ نے خود ہی شاکرہ نانی کو کال کر کے آسیہ کے جواب کے متعلق پوچھا جس پہ شاکرہ نے انہیں آسیہ کی بجائے علینہ کے ردعمل سے آگاہ کیا تھا۔ بیٹی کے انکار کے ساتھ جو وجوہات جڑی تھیں انہیں لگا وہ سب بیان کرتے نورفاطمہ کے خاندان کی تذلیل ہوگی۔ اب جو کچھ ہوا اس میں اس بے چاری کا کیا قصور۔ وقت و حالات ہی ایسے ہو جائیں تو انسان کیا کرے اس لیے یہی مناسب سمجھا کہ علینہ کی مرضی بتا کر معاملہ ختم کر دیا جائے۔ کم سے کم اس طرح وہ کم دکھی ہوگی۔

"لیکن آنٹی اسے بھلا کیا اعتراض ہے؟" انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ کل تک تو اس کے کسی بھی انداز سے نہیں لگا تھا کہ علینہ انہیں ناپسند کرتی ہے اور اب تو سمیر کی مرضی بھی شامل تھی۔ فریحہ کو بھی یہی لگا تھا کہ وہ دونوں بھی ایک دوسرے میں انٹرسٹ لے رہے ہیں پھر اچانک سے دو ٹوک انکار۔

"تم اس کی ضد سے واقف تو ہو۔ ایک بات پہ اڑ جائے تو کہاں کسی کی سنتی ہے۔" شاکرہ نے جلے دل سے کہا۔ وہ تو خود اسی غم میں مبتلا تھیں اور اب تک نورفاطمہ کو کال نہ کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کو جواب دینا جوکھم لگ رہا تھا۔

"اس عمر میں سب ہی بچے ایسے ہوتے ہیں۔ آپ کہیں تو میں بات کر کے دیکھوں؟" انہوں نے بردباری سے کہا۔ ویسے بھی علینہ انہیں کبھی ضدی نہیں لگی تھی ہاں اس میں جذباتیت اور کسی حد تک بچپنا تھا لیکن یہ تو اس کی عمر کا تقاضا تھا۔

"میں کر تو چکی ہوں، بھلا میری بات کا اعتبار نہیں۔ پھر بھی نایقین ہو تو کر لو اپنی تسلی۔ تمہیں بھی مل جائے گا جواب۔" اب اگر بات مزید ہوگی تو آسیہ کا بھید بھی کھلے گا۔ جب یہ رشتہ ہونا ہی نہیں تو اس معاملے کو لٹکانے سے کیا حاصل۔ شاکرہ بھی اب اس سارے معاملے سے عاجز آ چکی تھیں۔

"ایسی بات نہیں آپ کچھ غلط کیوں کہیں گیں، میں تو بس اتنا چاہ رہی تھی اسے پیار سے سمجھاؤں۔" نورفاطمہ نے بات سنبھالی۔

"مرضی ہے تمہاری۔ ویسے تو اس کی ماں نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر وہ نہیں مانتی تو زور زبردستی نہ کی جائے۔" شاکرہ نے اس بار کچھ اس طرح بات کی کہ نورانصاری اس سے آگے کچھ کہہ ہی نا پائیں۔ خاموشی سے انہوں نے لائن کاٹ دی اور اب پچھلے کئی منٹ سے وہ سیل فون ہاتھ میں تھامے خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کا دل کہہ رہا تھا بات فقط اتنی نہیں جتنی انہیں سنائی جا رہی تھی۔ کچھ اہانت کا احساس بھی شامل تھا کہ انہوں نے بڑے چاؤ سے بھتیجی کا رشتہ مانگا تھا جسے اتنی عجلت میں ٹھکرا دیا گیا۔



"از ایوری تھنگ آل رائٹ؟" اپنی ہی سوچوں میں گم وہ اتنے اسٹریس میں تھیں کہ انہیں لاؤنج میں سمیر کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا۔ صوفے پہ بیٹھنے تک اس نے ماں کا گم صم رویہ محسوس کر لیا تھا اسی لیے گلا کھنکھارتے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

"ہوں ہاں۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ جیسے گہری سوچ سے چونکیں جس نے سمیر کے خدشات کی مزید تصدیق کر دی تھی۔

"تو پھر آپ اتنی سنجیدہ کیوں ہیں؟" وہ بڑے فکرمندانہ انداز میں بولا۔

"نہیں بس ایسے ہی۔ آنٹی سے بات ہو رہی تھی۔" نور انصاری نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں ان سے کیا بات ہو رہی تھی جس نے آپ کو اتنا اپ سیٹ کر دیا؟" وہ کچھ اور متفکر ہوا۔ اب آخر ایسا کیا ہو گیا جو ماں کا چہرہ اتنا اترا ہوا ہے۔ وہ تو کبھی پریشانی میں بھی اتنی اپ سیٹ نہیں رہیں۔ مشکل حالات کو نارمل انداز میں ہینڈل کرنا اس نے اپنی ماں سے ہی سیکھا تھا۔ جس نے تمام عمر انہیں اپنے اندر کے غم کی بھنک بھی

نہیں پڑنے دی تھی پھر ایسی کون سی بڑی بات ہے جس نے انہیں تکلیف پہنچائی ہے۔

"علینہ نے رشتے سے انکار کردیا۔" سمیر کو شاک لگا پھر بھی اس نے اپنے تاثرات قابو میں رکھے۔

"گڈ" اس نے بشاش لہجے میں کہا۔ نورانصاری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہاں موجود کوئی بھی تاثر وہ نہیں تھا جو اس وقت وہ ایکسپیکٹ کررہی تھیں۔

"اس میں اتنا ڈسٹرب ہونے والی کون سی بات ہے؟" سمیر نے مسکرا کر سوال کیا۔

"وہ کیسے کرسکتی ہے انکار؟" وہ پہلے فقط سنجیدہ تھیں لیکن اب ان کی حیرت عروج پہ تھی۔

"اس کا حق بنتا تھا' اس نے اپنے حق کا درست استعمال کیا ہے۔" اس کا انداز بڑا نارمل تھا جیسے یہ کوئی بات ہی نا ہو۔

"تمہیں برا نہیں لگا؟" بالآخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔ پہلی بار سمیر نے کسی لڑکی کو اپروو کیا تھا۔ پہلی بار اس نے ماں کے سامنے توجیحات کا ڈھیر نہیں رکھا تھا۔ پہلی بار انہیں لگا تھا سمیر بھی اس میں انٹرسٹڈ ہے پھر کیسے وہ اس انکار پہ اتنا مطمئن ہوسکتا ہے۔ پل بھر کے لیے ہی سہی اسے حیرت ہونی چاہیے تھی۔ غصہ آنا چاہیے تھا۔ برا لگنا چاہیے تھا۔

"مجھے کس لیے برا لگے گا۔ میں کون سا ایک اسی رشتے پہ بیٹھا تھا جو اگر آپ کی خوب صورت بھتیجی نے ٹھکرا دیا تو اب ساری عمر کنوارہ رہنا پڑے گا۔" اس نے باقاعدہ ہنستے ہوئے ان کی بات کا جواب دیا ساتھ ہی ساتھ اپنے سیل فون پہ بلنک کرتے نمبر کو ڈسکنیکٹ کیا۔ وہ اس وقت اس مینٹل فیز میں نہیں تھا کہ کوئی پروفیشنل کال ریسیو کرسکے۔

"فضول باتیں مت کرو۔ کتنا خوش ہوتی ہے وہ یہاں میرے پاس آکر۔ ہم سب سے مل کر۔ کتنا بدل گئی ہے۔ پھر ایسے اچانک رشتے سے انکار کردینا وہ بھی بغیر کسی ٹھوس وجہ کے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ کہیں تم نے تو اسے کچھ نہیں کہا؟" جو کچھ اتنی دیر سے ان کے اندر پک رہا تھا اسے انہوں نے بیٹے کے سامنے رکھ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنا آخری اندیشہ بھی ظاہر کردیا گو انہیں اب اس بات کی توقع نا تھی۔

"یعنی حسب سابق اس کا سارا کیا دھرا میرے سر پہ' حد کرتی ہیں آپ بھی۔ وہ تو سائیکو ہے۔ پڑ گیا ہوگا کوئی احساس کمتری کا دورہ۔ خیر اب اس بات کو سر پہ سوار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... وہ نہیں اور سہی اور نہیں تو کوئی اور سہی۔ اب مجھ بے چارے کنوارے کے لیے کوئی نا کوئی تو مل ہی جائے گی آپ کو۔" بڑے نارمل انداز میں انہیں ہنستے مسکراتے تسلی دی تھی۔

"میرا بیٹا کروڑوں میں ایک ہے۔ جسے تم ملو گے' اس دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی ہوگی وہ۔" اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے وہ بہت پیار سے بولیں تو سمیر نے باقاعدہ قہقہہ لگایا۔

"آپ جیسی مائیں ہوتی ہیں جو کالے کوے بیٹوں کو میرا چاند' میرا چاند کہہ کر خراب کردیتی ہیں۔ وہ بے چارے خود کو چودھویں کا چاند سمجھتے رہتے ہیں حالانکہ ہوتے اماوس کا چاند ہیں۔" انہیں اپنے دائیں بازو سے بھینچ کر ساتھ لگاتے سمیر نے اب ان کا دھیان پوری طرح بدل دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس ایک موضوع کو بار بار دہرا کر خود کو دکھی کریں اور اپنی اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ موضوع گفتگو بدل چکا تھا اور اب وہ دونوں ہنس ہنس کر کوئی اور بات کررہے تھے۔

☆☆☆ ☆☆☆

جتنی آسانی سے اس نے نورانصاری کو مطمئن کیا تھا اتنی آسانی سے وہ خود مطمئن نہیں ہوپایا تھا۔ گو یہ کوئی بہت جذباتی تعلق تھا اور نا ہی اس کی عمر بہت طویل تھی لیکن ہاں پہلی بار اس نے خود کسی لڑکی کی طرف اپروچ کیا تھا۔ پہلی بار دل کہیں پسپائی اختیار کررہا تھا۔ اس کی نا سمجھی' اس کی بیوقوفیاں' وہ ساری حماقتیں جو ماضی میں ہوچکی تھیں' پل پل اس کا بدل ہونا چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش ہوجانا' ذرا سی تعریف پہ بلش کرنا سمیر کو اپنی طرف راغب کررہا تھا۔ بہت عام ہوکر بھی وہ خاص نظر آتی تھی۔ اس کی بے نیازی میں

غرور نہیں معصومیت تھی۔ اس میں کوئی چھل یا بناوٹ نہیں تھی۔ وہ جو تھی، جیسی تھی سب کے سامنے تھی۔ ہر کوئی اسے چاہتا تھا پھر یہ کیسے ممکن تھا سمیر کا دل اس کی طرف مائل نا ہوتا۔ غالباً اسی لیے اس رات اس نے پہلی بار ایک چھوٹی سی پیش قدمی کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کوئی قول و قرار بھی نا تھا پھر بھی اس کی شرارت اور علینہ کے بے سروپاں جوابوں نے یہ بھید، بھید نہیں رہنے دیا تھا کہ پسندیدگی یک طرفہ نہیں۔ پھر اچانک اگلے ہی دن وہ کیوں پیچھے ہٹ گئی۔ ایسا کیا ہوا جو ایک ہی رات میں ہاں، ناں میں بدل گئی۔ اس ایک الجھن نے اسے تمام رات بے قرار رکھا اور یہی وجہ تھی کہ اگلے ہی دن وہ اس سے ملنے پہنچ گیا تھا۔

''آپ یہاں اس وقت؟'' اس کے کالج شروع ہو چکے تھے یہ بات وہ جانتا تھا۔ چھٹی کے وقت وہ اسے کالج کے باہر ہی مل گیا۔ اپنی گاڑی سے کمر ٹکائے وہ پارکنگ میں کھڑا تھا جب علینہ کی نگاہ اس پہ پڑی۔ ایک گہرا سانس لیتے وہ لب کاٹتی اس کی طرف چلی آئی تھی۔ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش میں وہ ہلکا سا مسکرائی تھی لیکن سمیر کے چہرے پہ بے تحاشا سنجیدگی تھی۔

''کچھ بات کرنی تھی تم سے۔ کہیں چل کر بیٹھیں؟'' وہ بناء کسی تمہید کے بولا۔ اس سے پہلے علینہ نے اسے کبھی اتنا اجنبی محسوس نا کیا تھا۔ اس وقت بھی جب اس سے دل کا کوئی رشتہ نا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے؟ یہاں ہی کر لیتے ہیں۔'' اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ اسی وقت سے خوف زدہ تھی کہ اس کا سامنا کیسے کرے گی۔ کیا خبر تھی وہ وقت اتنی جلدی خود اس تک چل کر آ جائے گا۔

''ڈونٹ وری..... بھگا کر نہیں لے جاؤں گا تمہیں۔'' اپنی گاڑی کی پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولتے اس نے نفی میں سر ہلاتے بڑے جتاتے لہجے میں کہا۔ علینہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کی طرف نہیں بلکہ اپنی کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ سمیر نے ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور تیز قدموں سے چلتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔ اگلے چند منٹوں میں گاڑی سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔



وہ دونوں قریبی ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ دوپہر کی وجہ سے یہاں رش نا ہونے کے برابر تھا۔ علینہ کو خاصی بے سکونی تھی لیکن چین سمیر کے اندر بھی ندارد تھا۔

''تم نے شادی سے انکار کیوں کیا؟'' جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے وہ مستقل سنجیدہ تھا۔

''میں وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔'' خود پہ قابو پاتے علینہ نے بڑی ہمت دکھائی ورنہ تو دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے قرار تھا۔ نانی کو انکار کرنا کچھ اور بات تھی لیکن اب اس بات کو سمیر کے سامنے دہرانا ناممکنات میں سے تھا۔ جو بھی تھا اس نے ماں کی محبت، اس کی خوشی کو مقدم جان کر یہ فیصلہ کیا تھا لیکن دل تو اب بھی بغاوت پہ آمادہ تھا۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ اس رات سے وہ خود کتنی بار مری ہے۔ خوابوں کا محل ریت کا ڈھیر بن گیا ہے۔ خواب آنکھوں میں چکنا چور ہو چکے ہیں۔

''لیکن میں وجہ جاننا ضروری سمجھتا ہوں۔'' دونوں کہنیاں میز پہ ٹکائے اس نے ہتھیلیوں کو مسلتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اِٹ واز مائی رائیٹ۔'' پتا نہیں کیوں سمیر کے انداز سے اسے حوصلہ ملا تھا۔ وہ جس طرح پُرسکون اور نارمل نظر آ رہا تھا اس بات نے علینہ کے اندر بھی ہمت پیدا کی تھی۔ وہ جو اس سے غصے اور طنز کی امید رکھ رہی تھی، ان کے احسانات کی گردان سننے کی منتظر تھی اس کا اتنا مبہم انداز اس کے اندر بھی اعتماد لے آیا تھا۔

''میں نے آج تک کسی کو رائٹ کا اتنا رونگ استعمال کرتے کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''کیوں آپ کو ریجیکٹ کر دیا تو برا لگ رہا ہے؟ آپ نے کبھی کسی کو ریجیکٹ نہیں کیا؟'' اس نے اسی وقت حساب چکایا۔

''برا نہیں آئی ایم شاکڈ۔ یہ انکار تم چند مہینے پہلے کرتی

تو جسٹفائی ہوجاتا' لیکن آج مجھ سے یہ بات ہضم نہیں ہورہی۔ انفیکٹ مجھے یقین ہے یہ تمہارا فیصلہ نہیں ہے۔"
وہ نا ماننے والے انداز میں سر ہلاتے باقاعدہ ہنسا۔
"یہ سو فیصد میرا فیصلہ ہے۔ میری زندگی ہے اور میں اس بات کا پورا اختیار رکھتی ہوں اسے جیسے چاہوں گزاروں۔ جس سے چاہوں شادی کروں یا نا کروں۔ آپ مجھ پہ اپنی بات مسلط نہیں کرسکتے۔" اپنے اندر ہوتی جنگ میں خود سے لڑتے ہوئے علینہ نے اتنی ہمت پا ہی لی تھی۔
"میں تم پہ یا کسی پہ بھی اپنے فیصلے مسلط کرنے والوں میں سے نہیں ہوں لیکن گزرے دنوں نے ہمارے درمیان جو تعلق قائم کردیا تھا اس کی بنیاد پہ تم سے جواب مانگنے کا مکمل اختیار رکھتا ہوں۔ تمہیں اگر کوئی اعتراض تھا تو تم مجھے اسی رات منع کرسکتی تھی۔" سمیر کے سوال پہ علینہ نے بے اختیار نظریں دوسری جانب پھیر لیں۔ حلق میں آنسوؤں کا گولہ آپھنسا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے خود پہ کنٹرول کیا۔
"ہمارے درمیان کبھی کوئی تعلق نہیں بنا' آپ نے کبھی مجھ سے اظہار کیا نا ہی میں نے آپ کو کبھی یہ احساس دلایا' پھوپو نے نانی سے بات کی' نانی نے مجھ سے اور میں نے انہیں منع کردیا۔ بات ختم۔" وہ اب بھی دوسری سمت دیکھ رہی تھی جیسے اس کی طرف دیکھ لیا تو پتھر ہوجائے گی۔
"تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتی؟" سمیر کے اس سوال پہ دل عجب انداز میں دھڑکا تھا۔
"اب یہ محبت کہاں سے درمیان میں آگئی؟" وہ بے تحاشا ہنسی کہ ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اپنی آنکھوں کی نمی کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپا کر اس نے سمیر کی طرف دیکھا جواب بھی اسی تاثر سے علینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"محبت ہے کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اتنی ججمنٹ رکھتا ہوں کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔" کتنے غلط وقت پر ہورہا تھا یہ انکشاف اور ہو ہی کیوں رہا تھا۔ اب تو راستے بدل چکے تھے۔ منزلیں الگ ہوگئی تھیں پھر کیوں اسے احساس دلایا جارہا تھا کہ وہ تہی داماں رہ گئی ہے۔
"نہیں میں آپ کے لیے ایسی کوئی فیلنگ نہیں رکھتی۔" میز کا کونہ ناخن سے کھرچتے اس نے ایک بار پھر نظریں جھکالیں تھیں۔ اس پل سامنے بیٹھے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھنا ناممکنات میں سے تھا۔
"یہ بات ایک بار میری طرف دیکھ کر کہو۔" وہ جیسے ہار ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔
"اور اس سے کیا ہوگا؟" وہ متعجب ہوئی۔
"پھر یہ بات آج' اسی وقت اور یہیں ختم ہوجائے گی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان یہ موضوع کبھی نہیں دہرایا جائے گا۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔
"اور ایسا نا ہو تو؟"
"تو میں سمجھوں گا' پکچر ابھی باقی ہے' تم یقیناً کسی پریشر میں ہو یا پھر وہی پرانی فرسٹریشن کا کیڑا کاٹ رہا ہے اور تمہیں ایک اچھی تھیراپی کی ضرورت ہے۔ یہ بات پھر ہوگی' بار بار ہوگی کیونکہ میں بلاوجہ باتوں کو انا کا مسئلہ نہیں بناتا پھر وہ چاہے انکار ہو یا اقرار۔ میں تم سے یہ اقرار کروا کر ہی چھوڑوں گا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔"
"یہ باز کیوں نہیں آجاتا' ہٹ کیوں نہیں جاتا سامنے سے۔ کیوں مجھے کمزور کرنے پہ تلا ہے۔ بناء کہے جب یہ سمجھ گیا ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں تو کہا گیا انکار کیوں نہیں قبول کرلیتا۔ کیوں میری زندگی کو مشکل تر بنارہا ہے۔" وہ بے بسی سے تڑپتی' اپنے آنسوؤں پہ بند باندھنے کی سعی میں دل ہی دل میں التجاء کررہی تھی۔ سمیر نے جیسے ایک چیلنج اس کے سامنے رکھا تھا۔ وہ اسے آخری حد تک آزمانے پہ تلا تھا اور بہر حال علینہ کو اس آزمائش پہ پورا اترنا تھا۔
"نہیں کرتی میں آپ سے محبت' اب کیا لکھ کردوں؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے علینہ نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا تھا۔ سمیر نے اسے جس آزمائش میں ڈالا تھا وہ اس میں پوری اتری تھی۔ سمیر کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اس ملاقات میں پہلی بار علینہ نے اس کے

چہرے پہ مایوسی کی رمق دیکھی تھی جیسے وہ ہرگز اس سب کی توقع نہیں رکھتا تھا۔
"چلو تمہیں گھر چھوڑ دوں۔" مزید کچھ بھی کہے بغیر وہ اپنی کرسی سے اٹھ اور والٹ میں سے چند نوٹ نکال کر میز پہ رکھے۔
"نو تھینکس، میں خود چلی جاؤں گی۔" علینہ نے اس سے بھی تیزی سے اپنا بیگ اٹھایا اور ہوٹل کی عمارت سے باہر نکل گئی۔ سمیر اسے خود سے دور جاتا دیکھتا رہا۔



گھر بہت دور نہیں تھا لیکن علینہ کو اس وقت یہاں ایک منٹ رکنا بھی عذاب لگ رہا تھا۔ اسے خوف تھا سمیر اس کے پیچھے نا چلا آئے۔ ویسے بھی اب اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ ریسٹورنٹ سے نکل کر پارکنگ کراس کرتے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔ اپنی جس کیفیت کو بہادری سے وہ سمیر کے سامنے چھپائے رہی اب اس پہ قابو نہیں رہا تھا۔ اسی لیے وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سڑک کے کنارے کھڑے رکشے میں بیٹھ گئی اور اب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بری طرح بلک بلک کر روئی تھی۔ رکشہ سڑک پہ دوڑتا رہا تھا۔ اس کے شور کی آواز میں علینہ کے رونے کی آواز دب گئی تھی۔ جب تک گھر آیا وہ اپنا دل ہلکا کر چکی تھی۔ دوپٹے سے آنسو اور چہرہ صاف کرتے اس نے رکشے والے کو کرایہ دیا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ سامنے صحن میں آسیہ تار پہ کپڑے پھیلا رہی تھی۔ علینہ کا ستا ہوا چہرہ اس کی سرخ ہوتی آنکھیں اسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھیں۔
"کیا بات ہے یہ آنکھیں کیوں لال ہو رہی ہیں؟" وہ جو سلام کر کے کمرے کی طرف تیزی سے جا رہی تھی ماں کے سوال پہ رک گئی۔ خود اسے بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔
"کچھ نہیں کچھ آنکھ میں چلا گیا۔" اس نے بات بنائی۔
"دونوں آنکھوں میں چلا گیا؟" آسیہ کو ہرگز یقین نہیں آیا تھا۔
"ہاں شاید دونوں آنکھوں میں ہی چلا گیا۔" اس نے دھیمے لہجے میں اعتراف کرتے آنکھیں مسلیں۔
"جاؤ جلدی سے پانی کے چھینٹے مارو کہیں انفیکشن ہی نا ہو جائے۔ زخم ہو گیا تو مسئلہ بن جائے گا۔" تفکر سے کہتے اس نے علینہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
"ہاں اور پھر سارے زخم تو بھرتے بھی نہیں۔" دوپٹہ اتار کر بیڈ پہ رکھتے اس نے نہایت کرب سے کہا تھا۔ سمیر کا لفظ لفظ اب تک اس کی سماعت میں گونج رہا تھا۔



فریحہ کا خیال تھا اسپتال میں ویمن ہیلتھ اینڈ اویرنس کا ایک انڈیپنڈنٹ پروگرام شروع کیا جائے جس میں عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق اور صحت سے متعلق ایجوکیٹ کیا جائے۔ اس ضمن میں اسے اپنے ساتھ مزید اسٹاف کی ضرورت تھی۔ موجودہ عملے میں سے دو اسٹاف نرسیں پہلے ہی ڈاکٹر انصاری نے اس کے ڈیپارٹمنٹ میں ٹرانسفر کر دی تھیں لیکن وہ چاہتے تھے ایک دو ڈاکٹر بھی اس ٹیم کا حصہ ہوں۔ ایک تو اس طرح فریحہ پہ کام کا دباؤ بڑھ جاتا دوسرے اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اب اگر ایک اچھا قدم اٹھایا جا رہا تھا تو اسے اس کی غیر موجودگی میں بھی جاری رہنا چاہیے تھا۔ یہی سوچ کر ڈاکٹر انصاری نے اخبار میں اشتہار دیا تھا اور آج اسی سلسلے میں وہ ایک ڈاکٹر کا انٹرویو لے رہے تھے۔
"اسلام آباد اور اس شہر کے مزاج میں کافی فرق ہے۔ یہاں کا ماحول، طرزِ زندگی سلو ہے۔ پھر یہ پراجیکٹ بھی ڈیمانڈنگ ہے۔ لوگوں خاص طور پر خواتین کے ساتھ ڈسکشن کرنا، ان کو قائل کرنا یا ان کے مردوں کے ساتھ کولابریٹ کرنا خاصے صبر کا کام ہے۔" وہ کیبن میں نور انصاری کے ساتھ موجود تھے۔ ہلکے پھلکے انداز میں وہ اس ینگ ڈاکٹر سے فارمل انٹرویو کر رہے تھے۔ اس کے کوائف، اس کی قابلیت نے بہر حال انہیں متاثر کیا تھا پھر بھی وہ کوئی

فیصلہ لینے سے پہلے مزید تسلی چاہتے تھے غالباً اسی لیے وہ یہاں کے کلچر اور مسائل کے متعلق بات کررہے تھے۔
"میں ان تمام ایشوز کو ذہن میں رکھ کر ہی اس پوزیشن کے لیے اپروچ کررہا ہوں ڈاکٹر انصاری۔ مجھے کچھ ذرائع سے آپ کے اس پراجیکٹ کے متعلق پہلے بھی پتا چلا تھا' میں پورا ورک آؤٹ کرچکا ہوں۔ مسائل تو بڑے شہروں میں بھی ہیں بس ان کی نوعیت الگ ہے۔ وہاں پیسہ ہے لیکن سب کچھ بہرحال پیسہ تو نہیں ہوتا۔ آپ اور آپ کی فیملی نے اس علاقے میں جو محنت کی ہے' جس طرح لوگوں کی ویلفیر کو ذہن میں رکھ کر کام کررہے ہیں آپ لوگ' میری خواہش ہے کہ اس ٹیم کا ایک چھوٹا سا رکن میں بھی بن جاؤں۔" سامنے بیٹھے شخص نے پختہ اور ٹھوس انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔
"پیسوں کی طرف سے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' ہم اپنے اسپتال میں سب کو تسلی بخش پیکیج دیتے ہیں اور ہاں آپ کی رہائش بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی فیملی کو بھی یہاں رکھ سکتے ہیں۔" نور انصاری بھی شریکِ گفتگو ہوئیں۔ یہ سہولت زینب وقار میں موجود تمام عملے کے لیے تھی۔ بڑے شہروں کی چکا چوند اور سہولیات سے مزین زندگی چھوڑ کر اب ایک درمیانے درجے کے شہر میں ملازمت کرنے والوں کے لیے اگر اس جاب میں کوئی کشش نہیں ہوگی تو کیونکر یہاں آئیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ نا صرف انہیں بہترین تنخواہ دی جاتی تھی بلکہ ان کی رہائش اور دیگر سہولیات کا بھی مناسب انتظام تھا۔
"میرے والدین شاید اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آنا پسند نا کریں' پھر میرے والد کی ملازمت اور بہنوں کی تعلیم بھی چل رہی ہے۔" ڈاکٹر انصاری نے اس کی بات پہ مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔" وہ جواباً دھیما سا مسکرایا۔
"ویلکم ٹو زینب وقار ہاسپٹل' ڈاکٹر فارس منیب۔" اپنی کرسی سے اٹھ کر ڈاکٹر انصاری نے پوری گرم جوشی سے اس سے مصافحہ کیا تھا۔
"تھینک یو ڈاکٹر انصاری۔" فارس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی اور فریحہ اندر داخل ہوئی۔
"آپ نے بلایا تھا بابا؟" فارس کی پشت تھی' کچھ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا شاید اسی لیے وہ اسے قطعاً نہیں پہچانی تھی۔
"ہاں۔ ان سے ملو یہ ہیں ڈاکٹر فارس اور ڈاکٹر فارس یہ میری بیٹی اور ہمارے اوریئنس پراجیکٹ کی ہیڈ ہیں ڈاکٹر فریحہ انصاری۔" ڈاکٹر انصاری کے تعارف پہ فریحہ دو قدم آگے بڑھی اور اسی وقت مسکراتے ہوئے فارس نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی جگہ فریز ہوگئی تھی۔ سامنے اس کے ممی ڈیڈی بیٹھے تھے اور ان حالات میں وہ ہرگز کسی بھی قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں کرسکتی تھی لیکن فارس کی اس طرح اچانک یہاں موجودگی اس کے لیے اتنا بڑا شاک تھی کہ وہ اپنی کیفیت پہ قابو بھی نا پاسکی۔ البتہ فارس پورے اعتماد اور دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔ بڑے خوشگوار لہجے میں اس نے فریحہ سے ہیلو ہائے کی تھی۔ جواب میں فریحہ نے فقط سر ہلا کر ہلکا سا مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا۔
"ویسے آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔ فریحہ بھی آپ کے ہی کالج کی گریجویٹ ہے اور سال بھی وہی ہے۔" ڈاکٹر انصاری کے کہنے پہ وہ فارس کے برابر والی کرسی پہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر انصاری نے فارس کے کوائف سے اندازہ لگاتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔
"بدقسمتی کہیں یا اتفاق' کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔" فریحہ کے پریشان چہرے کی طرف دیکھتے فارس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ڈاکٹر انصاری کے نزدیک یہ اتنی اہم بات نا تھی۔ وہ تو بس بات برائے بات تذکرہ کررہے تھے اور اب وہ اسے فارس کے حوالے سے بریف کررہے تھے۔ ان چاروں کی میٹنگ اگلے پندرہ منٹ تک جاری رہی

جس کے بعد نور انصاری کے کہنے پہ فریحہ فارس کو اسپتال کے وزٹ پہ لے گئی۔



"تم یہاں کیا کر رہے ہو فارس؟" کمرے سے نکل کر کاریڈور کی طرف جاتے ہوئے فریحہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ایمرجنسی کی طرف جا رہی تھی۔

"فکرِ معاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔" اس کے قدم سے قدم ملاتے فارس نے بڑے شوخ لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سیریس۔" فریحہ چلتے ہوئے رک گئی۔ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ باقاعدہ جل کر بولی۔

"میں بھی ہرگز غیر سنجیدہ نہیں۔ ابھی تمہارے ڈیڈ نے بتایا تو ہے تمہیں کہ میں یہاں جاب شروع کر رہا ہوں۔" فارس پہ فریحہ کے خراب موڈ کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ پہلے ہی اس کی توقع کر رہا تھا۔

"یہ جاب تمہارے ٹائپ کی نہیں۔ یہاں خواری زیادہ ہے اور پیسے کم۔ ویسے بھی تم پاکستان میں رہنا ہی نہیں چاہتے۔" اس نے ایک بار پھر تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ اپنے چہرے پہ جمی فارس کی نظریں اسے کنفیوز کر رہی تھیں۔

"بٹ آئی ہیو چینج مائی مائینڈ۔" فارس کا انداز دوٹوک تھا۔ "جہاں لیلیٰ وہاں سگِ لیلیٰ۔" وہ بے بسی سے ہنسا تھا۔

"شٹ اپ۔" فریحہ کچھ اور چڑ گئی۔

"شرم نہیں آتی خود کو اتنا ڈی گریڈ کرتے۔" ایمرجنسی کی طرف جانے کی بجائے وہ دونوں اب کاریڈور میں آگے بڑھ گئے تھے۔ یہاں اس وقت کوئی بھی موجود نا تھا اور فریحہ کو بہرحال فارس سے بات کرنی تھی۔ اسے فارس کی یہاں موجودگی سے خوف آ رہا تھا۔

"اس سے زیادہ کا حق دار ہوں۔ جو کچھ تمہارے ساتھ کیا اس کے بعد گالیاں تو پڑنی ہی چاہیں۔ تم چاہو تو دے سکتی ہو۔ آئی ڈونٹ مائینڈ۔" فارس نے کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ان چند دنوں میں اس نے بیسیوں بار اس پہلو پہ غور کیا تھا۔ زندگی فریحہ کے ساتھ یا اس کے بغیر اور ہر بار جواب ایک ہی آیا تھا۔ فریحہ ہے تو زندگی ہے خوشی ہے۔ وہ نہیں تو زندگی زندگی نہیں۔ خوشی نہیں۔ اس نے اپنے والدین کو بھی فریحہ کے متعلق بتانے کے بعد اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا جس پہ انہوں نے بھی اس کے فیصلے کو سراہتے ہوئے فریحہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا۔

"اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔ کچھ عرصے تک شادی ہونے والی ہے۔ میں خود کو ذہنی طور پہ سمجھا چکی ہو سنبھال چکی ہوں۔ تمہارے لیے بھی یہ جگہ اور یہ جاب مناسب نہیں۔ تمہاری اڑان اونچی ہے اور یہاں آسمان کم۔ واپس چلے جاؤ۔ اچھی جاب ہے تمہاری پھر تمہیں ہائر اسٹڈیز کے لیے بھی تو جانا ہے۔" وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ خود کو ہر طرح سے سمجھاتے۔ قسمت کے آگے ہار مان چکی تھی۔ اب وہ دونوں جہاں کھڑے تھے اس کے مطابق یہ بند گلی تھی جس سے آگے کوئی راستہ نہ تھا۔

"میں غلط تھا فری۔ سوچتا تھا زندگی میں سب سے اہم سب سے ضروری پیسہ ہے اختیارات ہیں عہدہ ہے اور اس سب میں میرا اتنا قصور نہیں جتنا میرے حالات کا ہے۔ تم مڈل کلاس کی فرسٹریشن ان کے مسائل سے آگاہ نہیں ہو پھر بھی میں تمہیں پورا حق دیتا ہوں کہ تم مجھ سے اپنی ناراضی ظاہر کرو۔" فارس نے ہولے سے فریحہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کے لہجے میں التجا تھی۔ فریحہ نے پلٹ کر فارس کو دیکھا اس سے رخ موڑے کھڑی تھی جہاں شرمندگی نمایاں تھی پر فریحہ کو اب اس معذرت اور شرمندگی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ان باتوں کا وقت اب نہیں رہا تھا۔

"مسائل سب کی زندگی سے جڑے ہوتے ہیں فارس۔ پیسہ کمایا جاسکتا ہے اسکائی از دی لمٹ لیکن رشتے؟ رشتے بہت مشکل سے بنتے ہیں۔" اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ فارس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تھا۔

"دیر سے ہی سہی سمجھ گیا ہوں اور یہ بھی سمجھ گیا ہوں

فری کہ میری اڑان تم سے الگ نہیں آسمان کتنا ہی وسیع کیوں نا ہو چکور تو بس چاند کے گرد ہی چکر لگاتا ہے۔ میں تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں اور یہ احساس مجھے ان گزرے دنوں میں ہوا...... جس دن سے تمہاری منگنی کی خبر ملی ہے میرا پوری دنیا کو آگ لگا دینے کو دل کرتا تھا۔"
فارس کی باتیں فریحہ کو بے سکون کررہی تھیں۔

"مجھے اور کچھ نہیں چاہیے سوائے تمہارے۔ تمہارے لیے اپنی ضد تو کیا دنیا چھوڑنے کا حوصلہ رکھتا ہوں میں فری۔ پلیز میرے پاس واپس لوٹ آؤ۔" فارس نے فریحہ کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔

"تمہیں اپنے سوا کچھ اور نظر آتا ہے فارس؟" وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔ "اندازہ ہے میرے پیرنٹس کا کتنا تماشا بن جائے گا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ میری پھوپو شاید ہم سے ملنا چھوڑ دیں۔ فیملی میں کتنی بدنامی ہوسکتی ہے۔" ایک لمحے میں اس کا ذہن بہت آگے تک سوچ چکا تھا۔ وہ ایک بیٹی تھی اور اچھی بیٹیاں ماں باپ کا مان رکھتی ہیں۔ ان کی عزت کا تماشہ نہیں بننے دیتیں۔

"میں ان ممکنات پہ سوچ چکا ہوں۔ منگنی ہوئی ہے اور منگنیاں ختم ہوتی رہی ہیں۔ پھر تم یہ بھی تو سوچو میں تمہیں چاہتا ہوں تم مجھ سے محبت کرتی ہو ان حالات میں تم کسی اور کے ساتھ کیسے خوش رہو گی۔ اسے کیا خوشی دے سکو گی؟" منگنی سے پہلے یہی بات علینہ نے بھی فریحہ سے کی تھی جسے آج فارس دہرا رہا تھا۔

"اپنی خوشی کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے میں نے۔ ویسے بھی ہر شادی کی بنیاد محبت تو نہیں ہوتی۔ ہمارے معاشرے میں تو زیادہ گھر کمپرومائز اور انڈراسٹینڈنگ سے ہی آباد ہیں۔" وہ اس متعلق پہلے ہی سب سوچ چکی تھی۔ عمیر اپنی خوشی سے اس سے شادی کررہا تھا لیکن خوش رہنے کی پابندی فریحہ پہ تو بہر حال نافذ نہیں تھی۔ یہی سوچ کر اس نے خود کو مطمئن کرلیا تھا۔

"مجھے بھول پاؤ گی؟" فریحہ کا دل لرزا تھا۔ اس نے لب کاٹتے نگاہیں جھکالیں۔

"راستہ جدا ہوگیا ہے تو بھولنے کی کوشش بھی کروں گی۔ تم لوٹ جاؤ فارس' ہماری منزل ایک نہیں۔" اپنی انگلیاں مروڑتے فریحہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہم نے ساتھ چلنا شروع کیا تھا فری' منزل تو ہماری ایک ہی ہے اور ایک بات میں واپس جانے کے لیے یہاں نہیں آیا۔ کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور تنہا واپسی ممکن نہیں۔" جواب دوٹوک تھا۔ فریحہ نے بے بسی سے فارس کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹکتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔



تمام رات اس نے بخار میں جلتے کاٹی۔ ایک لمحے کو بھی وہ سو نہیں پائی تھی۔ سمیر کے چہرے پہ لکھا شکوہ' اس کی آنکھوں سے چھلکتی ناراضی اور سب سے بڑھ کر اس کا اقرارِ محبت علینہ کو پل پل مار رہا تھا۔ وہ جب آنکھیں بند کرتی اس کے کانوں میں سمیر کے الفاظ گونجتے اور نگاہوں میں اس کی شبیہہ گھومنے لگتی جس پہ خوف زدہ ہوکر وہ آنکھیں کھول لیتی۔ کالج سے آکر ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ پہلے تو دھیان پڑھائی کی طرف لگانے کی کوشش کی لیکن ذہن اس وقت یکسوئی سے کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔ کئی بار آسیہ نے کمرے میں آکر اس سے ہلکی پھلکی بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کتاب میں منہ دیئے بس ہوں ہاں کرتی رہی یہاں تک کہ رات کا کھانا بھی نانی کی تین بار ڈانٹ کھانے کے بعد کھایا اور اب رات کے اس پہر اسے اچھا خاصا بخار ہوگیا تھا۔ ذہنی تناؤ' بے چینی اور بے آرامی کی وجہ سے اس کا پورا جسم دکھ رہا تھا۔ اس درد اور بخار کے ساتھ اسے شدید رونا بھی آرہا تھا۔ بہت مدت بعد آج رات پھر اس نے آنسوؤں سے اپنا تکیہ تر کیا تھا۔ صبح آسیہ اسے کالج کے لیے جگانے آئی تو اس کا سرخ چہرہ اور آنکھیں دیکھ کر گھبرا گئی۔ فوراً بخار کی دوا دی جس کے بعد بہر حال اس کا بخار کم ہوگیا تھا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں تو آج کالج مت جاؤ۔" اس کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

"اسائنمنٹ جمع کروانا ہے ماما نہیں کرایا تو میری پرسنیٹج خراب ہوجائے گی۔" اپنا فولڈر بیگ میں ڈالتے اس نے وضاحت دی۔ ویسے بھی گھر رہ کر وہ ماں اور نانی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تف ہے آج کل کی پڑھائیوں پر جان نکل جائے بھلے مگر نمبر ہاتھ سے نا جائیں۔ کل سے بخار میں پھنک رہی ہے۔ جسم بھٹی کی طرح تپ رہا ہے پھر بھی موا کالج لازمی جانا ہے۔ آسیہ تم کم سے کم بچی کو دوائی تو دو۔" شاکرہ نے دودھ کا گلاس تھماتے حسب عادت اپنی بھڑاس نکالی۔

"دوا دے چکی ہوں امی بخار کچھ ہلکا ہے۔" آسیہ نے ایک بار پھر اس کا ماتھا چھو کر تسلی کی۔

"آپ دونوں پریشان مت ہوں میں اب ٹھیک ہوں۔ کوشش کروں گی جلدی واپس آجاؤں۔" علینہ نے اس ڈر سے کہیں نانی مزید شروع نا ہوجائیں چپ چاپ برا منہ بنائے دودھ کا گلاس ختم کرکے سامنے میز پہ رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ تمہیں چھوڑ کر آجاؤں گی۔" آسیہ بھی پاس پڑی چادر اٹھا کر اس کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔

"ماما میں کوئی چھوٹی بچی تو نہیں اور آپ ریلیکس رہیں۔ روز کا راستہ ہے میرا۔" علینہ نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے ماں کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ اس کے سمجھانے پہ آسیہ نے سر ہلایا اور پھر بے اختیار اس کا ماتھا چوما۔ ان دونوں کو الوادع کہہ کر علینہ گھر سے نکل گئی۔

"اللہ میری بچی کو اپنی حفظ وامان میں رکھنا۔ پتا نہیں کیوں دل بڑا گھبرا رہا ہے میرا۔" شاکرہ نے بیٹھے ہوئے آیاتِ حفاظت پڑھ کر اس پہ غائبانہ دم کرنے کے بعد سرگوشی کی تھی۔



وہ بڑی محویت سے کمپیوٹر اسکرین پہ نظریں جمائے ایک ڈاکومینٹ پڑھنے میں مصروف تھا جب دروازے پہ ہلکی سی دستک پہ سر اٹھا کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اندر آنے کی اجازت ملنے پہ کشمالہ اس کے کیبن میں داخل ہوئی۔ سی گرین شارٹ شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں ہمیشہ کی طرح پُرکشش اور دلفریب لگ رہی تھی۔ سمیر کا موڈ پہلے ہی خراب تھا اس پہ کام کا دباؤ اسے کشمالہ کی اس وقت آمد نے بے آرام کیا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنے مخصوص فارمل انداز میں خیر مقدمی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"میرا اسکالر شپ اپروو ہوگیا ہے۔" ہاتھ میں تھامے چند صفحات اس کے سامنے رکھتے کشمالہ نے انکشاف کیا۔

"مبارک ہو۔" سمیر کو حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب کمپیوٹر پہ نگاہیں مرکوز کیے فائل کو اسکرول کررہا تھا۔

"یقیناً تم تک بھی خبر پہنچ چکی ہوگی۔" کشمالہ نے مسکراتے ہوئے ڈاکومینٹس واپس اٹھا لیے۔

"ایز اے میٹر آف فیکٹ، مجھ سے ہوکر ہی تم تک پہنچی ہے۔" سمیر کا انداز بڑا جتاتا سا تھا۔

"ویسے کیوں بھاگ رہی ہو؟" اس نے اچانک پوچھا۔ کشمالہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"ساتھ چل نہیں سکتے تو ساتھ رہ کر خود کو تکلیف کیوں دی جائے۔" اس بار لہجے میں بے نام سی اداسی تھی۔

"کشمالہ تم ہمیشہ میری سب سے اچھی دوست رہو گی۔" اس نے جیسے یقین دہانی کرائی۔

"دوست......" وہ تلخ سا ہنسی۔ اسی تعلق سے نکلنا چاہ رہی تھی وہ۔ دوستی کا بھرم کھل چکا تھا۔ اب مزید اس پردے میں چھپ کر ایک دوسرے کا سامنا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن سا ہونے لگا تھا۔ سمیر سے ہوئی آخری گفتگو کے بعد ان دونوں کے درمیان اب کچھ بھی پہلے کی طرح نہیں رہا تھا اور کشمالہ کو اس بات کا پورا ادراک تھا۔ سمیر سے اب اس کا سامنا کام کی حد تک رہ گیا تھا اور اس صورت حال میں کشمالہ نے اس بات کا بس ایک یہی حل نکالا تھا کہ عزت اور بھرم دونوں قائم رہ جائیں۔ اس نے مزید پڑھنے کے لیے اسکالر شپ کے لیے اپلائی کیا تھا اور اتفاق سے فوری

اپروول بھی ہوگیا تھا۔ سمیر اس سے واقف تھا لیکن ان دنوں وہ خود اتنا ڈسٹرب تھا کہ اس نے کشمالہ سے اس سلسلے میں بات نہیں کی۔ یہ تو اب وہ خود سامنے آئی تو اسے بات کرنا پڑی۔

''میں نے تمہارے لیے ہمیشہ بہترین کی خواہش کی ہے اور میری دعا ہے تمہاری آنے والی زندگی خوشیوں سے بھری ہو۔ تمہیں زندگی میں وہ سب کچھ ملے جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔'' اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

''اور سب کچھ میں سے تم نے اپنی ذات کو الگ کرلیا ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''کیونکہ میں تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوں۔ اس بات کو سمجھ لوگی تو زندگی آسان ہوجائے گی۔ موو آن زندگی اس سے آگے بھی ہے۔ خود کو تکلیف دینا بند کرو۔'' سمیر نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی کیونکہ وہ جانتا تھا سمجھنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ خود ان دنوں وہ اسی فیز سے گزر رہا تھا۔ ایام کی تلخی کو سہہ رہا تھا۔

''تم میری جگہ ہوتے تو کیا موو آن کرلیتے؟'' کشمالہ کا سوال اسے چونکا گیا۔ ''اتنی ہی آسانی سے جتنی آسانی سے مجھے مشورہ دے رہے ہو۔'' وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سمیر کے بے تاثر چہرے میں اپنا جواب ٹٹولتی۔ پر سمیر اس کی سوچ سے زیادہ گہرا تھا۔ اس تک پہنچنا' کشمالہ تو دور کی بات اس کی اپنی ماں کے بس سے بھی باہر تھا جن کے سامنے اس نے آج تک اپنی کیفیت کھلنے نہیں دی تھی۔ علینہ سے اپنی ملاقات کا ذکر بھی اس نے کسی سے نہیں کیا تھا۔ یہ اور بات اسے تکلیف ہوئی تھی لیکن یہ اس کے صبر کی حد نہیں تھی۔

''میں کشمالہ معین نہیں سمیر انصاری ہوں اور کشمالہ تو بس ایک ہی ہے۔ اب حکومت سب پہ تو اتنا پیسہ خرچ کرکے باہر پڑھنے نہیں بھیجتی۔'' بات کا رخ بدلتے ہلکے پھلکے انداز میں وہ اب اس سے پہلے کی طرح محوِ گفتگو تھا۔

''سمیر انصاری مت بھولو اسی سرکاری خرچے پہ تم مجھ سے پہلے یہ اسکالرشپ اویل کرچکے ہو۔'' کشمالہ نے بھی بدلہ چکایا۔

''بازمت آنا میرے کمپٹیشن سے۔ مجھے تو پہلے دن سے علم تھا تم نے دو تین مہینے سے زیادہ میرے انڈر کام نہیں کرنا۔'' وہ دونوں اب پچھلی باتوں کو یاد کرتے ہنس رہے تھے۔

''ہاں تو کیوں کروں تمہارے انڈر کام' واپس آکر تمہارے لیول پہ ریزیوم کروں گی اور دیکھنا تم سے اچھی ضلع کمشنر کہلاؤں گی۔'' کشمالہ نے گردن اکڑائے انکشاف کیا جس پر سمیر نے باقاعدہ قہقہہ لگایا۔

''چلو دیکھتے ہیں کون کتنے پانی میں ہوگا۔'' اپنے فون کی اسکرین پہ نظر ڈالتے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔



گھر سے بھاگ کر وہ کالج آگئی تھی لیکن یہاں بھی اسے سکون نہیں مل رہا تھا اور ملتا بھی کیسے۔ جب دل و دماغ میں جنگ چل رہی ہو' جب خوشیاں ہاتھوں سے پھسل رہی ہوں' جب اپنے ہی ہاتھوں زندگی میں زہر گھولنا پڑے تو سکون کس کم بخت کو آتا ہے۔ اس کی خاموشی' ذہنی انتشار اور غیر حاضر دماغی کو سارہ نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے ناعلینہ؟ میں دیکھ رہی ہوں جب سے تم نے کالج جوائن کیا ہے تم بہت اپ سیٹ ہو۔'' وہ سارہ اور رومیصہ کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی جب اسے ضرورت سے زیادہ خاموش پاکر سارہ نے سوال کیا۔

''حالانکہ اب تو تمہاری ماما بھی تم سے ملنے آئی ہوئی ہیں۔ لاسٹ ٹائم جب میں تمہاری طرف آئی تو تم بہت ایکسائیٹڈ تھی' خوش تھی۔ اتنی خوش کہ ہم نے اس سے پہلے تمہیں کبھی اتنا مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔'' رومیصہ نے بھی سارہ کی پیروی میں کہا۔ وہ دونوں اسے کافی لمبے عرصے سے جانتی تھیں۔ گو وہ کبھی بھی بہت زیادہ باتیں کرنے والوں میں سے نہیں تھی لیکن اتنی خاموش اور گھٹی گھٹی بھی نہیں رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ سب سے الگ تھلگ ہی رہا کرتی تھی لیکن سارہ اور رومیصہ سے بہرحال وہ کافی کلوز تھی لیکن پچھلے کچھ دنوں سے وہ خاموش اور گم صم گہری سوچ

میں ڈوبی رہتی تھی اور یہ بات ان دونوں نے ہی محسوس کی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے سارہ اور تو کوئی بات نہیں۔" اس نے بات بناتے سر سامنے کھلی فائل پہ جھکا دیا۔

"طبیعت تو آج خراب ہے، میں تین چار دن سے تمہیں نوٹ کررہی ہوں۔ شیئر تو تم نے پہلے بھی ہم سے کچھ نہیں کیا لیکن ہم دوست ہیں، تمہارے قریب ہیں۔ پھر دوست ہوتے کس لیے ہیں۔ کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔" سارہ نے بے ساختہ اس کی بات کورد کرتے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ ان سے کچھ چھپارہی ہے۔

"کچھ مسئلے حل نہیں ہوسکتے، پھر ان کی تشہیر سے کیا حاصل۔ ویسے بھی ایسی کوئی بات نہیں، میں تو بس ان دنوں اسٹڈی کو لے کر اسٹریسڈ ہوں۔ ماما کے ساتھ مصروفیت کی وجہ سے پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا اور یہاں کالج کھلتے ہی اتنا سارا لوڈ ہم پہ ڈال دیا گیا ہے۔" علینہ نے کہتے ہوئے بات سنبھال لی تھی۔ پہلے ہی بخار سے اس کا سر گھوم رہا تھا۔ وہ تو اب یہ سوچ رہی تھی کہ اسے ماں کی بات مان لینی چاہیے تھی اور کالج نہیں آنا چاہیے تھا۔ اوپر سے سارہ کی انویسٹیگیشن نے اسے اور بھی پریشان کردیا تھا۔ بہرحال اس نے سوچ لیا تھا وہ سر بخاری کی کلاس لے کر اور اسائنمنٹ جمع کرواکر گھر چلی جائے گی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے علینہ۔ سمیسٹر شروع ہوئے چار دن نہیں ہوئے، اسائنمنٹس اور پراجیکٹس کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ پتا نہیں ہم سے کون سا بدلہ لے رہے ہیں۔" رومیصہ نے بھی روہانسی ہوکر اپنی بھڑاس نکالی۔

"مجھے تو لگتا ہے ان کے ٹیچرز نے بھی ان کے ساتھ ظلم کیا ہوگا، بس اسی کی بھڑاس سر اب اپنے اسٹوڈنٹس پہ نکال رہے ہیں۔" وہ خود اس اچانک اسٹڈی لوڈ سے شدید عاجز تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سر منڈواتے ہی اولے پڑنے لگے ہوں۔

"کم آن یار، آخری سمیسٹر ہے ہمارا۔ اب بھی نہیں پڑھیں گے تو کب پڑھیں گے۔" سارہ نے چیونگم منہ میں ڈالتے شرم دلائی۔

"اور اب اگر ہم یہاں بیٹھیں سر عباسی کو کوستی رہیں تو لیکچر کے ساتھ اٹینڈنس بھی شارٹ ہوجائے گی۔ پھر تو سمجھو مل گئی ڈگری۔ اس لیے اٹھو کلاس میں چلتے ہیں۔ یہ جھک بعد میں مار لینا۔" علینہ کی بات پہ وہ دونوں بھی اپنے بیگ اور فائلیں سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔



ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ کالج سے نکل آئی تھی۔ باہر اس وقت ٹریفک تھا اور نا ہی لوگوں کا رش کیونکہ اس وقت عموماً لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ گیٹ کیپر نے اپنے رجسٹر میں اس کا نام اور آئی ڈی کارڈ کا اندراج کیا تھا جس کے بعد وہ اپنے گھر کے راستے کی طرف چل پڑی تھی۔ ذہن میں اس وقت بے ہنگم خیالات کی بھرمار تھی جن میں سے کسی ایک بھی بات پہ سوچنے کا اس کا کوئی ارادہ نا تھا۔ بہت کرلیا تھا اس نے محبت پہ ماتم اب اسے خود کو نارمل کرنا تھا۔ اپنے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے۔ دل پہ پتھر رکھ کر وہ سمیر کو انکار کرچکی تھی اب اس سے آگے تو کچھ بچا بھی نہیں تھا۔ پھر کیوں وہ اس اذیت میں مبتلا ہے ہر طرف تماشہ بن رہی ہے۔ اسے اب اپنا مزید تماشہ نہیں بنوانا تھا۔ انہی سوچوں میں گھری وہ آہستہ آہستہ چلتی سر جھکائے گھر کی طرف جارہی تھی جب ایک کیری ڈبہ زن سے اس کے بالکل پاس آکر رکا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ مونس بیٹھا دانت نکال رہا تھا۔ وہ ایک دم چوکس ہوئی اور آگے کی طرف بھاگی لیکن مونس نے بے تحاشا پھرتی سے اس کے پیچھے بھاگ کر اسے دبوچا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا رومال اس کی ناک پہ رکھ دیا۔ ناگوار بو سے اس کے اعصاب شل ہونے لگے اور چند ہی لمحوں میں اس کا وجود بے جان ہوکر مونس کے ہاتھوں میں جھولنے لگا تھا۔

"تم......" اس کی آنکھ کھلی تو مونس ہاتھ میں پانی کا

گلاس تھامے اس کے چہرے پہ چھینٹے مار رہا تھا۔
"کیوں لائے ہو تم مجھے یہاں؟" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھی۔ خوف سے اس نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں ایک بیڈ بچھا تھا۔ ایک طرف چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ علینہ کے لیے یہ ماحول بالکل اجنبی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔
"کیا کرتا مجبوری تھی۔" مونس نے کندھے اچکاتے پانی کا گلاس سامنے پڑی میز پہ پٹخا۔
"وہ تمہارا اکڑو باپ اگر سیدھی طرح شادی کے لیے ہاں کر دیتا تو مجھے اتنی محنت کرنی ہی نہیں پڑتی۔" وہ اب علینہ کے پاس بیڈ پہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہر انداز میں بے خوفی تھی۔ بدتمیز تو وہ پہلے بھی حد درجے کا تھا لیکن اس پل علینہ کو اس سے شدید خوف آ رہا تھا۔
"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا۔ تم سے شادی کیسے ہو سکتی ہے میری۔" وہ خود میں سمٹ کر کچھ پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔
"یہی ٹون تھی تمہارے اس پاگل باپ کی بھی۔ بڑے غرور سے اس نے کہا تھا کہ تمہارے لیے ڈی سی کا رشتہ آیا ہے۔ اب میں بھی دیکھتا ہوں وہ ڈی سی تم سے شادی کیسے کرتا ہے۔ بھئی ہم سے بڑا تمہارا عاشق تو نہیں ہے ناں وہ۔" اپنے لچر اسٹائل میں کہتے اس نے دایاں ہاتھ سینے پہ مارا۔
"شٹ اپ۔ تمہیں کیا لگتا ہے یہ سب کر کے تم بچ جاؤ گے۔ بابا تمہاری چمڑی ادھیڑ دیں گے۔" وہ حلق کے بل چلائی۔
"اوہ کم آن۔ مجھے تو تم بچاؤ گی۔ ان پیپرز پہ دستخط کر کے۔" مونس پہ اس کی بات کا الٹا اثر ہوا تھا۔ پینٹ کی جیب سے اس نے چند تہہ شدہ کاغذ نکالے اور علینہ کی طرف بڑھائے۔
"کیا ہے یہ سب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"ہمارا نکاح نامہ۔" علینہ کا دماغ سن رہ گیا۔
"واٹ؟" اسے شاک لگا۔
"یس...... سب کچھ پہلے سے فل ہے' انفیکٹ میں بھی سائن کر چکا ہوں۔ بس تم نے اپنے پیارے پیارے نازک ہاتھوں سے تین جگہ دستخط کرنا ہے۔ پھر تم میری لیگل وائف بن جاؤ گی اور پھر کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔" مونس نے ہاتھ میں پکڑا پین اس کی انگلیوں میں تھماتے دستخط کرنے والے کالم کی نشاندہی کی۔
"کبھی نہیں میں مر کر بھی اس پہ دستخط نہیں کروں گی مونس۔" علینہ نے پین اٹھا کر دور پھینک دیا۔
"تم زبردستی میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔" اتنا تو وہ بھی جانتی تھی جبراً نکاح نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر دستخط کر بھی دیتی تو اس شادی کو شرعی و قانونی حیثیت کبھی نہیں حاصل ہوتی لیکن مونس کے دماغ میں اس وقت شیطان گھسا ہوا تھا۔
"میں زبردستی تمہیں یہاں لا سکتا ہوں مائی ڈیئر علینہ تو تمہارے ساتھ اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔" اس کے انداز میں چیلنج تھا۔ "نہیں یقین آ رہا...... چلو یقین دلاتا ہوں...... یہ ہے گن مارنے کے لیے نہیں بس ڈرانے کے لیے۔" پینٹ کی جیب سے لوڈڈ پستول نکال کر اس نے علینہ کے سامنے یوں پیش کیا جیسے کسی خاص شے کی نمائش کر رہا ہو۔ علینہ کا سانس خشک ہو گیا جب اچانک مونس کمرے میں رکھی میز تک گیا اور ایک شیشے کی بوتل اٹھا کر علینہ کے پاس واپس آ گیا۔
"اور اس میں ہے 'تیزاب' نہیں نہیں پھینکنا نہیں بس ڈرانا ہے۔" علینہ کی آنکھوں کے سامنے بوتل گھماتے اس نے سفاکی سے کہا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوئی۔ اس کے جارحانہ عزائم کے متعلق سوچ کر اس وقت علینہ کی روح تک کانپ گئی تھی۔
"لیکن اگر ان دونوں میں سے ایک بھی چیز پہ میرا ہاتھ پھسل گیا تو تم خود سوچو۔ بہت برا ہو جائے گا ناں اور میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ کچھ بھی برا ہو۔ اس لیے شاباش اچھے بچوں کی طرح ان پیپرز پہ دستخط کرو۔" تیزاب کی

بھری ہوئی بوتل واپس میز پہ رکھ کراس نے علینہ کو بالوں سے پکڑلیا۔ تکلیف سے اس کی چیخ نکل گئی لیکن مونس کو اس پہ ترس نہیں آیا۔

"دیکھو پہلے ہی تمہیں یہاں دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں رات ہوجائے گی اور اچھی لڑکیاں راتوں کو اجنبی لڑکوں کے ساتھ نہیں رہتیں۔ تم نکاح نامے پہ سائن کرو پھر میں صبح تمہیں اپنی امی اور تمہارے بابا کے پاس لے جاؤں گا۔" اس کے گالوں کو سہلاتے اس نے ایک بار پھر پین اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ علینہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس وقت اسے بس ایک ہی شخص کا خیال آرہا تھا کہ کاش وہ پچھلی بار کی طرح آج بھی اسے مونس کے شر سے بچالے۔ کاش سمیر مونس کے ہاتھوں اس کی عزت پامال نا ہونے دے۔ یہی سب سوچتے اس نے گھٹنوں میں سر دیئے زاروقطار رونا شروع کردیا تھا۔



"امی علینہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ صبح تو کہہ کر گئی تھی آج جلدی واپس آجائے گی۔ اب تو چھٹی ہوئے بھی آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے۔" عموماً وہ ڈیڑھ بجے تک گھر پہنچ جایا کرتی تھی۔ اس وقت سے آسیہ کی نگاہیں دروازے پہ ٹکی تھیں۔ علینہ کا کالج بھی کوئی بہت دور تو تھا نہیں۔ کئی سال سے وہ ایک فکس ٹائم پہ گھر پہنچا کرتی تھی اور آج تو اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ آسیہ نے بالآخر اپنی پریشانی ماں سے کہہ ڈالی۔

"میں بھی اس وقت سے گھڑی پہ نگاہ لگائے بیٹھی ہوں۔ کبھی اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہوئی یہ سوائے اس دن والے حادثے کے۔ طبیعت بھی اچھی نہیں تھی کہیں زیادہ ہی نا بگڑ گئی ہو۔ منع بھی کیا تھا مت جا کالج لیکن ڈھیٹ تو ایسی ہے کہ رو رو مر جائیں بھلے اس کے کان پہ جوں نہیں رینگنے کی۔" خود شاکرہ بھی اسی کی منتظر تھیں۔

"اللہ خیر کرے۔" آسیہ ان کے پاس برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھ گئی۔

"ارے اب یہاں کیا بیٹھی ہو موبائل پہ فون کرو اس کے' پوچھو کہاں رہ گئی۔" وہ تنگ کر بولی تھیں۔ علینہ کی طرف سے صبح سے ان کا دل عجیب وغریب وسوسوں کا شکار ہورہا تھا۔ آسیہ جلدی سے اٹھ کر کمرے میں گئی اور اپنے سیل فون سے علینہ کے نمبر پہ کال ملائی۔ فون بند جارہا تھا۔

"کسی سہیلی کے ساتھ تو نہیں چلی گئی۔" آسیہ نے خود کو تسلی دیتے ماں کی طرف دیکھا۔

"ہائے اتنے برسوں میں تو نا گئی کبھی' آج کاہے کو جائے گی۔ وہ سارہ اور رومیصہ ہی کبھی کبھار چکر لگا لیتی ہیں۔" شاکرہ نے فوراً ہی اس کے خیال کو رد کردیا تھا۔ علینہ انہیں بتائے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی تھی۔ وہ تو کبھی ان کے ساتھ کسی محلے دار کے گھر بھی نہیں گئی تھی پھر اس بخار میں سہیلیوں کے ساتھ کیونکر چلی جاتی۔

"ان دونوں کا نمبر ہے آپ کے پاس؟" آسیہ نے مزید پوچھا۔

"لو بھلا ان کا نمبر کیوں ہوگا میرے پاس۔ یہیں پاس میں رہتی ہیں کسی کو بھیج کر پتا کرا لیتی ہوں لیکن یہ علینہ کا نمبر کیوں بند جارہا ہے۔" آج سے پہلے کبھی ان میں سے کسی کو کال کرنے کی ضرورت پڑی تھی نا ہی ایسی نوبت آئی تھی۔ شاکرہ چپل گھسیٹتیں اٹھ کر دروازے کی طرف جانے لگیں۔

"میں خود چلی جاتی ہوں کالج یہیں پاس میں تو ہے۔" آسیہ ڈوپٹہ سر پہ لپیٹتے ان کے پیچھے بھاگی۔ وہ وہیں رک گئیں۔ اگلے دس منٹ میں وہ علینہ کے کالج پہنچ چکی تھی۔ گیٹ کیپر سے علینہ کے متعلق استفسار کرنے پہ معلوم ہوا کہ وہ تو ساڑھے گیارہ بجے ہی کالج سے نکل گئی تھی۔ رجسٹر میں اس کے نام اور دستخط کے ساتھ وقت کا اندراج موجود تھا۔ آسیہ کا دل بری طرح دہل گیا۔ وہ الٹے پیروں بھاگتی ہوئی گھر پہنچی جہاں شاکرہ پہ اس کا انکشاف بم بن کر گرا تھا۔



"مونس کہاں ہے؟" شاکرہ نے فوری طور پہ خاور کو

فون کر کے علینہ کی گمشدگی کے متعلق بتایا تھا۔ کالج سے ساری معلومات لینے کے بعد خاور کے ذہن نے بے اختیار مونس کا نام آیا تھا۔ مونس کا نمبر ملانے پہ وہ بند مل رہا تھا اسی لیے وہ بھاگتا دوڑتا رخشندہ کے پاس چلا آیا تھا۔

"مجھے کیا پتا۔ اس دن بے چارے کو تم نے اتنا ذلیل کیا تھا تب سے میرے بچے نے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔" رخشندہ کو خاور کے تیور دیکھ کر خوف آیا تھا تو اس کی پریشانی نے حیران کیا تھا۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہتے ہاتھ جھٹکا۔

"علینہ کالج سے واپس گھر نہیں پہنچی۔ پچھلے تین گھنٹوں سے اس کا کچھ پتا نہیں۔" وہ پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"ہاں تو اس سب سے مونس کا کیا لینا دینا۔ بھاگ گئی ہوگی کسی کے ساتھ۔" رخشندہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا لیکن خود پہ قابو پاتے اس نے اپنی عادت کے مطابق علینہ کو موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔

"بکواس بند کرو رخشندہ۔ مجھے صاف صاف بتا دو اگر تم اس متعلق کچھ بھی جانتی ہو کیونکہ مجھے پورا یقین ہے اس میں مونس کا ہاتھ ہے۔" اس کی بات سن کر خاور غصے میں غرایا۔

"مونس کا ہاتھ کیوں ہوگا بھئی۔ تمہاری بیٹی کالج سے گھر نہیں گئی۔ اللہ جانے کس کے چکر میں تھی اسے میرے بچے کے سر کیوں تھوپ رہے ہو؟" رخشندہ نے پہلو بچانا چاہا۔

"کیونکہ ایک وہی تھا جو ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ رشتے سے انکار کا بدلہ وہ ایسے لے رہا ہے۔" خاور کی بات پہ رخشندہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

"چھوٹا بچہ ہے وہ پڑھ رہا ہے۔ چار پیسوں کے لیے اپنے باپ کا محتاج ہے کہاں سے اغواء کرے گا وہ تمہاری بیٹی اور رشتے سے انکار صرف مونس کو تو نہیں ہوا وہ تمہارا بھانجا بھی ٹھکرایا گیا ہے۔ کیا پتا اسی نے انتقام لینے کے لیے اٹھوا لیا ہو۔ اتنی بڑی کرسی پہ بیٹھا ہے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کر کے غائب کرا دے لڑکی۔" بہر حال وہ چکنا گھڑا تھی خود کو کبھی گرفت میں نہیں آنے دیتی تھی لیکن اندر ہی اندر اب اسے خوف آ رہا تھا۔ اگر یہ سب کچھ واقعی مونس کا کیا دھرا ہے تو پھر انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اس کے لیے تو اکیلا خاور ہی کافی تھا پھر اب تو اس شہر کے بااختیار لوگوں کا ساتھ بھی حاصل تھا ایسے حالات میں مونس کی احمقانہ پلاننگ ایک ہی پل میں کھل کر سب کے سامنے آ تو چکی تھی اسے پکڑے جانے میں کتنا وقت لگتا۔

"بکو مت۔ سمیر پہ انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔ غلطی میری ہی ہے جو تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑے رکھا۔ تم جیسی عورتیں کبھی اپنی فطرت نہیں بدل سکتی۔ ایک بات تو طے ہے اگر میری بیٹی کو مونس نے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچایا تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں اور تمہیں اس گھر میں رکھوں گا بھی نہیں۔ یاد رکھنا میری بات تم۔" وہ تن فن کرتا کمرے سے باہر نکل گیا پیچھے رخشندہ سر تھامے بیٹھی رہ گئی۔

"ہائے مونس یہ تو نے کیا کر دیا۔" اب تو بس اسے اس بات کا خوف تھا مونس کوئی ایسی حد پار نا کر لے جس کا انجام اس سمیت خود رخشندہ کو بھی بھگتنا پڑے۔

"اس منحوس کے عشق میں ایسا پاگل ہوا کہ اچھا برا بھی بھول گیا۔ اب میں کیا کروں۔" اس نے بے اختیار اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔



خاور نے اسی وقت سمیر کو فون پہ علینہ کی گمشدگی کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ خود بھی مونس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا لیکن سمیر کو انوالو کرنا بھی ضروری سمجھا تھا۔ جیسے ہی نور انصاری کو پتا چلا وہ فریحہ اور ڈاکٹر انصاری کے ساتھ شاکرہ نانی کی طرف چلی آئیں۔ آسیہ کا رو رو کر برا حال تھا تو نانی کو غش آ رہے تھے۔ خاور کی زبانی ہی انہیں پہلی بار مونس کے رشتے والی بات معلوم ہوئی تھی اور وہ دونوں اس بات پہ سر پیٹ رہی تھیں کہ اگر انہیں ذرا سا بھی اشارہ ملا ہوتا تو وہ علینہ کو کبھی اکیلا گھر سے نکلنے نا دیتیں۔

"حوصلہ رکھو آسیہ علینہ کو کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔ سمیر اور خاور اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔" نور انصاری نے پانی کا گلاس آسیہ کو تھماتے اسے تسلی دی۔ وہ خود اس وقت شدید پریشان تھیں لیکن آسیہ تو ماں تھی۔ اپنی اولاد کے لیے ایک ماں سے بڑھ کر تڑپ تو کسی کی نہیں ہوا کرتی۔ وہ لوگ مستقل سمیر سے فون پہ رابطے میں تھے۔

"حوصلہ ہی تو نہیں ہو رہا۔ پتا نہیں میری بچی کس حال میں ہوگی۔" آنسو تھے کے تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ دوسری طرف فریحہ شاکرہ تائی کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"اللہ کی پناہ میں دے دو اسے۔ وہ سب سے بڑھ کر حفاظت کرنے والا ہے۔" نور انصاری نے اسے سینے سے لگاتے تسلی دی۔

"بخار میں پھنک رہی تھی معصوم دو دن سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میرا تو صبح ہی دل نہیں مان رہا تھا کہ یہ کالج جائے۔" شاکرہ نے کئی بار کی دہرائی بات ایک بار پھر رو رو کر بیان کی۔

"آپ پریشان نہ ہوں آنٹی۔ اللہ پاک بہتر کریں گے۔" ان سب کے پاس ایک دوسرے کو تسلی دینے کے سوا فی الوقت کچھ بھی تو نہیں تھا۔



"مجھے پورا یقین ہے ڈی سی صاحب وہ فلاپ ہیرو اسی جگہ ہے۔ جذباتی اور امیچور ہے اس لیے کافی کلئیو چھوڑے ہیں اور فون تو اس کا ہم پہلے ہی ٹریس کر چکے ہیں۔" پولیس نے مونس کے فون کو ٹریس کر کے اس کا پچھلا سارا ریکارڈ حاصل کر لیا تھا۔ یہی نہیں انہوں نے وہ گاڑی بھی برآمد کر لی تھی جو مونس نے شارق سے لی تھی اور جس میں علینہ کو اغواء کیا گیا تھا۔ گزشتہ چند کالوں کے ریکارڈ کی بدولت پولیس اس پراپرٹی ڈیلر تک بھی پہنچ گئی تھی جسے تین ماہ کا کرایہ دے کر گھر ایک ہفتہ کے لیے کرایے پہ لیا گیا تھا۔ سمیر نے اس سارے معاملے میں فقط ایس ایچ او کو انوالو کیا تھا جس سے اس کی ذاتی جان پہچان بھی تھی۔ یہ اس کے گھر کا معاملہ تھا اور بات پبلک تک نہیں آنی چاہیے تھی۔ وہ خود اس کیس میں سب سے آگے تھا شاید یہی وجہ تھی کہ فقط چند گھنٹوں میں پولیس مونس کا سراغ لگا چکی تھی۔

"کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے اور بات باہر تو کسی صورت نہیں نکلنی چاہیے۔" اس نے ہر بار کی کہی بات ایک بار پھر دہرائی تھی۔ وہ اس وقت شدید اضطراب میں تھا۔ دل ہی دل میں علینہ کی عافیت کی دعائیں مانگتا۔ اسے پہنچنے والے معمولی سے نقصان کی سوچ بھی اسے حد درجہ پریشان کر رہی تھی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا سر۔ میرے آدمی اس گھر کے باہر ہی موجود ہیں۔" ایس ایچ او نے فون پر اسے اپ ڈیٹ کیا۔ وہ اسے اس علاقے اور گھر کی تفصیلات بتا رہا تھا جہاں مونس کی موجودگی کے شواہد ملے تھے۔ ڈی سی کی انوالومنٹ ہو تو ویسے بھی پولیس ضرورت سے زیادہ مستعد ہو جاتی ہے ورنہ تو عام آدمی کے لیے اس سے آدھی مشکل بھی پہاڑ بن جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی کیس بھی اول تو تھانے میں درج ہی نہیں کیا جاتا اور اگر ہو بھی جائے تو غریب کی جوتیاں گھس جاتی ہیں اس کی پیروی میں۔ انصاف کا حصول تو دور کی بات الٹا ہاتھ سے بہت کچھ دینا پڑتا ہے عزت بچانے کے لیے۔

"تو پھر میں بھی پہنچ رہا ہوں۔" سمیر نے کہا۔ ایس ایچ او کی اس درجہ مستعدی اور تسلی آمیز گفتگو کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ خاور بھی اس کے ساتھ تھا لیکن سمیر نے اسے نور فاطمہ کے پاس جانے کا کہا۔

"علینہ کو میری ضرورت ہوگی۔" زیر لب کہتے اس نے ایکسیلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

"اس کی ضرورت تو نہیں تھی سر لیکن جیسے آپ کا آرڈر۔" کال ڈسکنیکٹ کرنے سے پہلے اس کے کانوں نے ایس ایچ او کی مایوسی بھری آواز سنی تھی۔ وہ اب ایک ہاتھ سے سر تھامے دوسرا ہاتھ اسٹیرنگ پہ ٹکائے ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہا تھا۔



ایسا لگتا تھا درد کی شدت سے کلیجہ پھٹ جائے گا۔ جلن کا بدترین احساس تھا جو اس کی برداشت سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اپنے کندھے اور گردن کی نچلی سطح اسے برچھیوں سے کٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے چند قدم آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا اور پھر روشنی کا ایک ہالہ نمودار ہوا جس میں اسے اپنی ماں کی صورت دکھائی دی تھی۔ صبح والا اس کا متفکر چہرہ اس پل اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور پھر وہ دھندلا نے لگا۔ پتا نہیں اس کے گھر نہ لوٹنے پہ ماں کی کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ ذہن کے پردے پہ اب ایک دوسری شبیہہ نمودار ہوئی تھی۔ سمیر کا سنجیدہ اور بے تاثر چہرہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ رو رو کر بس ایک ہی دعا کر رہی تھی کہ کاش سمیر اس وقت یہاں آجائے اور اب اس کی شبیہہ سامنے تھی لیکن وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔ عجیب سا شور فضا میں پھیلا ہوا تھا اور اس شور میں اسے سمیر کی آواز سنائی دی تھی۔ علینہ نے کچھ سمجھنے کی سعی کی مگر کچھ بھی جان نہیں پائی اور پھر اس کا ذہن تاریکی کی گود میں چلا گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ فرش پہ گرتی سمیر کے مضبوط بازوؤں نے اس کے بے ہوش وجود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ سب سے پہلے اس کمرے میں داخل ہوا تھا جہاں مونس نے علینہ کو قید کر رکھا تھا۔ پولیس اہلکاروں نے اس مکان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ چند سادہ کپڑوں میں ملبوس پولیس والے مکان کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے مونس کو ان کی آمد کی خبر ہوگئی تھی۔ وہ بھاگم بھاگ علینہ کے کمرے میں آیا جہاں وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی رو رہی تھی بخار سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"آخر تمہارا وہ عاشق یہاں پہنچ ہی گیا۔" مونس نے گھسیٹ کر اسے بستر سے نیچے اتارا تھا۔ اس کی انگلیوں کی سختی اپنے بازو پہ محسوس کرتے وہ بری طرح بلبلائی تھی۔

"چلو جلدی سے ان کاغذوں پہ دستخط کرو ورنہ......"

اس نے بستر پہ پڑا نکاح نامہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ علینہ نے نکاح نامہ اس کے ہاتھ سے چھین کر ٹکڑے ٹکڑے کرتے مونس کے منہ پر دے مارا۔ وہ اسے نفرت سے دیکھ رہی تھی۔ مونس نے آؤ دیکھا نا تاؤ ایک تھپڑ زور سے علینہ کے گال پہ رسید کیا۔ وہ منہ کے بل فرش پہ جا گری تھی۔

"یہ تو ہوا پرانا حساب لیکن تمہاری طرف ابھی میرے بہت سے قرض نکلتے ہیں۔" قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا وہ میز کی سمت بڑھا اور وہاں پڑی بوتل اٹھا کر کھولنے لگا۔ علینہ تیزاب کی بوتل اس کے ہاتھ میں دیکھ کر پہلے ہی الرٹ ہو چکی تھی اس لیے اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے اس جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بھاگی۔ مونس نے اس سے بڑھ کر پھرتی دکھاتے تیزاب اس کی طرف اچھال دیا۔ کھولتا ہوا سیال فاصلے کے سبب کچھ تو فرش پہ گرا لیکن علینہ کا دایاں کندھا اور گردن کا نچلا حصہ بچ نہیں پایا۔ سمیر کے اندر داخل ہونے سے پہلے علینہ تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

سمیر کو دیکھ کر مونس نے جیب سے پستول نکال کر اس پہ حملہ کرنا چاہا لیکن اسی وقت پیچھے سے آتے پولیس اہلکار نے اس کے ہاتھ کا نشانہ لیا۔ فضا میں گولی کی آواز گونجی اور مونس کے ہاتھ سے پستول نیچے جا گرا۔ وہ اپنا زخمی ہاتھ تھامے بلبلا اٹھا۔ پولیس اہلکار نے آگے بڑھ کر تیزی سے اسے قابو میں کیا اور دھکیلتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔



سمیر اسے اپنی ہی گاڑی میں اسپتال لے آیا تھا۔ راستے میں اس نے نور انصاری کو بھی کال پہ ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ علینہ کو برن یونٹ میں شفٹ کیا گیا جہاں اسے فوری طبی امداد دی گئی تھیں۔ ڈاکٹر انصاری نے شہر سے اپنے ملنے والے دو اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کو بھی بلوا لیا تھا۔ پچھلے بیس گھنٹے سے اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق وہ شاک کے زیر اثر تھی۔ اس کا کندھا اور دائیں بازو کا اوپری حصہ اچھا خاصا جھلس گیا تھا جبکہ

گردن کی نچلی سطح پہ بھی جلنے کے کئی واضح نشانات تھے البتہ کندھے اور بازو کا زخم بہت گہرا تھا۔ اسپتال میں اس وقت سب ہی موجود تھے۔ آسیہ کا رو رو کر برا حال تھا تو شاکرہ کو سنبھالنا مشکل تھا۔ ڈاکٹر انصاری نے ان کی طبیعت کے پیش نظر انہیں گھر بھیجا تھا۔ خاور کا بس نہیں چل رہا تھا وہ مونس کو جان سے مار دے، جس نے اس کی پھول سی بچی کو اتنی تکلیف اور اذیت دی تھی لیکن سمیر نے اسے قانون اپنے ہاتھ میں لینے سے باز رکھا تھا۔ وہ خود اس کیس کی نگرانی کر رہا تھا اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی ٹھان چکا تھا۔ علینہ کے ہوش میں آنے کی خبر نے سب ہی کے اداس چہروں پہ زندگی بکھیر دی تھی۔ ڈاکٹروں کے معائنے کے بعد یکے بعد دیگرے سب ہی اس سے ملاقات کر چکے تھے۔ سمیر سب سے آخر میں اس کے پاس گیا تھا۔ وہ بستر پہ آنکھیں موندیں چت لیٹی تھی۔ اس نے اسپتال کا مخصوص گاؤن پہن رکھا تھا۔ ہاتھ پہ پلس آکسیمیٹری اور کینولا لگا تھا۔ گاؤن سے نظر آتے گردن کے مختصر حصے کو بینڈیج کیا گیا تھا۔ نور انصاری کے بقول وہ خطرے سے باہر تھی اور مخصوص حصے کی جلن اور زخم کے سوا وہ بالکل ٹھیک تھی لیکن سمیر اس کے چہرے پہ نقاہت اور تکلیف دہ تاثرات بآسانی دیکھ سکتا تھا۔ اس کے دل پہ بوجھ پڑا تھا۔ کاش وہ کچھ اور جلدی وہاں پہنچ جاتا تو مونس اس معصوم کے ساتھ اتنا ظلم نا کر پاتا۔ اس کے بیڈ کے پاس خاموش کھڑا وہ علینہ کا ستا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا جب اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''کیسی ہو خوب صورت لڑکی؟'' خود کو نارمل کرتے اس نے اپنے مخصوص انداز میں علینہ کو چھیڑا۔ جواباً علینہ دھیما سا مسکرائی لیکن اس مسکراہٹ میں بھی تکلیف کا عنصر غالب تھا۔ سمیر کو اس کا اداس چہرہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''تمہیں اگر مونس اتنا پسند تھا تو مجھے پہلے بتا دیتی۔ میں ملاقات ارینج کر دیتا۔ سب کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ شرارت سے بولا تو علینہ کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور پھر اسے ہنستا پا کر اس نے اپنے داہنے ہاتھ سے اسے پرے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن شدید تکلیف کے احساس نے بے حال کر دیا۔ درد کی شدت پہ قابو پانے کی خاطر اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا لیکن سمیر نے فوری طور پہ ٹوکتے ہوئے اسے واپس بستر پہ لٹا دیا۔

''نہیں نہیں اٹھو مت۔ ممی نے سختی سے ہلنے جلنے سے منع کیا ہے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر واپس لیٹ گئی۔ سمیر بیڈ کے کونے پہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''بہت درد ہو رہا ہے۔'' علینہ نے آنکھ کے اشارے سے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔

''زخم کافی گہرا ہے۔ اس حصے کی اسکن بری طرح جھلس گئی ہے لیکن ان شاء اللہ بہت جلد ریکور ہو جائے گا۔ ڈونٹ وری۔'' سمیر نے انگلی کے اشارے سے اسے اس جگہ کے متعلق آگاہ کیا جہاں تیزاب گرا تھا۔ علینہ کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر ابھرا جب تیزاب اس کے بازو پہ گرا تھا۔

''اور نشان؟'' اس نے ناامیدی سے سوال کیا۔

''ایک دو سرجریز میں وہ بھی چلے جائیں گے۔ بٹ اِٹ وِل ٹیک ٹائم۔'' سمیر نے اسے یقین دلایا۔ علینہ لب کاٹتے خاموش ہو گئی۔ سمیر نے بھی اس سے آگے کچھ نہیں کہا۔ چند لمحے خاموشی کے گزرے اور پھر کمرے میں علینہ کی آواز گونجی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں ناں؟'' وہ پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ناراض تو نہیں لیکن تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔'' سمیر کا لہجہ نارمل تھا۔

''اور خود کو بھی۔'' اس نے مزید کہا۔

''آپ کو پتا ہے اس دن میں نے آپ سے جھوٹ کہا تھا۔ میں میں......'' اس نے اعتراف کیا اور یہ سچ بتاتے اس کی پلکوں پہ آنسو جھلملانے لگے تھے۔

''جانتا ہوں۔ مجھے اندازہ تھا کوئی بات ضرور ہے۔'' سمیر نے جیب میں رکھا ٹشو نکال کر اس کی آنکھیں خشک

کیں۔

"بس ماما کی وجہ سے انہیں لگتا تھا بابا نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا آپ وہی سب میرے ساتھ کریں گے۔" اس نے اس بار صاف گوئی سے سمیر کو ساری بات بتادی۔ سمیر نے اس کی بیوقوفی پہ سر جھٹکا۔

"اور یہ بات تم مجھ سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ میں انہیں سمجھا سکتا تھا۔ ممی کتنا اپ سیٹ ہوئیں تمہاری وجہ سے۔" یہ اور بات اب کسی کو بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس مشکل وقت میں جس طرح انصاری فیملی نے ان کی مدد کی تھی اس کے بعد آسیہ کو اپنی سوچ اور فیصلے پہ بے تحاشا شرمندگی ہورہی تھی۔ آج اگر سمیر نا ہوتا تو وہ لوگ اتنے کم وقت میں کہاں سے علینہ کو کھوج نکالتے۔

"آئی ایم سوری۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"بس سوری؟" ٹشو پیپر پاس پڑی ڈسٹ بن میں پھینکتے سمیر مایوسی سے اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سمیر میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں نہیں رہ سکتی خوش آپ کے بغیر' میں نے کوشش کی لیکن میں نہیں رہ پائی۔ زندگی میں پہلی بار میں اپنی ضد' اپنے فیصلے کے آگے ہار گئی۔ آپ کو پتا ہے آپ کے ساتھ میں خود کو سب سے زیادہ محفوظ تصور کرتی ہوں۔ اس وقت جب مونس نے مجھے اغوا کیا میں دل ہی دل میں دعا کررہی تھی کاش آپ آجائیں۔ ہر بار کی طرح مجھے اس مشکل سے بچا لیں......" علینہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اتنے دنوں سے وہ جس کیفیت سے گزر رہی تھی' جو کچھ وہ اس کے حوالے سے محسوس کررہی تھی سب کہہ ڈالا۔

"تم نے خواہش کی اور میں آگیا کیونکہ مجھے تو آنا ہی تھا ناں۔" سمیر نے ہلکا سا مسکراتے اس کے ہاتھ کی پشت کو تھپکا اور ہولے سے بیڈ پہ رکھ دیا۔

"اچھا اب تم ریسٹ کرو۔ ممی نے پہلے ہی وارن کیا تھا تمہیں زیادہ بولنے نا دوں۔" وہ ٹھیک تھی اور اس کی تھی اس وقت بس اتنا ہی کافی تھا باقی یہ سب باتیں تو بعد میں بھی ہوسکتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کی وجہ سے وہ اپنی طبیعت خراب کرلے۔

"آپ پھر آئیں گے ناں؟" اس نے جلدی سے سوال کیا جیسے اس کے دور جانے سے خوف زدہ ہو۔

"میں کہیں نہیں جارہا' باہر بیٹھا ہوں اور تم چاہو گی تو تمہارے پاس آجاؤں گا۔" اس پہ تھوڑا سا جھک کر اس نے اسے یقین دلایا۔

"ایک بات پوچھوں؟" اس نے لب کاٹتے سوال کیا۔ سمیر نے سر ہلا کر اسے اجازت دی۔

"آپ اب بھی مجھ سے......؟" وہ کہتے ہوئے خاموش ہوگئی پر سمیر اس کی بے اعتباری کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ علینہ سے محبت کا اعتراف سن کر بھی اس نے اب تک اسے اپنے حوالے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ یقیناً وہ اب یہ سوچ رہی ہوگی کہ تیزاب سے جلنے کی وجہ سے شاید سمیر اب اس میں پہلے کی طرح انٹرسٹڈ نہیں رہا۔ اسی لیے وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"علینہ میں تم سے محبت کرتا تھا' کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ محبت جسم یا ظاہری خوب صورتی سے نہیں دل سے ہوتی ہے۔ روح سے کی جاتی ہے۔ میں نے تمہیں اپنا لائف پارٹنر بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور میں آج بھی اس بات پہ اسی خوشی سے قائم ہوں۔ اب اس پہ کسی احساسِ کمتری کا شکار مت ہوجانا۔ یہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اس کے بالوں کو انگلیوں سے سہلاتے سمیر نے نرمی سے کہا اور علینہ کی روح تک پُرسکون ہوگئی تھی۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی تھی نا خواہش۔



"سفینہ رکو......" وہ بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔

"ایسے مت بھاگو ورنہ گر جاؤ گی۔" پکار پہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ چہرے پہ معصوم سی مسکراہٹ ابھری اور ایک بار پھر اس نے بے اختیار دوڑنا شروع کردیا۔ سبزے کے تختے پہ اپنے بے ربط قدموں سے ڈولتی وہ ایک ہی سمت دوڑتی چلی جارہی تھی۔ اس کے دائیں جانب موسمی پھولوں کی لمبی قطار تھی جن پہ دھنک رنگوں کی تتلیاں یہاں سے

وہاں اڑتی پھر رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے وہ ان تتلیوں کا تعاقب کرتی انہیں پکڑنے کی خواہاں تھی۔ اچانک اس کا بیلنس خراب ہوا اور وہ خود کو گرنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہ منہ کے بل گری تھی۔

''دیکھا میں نے کہا تھا ناں گر جاؤ گی۔'' نور انصاری تیزی سے وہاں پہنچیں اور سفینہ کو گود میں اٹھالیا۔ وہ اب شور مچا کر رو رہی تھی۔ اس کے سر اور ہاتھوں پہ لگی گھاس صاف کرتے نور انصاری نے اسے کئی بوسے دیئے لیکن اس کا رونا ہنوز تھا کیونکہ وہ چوٹ لگنے پہ نہیں بلکہ تتلی ہاتھ نا آنے پہ رو رہی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ اب بھی فضا میں اڑتی تتلی کی طرف اشارہ کیے ہوئے تھا۔ اپنی ننھی انگلیوں کو کھولتے اور بند کرتے وہ انہیں اپنے پاس بلا رہی تھی۔ نور انصاری اسے گود میں اٹھائے انصاری صاحب کے پاس چلی آئیں جو لان میں صوفہ پہ بیٹھے اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ڈھائی سالہ پوتی کی شرارتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ دادا کو دیکھ کر وہ ایک بار پھر حلق کا زور لگاتے روئی تھی۔

''چوٹ لگ گئی میری گڑیا کو۔'' تتلیوں کی طرف اشارہ کرتے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں کو چومتے انہوں نے اسی کی طرح توتلی زبان میں کہا۔ نور انصاری ان کے برابر خالی نشست پہ آبیٹھی تھیں۔ سفینہ ان کی گود سے نکل کر انصاری صاحب کی گود میں چلی گئی۔ اخبار کے صفحات لپیٹ کر سامنے پڑی میز پہ رکھتے انہوں نے اسے گود میں لے لیا تھا۔ وہ اب انہیں ہاتھ کے اشارے اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں تتلی نا پکڑ پانے کی داستان سنا رہی تھی۔

''تتلی کو دیکھ کر اتنی ایکسائیٹڈ ہو جاتی ہے کہ آگے پیچھے کچھ نہیں دیکھتی۔ اب بھلا اس عمر میں، میں اسے تتلیاں کیسے پکڑ کے دوں۔'' نور انصاری نے اس کے گھنگریالے بالوں کی پونی ٹیل درست کرتے ہنس کر کہا۔ جواب میں انصاری صاحب نے قہقہہ لگایا تھا۔



''میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' علینہ کی آواز پہ چونک کر سمیر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کافی دیر سے بیٹی کے ساتھ ماں کی بھاگ دوڑ کو انجوائے کر رہا تھا۔ ان دنوں اس کی پوسٹنگ نارتھ پنجاب میں تھی۔ نور اور انصاری صاحب کے سر پہ اسپتال کی بھاری ذمہ داری تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ فریحہ اور فارس کا اسکول بھی وہی دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ یہ شہر اور اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے حالانکہ علینہ کی شدید خواہش تھی کہ وہ لوگ ان کے ساتھ رہیں مگر یہ فی الحال ممکن نا تھا۔ یوں تو پچھلے چند سالوں سے فریحہ بھی اسی شہر میں تھی لیکن چند ماہ پہلے وہ اور فارس پوسٹ گریجویشن کے لیے امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ فارس کے متعلق فریحہ نے سب سے پہلے علینہ کو ہی بتایا تھا۔ علینہ پہلے فریحہ کے فیصلے کے حق میں تھی نا ہی بعد میں اس نے فریحہ کو اس بات کے لیے اسپورٹ کیا تھا کہ وہ عمیر سے شادی کر لے۔ اس کے نزدیک وہ ایک ساتھ تین زندگیاں داؤ پہ لگا رہی تھی۔ علینہ کی بات مان کر ہی فریحہ نے عمیر کو سچائی بتادی تھی۔ وہ علینہ والے حادثے کا سن کر چند روز کے لیے پاکستان آیا تھا جب فریحہ نے علینہ کی منت سماجت پہ عمیر کو اپنی مشکل سے آگاہ کیا تھا۔ عمیر کم ظرف تھا نا ہی خود غرضی اس کا خاصہ تھی۔ اس نے کھلے دل سے فریحہ کے سچ کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اس تعلق سے آزاد کر دیا تھا۔ گھر کے بڑوں کو دکھ تو ضرور ہوا تھا لیکن فریحہ کی خوشی کا سوچ کر سب نے ہی اس رشتے کو تسلیم کیا تھا۔ فارس کی سوچ اس کی شخصیت سے یوں بھی ڈاکٹر انصاری خاصے متاثر تھے۔ اگلے سال ان دونوں کی شادی بھی علینہ اور سمیر کے ساتھ ہی کر دی گئی تھی۔ ان دونوں نے دو سال پہلے یہاں ایک اسکول قائم کیا تھا جس کا ایک ونگ تعلیم بالغاں کی طرز پہ تھا۔ بچوں کے ساتھ یہاں بڑی عمر کے افراد خصوصاً خواتین کو جدید نصاب کی تعلیم دی جا رہی تھی۔

''ہمم......'' سمیر نے سر سے پاؤں تک علینہ کو دیکھا جو جدید فیشن کا شارٹ فراک اور ٹراؤزر پہنے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ دونوں کل رات ہی انصاری ہاؤس پہنچے تھے اور آج انہیں پہلے شاکرہ اور پھر خاور سے ملنے جانا

تھا۔

"بندریا جیسی۔" حالانکہ وہ بہت اچھی اور اسٹائلش لگ رہی تھی پھر بھی سمیر اپنی عادت سے مجبور اس پہ جملہ کسنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"زندگی میں وہ کون سا خوش نصیب دن ہوگا سمیر جب آپ میری تعریف کریں گے۔" اس سنجیدگی سے اپنا مذاق اڑائے جانے پہ وہ حسب عادت بری طرح چڑ گئی تھی اور صوفہ پہ پڑا کشن اٹھا کر اس نے سمیر کی طرف اچھالا تھا جسے اس نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیچ کرلیا تھا۔

"ہمیشہ میرا موڈ خراب کردیتے ہیں۔" تقریباً روتے ہوئے وہ سینے پہ ہاتھ لپیٹے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔ سمیر کی ہنسی نکل گئی۔

"یار سیریسلی مجھ سے یہ تعریفیں نہیں ہوتیں۔ تمہارا جو دل کرے پہن لیا کرو میں ہر بار نہیں بتا سکتا تم آج فلک کی شہزادی لگ رہی ہو یا پھر پرستان کی پری وغیرہ وغیرہ۔" وہ اب اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ہنستے ہوئے اسے سمجھانے لگا۔ اس کی طبیعت سے واقف ہونے کے باوجود ہر بار علینہ کو اس کی رائے چاہیے ہوتی تھی اور یہ آئے دن کا معمول تھا کہ جواب میں کوئی نا کوئی ایسی بات سننے کو ملتی جس پہ اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس ہوجاتا۔ اس کی شرارتی مسکراہٹ دیکھ کر علینہ بھی ہلکا سا مسکرادی تھی۔

"اچھا ادھر آؤ وہ دیکھو۔" علینہ کا ہاتھ تھامے وہ اسے کھڑکی کے پاس لے آیا۔ نیچے سفینہ اور انصاری صاحب تتلیاں پکڑنے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔ انصاری صاحب تتلی پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے اور ایسا تاثر دیتے جیسے وہ ان کی مٹھی میں ہے جس پہ سفینہ اچھل اچھل کر تالیاں بجاتی۔ نور انصاری ان دونوں کی شرارتوں سے محظوظ ہوتیں بے تحاشا قہقہے لگا رہی تھیں۔

"پھوپو کتنی خوش لگ رہی ہیں ناں۔ سفینہ نے بھگا بھگا کر ہلکان کردیا ہے انہیں۔" وہ اکثر ویک اینڈ یہاں گزارتے تھے اور یہ دن نور فاطمہ اور انصاری صاحب کی

زندگی کے خوشگوار ترین دنوں میں سے ہوا کرتے تھے۔ گھر میں قہقہے گونجنے لگتے تھے۔ ویسے تو فریحہ کے دونوں بیٹوں سے بھی ان کا دلی لگاؤ تھا لیکن سفینہ میں تو نور انصاری کی جان تھی۔ اس کی پیدائش پہ یہ نام بھی انہوں نے ہی رکھا تھا اور سب ہی جانتے تھے اس نام سے انہیں انسیت ہی نہیں عقیدت ہے۔

"اس کے ساتھ دونوں بالکل بچے بن جاتے ہیں۔" علینہ نے گردن موڑ کر پیچھے کھڑے سمیر کو دیکھا۔

"میرا بہت دل کرتا ہے میں ہمیشہ پھوپو کے ساتھ رہوں۔ ہمارے بغیر کتنے اکیلے ہوجاتے ہیں ناں۔" وہ بس ایک سال ہی انصاری ہاؤس میں رہی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد اسے سمیر کے ساتھ جانا پڑا۔ حالانکہ وہ یہاں بہت تواتر سے آتے تھے لیکن نانی' بابا اور پھوپو کو وہ ہمیشہ مِس کرتی تھی۔ اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"اس کا مطلب تمہارا میرے ساتھ رہنے کو دل نہیں چاہتا۔" پیچھے کھڑے سمیر نے اس کے کندھے پہ تھوڑی ٹکائے شکوہ کیا۔

"آپ کے ساتھ ہی تو رہتی ہوں اور پاس بھی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ نگاہیں گھما کر اس نے سمیر کو دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اور میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ میرے پاس رہو کیونکہ آئی ہیٹ یو سو مچ۔" اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرتے ہوئے سمیر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"آئی ہیٹ یو ٹو۔" اس نے بھی شرارت سے دہرایا۔ سمیر اس کے بالوں میں منہ دیئے کھڑا تھا اس کی بات پہ مسکرایا۔ علینہ نے اس مسکراہٹ کی تپش کو اپنی نرم گردن پہ محسوس کیا تھا۔

"پتا ہے اس ہیٹ اسٹوری کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی؟" سمیر کی آواز نے اس فسوں کو توڑا تھا۔ علینہ خاموش رہی تھی۔

"اس درخت سے۔ جب تم اس کے نیچے کھڑی تھی۔ پہلی بار تمہارے چہرے پہ وہ سڑے ہوئے ایکسپریشن نہیں تھے۔ تم مسکرا رہی تھی۔" سامنے لان میں دکھائی دیتے درخت کی سمت اشارہ کرتے اس نے چند سال پرانی اس شام کو دہرایا جب علینہ شاخوں کو ہلا کر ان سے پانی کی بوندوں سے اپنا چہرہ بھگو رہی تھی۔

"اور اس رات جب آپ نے مجھے آکر جنوں بھوتوں سے ڈرایا تھا۔ خود تو مزے سے اندر چلے گئے اور میری جان ہی نکالی دی۔" اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"ہاں تو ایسا ہوتا ہے' خوب صورت لڑکیوں پہ جن عاشق ہوجاتے ہیں اور تم نے ہی تو کہا تھا تم خوب صورت ہو۔" سمیر کی بات پہ اس نے آنکھوں میں ناراضی لیے پلٹ کر دیکھا۔

"آپ بھی کچھ بھول سکتے ہیں؟ مجھے چڑانے کے لیے ایک ایک بات یاد رکھی ہوئی ہے۔ جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکائے وہ زچ ہوکر بولی اور اس کے بازوؤں کے حصار سے نکل گئی۔

"یار اب موڈ خراب نہیں کرو۔" اس کا ہاتھ تھام کر وہ ایک بار پھر اسے اپنے قریب لے آیا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میری بہت زیادہ تعریف کریں۔ اچھا سا کمپلیمنٹ دیں۔" گردن اکڑائے علینہ نے فرمائش کی۔

"اوکے ٹرائی کرتے ہیں۔" سمیر گلا صاف کرنے کے انداز میں کھنکھارا۔

"تمہیں پتا ہے ناں علینہ تم ایک انتہائی خوش قسمت لڑکی ہو۔ تمہیں ایک ہینڈسم' ڈیشنگ اور قابل ترین انسان کا ساتھ ملا ہے جو دل و جان سے تم پہ فدا ہوگیا ہے۔ حالانکہ یو آر ویری ایوریج اور کچھ کچھ سائیکو بھی رہ چکی ہو لیکن آئی ایم ان رئیلی لو وِد یو۔" وہ جو پُرشوق نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہمہ تن گوش تھی ان خود ستائشی کلمات پہ ہکا بکا سی رہ گئی۔

"پکے بیوروکریٹ ہیں سمیر انصاری۔ اظہارِ محبت ہو یا تعریف سب میں پالیسی اور اپنا مفاد سامنے رکھتے ہیں۔" علینہ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پہ مارتے الگ ہونا چاہا۔

"کیا کروں یار عادت ہوگئی ہے۔ ویسے اگر تم اپنی اس سے زیادہ تعریف سننے کے موڈ میں ہوتو......" سمیر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر شرارت کرنا چاہی۔ علینہ جو پہلے سے آگاہ تھی مسکراتی ہوئی اس سے دور ہوگئی۔

"بہت شکریہ۔ میرا پیٹ اسی سے بھر چکا۔ اب آپ نیچے جائیں اور سفینہ کو دیکھیں اس نے پھوپو کو پریشان کر رکھا ہے۔ میں بس تیار ہو کر آتی ہوں۔" سمیر کندھے اچکاتا چہرے پہ مایوسی لیے باہر چلا گیا۔ علینہ سر جھٹکتے مسکراتی ہوئی ایک بار پھر کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ نیچے لان میں مسٹر اینڈ مسز انصاری، سفینہ کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اوائل بہار کے دن تھے اور ہوا میں خنکی کم ہو چکی تھی۔ لان میں لگے موسمی پودوں پہ کھلے پھولوں کی رنگینی کیا حسین نظارہ دیتی تھی۔ پچھلے چند سالوں سے علینہ کی زندگی بھی انہی پھولوں کی مانند کھلی ہوئی تھی۔ وہ جو کبھی قدرت سے اپنے بے مصرف وجود کا شکوہ کرتی تھی آج ہر لمحہ اللہ کی کرم نوازیوں پہ سجدۂ شکر بجالاتی تھی۔

مونس والے حادثے کے بعد اسے نارمل ہونے میں بہت وقت لگا تھا۔ تیزاب سے جل کر کندھے اور گردن کے نچلے حصے پہ گوشت آنے کے بعد بھی وہ بدنما داغ طویل مدت تک اس کے جسم پہ نظر آتے رہے۔ بلکہ آج بھی اس کے کندھے پہ وہ برن مارک موجود تھے لیکن اتنے عرصے میں سمیر نے کبھی اسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ ایک مکمل مرد تھا اور خوب صورتی اس کی اضافی خوبی تھی۔ اتنے سالوں میں اس کے ساتھ نے علینہ کو یہ باور کروایا تھا کہ زندگی کا ساتھی اچھا ہو تو کیسے زندگی جنت میں بدل جاتی ہے اور وہ تو بہترین تھا۔ وہ صرف شوہر نہیں اس کا سب سے اچھا دوست تھا جس کے سامنے اپنے دل کی فضول باتیں اور اپنی احمقانہ ترین سوچ بیان کرتے بھی اسے جھجک نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس کا مان اس کا غرور تھا جس کا ساتھ اسے اللہ کا انعام لگتا تھا۔ اس کی موجودگی میں آج بھی علینہ خود کو سب سے زیادہ محفوظ تصور کرتی تھی۔



سمیر اب وہاں پہنچ چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سفینہ دادا دادی کے پاس سے بھاگ کر اس کی طرف بڑھی۔ سمیر نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں اٹھالیا۔ وہ اب اس سے تتلی پکڑنے کی فرمائش کر رہی تھی۔ نور انصاری اور ڈاکٹر زبیر بھی اسے یہی کہہ رہے تھے ساتھ ساتھ ہنستے ہوئے اپنی ناکامی کے متعلق بتارہے تھے۔ سفینہ کو گود میں اٹھائے وہ پھولوں کی کیاری کے پاس چلا آیا تھا۔ سفینہ کو گود سے اتار کر اس نے پھولوں پہ بیٹھی ایک تتلی کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ دھنک رنگ کی تتلی پھولوں کا رس چوستی بے خبری میں اس کی مٹھی میں آگئی۔ سفینہ کا مارے خوشی کے برا حال تھا۔ سمیر نے دونوں ہاتھوں کی مٹھی اس کے آگے کی اور ہولے سے کھولی۔ اندر تتلی اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہی تھی۔ سفینہ نے چھوٹی سی جھری سے اپنی انگلی اندر ڈالتے ان نازک پروں کو چھوا۔ اس کے چہرے پہ اس وقت دنیا جہان کی خوشی نمایاں تھی۔ وہ تتلی کو اب سمیر کی طرح اپنے ہاتھوں میں پکڑنا چاہتی تھی۔ سمیر نے جیسے ہی مٹھی کھولی تتلی آن کی آن میں اونچی اڑان اڑ گئی۔ سفینہ نے ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھتے اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔ سمیر نے اس کا دھیان بدلنے کی خاطر اسے گدگدی کی تو وہ بے تحاشا کھلکھلائی اور جھٹ دادی کی گود میں چھپ گئی۔

اوپر جنت کے کسی پُرسکون گوشے سے سفینہ نے اپنے کنبے کو ہنستے مسکراتے دیکھ کر ان کی تاحیات خوشیوں کی دعا کی تھی کہ ان سب کی زندگیاں تتلی کے پروں سی رنگین اور امنگوں سے روشن رہیں۔ اپنی اگلی تین نسلوں کو خوش و خرم اور پُرسکون پا کر شکر بجالائی تھی۔

(ختم شد)



لال رنگ

مونا شاہ قریشی

لکڑی کے شہتیر پر آزردہ چشم ٹکائے وہ چھت کو اس طرح گھور رہی تھی گویا پہلا اور آخری دیدار کررہی ہو۔ چہرے پر پھیلی آشفتگی میں اس درجہ اذیت گھلی ہوئی تھی کہ اگر کوئی نظر بھر کر دیکھ لے تو دھک سے رہ جائے۔ لال رنگ وجود سے نچڑ کر کمرے کی تاریکی میں رقصاں تھا جس دھج سے وہ لال رنگ لپیٹ کر گھر سے نکلی تھی بدلے میں اس سے دگنا رنگ لے کر پلٹی تھی مگر اس میں وہ حزیمت شامل تھی کہ پوری زیست کا فخر رل گیا تھا۔ ساری اکڑ تلپٹ ہوگئی تھی۔

''سجو...... مغرب کا ٹیم ہوگیا کواڑ کھول دے کمرے سے باہر نکل نیستی پن پھیلایا ہوا ہے۔'' برتن مانجھتے ہوئے سلمٰی نے تھوڑی سی ریتی لے کر پتیلی کی پشت پر لگائی اور گھسڑ گھسڑ کر ہاتھ سے مسلتے ہوئے سجیلا کو ہانک لگائی۔

خلاف توقع اپنے نام کی ازلی بے حرمتی پر نہ وہ بھڑکی نہ ٹھنکی' نلکا چلا کر پتیلی دھوتے ہوئے سلمٰی نے تشویش سے کمرے کی جانب دیکھا اور دھلی پتیلی برتنوں کی ٹوکری میں رکھ کر چولہے کی جانب چلی آئی۔ سلگتی لکڑیوں کو الٹ پلٹ کر اس نے پھونکنی اٹھا کر آگ بھڑکائی اور مصالحہ بھونتے ہوئے گوبھی ہنڈیا میں ڈال کر چمچ چلایا اور ڈھکن بند کرکے کمرے کی جانب چل دی۔



مرکز شہر سے ذرا فاصلے پر بنی نئی کالونی میں آبادی برائے نام تھی' گیس کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے صرف چند ایک گھر ہی آباد تھے۔

''اماں تُو نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ' میری ساری سہیلیاں کالج جاتی ہیں اور تو نے میٹرک کروا کر گھر بٹھالیا۔'' وہ دھاگہ ہاتھوں میں پھنسائے پھرتی سے ابرو کے بال اڑا رہی تھی۔

''کم بخت' کتنی دفعہ تجھے منع کیا ہے یہ کام نہ کیا کر' موئی فیشن کی ماری۔'' ایک زوردار دھموکا اس کی کمر میں جڑتے ہوئے سلمٰی نے دھاگہ اس کے ہاتھ سے چھین کر توڑ دیا۔

''ہائے اماں...... بندہ تمیز سے ماردیتا ہے ذرا۔'' کمر سہلا کر سجیلا نے دہائی دی۔

''اس لیے تجھے کالج نہیں جانے دیا دو جماعتیں اور پڑھ لیتی تو ماں باپ کو تمیز سکھانے چل پڑتی۔'' کپڑوں کا شاپر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے وہ تڑخ کر بولیں۔

''چل اٹھ اب سلائی سینٹر جا' آج چھوٹی کی فراک بھی سی کے لانا۔'' سجیلا نے فرش پر بیٹھی ننھی طیبہ کو ناگواری سے دیکھا اور شاپر چارپائی پر پھینکتے ہوئے کالی چادر اوڑھنے لگی۔

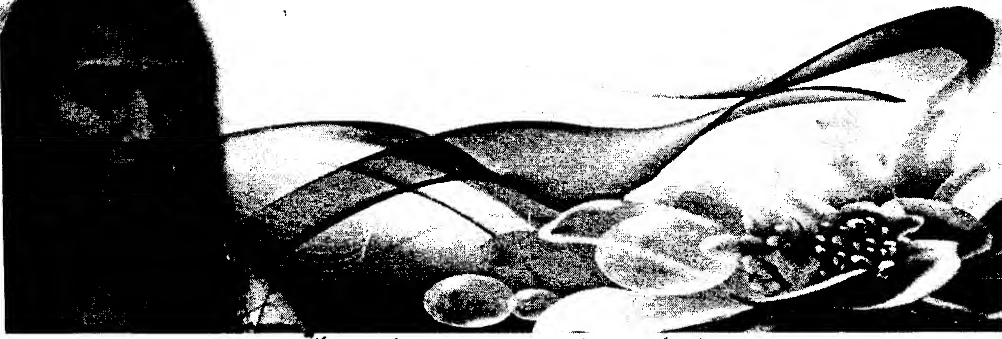
''حامد او حامد...... جا بہن کو چھوڑ آ۔'' سلمٰی کی ہانک پر حامد نے جھٹ گیند پھینکی اور سجیلا کے پاس آ کھڑا ہوا۔

اس نے دانت پر دانت جما کر غصہ ضبط کیا اور شاپر اٹھا کر باہر نکل گئی۔ سلائی سینٹر سے ذرا فاصلے پر اس نے رک کر حامد کو گھر واپس بھیج دیا اور چادر پیشانی تک کھسکالی۔ سفید رنگ کی کار دور سے آتی دکھائی دی تو وہ محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھنے لگی اور کار کے رکنے پر تیزی سے اس میں بیٹھ گئی۔ زبیر نے مسکرا کر اس کی پھرتی کو دیکھا تھا۔

''کچھ لوگ غصہ میں ازحد دلکش لگتے ہیں۔'' اس کے تنے ہوئے چہرے کو معنی خیزی سے تکا تو وہ یکلخت جھینپ گئی۔

گھر سے سلائی سینٹر تک کے فاصلہ میں وہ واردات الفت میں ملوث ہوچکی تھی۔ تہذیب یافتہ نوجوان کی مہذب محبت نے اسے پہلی بار بوکھلایا اور پھر اپنا اسیر کرلیا۔ سطحی لفظی محبت نے اس کے شکستہ نفس کو دھرلیا اور وہ اس محبت سے اس درجہ مطمئن تھی کہ تجزیہ نفس کے تمام اسباق بھول کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے تھے۔

میکڈونلڈ کے لذیز فاسٹ فوڈ سے زیادہ زبیر کی باتوں میں مزہ تھا تب ہی وہ رغبت سے انصاف کرنے کی بجائے



اس کے لبوں سے سرسرا کر نکلتے ہوئے لفظوں پر کان دھرے ہوئے تھی۔ جاہ و ثروت اس کے لب و لہجہ سے لے مکمل شخصیت سے یوں چھلکتی تھی جیسے بھرے ہوئے پیمانے سے جام چھلکتا ہے تب ہی وہ تھرتھراتے ہوئے لبوں کو وقتاً فوقتاً دانتوں تلے دبا رہی تھی کہ اس کی باتوں کے سامنے سامنے اپنے الفاظ بے وقعت محسوس ہوتے تھے۔

''پرسوں تیار رہنا بلکہ خصوصی تیاری ہونی چاہیے تمہاری۔'' غائر نگاہوں کی بے حجابی پر سجیلا نے استعجاب سے اسے دیکھا۔

''یوم محبت ہے پرسوں اور اس دن کو کچھ اس طور منانا ہے کہ برسوں یہ دن ذہن سے محو نہ ہو۔'' آنکھیں سکیڑ کر مخملی کرسی سے کمر ٹکاتے ہوئے زبیر نے اسے بغور دیکھا۔

''مگر اماں کو کیا کہوں گی' میں تیار ہوں گی تو وہ ضرور پوچھیں گی۔'' گھبرائی سیاہ آنکھوں نے مقابل کے سکون کو تہس نہس کیا۔

''دوست کے گھر جا رہی ہوں سالگرہ پر۔'' گندمی انگشت شہادت کو چھو کر ایک جھٹکے سے کھینچتے ہوئے زبیر نے بہانہ بتایا' اپنی رو میں بیٹھی وہ یکلخت آگے کی جانب جھک آئی۔

''لال رنگ سے خود کو سنوارنا جانتی ہو ناں یہ رنگ محبت کی علامت ہوتا ہے۔'' وہ اس پر یوں استحقاق جما رہا تھا گویا سارے جملہ حقوق بحق اپنے نام محفوظ کروا چکا ہو۔

''گھر چلیں اب' مطلب واپس۔'' سجیلا کی بات پر زبیر نے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں' اس کی باتوں سے گھبرا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

سلائی سینٹر پہنچ کر اس نے تیزی سے کام کرنا شروع کردیا مگر سارا دن اس کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ چسپاں رہی تھی جیسے کلیاں چٹک رہی ہوں۔

☆☆☆......☆☆☆

''سجو......سجو......'' وقفے وقفے سے آتی اس پکار پر وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔

''اماں...... بندہ سجیلا ہی کہہ دیتا تھا جب پورا نام لینا ہی نہیں تھا تو رکھا کیوں تھا۔ سجو کہہ کر بٹہ دے مارتی ہیں آپ تو۔'' نلکا چلا کر پیروں پر پانی ڈالتے ہوئے وہ تیکھے پن سے بولی۔

''دن بدن بدلحاظ ہوتی جا رہی ہے تو۔'' سلمیٰ کی بات پر اس نے سر جھٹکا تو بے دھیانی میں نلکے کی ہتھی اس کے چہرے سے ٹکرا گئی۔

''ہائے اللہ...... دنیا میں اتنی ترقی ہوگئی ہے اللہ کی شان دیکھو ہمارے گھر پانی کی موٹر نہیں لگی۔'' گال سہلاتے ہوئے اس کی دہائی وسیع صحن میں گونجی۔

''ہر مہینے بجلی کا بل جو ہزاروں کے حساب سے آئے گا اسے کون بھرے گا' اتنی مہنگائی میں بصرف پیٹ بھرے جاتے ہیں غریبوں کے۔'' ماں کی بات پر کونین کی سی تلخی اس کے وجود میں پھیلی تھی۔

''طیبہ کے کپڑے بدلوا دے تیری چاچی نے اپنے پتر کی آمین کروائی ہے دوپہر کو وہاں جانا ہے۔'' اس کے ذمہ کام لگا کر وہ خود اپنے کپڑوں کی سلوٹیں نکالنے لگی۔

''کل میں نے نبیلہ کے گھر جانا ہے سالگرہ ہے اس کی۔'' جھوٹی بات کہتے ہوئے اس کا دل اوپر تلے ہونے لگا۔

''کون نبیلہ؟'' انہوں نے اچنبھے سے پوچھا۔

''میں نے پہلے بتایا تو تھا میری دوست ہے سلائی سیکھنے آتی ہے وہاں باجی کے پاس۔'' طیبہ کو جرسی پہناتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے لرزے اور یہی لرزش زبان کے راستے لفظوں میں بھی در آئی تھی۔

''زیادہ ٹیم نئی لگانا جلدی واپس آجا۔'' قدرے تذبذب کے بعد اسے اجازت دے کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی' سجیلا کی سرسوں جیسی رنگت بدل کر شہابی ہوگئی تھی' اجازت کا مژدہ جاں فزا تھا وہ سرتاپا شاد ہوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

چودہ فروری کی سحر تابندگیاں لیے رات کی تاریکی سے فرار ہوئی تھی۔ گہرا سرخ لباس پہنے' ہم رنگ سرخی سے لب سجائے عالم بے خبری میں وہ اپنی زیست کی سب سے عنقا شے کا سودا کرنے چلی تھی۔ آج وہ بھی سرخ رنگ کی کار میں آیا تھا' سرخ مہکتے گلابوں کی نکہت پوری کار میں منتشر تھی بصد حیرت وہ دائیں بائیں سر گھما رہی تھی۔ چہار اطراف سرخ رنگ بکھرا تھا' سرخ پھولوں کے اسٹالز سجے تھے' چاکلیٹس' ٹیڈی بیئر دھڑا دھڑ بک رہے تھے۔

''حیران مت ہوں جاناں...... یہ محبت کا سماں ہے ابھی اور بھی سرپرائز باقی ہیں۔'' ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے وہ ہنس کر بولا تو سجیلا نے بھی جوابی مدھم مسکراہٹ پیش کی۔

محض چند فرلانگ کے فاصلہ پر پوری زندگی کا ملال پوری جاہ سے ایستادہ تھا۔ شہر کا بہترین ہوٹل بھی سرخ رنگ کی لپیٹ میں تھا' قطار در قطار گاڑیاں وسیع و عریض پارکنگ میں چم چم کر رہی تھیں۔ اس نے بھی گاڑی کو ایک قطار میں کھڑا کیا اور سجیلا کا ٹھنڈا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ تمام ٹیبلز پُر تھیں اور کوئی ایک ٹیبل بھی ایسی نہ تھی جو کپلز کے بنا ہو۔ ہر عمر کے جوڑے دستیاب تھے جس میں کم سن اور جوان جوڑے زیادہ اور واضح تھے بظاہر انتہائی مہنگے ہوٹل میں براجمان تمام لوگ بہت مہذب اور پڑھے لکھے تھے مگر یہ بات تو طے تھی کہ سارے کے سارے حدود واخلاقیات سے نابلد تھے۔ محبت کے نام پر بیٹھے تمام لوگ ذہنی طور پر جاہل تھے اور ان جہلا میں اضافہ ان دونوں نے آ کر کیا تھا' ایک باخبر جاہل...... دوسرا بے خبر جاہل......

''یار میری محبت پر شک مت کیا کرو' کم از کم آج کے دن تو لڑے بنا گزارہ کرلو۔ ذرا سی محبت ہی دے دو۔'' گمبھیر آواز پر سجیلا نے دائیں جانب گردن موڑی جہاں سفید یونیفارم میں بیٹھی لڑکی سامنے بیٹھے لڑکے کی بات پر ہنس رہی تھی۔

''کیسا لگا یہاں آ کر۔'' کھانے کا آرڈر دے کر زبیر نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا۔

''کھانا کھالو پھر تمہیں کہیں اور بھی جانا ہے۔'' پوسٹ مارٹم کرتی نظروں کو اس پر ٹکائے وہ گہری خبیث مسکراہٹ کے ساتھ بولا جبکہ وہ پزل سی ہو کر اپنے اطراف میں بیٹھے جوڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ اسے ہوٹل کے سیکنڈ فلور پر لے آیا مقفل کمرے کا لاک کھولتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھاما اور دروازہ کھلتے ہی اندر گھس گیا۔ ایک معطر سی مہک نتھنوں سے ٹکرائی اور روشن کمرے نے آنکھوں کو خیرہ کردیا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ ہونقوں کی طرح کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر بولی۔

''یہ...... یہ بہشت ہے۔'' اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ محسوس کر کے وہ یکلخت بدک اٹھی۔

''یہ ہماری محبت کا پیک ٹائم ہے سویٹ ہارٹ' پیک ٹائم سمجھتی ہوناں' محبت کا عروج۔'' اس کی معنی خیز بات پر وہ دھک سے رہ گئی۔

''مگر......'' وہ تڑپ کر بولی تو زبیر نے اس کے لبوں پر ہاتھ دھر کر نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی اگر مگر نہیں صرف خاموشی۔'' اس کی وحشی گرفت نے سجیلا کی خوشیوں کا چراغ گل کردیا تھا۔

اس کی محبت بری طرح لٹ چکی تھی' محبت کو غلط ہاتھوں میں سونپ دینے والے ہمیشہ پچھتاتے ہیں اور کچھ لوگ تو اس پچھتاوے پر جان تک وار دیتے ہیں' جس تمکنت سے وہ سرخ رنگ میں ڈوب کر نکلی تھی انتہائی بوسیدہ اور شکستہ عمارت کے مثل اس تمکنت کو کھو کر واپس لوٹی تھی۔



''بلب تو جلالے کم سے کم۔'' دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھ کر سلمٰی نے بتی جلائی۔

''ہائے...... نی سجو کیا ہوا ہے......!'' ہلدی ایسی رنگت پر مستزاد وہ دیدے پھاڑے دیوار کو گھور رہی تھی سلمٰی تو اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔

''بولتی کیوں نہیں۔'' سلمٰی نے اس کا کندھا پکڑ کر اسے جھنجھوڑا۔

سجیلا نے خاموشی سے لال سوٹ اپنی ماں کے ہاتھ میں تھمادیا' اس نے اچنبھے سے سوٹ کو دیکھا۔

''یہ لال رنگ کھا گیا ہے مجھے' اب بے کار ہے یہ میرے لیے' جلا دے اسے تو۔'' سرخ آنکھیں پاگلوں کی طرح دائیں بائیں گھماتے ہوئے سجیلا نے انگلی کا ناخن چبایا۔

سلمٰی کے نیم والبوں میں لفظ ''ہائے'' اٹک کر رہ گیا اور لال جوڑا ایک جھٹکے سے زمین بوس ہوگیا' ساتھ میں ان کا فخر بھی۔



اَن رستے

عاصمہ عزیز

وقت بہت بے رحم ثابت ہوتا ہے۔ کسی کو آزمانے پر آئے تو زندگی کے کشکول میں اتنی محرومیاں بھر دیتا ہے کہ انسان کو ان محرومیوں سے نجات کا کوئی رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ بھی اندازہ نہیں کر پائی کہ یہ وقت کی ستم ظریفی تھی یا اس کی قسمت کا کھیل کہ اس نے جس گھر میں آنکھ کھولی' جس کی درو دیوار سے محرومیاں اور نارسائیاں کسی دیمک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں۔ رات کے اس پہر جب ہر کوئی محوخواب تھا اور سیاہ آسمان پر تارے ٹمٹمارہے تھے وہ صحن میں بچھی چارپائی پر چت لیٹی ہمیشہ کی طرح از سر نو اپنی محرومیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ سب سے پہلا شکوہ تو اسے یہی ستاتا کہ شہزادیوں جیسا حسین چہرہ جس کو دیکھ کر کسی محل کی ملکہ ہونے کا گمان گزرتا' لیکن یہ قسمت کا کھیل تھا کہ وہ کسی محل کی ملکہ نہیں بلکہ ایک معمولی سبزی فروش کی بیٹی تھی انسان کا المیہ یہی ہے کہ وہ اپنی محرومیوں کا رونا روتے ہوئے اپنی تقدیر کو موردالزام ٹھہراتا ہے اور اپنی زندگی میں حاصل شدہ نعمتوں کو فراموش کردیتا ہے۔

ثانیہ رحمان کو اپنی محرومیاں چھپانے کے لیے ہمیشہ جھوٹ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب شہر کے مشہور گورنمنٹ کالج میں اس کا پہلا دن تھا۔ کالج میں جگہ جگہ کھلکھلاتی لڑکیاں' جن میں سے کئی کے اسٹرایکنگ شدہ بال تھے تو کسی کی آنکھوں کو دیکھ کے گمان ہوتا جیسے جھیل سی گہری ہوں' اوپر سے ان کے لباس دیکھ کر اپنا تھیلا نما بوسیدہ بیگ اور رف حلیہ اسے سخت شرمندہ کررہے تھے۔ بے اختیار اس نے اپنے بیگ کو اپنے دوپٹے کی اوٹ میں چھپایا اور خود کو لڑکیوں کی نظروں سے بچا کر لان کے بالکل کونے میں واقع درخت کے سائے تلے بیٹھ گئی۔ اداسی اس کے گرد ایک دفعہ پھر اپنا حصار تنگ کررہی تھی۔ حسن کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود وہ محض اپنی غربت کی وجہ سے لڑکیوں سے گھلنے ملنے سے ہچکچا رہی تھی۔

انسان جتنا خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی لوگوں کی نظروں میں عیاں ہوتا ہے۔ درخت کے سائے تلے بیٹھے ابھی کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ بالوں کی پونی ٹیل بنائے نک سک سے تیار ایک لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے سوچا کہ یہاں سے اٹھ جائے۔

''ہیلو میرا نام اریبہ ہے۔'' اس نے ثانیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ اریبہ بصیر بہت باتونی اور زندہ دل لڑکی تھی تبھی پورا گھنٹہ اس سے گپ شپ کرتے ہوئے اسے وقت کا احساس تک نہ ہوا اور ساری مایوسی اڑن چھو ہوگئی تھی۔ باتوں کے دوران اس نے اپنی فیملی کا بائیو ڈیٹا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ جس کو سن کے ثانیہ کے دل میں احساس کمتری ایک دفعہ پھر عود کر آیا تھا۔ کیونکہ اریبہ بصیر کا تعلق ایک ایلیٹ کلاس سے تھا۔ اس کے ماں باپ کی علیحدگی ہوگئی تھی' ماں اور ایک سوتیلا بھائی دونوں امریکہ میں مقیم تھے جبکہ باپ کا شمار ملک کے مشہور بزنس مین میں ہوتا تھا۔

''خوش قسمتی سے ہم دونوں ایک ہی سیکشن میں ہیں اس لیے ہماری دوستی خوب جمے گی۔'' اریبہ نے شوخی سے کہا۔ ''تم نے اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا۔ کتنے بہن بھائی ہو اور تمہارے بابا کیا کرتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔'' ثانیہ کا سانس خشک ہونے لگا۔ اپنے تعارف کروانے کے وہ جس لمحے سے بھاگ رہی تھی وہ آن پہنچا تھا۔ لیکن پہلے ہی دن وہ سب پر اپنا شاندار امپریشن ڈالنا چاہتی تھی اس لیے اس نے بڑی تیزی سے جھوٹ گھڑتے ہوئے کہا۔



''میرے ڈیڈی بھی بہت بڑے بزنس مین ہیں اور ماما تو اتنی رحم دل ہیں کہ وہ سوشل ویلفیئر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔''

''ہونہہ رحم دل......'' اس نے تلخی سے سوچا۔ اریبہ بخوبی جانتی تھی کہ سوشل ویلفیئر کا کام کرنے کی وجہ رحم دلی سے زیادہ لوگوں کی نظروں میں اپنا اسٹیٹس قائم رکھنا ہوتا ہے لیکن ثانیہ کو پہلے ہی دن وہ ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ کندھے پر لٹکے بیگ کو اس نے بے زاری سے صحن میں بچھی چارپائی پر پھینکا تھا۔ اس وقت پیاس کی شدت سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا جیسے نہ جانے کب کی پیاسی ہو۔ صحن میں ایک طرف رکھے کولر سے ان نے چند گھونٹ پانی پیے۔ اس وقت اسے اندر کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی کی سخت طلب تھی لیکن فریج نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اس نعمت سے بھی محروم تھے۔

''تجھے کیا ہوا ہے' منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟ اٹھ شاباش وضو کرکے نماز پڑھ۔ نماز نہیں چھوڑنی چاہیے کیونکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' اماں نے کمرے سے نکلتے ہوئے اس کا حال پوچھنے کے ساتھ ساتھ نصیحتوں کی پوٹلی کھولی تھی۔

''بس کردو اماں۔ ہر وقت نصیحتیں کرنے مت بیٹھ جایا کرو۔'' اس نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

''اے لو...... تیرا دماغ کیوں گرم ہے۔ تجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ شہر کے مشہور کالج میں تیرا داخلہ ہوگیا ہے۔'' اماں نے تسبیح پڑھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

''خوشی کیا ہوتی ہے اماں جان میں آج تک یہ نہیں جان پائی۔ یہ پھٹا پرانا بیگ استعمال کرکے مجھے خوش ہونا چاہیے۔'' اس نے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا دل چھوٹا نہیں کرتے۔ انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ ''غربت باعث آزار تو ہوسکتی ہے لیکن اس کو باعث شرمندگی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تو رب کی مرضی ہے وہ جسے چاہے دنیا کے خزانوں سے مالا مال کرکے اسے آزمائش میں مبتلا کرے اور جسے چاہے خالی دامن رکھ کر۔ تیرے لیے تو یہ بات قابل فخر ہونی چاہیے کہ تیرا باپ معمولی آمدنی کے باوجود تجھے پڑھا لکھا کر باشعور انسان بنانا چاہتا ہے۔''

''جو لوگ اپنی غربت پر فخر کرتے ہیں وہ کبھی بھی بلند مقام حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ اسی طرح غربت سے سسکتے ہوئے مرجاتے ہیں۔'' اس نے اسی طرح ان کی گود میں سر رکھے ہوئے کہا۔

''دنیا میں بھی بلند مقام محض دولت سے نہیں بلکہ نصیب سے ملتا ہے بیٹا۔'' اماں جان نے اپنی بیٹی کو

سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔ ''اسلام ہمیں قناعت پسندی کا درس دیتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے اس پہ شکر اور جو نہیں ہے اس پر صبر کرنا سیکھو بچے۔ دوسروں کو حاصل کردہ نعمتوں کو اپنی خواہشات بنا کر ان کے پیچھے بھاگنے والے ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔''

''ان باتوں اور فلسفوں کا دور ختم ہو چکا اماں جان۔ اب دولت ہی سب کچھ ہے۔'' وہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے جھٹکے سے اٹھی۔ ''مجھ کچھ نہیں سمجھنا مجھے نئے یونیفارم اور بیگ کے لیے پیسے چاہئیں ورنہ کل سے کالج جانا بند۔'' اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''اچھا اچھا میرا دماغ نہ خراب کر لے لینا پیسے۔ مجال ہے جو عقل کی بات چھو کے گزرے بد دماغ کو۔'' اس کی ہٹ دھرمی دیکھ کر اماں کا پارہ چڑھا اور وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئیں تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ ابھی کچھ دیر پہلے اریبہ کے ساتھ کالج کے گیٹ سے نکلی تھی۔ دھوپ کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا لیکن مجبوراً وہ اریبہ کے ساتھ درخت کے سائے میں کھڑی اس کے ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی ورنہ وہ کب کی کالج بس میں سوار ہو کر اس وقت تک گھر بھی پہنچ چکی ہوتی۔ ہائی کلاس سے اس کا تعلق نہ سہی لیکن خود کو ہائی کلاس کا فرد ظاہر کرنے کے تمام طریقے اسے ازبر تھے اس لیے وہ اریبہ کے سامنے کالج بس میں نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ لیکن تپتی دوپہر میں یہ ڈرامہ اسے بہت مہنگا پڑ رہا تھا وہ سخت جھنجلاہٹ محسوس کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی فائل سے ہوا جھل رہی تھی کہ دفعتاً گاڑیوں کے ہجوم میں سے ایک سیاہ کرولا اسے اپنے پاس رکتی ہوئی دکھائی دی جس میں ایک ادھیڑ عمر شخص ڈرائیوروں والا مخصوص یونیفارم پہنے گاڑی کے ہارن پہ ہاتھ رکھ کے شاید ہٹانا بھول گیا تھا۔

''شکر ہے میری گاڑی آ گئی۔ تم بھی چلو تمہیں بھی گھر ڈراپ کر دیں گے۔'' اریبہ نے کہا۔

''ہوں......شاید ڈیڈی آفس میں بزی ہوں اس لیے ابھی تک نہیں آ سکے۔'' ثانیہ نے کہا۔

''تو پھر میرے ساتھ ہی چلو ناں۔'' اریبہ نے اسے اپنے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔

''ہوں...... چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے ایسے کہا جیسے بادل ناخواستہ چلنے کی حامی بھری ہو ورنہ اس جھلسا دینے والی گرمی میں اے سی والی گاڑی میں سفر کرنا اس کے لیے ایک نیا اور فرحت بخش احساس تھا۔

''ثانیہ پتر۔'' وہ ابھی اریبہ کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اسے اپنے عقب سے جانی پہچانی آواز سنائی دی اس نے گردن موڑ کر مخاطب کو دیکھا تو اپنے ابا کو پھلوں کی ریڑھی سمیت دیکھ کر اس کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ شاید اس کے ستارے ہی آج گردش میں تھے جو صبح اماں نے اس کی کام چوری پر اسے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی اور اب اس کا پول اریبہ کے سامنے کھلنے والا تھا۔ وہ اس قدر بوکھلائی کہ اریبہ کو لے کر وہاں سے نکل جانے کی بجائے جم کر کھڑی ہو گئی اور ابا اس کے پاس پہنچ چکے تھے۔

'ثانیہ پتر بس نکل گئی ہے کیا جو تو ادھر اس طرح کھڑی ہے۔'' ابا نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا اور اس نے گڑبڑا کر اریبہ کی سمت دیکھا جس کے چہرے پر حیرت تھی اور اس نے اپنی اس حیرت کو ابا سے سوال پوچھ کر ظاہر ہونے سے بھی نہیں روکا۔

''انکل آپ ثانیہ کو کیسے......؟''

''ثانیہ بیٹی ہے میری۔ اس کو تپتی دوپہر میں بس کا انتظار کرتے دیکھا تو اسے رکشے کا کرایہ دینے چلا آیا کہ آج یہ بھی مزے کر لے۔'' ابا نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

اس سے پہلے کہ ثانیہ اپنی صفائی میں اریبہ سے کچھ کہتی' اریبہ نے اسے شاکی نظروں سے گھورا اور کچھ کہے بغیر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ٹھک سے دروازہ بند کیا۔

اسے دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ اس کی دوست کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا بلکہ دکھ اس بات کا تھا کہ ثانیہ نے اس سے سب چھپا کر دوستی کے اصولوں کو توڑا تھا۔ وہ اگر اسے اپنی دوست سمجھتی تو اس سے اپنا اصل نہ چھپاتی۔ اس بھری دنیا میں جب اسے ماں باپ کے رشتے سے محبت نہیں ملی تھی تو پھر دوستی کے رشتے میں کیسے خلوص مل سکتا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم گھر پہنچی اور آتے ہی بستر پر لیٹ گئی تھی۔

شام کو جب ثانیہ کے ابا پیسے بچا کر اس کے لیے لایا ہوا لان کا سوٹ دکھایا تو کالج کے باہر ابا کی آمد کی وجہ سے ہونے والے واقعہ کی ساری بھڑاس ان کے لائے ہوئے جوڑے پر نکالتے ہوئے اس نے نہایت نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

''ابا جان اس طرح کے کپڑے آپ اماں کو ہی لا کر دیا کیجیے۔ آج کل اس طرح کے کپڑے کون پہنتا ہے۔'' اور ابا اس کی بات سن کر دنگ رہ گئے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

جولائی کے دن تھے' فضا میں حبس زدہ گرمی رچی بسی تھی کہ چند لمحوں کے لیے بھی سورج کے سائے تلے کھڑے ہو کر پسینے میں شرابور ہو جانا لازمی امر تھا۔ ایسے میں چند دن پہلے ہونے والی بارش صحیح معنی میں ابر رحمت ثابت ہوئی تھی۔ اس لیے شام کے اس وقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ثانیہ اس وقت صحن میں بچھی چارپائی پر کتاب میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی لیکن پڑھنے سے زیادہ اس سے نیچے رکھے موبائل کو چھپانے کا کام لیا جا رہا تھا۔

''ثانیہ بیٹا دیکھو تو کون آیا ہے۔'' ابا کی پُر جوش آواز پر اس نے ہڑبڑا کر کتاب ہٹائی اور تیزی سے میسج ٹائپ کرتی انگلیاں تھمی تھیں۔ داخلی دروازے سے ابا کے ساتھ اریبہ کو آتے دیکھ کر اس نے زچ ہو کر دانت پیسے تھے جیسے اریبہ کو کچا چبا جانے کا ارادہ ہو اور جلدی سے موبائل کو کالج بیگ میں چھپایا۔ کالج میں اس دن کے بعد سے اریبہ سے اس کی بات چیت بالکل بند تھی۔ وہ جو کالج کے پہلے دن سے ہر جگہ ساتھ ساتھ گھومتی دکھائی دیتی تھیں آج کل دریا کے دو کناروں کی طرح الگ تھلگ تھیں۔ وہ اریبہ کو منانا چاہتی تھی لیکن اس دن اس کی کاٹ دار نگاہیں یاد کر کے ہچکچاہٹ آڑے آ جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ صحن میں رکھی واحد کرسی پر منہ موڑے بیٹھی تھی۔ ابا اس کے لیے کولڈ ڈرنک لینے باہر چلے گئے تھے۔

''آئم سوری اریبہ۔'' ثانیہ نے اس کا ہاتھ تھام کے کہا اور پھر اس نے کتنی ہی دیر گلے شکوے کیے لیکن ثانیہ نے اس کو منا کے ہی دم لیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

آج ثانیہ نے اسے بتائے بغیر چھٹی کی تھی اس لیے اس کا سارا دن بور گزرا تھا۔ چھٹی کے وقت وہ ایک طرف کندھے پر اسٹائلش سا بیگ لٹکائے جیسے ہی کالج گیٹ سے نکلی اس کی نظر پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی پر گئی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے شکر ادا کیا کہ وقت پر پہنچ کر ڈرائیور بابا نے اسے انتظار کی زحمت سے بچا لیا تھا۔ وہ ابھی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اسے ثانیہ کسی خوبرو شخص کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی دکھائی دی۔ اگر کچھ عرصہ پہلے اسے ثانیہ کا پتا نہ چلا ہوتا تو وہ اس وقت ثانیہ کے ساتھ بیٹھے شخص کو اس کا کزن یا رشتے دار سمجھ کر لاپروائی سے کندھے اچکا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ جاتی۔ لیکن اس بڑی سی شاندار گاڑی میں تھری پیس سوٹ پہنے اس شخص کا تعلق کسی بھی طرح لوئیر یا مڈل کلاس سے نہیں لگ رہا تھا اس لیے اریبہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس شخص کا چہرہ دیکھنے کے لیے چند قدم آگے بڑھائے اور اپنے کزن دانیال درانی کو اپنے مخصوص سن گلاسز آنکھوں میں چڑھائے ثانیہ کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''اس دن بارش چھم چھم برس رہی تھی، آسمان پر چھائی کالی گھٹائیں کافی دیر بارش کے جاری رہنے کا اعلان کررہی تھیں اور برا ہو کہ میری بس بھی اس دن چھوٹ گئی اور تم تو اس دن چھٹی پر تھی اس برستی بارش میں کالج کے سامنے درخت کے نیچے کھڑے ہوکر میں کسی ٹیکسی یا رکشے کا انتظار کررہی تھی کہ ایک تیز رفتار کار نے آکر میرے سفید یونیفارم کو کیچڑ کی چھینٹوں سے خراب کردیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھا دانیال درانی اپنی اس کارکردگی کو ملاحظہ کرنے کے لیے جیسے ہی گاڑی سے نکلا میں نے اس کی تواضع نہایت عمدہ کلمات سے کی تھی۔ جواباً اس نے اپنی اس غلطی کی تلافی کے لیے مجھے اپنی گاڑی میں گھر ڈراپ کرنے کی آفر کی۔ میں تو پہلے ہی بارش میں بھیگ چکی تھی اس لیے میں احسان کرنے والے انداز میں اس کی آفر کو قبول کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھی تھی۔ بیلوی اریبہ میں اس کی گاڑی میں بیٹھ کے ایسا کھوئی کے مجھے اپنی کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا۔'' اس نے اپنی حالت کو یاد کرکے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اریبہ نے اسے زبردست گھوری سے نوازا تو اس نے دوبارہ اپنی بات وہیں سے شروع کی۔ ''میرا کالج کا آئی ڈی کارڈ اس محترم کی گاڑی میں ہی رہ گیا تھا جسے واپس کرنے کے لیے وہ اگلے دن کالج کے باہر کھڑا تھا اور ساتھ ہی مجھے اصرار کرکے قریبی پارک لے گیا پہلی ملاقات ہی ہم دونوں کی دوستی کی شروعات ٹھہری۔'' ثانیہ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''ہوگئی آپ کی بکواس ختم۔'' اریبہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ دونوں اس وقت کالج کینٹین میں فرصت سے بیٹھی تھیں۔ اس لیے اریبہ نے اس سے دانیال درانی کے بارے میں بغیر کسی لگی لپٹی کے پوچھا تھا اور جواباً ثانیہ نے اسے پوری کہانی سناڈالی تھی۔

''سوری یار میں تمہیں بتانا چاہتی تھی اس بارے میں لیکن...... تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری یہ حماقت تمہیں کس دوراہے پر لاکھڑا کرسکتی ہے......'' اریبہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ثانیہ کی باتوں سے اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ دانیال کے اسٹیٹس اور دولت کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی معصوم دوست اس شخص کے ہاتھوں بے وقوف بنے۔ جو لڑکیوں کو دل بہلانے کا ایک کھلونا سمجھتا تھا۔

''میں کوئی حماقت نہیں کررہی سمجھی تم۔'' اریبہ کا اس کے لیے حماقت کا لفظ استعمال کرنا اسے سخت زہر لگا تھا۔

''اچھا آپ تو بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی ہیں جس کے لیے آپ کسی تمغے کی حق دار ٹھہرائی جاسکتی ہیں۔'' اریبہ نے اس کی بات پر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اُف اُف...... اریبہ زندگی میں ہر شخص کو اپنے بنائے ہوئے خوابوں کی تعبیر کے لیے تگ ودو کرنے کا حق ہے' اگر قدرت مجھے موقع دے رہی ہے تو میں کیوں گنواؤں' میں کوئی بے وقوفی نہیں کررہی وہ جلد ہی اپنے گھر والوں کو بھیجے گا۔''

''ٹھیک ہے میں تمہیں ثابت کرکے دکھاؤں گی کہ خوابوں کی تعبیر کے لیے تم نے جو راستہ چنا ہے وہ سراب کے سوا کچھ نہیں۔'' اریبہ نے اس کی بات کاٹی اور کرسی کھسکا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہونہہ...... جلیس ہوگئی اپنے کزن کے ساتھ مجھے دیکھ کر جل ککڑی نہ ہو تو۔'' ثانیہ نے اسے کینٹین سے باہر نکلتے دیکھ کر زیر لب کہا اور سر جھٹک کر مینگو شیک پینے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

''بتاؤ بھئی کیوں بلایا اتنی ایمرجنسی میں۔'' دانیال درانی نے کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ اور اریبہ اس وقت ایک شاندار ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ گلاس ونڈوز کے اس پار شام کے وقت نظر آتے مناظر بہت

شاندار لگ رہے تھے۔اریبہ نے اپنے ذہن میں ان باتوں کو دوہرایا جو وہ یہاں دانیال سے کرنے آئی تھی۔ اتنے میں ویٹر گرما گرم کافی کے دو کپ سرو کر کے جاچکا تھا جو وہ پہلے ہی آڈر کرچکی تھی۔

''بہت ضروری بات کرنی تھی۔'' اس نے کافی کے کپ پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔

''بولیں میڈم میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''ثانیہ کو جانتے ہو تم...... وہی ثانیہ رحمان جو میری کالج فیلو ہے۔''

''اوں...... ثانیہ......'' دانیال نے کنپٹی کو شہادت کی انگلی سے چھوتے ہوئے سوچنے کی اداکاری کی ورنہ اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس معاملے میں اس کی یادداشت کمال کی تھی۔ ''ہوں یاد آگئی تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''بس میرا اس سے پرانا حساب نکلتا ہے۔ کیا تم سیریس ہو اس سے میرا مطلب ہے کیا تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' اریبہ نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔ اریبہ کا ڈائریکٹ اس طرح کا سوال کرنا اسے اپنی حماقت لگا تھا۔ لیکن اب کیا کیا جاسکتا تھا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں جاسکتا اسی طرح زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بھی لوٹ نہیں سکتے۔ اس کی توقع کے مطابق اس نے قہقہہ لگایا جیسے پتا نہیں کون سا عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

''آر یو ان یور سنسز مس اریبہ تم جانتی ہو مجھے پھر بھی یہ سوال کررہی ہو۔'' اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں ایک تھرڈ کلاس محلے میں رہنے والی ایک معمولی سبزی فروش کی بیٹی سے شادی کروں گا جو خود بھی محض دولت کی لالچ میں مجھ سے امپریس نظر آتی ہے۔ ایسی لڑکیوں سے فلرٹ تو کیا جاسکتا ہے لیکن شادی نہیں۔ واہ کیا جوک کیا ہے تم نے۔ یہی پوچھنے کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا تھا۔''

اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اریبہ نے نہایت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس کی تلخ باتوں کو برداشت کیا لیکن دانیال درانی سے کچھ فاصلے پر کھڑی ثانیہ کے لیے ان باتوں کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ شخص جو اس کے سامنے ہمیشہ ساتھ نبھانے کے دعوے کرتا تھا، اس کی تعریفوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا ڈالتا تھا اس وقت اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔ وہ نہایت خاموشی سے اس کو سننے پر مجبور تھی۔ اس کے الفاظ کسی نوکیلے کانٹوں کی طرح اس کے دل میں پیوست ہوکر رہ گئے تھے اور ان سے درد اُمڈ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نمکین پانی بہنا شروع ہوگیا تھا۔

اس نے قریب سے گزرتے ہوئے شکوہ کناں نظروں سے رخ موڑ کر اس شخص کے چہرے کی طرف دیکھا' عین اسی لمحے دانیال درانی کی نظر آنسوؤں سے لباب بھری آنکھوں پر پڑی تھی اور وہ اس کو یہاں دیکھ کر اپنی جگہ منجمد رہ گیا تھا۔ اریبہ حیرت سے گنگ کھڑے دانیال درانی کو چھوڑ کر ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف جاتی ثانیہ کے پیچھے بھاگی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

آج ایک بات تو بتاؤ مجھے
زندگی خواب کیوں دکھاتی ہے

وہ صحن میں چارپائی پر چت لیٹی تھی۔ خالی خالی نگاہیں تاروں بھرا آنچل اوڑھے سیاہ آسمان پر ٹکائے ہوئے تھی۔ آسمان پر ٹمٹماتے ان گنت ستارے بھی اس کے لیے کوئی خوشنما منظر پیش نہیں کررہے تھے۔ جب دل پر سیاہ گھناؤنی رات جیسا سناٹا چھایا ہو تو نظروں کے سامنے سے چاہے قدرت کے کتنے ہی حسین مناظر گزر جائیں اس دل کو قطعاً نہیں بھاتے۔ ثانیہ رحمان کتنی ہی دیر آسمان پر پھیلے ان ستاروں میں اپنے مقدر کا ستارہ تلاشنے کی کوشش کررہی تھی جو شاید اس کے مقدر کو روشن کرسکتا۔ پتا نہیں ایسی کتنی بیکار کوششیں کرنا اس کے مقدر میں لکھا تھا۔ اس کا سرکسی

زخمی پھوڑے کی طرح درد کررہا تھا اور اس دن ہوٹل میں پیش آنے والا واقعہ بار بار ذہن میں ابھر رہا تھا۔ دانیال درانی کا ہتک آمیز لہجہ اور نوکیلے الفاظ کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی ذہن کی سطح سے مٹ نہیں سکے تھے۔ پتا نہیں اس کا قصور کیا تھا جو اس شخص نے اس کو بے مول سمجھ کر اس کے جذبات کو کچل ڈالا تھا۔ شاید اپنے مستقبل کو بہتر اور اعلیٰ لائف اسٹائل کے خواب دیکھنا ہی اس کا سب سے بڑا قصور تھا اور یہ دولت مند افراد تو کسی غریب کو کیڑے مکوڑے سمجھ کر اپنے پیروں تلے روند ڈالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ انسان بڑا ہی خود پسند واقع ہوا ہے اپنی غلطیوں کو بھی دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خود بری الزمہ ہوجاتا ہے۔ جبکہ دانیال درانی نے اگر اس کو دھوکہ دے کر گناہ کیا تھا تو غلطی تو ثانیہ کی بھی تھی جس نے اپنے خوابوں کی تعبیر اور اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے دانیال جیسے سراب کو سیڑھی سمجھ لیا تھا۔

''کیا ہوا ثانیہ بیٹا؟'' اماں اس وقت تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھی تھیں کہ اسے سر تھامے صحن میں بیٹھے دیکھ کر انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا...... اماں۔'' ثانیہ نے سر اٹھا کر بوجھل اور سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اماں اس کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر اس کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئیں اور اس کا ماتھا چھوتے ہوئے کہا۔

''مجھے تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔''

''بس سر میں درد ہے تھوڑا' آپ پریشان نہ ہوں۔'' انہوں نے اس کی بات سنے بغیر اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور نرمی سے دبانے لگیں۔ ماں کے ہاتھوں کا شفقت بھرا لمس پاتے ہی اسے عجیب سا سکون محسوس ہوا اور اس نے آنکھیں موندتے ہوئے سوچا۔ اماں کو اگر پتا چل جائے کہ میں انہیں کچھ عرصہ پہلے کیسا دھوکہ دیتی رہی ہوں تو وہ میرا سر دبانے کی بجائے گلہ دبانا پسند کریں گی۔

''اماں جان...... یہ دل ان چیزوں کے خواب کیوں دیکھتا ہے جو ہماری پہنچ سے دور ہوتی ہیں؟'' کچھ دیر بعد اماں کو اس کی آواز سنائی دی۔

''بیٹا جی یہ تو انسان کی فطرت ہے جو چیز پہنچ سے دور ہو وہی اسے پُرکشش لگتی ہے۔ اللہ نے جو کچھ بھی بنایا ہے وہ انسان کے فائدے کے لیے بنایا ہے اور ان چیزوں میں انسان کے لیے کشش اور محبت بھی رکھی ہے اگر کشش نہ ہو تو انسان ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ نے اس کے فائدے کے لیے بنائی ہیں۔''

''پھر وہ بعض لوگوں کو ان چیزوں سے محروم کیوں رکھتا ہے اماں جان؟''

''یہ دنیا تو ہے ہی امتحان کی جگہ' یہی تو انسان کا امتحان ہے اگر وہ کسی کو دنیا کی بے پناہ دولت وآسائش سے نوازتا ہے تو وہ اسی میں کھو جاتا ہے یا ان نعمتوں پر اپنے عمل سے اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ایک طرف امتحان ہیں تو دوسری طرف شکر گزاری کا ذریعہ بھی' اگر وہ کسی کو دنیاوی دولت سے محروم رکھتا ہے تو بھی اس کا امتحان ہے کہ وہ قناعت کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ان کی محبت میں کھو کر غلط راستے سے ان کو پانے کی کوشش کرتا ہے...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ 'لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔' اس آیت میں لفظ حب الشھوات استعمال ہوا ہے۔ جانتی ہو شہوات کسے کہتے ہیں؟'' رات کے اس پہر چلتی دھیمی ہوا سے ثانیہ کے چہرے پر آتی بالوں کی لٹ کو اپنے ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آج سے پہلے اسے اماں کی یہ باتیں محض لفاظی اور نصیحت ہی لگتی تھیں مگر اس وقت اسے یہ باتیں سننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ نجانے انسان

ٹھوکر کھانے کے بعد ہی کسی کی نصیحت پر کان کیوں دھرتا ہے؟
''شہوت کہتے ہیں کسی چیز کی طرف انتہائی رغبت یا دل کا کسی چیز کی طرف ٹوٹ پڑنا۔ یعنی اس حد تک کسی چیز کی محبت میں مبتلا ہوجانا کہ انسان کو اس چیز کی خواہش سے بھی محبت ہوجائے اور جانتی ہو بیٹا بعض دفعہ ہمیں چیزوں سے اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی چیزوں کی محبت سے محبت ہوتی ہے' لیکن اس کا اندازہ ہمیں اس چیز کو پانے کے بعد ہوتا ہے۔'' انہوں نے ہوا کی وجہ سے سر سے ڈھلک جانے والے دوپٹے کو دوبارہ جماتے ہوئے کہا۔
''لیکن اماں اللہ نے جب یہ سب چیزیں انسانوں کے لیے بنائی ہیں تو پھر انہیں پانے کی خواہش کرنا گناہ کیوں ہے؟'' ثانیہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
''دیکھو ثانی بیٹا دنیا میں مال کی ضرورت انسان کو پڑتی ہے اور اس کی محبت بھی فطری ہے لیکن جس طرح جو پانی کشتی کو پانی میں تیرنے میں مدد دیتا ہے اگر وہی پانی زیادتی کی وجہ سے کشتی کے اندر چلا جائے تو اس کو ڈبو بھی دیتا ہے۔ اس طرح حد سے بڑھی ہوئی کسی چیز کی چاہت انسان کو ڈبو دیتی ہے۔ جس طرح یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اس طرح یہاں کے فائدے بھی عارضی ہیں۔ اس لیے ان عارضی چیزوں کی محبت میں کھو کر اپنے رب کی رضا کو نہیں بھول جانا چاہیے۔ ان کی محبت میں ڈوب کر انسان کو ان سراب رستوں کو اختیار نہیں کرنا چاہیے جو اس کو منزل تک تو نہیں پہنچاتے لیکن ذلت کی گہرائیوں میں اتارنے کا سبب بن سکتے ہیں۔'' اماں کی آخری بات پر اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔ اسے لگا تھا کہ یہ بات اسی کے لیے کہی گئی ہو۔ وہ بھی تو دولت اور اسٹیٹس کی محبت میں اس حد تک کھو گئی تھی کہ صحیح اور غلط کی پہچان کھو بیٹھی تھی لیکن دیر سے ہی سہی اسے سمجھ آ گیا تھا کہ دولت اور ہائی اسٹیٹس ہونا کوئی بڑی بات نہیں لیکن غربت کے باوجود بھی عزت اور وقار کے ساتھ جینا بڑی بات ہے۔ اس لیے کچھ پانے کے لیے سراب رستوں پر چلنے کی بجائے کوشش اور محنت کا رستہ اپنانا چاہیے جو اللہ کو بھی پسند ہے۔ اماں اس کی سوچوں سے بے خبر اسے سمجھا رہی تھیں۔
''ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا دنیا میں زہد اختیار کرو (یعنی ضرورت کا ہے لو) اللہ تم سے محبت کرے گا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے...... اے ثانی تو سن رہی ہے ناں۔'' اماں نے اسے ہنوز آنکھیں موندے دیکھ کر اس کا کندھا ہلایا۔
''اوں...... ہاں سن رہی ہوں اماں۔'' اس نے ہڑبڑا کر کہا۔
''یہ کن باتوں میں لگا دیا تو نے۔ تہجد کا وقت ہی نکل گیا۔ چل اٹھ جا تو بھی اب فجر کی نماز پڑھ کے سونا۔ کتنی دیر سے ادھر اندھیرے میں بیٹھی ہے اور اب نماز کے وقت منہ لپیٹ کر سو جائے گی۔ اس نئی نسل کے ہر کام ہی الٹے ہیں۔'' اماں اپنی جون میں واپس آ چکی تھیں۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے فجر کی نماز پڑھنے کے لیے اندر چلی گئیں اور وہ بھی آج نماز پڑھنے کے ارادے سے ان کے پیچھے چل دی تھی کہ ثانیہ نے اپنے رب کا شکر ادا کرنا تھا کہ اس نے اسے گرنے سے پہلے اریبہ کی صورت میں تھامنے والا ہاتھ مہیا کر دیا تھا۔ زندگی میں اونچائی پر چڑھنے والوں کو تو بہت سے ہاتھ تھامنے والے مل سکتے ہیں لیکن نیچے گرنے والوں کو بہت کم لوگ ہاتھ تھام کر اوپر اٹھاتے ہیں۔



محبتوں کے پھول

بشریٰ ماہا

فروری کا مہینہ شروع ہوتے ہی دکانیں' بازار سرخ رنگ سے سج گئی تھیں' ہرطرف بس لال رنگ ہی نظر آرہا تھا محبت کا رنگ' وفا کا رنگ' لال رنگ جس میں وعدے چھپے تھے عمر بھر ساتھ نبھانے کے' ایک دوسرے کے لیے جینے مرنے کی قسمیں پوشیدہ تھیں' وہ ہی لال رنگ آج کل ہر شے پہ حاوی تھا اور ساتھ بازاروں میں لڑکوں اور لڑکیوں کا رش بھی بڑھ رہا تھا۔ روزانہ اسجد بھائی کے ساتھ ہی کالج آتی جاتی شانزے کی نظر بے فکری سے ہنستی بولتی خریداری کرتی لڑکیوں پہ ہوتی اور ہر روز ہی اس کے دل میں خواہش ابھرتی کے کاش وہ بھی کسی کے لیے اتنی چاہ' شوق' مان و پیار سے تحفہ خریدے لیکن یہ سوچ محض کچھ لمحوں کے لیے سر اٹھاتی تھی' کالج پہنچنے تک وہ اپنی اس خواہش پر لعنت بھیج چکی ہوتی تھی۔

ویلنٹائن ڈے یعنی چودہ فروری کو منایا جانے والا محبت کا دن کوئی اسے خاص متاثر نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ تو محبت کے اظہار کو بس ایک دن تک محدود کردینے کے اس رواج کے سخت خلاف تھی۔ محبت کا اظہار تو ہر روز ہر لمحے ہونا چاہیے۔ یہ کیا کہ بس ایک دن آپ اظہار محبت کریں اور پھر بس۔

''شانزے...... شانزے......'' اسے سوچوں کے اژدھام سے نکالنے والی آواز اسجد بھائی کی تھی۔

''جی کہیے بھائی۔'' وہ شرمندہ سی گویا ہوئی۔

''کہاں کھوئی ہوئی تھیں' میں کب سے تمہیں آوازیں دے رہا تھا۔''

''وہ...... بھائی دراصل کالج میں پریکٹیکلز کی آج بہت اہم میٹنگ ہے' بس اس ہی کے حوالے سے سوچ رہی تھی۔'' وہ اپنے کالج کی سب سے ذہین طالبہ تھی۔ ڈسپلین ہو یا صاف ستھرائی ہر چیز میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔ ہر چیز وقت پر کرنا' وقت پر کالج آنا اور اس کی حاضری تو ہمیشہ سو فیصد ہوتی تھی۔ تمام اساتذہ اس سے بے حد خوش تھے اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کالج کی ہیڈ پریفیکٹ تھی۔ اساتذہ کے بعد ہر طالب علم اس کی بات کو اہمیت دیتا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس سے بدتمیزی کرسکے۔

''دراصل شانزے...... آج میں تمہیں کالج سے لینے نہیں آسکوں گا۔ تم ایسا کرنا واپسی رکشے میں چلی جانا۔'' کالج کے گیٹ کے سامنے شانزے کو ڈراپ کرتے اسجد بھائی بولے۔

''اچھا ٹھیک ہے بھائی' اللہ حافظ۔'' وہ سعادت مندی سے کہتے مڑگئی تھی۔ اس کے کالج کے گیٹ سے اندر جانے تک اسجد بھائی وہیں کھڑے رہے تھے۔

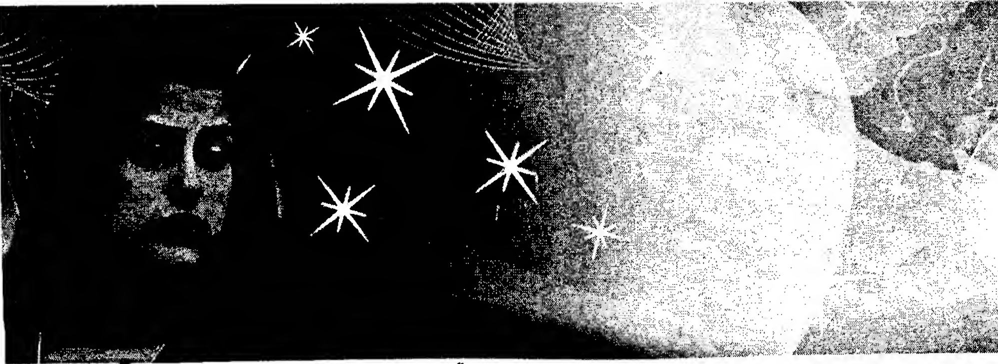
......☆☆......

''سنو شانزے...... تم نے ایک بات محسوس کی ہے۔ یہ جو ہریرہ ہے یہ ہر وقت تمہیں دیکھ کر مسکراتا رہتا ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی نہ جانے کس احساس سے اس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔'' میڈم فرخندہ کے کلاس سے جاتے ہی ردا بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ اس کی آواز بے حد مدھم تھی۔ ردا اور شانزے بچپن کی دوستیں تھیں۔ ردا' شانزے کی سنجیدہ فطرت سے اچھے سے واقف تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ہریرہ ان کی کلاس کا سب سے بگڑا ہوا خودسر لڑکا تھا۔ پڑھائی میں اچھا ہونے کے سبب اساتذہ اس کی دیگر خامیوں کو نظرانداز کردیتے تھے۔

''دیکھتا ہے تو دیکھنے دو' ہنستا ہے تو ہنسنے دو' اس سے کیا فرق پڑتا ہے' فرق تب پڑے گا جب میں اس کی ان چیپ حرکتوں کا نوٹس لوں۔'' شانزے نے ناگواریت سے جواب دیا۔ اس نے بھی ایک بار یہ محسوس تو کیا تھا مگر پھر نظرانداز کردیا تھا۔

''اور تم ردا پلیز اسے نوٹس کرنا بند کردو یار' میں نہیں چاہتی تم کسی مشکل میں پڑو۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو' ہم کر بھی کیا سکتے ہیں' سارا کالج جانتا ہے کہ ہریرہ کے پاپا کے دیے فنڈز سے یہ کالج چلتا ہے' ایسے میں اس کی کسی حرکت سے اسے تو کوئی فرق پڑے گا نہیں ہاں البتہ ہم لوگ ضرور کسی مشکل میں پڑ جائیں گے۔'' ردا سمجھداری سے بولی اور پھر کچھ دیر بعد سر تنویر کلاس لینے آگئے تھے۔



⋯⋯☆☆⋯⋯

اس دن ان کا تیسرا پریڈ فری تھا اور زیادہ تر طالب علم کیفے اور لائبریری چلے گئے تھے۔ کلاس میں صرف کہکشاں تھی یا پھر شانزے، کہکشاں موبائل پر مصروف تھی جب کہ شانزے اپنے نوٹس تیار کررہی تھی۔ کچھ دیر گزری تھی اور کہکشاں بھی کلاس سے باہر چلی گئی، لیکن شانزے نوٹس بنانے میں اس قدر مصروف تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کب کہکشاں کلاس سے گئی اور کب ہریرہ کلاس میں داخل ہوا۔ اسے تب پتا چلا جب کلاس میں سگریٹ کی ناگوار بدبو اور دھواں پھیلنے لگا تھا۔ کتاب اور نوٹس سے نظر اٹھا کر شانزے نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے ہریرہ بیٹھا ہوا تھا۔ لبوں میں سگریٹ دبائے، ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ چمکتی ہوئی آنکھوں سے شانزے کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' اسے بے اختیار غصہ آیا اور اس نے غصے کو چھپانے کی بالکل کوشش نہیں کی۔

''کون سی بدتمیزی، آپ کو دیکھنا یا پھر یہ......'' اس نے سگریٹ لبوں سے نکال کر اشارہ کیا۔

''گھٹیا انسان۔'' اس نے کتاب بند کی اور غصے سے کھڑی ہوگئی۔

''ارے کہاں جارہی ہو یار، میں بس مذاق کررہا تھا۔'' اسے اپنے پیچھے ہریرہ کا بلند قہقہہ سنائی دیا۔ شانزے کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ وہ سیدھا پرنسپل آفس آئی اور وہاں ہریرہ کی شکایت کردی تھی۔

اس کی شکایت پر پرنسپل صاحب بذاتِ خود کلاس میں تشریف لائے تھے مگر یہ کیا ہریرہ کلاس میں اپنے دوستوں کے ساتھ پڑھائی میں مصروف تھا جب کہ کلاس میں نا سگریٹ کا دھواں تھا اور نا ہی بو۔ سر نے نہایت خفگی سے شانزے کو گھورا اور تیز تیز قدموں سے وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ہریرہ کا جاندار قہقہہ کلاس میں گونجا تھا اور شانزے کی آنکھوں میں تذلیل سے آنسو آگئے تھے۔

⋯⋯☆☆⋯⋯

اسجد بھائی کو ضروری کام سے شہر سے باہر جانا پڑا تھا۔ ابا کی طبیعت تو ویسے ہی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ مجبوراً شانزے کو آج کل اکیلے ہی کالج آنا جانا پڑ رہا تھا۔ اس دن چھٹی کے بعد وہ باہر درختوں کے جھنڈ میں کھڑی تھی۔ چوکیدار سے اس نے رکشہ لانے کا کہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دیگر لڑکیاں بھی کھڑی اپنے کنوینس کا انتظار کررہی تھیں۔ کافی لڑکے جاچکے تھے تاہم چند ایک ابھی بھی کالج میں ہی تھے۔ وہ سر جھکائے گھڑی پر نظریں جمائے بے چینی سے رکشے کا انتظار کررہی تھی۔ اچانک کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ شانزے نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ہریرہ کھڑا تھا۔ آنکھوں میں وہ ہی چمک تھی۔ لبوں پر عجیب سی مسکان لیے ہاتھوں میں گفٹ اور کارڈ لیے۔

''شانزے ہیپی ویلنٹائن ڈے۔'' گفٹ اس کی طرف بڑھاتے وہ مسکرا کر بولا۔

شانزے کو وہ آج سے پہلے کبھی اتنا برا نہیں لگا تھا۔ اس کے اردگرد کھڑے لڑکے لڑکیاں دلچسپی سے اسے اور ہریرہ کو دیکھ رہے تھے۔ یک دم ایک تماشہ سا لگ گیا تھا۔ ہر کوئی لطف اندوز ہورہا تھا۔ شانزے کا دل چاہ کہ ہریرہ کی اس حرکت پر اس کا حشر کردے۔

''یہ کیا حرکت ہے ہریرہ۔'' وہ غصے سے بولی۔

''یہ تو میری محبت ہے شانزے...... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' اس نے شانزے کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی گفٹ پکڑانا چاہا اور بس حد یہ ہی تھی' شانزے کا ضبط جواب دے گیا۔ ہریرہ جو یہ سمجھ رہا تھا کہ شانزے گھبرائے گی شرمائے گی تو ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

شانزے کا دوسرا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے ہریرہ کے دائیں گال پر نشان چھوڑ گیا تھا۔ ہریرہ ابھی یہ صدمہ برداشت نہیں کرسکا تھا کہ دوسرے ہی پل شانزے نے زبردستی پکڑائے وہ گفٹ حقارت سے اس کے منہ پر دے مارے تھے۔ بہت سے لوگ یہ سب دیکھ کر اپنی ہنسی روک نہیں سکے تھے۔ جب کہ کچھ نے اسے سراسر شانزے کی بیوقوفی گردانا تھا۔

چوکیدار نے آ کر بتایا تھا کہ شانزے کا رکشہ آچکا ہے۔ وہ دوسری نگاہ ہریرہ پر ڈالے بنا وہاں سے پلٹ گئی تھی۔

......☆☆......

ردا نے یہ واقعہ اپنے دوسرے کلاس فیلوز کی زبان سے سنا تو شانزے کی بیوقوفی پر خوب ماتم کیا۔ اسے بھی ہریرہ کے دوستوں کی طرح لگتا تھا کہ اب شانزے کی خیر نہیں۔ ہریرہ جس طرح کا بندہ تھا اس طرح کے بندے سے ہرگز اچھی امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ شانزے کی اس حرکت کو بھول جائے گا یا پھر اسے معاف کردے گا۔ اس نے سب کے سامنے ہریرہ کی تذلیل کی تھی اور وہ اس تذلیل کا بدلا ضرور لیے گا۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں ہریرہ سے معافی مانگ لینی چاہیے۔ شانزے تم نے جو کیا غلط کیا۔ اتنے لوگوں کے درمیان تمہیں اس طرح ہریرہ پر ہاتھ اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' ردا اٹھتے بیٹھتے اسے یہ ہی سمجھا رہی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا ردا' مجھے نہیں لگتا میں نے کوئی غلطی کی ہے' جو ہوا بہت اچھا ہوا ہے بلکہ آئندہ بھی اس طرح کی صورت حال میں' میں یہ ہی کروں گی' مجھے کسی کا خوف نہیں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''تم سمجھ نہیں رہی ہو' تم ایک لڑکی ہو' ایک کمزور لڑکی اور وہ ایک مرد ہے' طاقت ور مرد۔ جب چاہے تمہاری عزت کو تہس نہس کردے۔''

''شٹ اپ ردا' میں کمزور نہیں ہوں اور تم یہ بیوقوفوں والی باتیں کرنا چھوڑ دو۔ مجھے سوائے اللہ کہ کسی کا خوف نہیں۔ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر اللہ نا چاہے۔'' وہ بے خوفی سے بولی۔ پھر ردا نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ فرسٹ ایئر کے بعد ہریرہ نے کالج سے اپنا تبادلہ کرالیا۔ پھر وہ کہاں گیا کچھ پتا نہیں چلا۔ زندگی کے پیڑ سے سالوں کے پتے گرتے رہے اور سب کچھ تبدیل ہوتا رہا۔

......☆☆......

''شانزے بیٹا...... آج کالج سے جلدی آجانا' کچھ لوگ تمہارے رشتے کے سلسلے میں آرہے ہیں۔ آ کر اپنی بھابی کی کچن میں مدد کرانا۔'' وہ صبح کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب اماں نے اسے پیار سے مخاطب کیا۔ تین سال پہلے ابا کا انتقال ہوگیا تھا۔ اب اماں اکیلی رہ گئی تھیں اور چاہتی تھیں جلد از جلد بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں۔

شانزے کی زندگی بھی بہت بدل چکی تھی۔ اب وہ کالج میں پڑھنے والی کم عمر لڑکی کے بجائے کالج میں لیکچرار بن چکی تھی۔

''اماں' کیا ایک بار پھر......'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ کئی سال گزر گئے تھے اسے یوں ہی لڑکے والے دیکھنے آتے معصوم اور دلکش نین نقش والی من موہنی سی شانزے انہیں پسند بھی آتی مگر ان کے حالات دیکھ کر لوگ پھر واپس نا آتے۔ ان کی غربت لوگوں کے لیے ناقابل قبول تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اٹھائیس سال کی ہونے کے باوجود وہ اب تک کنواری تھی۔

''شانزے بیٹا...... ساری بات نصیبوں کی ہوتی ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے جو لکھا ہے وہ اچھا ہی لکھا ہوگا۔ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں' ہوسکتا ہے آج جو لوگ آرہے ہیں انہیں تم اور ہمارے حالات دونوں پسند آجائیں۔ ویسے بھی یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ دولت کی انہیں کوئی خواہش نہیں۔'' اماں اب لڑکے کی خوبیاں گنوار ہی تھیں۔

''اچھا...... اچھا میری پیاری اماں جان' میں جلدی آجاؤں گی۔'' اماں کی یہ عادت اسے بہت پسند تھی کہ وہ کمزور اور مشکل حالات کے باوجود اچھا سوچتی تھیں۔

وہ وعدے کے مطابق جلدی گھر آ گئی تھی۔ بھابی کے ساتھ مل کر اس نے کلب سینڈوچز' چکن اسٹیک اور چکن نگٹس تیار کیے تھے۔ بھابی نے چاکلیٹ کیک پہلے ہی بیک کرلیا تھا۔ مہمانوں کے آنے تک سب تیار ہو چکا تھا۔

......☆☆......

عبدالرحمٰن صاحب اور ان کی فیملی گھر میں سب کو بہت پسند آئی تھیں۔ جتنے اونچے لوگ تھے وہ اتنی ہی ان کے انداز میں عاجزی وانکساری تھی۔ ان کی بیٹی حرا اور چھوٹا بیٹا شہاب بھی بہت اچھی عادت کے تھے اور مسز عبدالرحمٰن تو شانزے سے اتنی محبت سے پیش آئی تھیں جیسے وہ ان ہی کی بیٹی ہو۔ اماں تو بہت خوش تھیں۔ اسجد بھائی اور بھابی کو بھی یقین ہوگیا تھا کہ اس بار شانزے کا رشتہ ضرور پکا ہو جائے گا اور وہ غلط بھی نہیں تھے۔ انہوں نے دوسرے ہی دن فون کر کے رشتے کے لیے ہاں کردی تھی اور اماں سے اصرار کیا تھا کہ وہ سب بھی ایک بار ان کے گھر لنچ پر ضرور آئیں۔

......☆☆......

''شانزے میری جان اسے کہتے ہیں مقدر کے دھنی۔ وہ لوگ اتنے اچھے ہیں کیا بتاؤں اور ہریرہ تو حرا اور شہاب سے بھی زیادہ اچھا ہے' اس کی عادت اس کا انداز اس کا رکھ رکھاؤ' مجھے تو وہ بندہ بہت بہت پسند آیا ہے۔'' بھابی جب سے مسز عبدالرحمٰن کے گھر سے آئی تھیں ہریرہ اور اس کی فیملی کی تعریفیں ہی کیے جارہی تھیں۔

''ہریرہ......'' وہ چونکی۔ اسے آج بھی وہ دس سال پہلے والا واقعہ اچھی طرح سے یاد تھا۔

''ہاں اس کا نام ہریرہ ہے۔ اس نے اپنی پڑھائی امریکہ سے مکمل کی ہے۔ اس کی واپسی چند سال پہلے ہی ہوئی ہے اور اب وہ عبدالرحمٰن انکل کا بزنس سنبھالتا ہے۔''

اچھا......'' وہ مسکرائی۔ ہریرہ نام کے تو اس دنیا میں کئی لڑکے ہوں گے۔ ویسے بھی جس ہریرہ کو وہ جانتی تھی وہ تو ایک نمبر کا لوفر تھا۔

''تم بتاؤ ملنا چاہو گی ہریرہ سے؟'' بھابی نے باتوں باتوں میں اس کی مرضی دریافت کرنی چاہی۔

''نہیں' آپ سب مل لیے کافی ہے۔'' اس نے دھیرے سے انکار کیا۔ اس کے انکار پر بھابی نے اپنے موبائل میں اسے ہریرہ کی تصویر دکھائی۔ یہ واقعی وہ ہریرہ نہیں تھا۔ شانزے کی یادداشت میں ہریرہ کی دھندلی سی جو شبیہہ تھی وہ اس تصویر سے یکسر مختلف تھی۔

......☆☆......

اماں نے رشتے کے لیے ہاں کہہ دی تھی۔ اماں کے ہاں کرتے ہی مسز عبدالرحمٰن نے انہیں نکاح کی پیشکش کی۔ ان کا کہنا تھا منگنی ایک کمزور رشتہ ہے وہ چاہتی ہیں ہریرہ اور شانزے ایک مضبوط رشتے میں بندھ جائیں۔ رخصتی بے شک بعد میں کردی جائے۔ مسز عبدالرحمٰن نے اتنا اصرار کیا کہ اماں کو پھر مانتے ہی بنی اور یوں ایک خوب صورت شام میں شانزے وقار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہریرہ عبدالرحمٰن کے نام کردی گئی۔ نکاح کے بعد ہریرہ اور شانزے کو ایک ساتھ بٹھایا گیا۔

''میم...... پلیز آپ سر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے رائٹ سائیڈ دیکھیں۔'' فوٹوگرافر کے کہنے پر شانزے نے دھیرے سے ہریرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ اب بھی میری طرف دیکھنے سے گھبرا رہی ہیں۔'' اس کے مسلسل نگاہیں جھکائے رکھنے پر ہریرہ آہستگی سے بولا۔

''کیا مطلب......؟'' اس نے حیرانی سے نظریں اٹھائیں۔

''او مائے گاڈ...... مجھے لگتا ہے شانزے آپ نے اب تک مجھے نہیں پہچانا۔'' وہ اپنے پرانے انداز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی تھی۔

''ارے...... ہریرہ...... تم...... تم وہ ہی ہریرہ ہو۔'' وہ شاکڈ سے بولتی ایک دم پیچھے ہٹی۔ اس کے اس طرح پیچھے ہٹنے سے فوٹوگرافر کی ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ پوز جس کے لیے وہ پچھلے پندرہ منٹ سے محنت کررہا تھا خراب ہوگیا تھا۔

''کیا ہوا میم...... آپ پلیز سر کے کندھے پر ہاتھ رکھیں۔''

''سوری۔'' وہ فوٹوگرافر سے معذرت کرتے دوبارہ ہریرہ کے قریب ہوئی۔

''آپ پہلے سے بہت بدل چکی ہیں' پہلے کبھی میں نے آپ کی آنکھوں میں خوف نہیں دیکھا۔ آپ گھبرائیں نہیں'

میں نے اپنے دل کی پوری سچائی سے آپ کو اپنایا ہے۔''
اب کی بار ہریرہ نے نرمی سے کہا۔
اب فوٹو گرافر نیا پوز بتا رہا تھا۔ فوٹو گرافر کے کہنے پر اس نے اپنا ہاتھ ہریرہ کی ہتھیلی پر رکھا تھا جب کے ہریرہ نے اپنا ہاتھ دھیرے سے اس کی کمر میں حائل کیا تھا۔ اس طرح غیر مردوں کے سامنے عجیب عجیب انداز میں تصویریں بنوانا شانزے کو سخت برا لگ رہا تھا مگر وہ مجبور تھی اور اسی مجبوری نے اس کی جھیل سی آنکھوں میں پانی بھر دیا تھا۔ مووی میکر کی ہدایت پر وہ دونوں رائل اسٹائل میں دھیرے دھیرے رقص کر رہے تھے۔ ہریرہ کی نگاہیں شانزے کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ ایسے میں شانزے کی آنکھوں میں ابھرتی نمی ہریرہ کو اچھی نہیں لگی۔
''اگر آپ کو اس طرح پکس بنوانا اچھا نہیں لگ رہا تھا تو آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا شانزے۔'' اس نے نرمی سے کہتے مووی میکر اور فوٹو گرافر کو مزید فوٹو گرافی سے منع کیا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑ تا صوفے تک لایا۔
''شانزے...... میں رخصتی سے پہلے ایک بار آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ بس ایک بار لیکن اگر آپ چاہیں تو' میں آپ کے ساتھ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے سے پہلے پچھلی تمام بدگمانیوں کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔ شانزے نے نظریں جھکا لی تھیں۔

......☆☆......

''اف یہ سب تو فلموں میں ہوتا تھا جو میری زندگی میں ہوا...... میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں جس شخص کے نام اپنی پوری زندگی کرنے جا رہی ہوں وہ وہی ہریرہ ہوگا ردا'' وہ فون کان سے لگائے بے یقینی سے بول رہی تھی۔ فون کے دوسری طرف ردا تھی۔ جو کہ ملک سے باہر ہونے کے سبب اس کے نکاح میں نہیں آ سکی تھی۔
''اسے ہی تو مقدر کہتے ہیں میری پیاری دوست۔ انسان کیا سوچتا ہے' کیا ملتا ہے لیکن یقین کرو جو ہمارے لیے اللہ سوچتا ہے وہ ہماری سوچ سے کئی گناہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔'' ردا مسکرا کر بولی۔
''ویسے یار' اس کی آواز' اس کا انداز' اس کی شخصیت' سب کچھ بدل گیا ہے اگر ہریرہ خود نہیں بتاتے تو میں تو کبھی پہچان ہی نہیں پاتی۔'' وہ اب تک شاکڈ تھی۔

''تو شانزے وقت بھی تو اتنا گزر چکا ہے۔ تم خود اپنی ہی فرسٹ ایئر کی تصویر نکال کر دیکھ لو۔ گیارہ سال پہلے تم کیسی تھیں اور اب کیسی ہو' وقت انسان کی شخصیت کو بہت بدل دیتا ہے اور خوش کن بات یہ ہے کہ ہریرہ کی عادتیں بھی بدل چکی ہیں اور سب سے خوب صورت بات وہ تم سے محبت کرتا ہے۔'' ردا نے پیار سے اسے سمجھایا۔
''اور تمہیں کیسے پتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''
''اف اللہ...... یہ تو سامنے کی بات ہے۔ وہ اگر تم سے محبت نا کرتے تو تم سے نکاح نہیں کرتے۔ تم وہ تھیں جس نے پورے کالج کے سامنے ہریرہ کو ذلیل کیا تھا' انہیں تھپڑ مارا تھا پھر بھی انہوں نے تم سے بدلہ تک نہیں لیا۔ یہ محبت ہی تو ہے کہ انہوں نے تمہیں اپنی عزت بنایا' اب انہیں تم سے محبت ہوئی کب' یہ تم ان سے مل کر پوچھنا۔'' ردا ہنس کر بولی اور اس کی باتیں سننے کے بعد شانزے سوچ رہی تھی' واقعی ایک ملاقات تو ضروری ہے۔

......☆☆......

''ایک مرد کی خواہش باحیا مضبوط کردار کی بہادر عورت ہی ہوتی ہے اور یہ ہی خواہش اس کی محبت بن جاتی ہے۔'' وہ اس کے ساتھ اس وقت شہر کے مشہور مال کے فوڈ کورٹ میں موجود تھی۔ ویلنٹائن ڈے کی مناسبت سے پورا مال سرخ رنگ سے سجا ہوا تھا۔ فوڈ کورٹ کی بھی تقریباً ساری ٹیبلز فل تھیں' ہر کوئی ایک دوسرے سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ اسے کا دل کہہ رہا تھا کاش شانزے تم ہریرہ سے ملنے کے لیے ہاں کہنے سے پہلے ایک بار کلینڈر کی تاریخ ہی دیکھ لیتیں۔
اس کی کیفیت سے بے خبر ہریرہ بے حد محبت سے بول رہا تھا۔ اس نے شانزے سے ملاقات کے لیے خاص کر آج کا دن چنا تھا۔ وہ آج کے اس دن کو اپنی زندگی کا یادگار دن بنانا چاہتا تھا۔
''پہلے پہل تم میرے لیے بس ایک چیلنج تھیں شانزے' مجھے تم میں دلچسپی تب محسوس ہوئی جب میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے غصہ اور ناگواریت دیکھی اور محبت تب ہوئی جب تم پورے کالج کے سامنے بنا ڈرے میری محبت کو میرے منہ پر مار کر چلی گئیں۔ شروع شروع میں مجھے تمہاری اس حرکت کی وجہ سے بہت غصہ تھا۔ میرا خیال

تھا تم مجھ سے معافی مانگو گی مگر تم نے ایک بار پھر میرے خیال کو غلط ثابت کیا۔ تمہاری بے وقوفی مجھے اٹریکٹ کرتی تھی اور پھر جب یہ اٹریکشن محبت میں بدلنے لگی تو میں نے کالج چھوڑ دیا۔ اگر تب تم مجھے ریجیکٹ نہیں کرتیں تو شاید اس ہریرہ کو کبھی نہیں دیکھ پاتیں اور شاید پھر تمہاری زندگی بھی آج کی زندگی سے بہت مختلف ہوتی۔ تمہارے ریجیکٹ کرنے پر میں نے خود کو بدلا' ویسا بنایا جسے لوگ آئیڈیلائز کرتے ہیں۔ میرا دل کہتا تھا ہریرہ عبدالرحمٰن صرف مرد ہی نہیں ایک عورت بھی یہ ہی خواہش کرتی ہے کہ اس کی زندگی میں آنے والا مرد اس کا ہم سفر نیک اور صالح انسان ہو۔ اس کی ماضی کی سلیٹ بالکل صاف ہو' اس کی زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی ہو اور کچھ تو نہیں چاہتی وہ سوائے صاف ستھری پاک محبت کرنے والے ہم سفر کے......'' وہ گفتگو کے دوران لمحے بھر کو رکا' اس کا اس طرح رکنا شانزے کو بالکل اچھا نہیں لگا۔ آج پہلی بار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بس خاموشی سے ہریرہ کو سنتی رہے۔

''آج میں اقرار کرتا ہوں شانزے کہ میری زندگی میں آنے والی تم واحد لڑکی ہو اور محبت کا تقاضا تو یہ ہی ہے ناں کہ جس سے محبت ہو جائے پھر اس کے بعد کسی اور کو اس نظر سے نا دیکھا جائے تو جان لو شانزے کے ہریرہ عبدالرحمٰن نے تمہارے بعد محبت سے کسی کو نہیں دیکھا۔ اپنا ہر جذبہ تمہاری امانت بنا کر رکھا۔'' وہ اب مسکرا رہا تھا جب کہ شانزے کی نگاہیں حیا کے بوجھ سے جھک گئی تھیں۔

''کیا تم کچھ نہیں کہو گی۔ محبت کا اقرار کا ایک لفظ بھی نہیں؟ آج محبت کرنے والوں کا دن ہے' اس دن کی خاطر ہی محبت کے کچھ پھول میرے نام کر دو۔'' اس کی آنکھوں میں محبتوں کے جگنو چمکے۔

''ہریرہ...... آپ جانتے ہیں میں ویلنٹائن ڈے نہیں مناتی اور نا ہی مجھے اس دن کی صداقت پر یقین ہے بلکہ شانزے وقار تو اس دن کے مخالفین میں سے ایک ہے۔''

''ایک منٹ میڈم...... تھوڑی تصحیح کر لیں' اب آپ شانزے وقار نہیں مسز ہریرہ بن چکی ہیں اور رہی بات ویلنٹائن ڈے کی تو تم یہ نہیں سوچو کہ یہ انگریزوں کا تہوار ہے۔ تم یہ سوچو کہ یہ دن تمہارا اور میرا ہے۔ دو محبت کرنے والوں کا دن جو کہ ایک حلال رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے نرمی سے شانزے کا ہاتھ پکڑا۔

''ویسے یہ زیادتی ہے ہریرہ' میں نے کب کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔'' وہ خوامخواہ مصنوعی خفا ہوئی۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے مال کے سامنے والی سڑک پر چل رہے تھے۔ ہر طرف سرخ پھولوں کے اسٹالز سجے ہوئے تھے۔ ماحول میں ہر طرف گلابوں کی مسحور کن خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

''تو کیا ہوا' تم اب کہہ دو کہ ہریرہ آپ سے محبت ہے۔ میں برا نہیں مانوں گا۔ ویسے بھی تمہاری آنکھیں تو پہلے ہی اظہار کر چکی ہیں۔'' وہ شرارت سے بولا تو شانزے کھلکھلا کر ہنس دی۔ یہ ہی اس کا اظہار تھا اور یہ ہی اقرار۔

ہریرہ کو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہے جس کہ نصیب میں اللہ تعالیٰ نے ایک نیک صالح عورت کا ساتھ لکھ دیا۔ اس دن ہریرہ اور شانزے نے محبت کرنے والوں کے اس دن کو مل کر منایا تھا۔ ایک ساتھ لنچ کرنے کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ شام میں وہ ساحلِ سمندر پر گئے اور ساحلِ سمندر پر لہروں سے اٹھکیلیاں کرتے شانزے کے دل نے اقرار کیا تھا ہاں اسے بھی ہریرہ عبدالرحمٰن کی محبت سے محبت ہوگئی ہے۔ محبت کے پھول اس کے دل میں بھی کھل اٹھے ہیں۔



کوئی ہمدم ہو

ریمل آرزو

عروبہ آج بے انتہا خوش تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے اور کس سے کرے؟ کوئی بھی تو ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنی خوشی بانٹ سکتی جو اس کی خوشی میں شریک ہوکر خوش ہوتا لیکن ایسا کوئی ہمدم نہ تھا اگر کوئی ہوتا تو شاید یہ خوشی اس کو بہت پہلے نصیب ہو چکی ہوتی۔

اس نے شکرانے کے نفل ادا کیے اور چلی آئی اپنے پرانے ٹھکانے پر جہاں کے در و دیوار گواہ تھے اس محنت کے جو اس نے اپنی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہچانے کے لیے کی تھی۔

جہاں اس نے ڈھیروں ورق سیاہ کر کے دنیائے ادب میں اپنے نام کی پہلی شمع جلا کر اجالا کیا تھا اپنا پہلا افسانہ لکھا تھا اور اب افسانہ شائع ہونے کے بعد وہاں بیٹھ کر اسے پڑھتے ہوئے خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی جہاں کبھی وہ گھر والوں سے چھپ کر اپنی من پسند مصنفین کی تحاریر پڑھا کرتی تھی اور آج اسی جگہ اپنی تحریر پڑھ رہی تھی۔

گھر کے اس چھوٹے سے اسٹور روم سے اس کی ان گنت یادیں وابستہ تھیں' کتنی ہی سرد راتیں اور گرم دوپہریں اس کی یہاں کتابیں پڑھتے گزری تھیں۔ ادب سے لگاؤ اسے اسکول کے زمانے میں اپنی ایک دوست کو کتابیں پڑھتے دیکھ کر ہوا تھا وہ دوست تو بچھڑ گئی مگر اپنا شوق اس میں منتقل کر گئی۔

کتابیں' کہانیاں پڑھتے ہوئے اس کے دل میں بھی کہانیاں لکھنے کا شوق پروان چڑھنے لگا تھا۔ وہ دن بھر بہت سی کہانیاں بنتی اور رات بھر جاگ کر ان کہانیوں کو قرطاس پر اتارنے کی کوشش میں ڈھیروں کاغذ ڈسٹ بن کی نذر کرتی تو صبح امی سے بھرپور ڈانٹ کھاتی۔ عروبہ کی امی اس کے ڈائجسٹ پڑھنے کے سخت خلاف تھیں تو بھلا اس کو کسی ڈائجسٹ میں لکھنے کی اجازت کیسے دے دیتیں لیکن وہ بھی عروبہ تھی اپنے نام کی ایک' مجال ہے جو کبھی ماں کی ڈانٹ کا اس نے اثر لیا ہو۔

وہ پڑھتی رہی' لکھتی رہی اور اپنی تحریر کی رسالے میں شائع ہونے کی خواہش اس کے دل میں مچلتی رہی مگر وہ اپنی تحریر کو مسترد کیے جانے کے خوف سے کسی ادارے میں نہ بھیجتی بس یہی خوف اس کی منزل کی راہ میں رکاوٹ تھا۔

عروبہ کا شدت سے دل چاہتا کہ کوئی ہو جو اس کا ساتھ دے اس کی حوصلہ افزائی کرے یا اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرے تاکہ وہ بہتر لکھ سکے مگر اس کے حلقۂ احباب میں کسی کو بھی ادب سے لگاؤ نہ تھا کہ کوئی اس کی ہمت بندھاتا اس کی اصلاح کرتا' آس پاس کیا دور دور تک کوئی اس کا ہمدرد و ہمدم نہ تھا' وہ اپنی تحریر سے مطمئن نہ ہوتی تھک ہار کر قلم رکھ دیتی تھی اور وقتی طور پر قنوطیت کا شکار ہو جاتی مگر جلد ہی اسے اس کیفیت سے اس کی عزیز ترین ساتھی کتابیں باہر نکال لاتیں اور ایک نئی توانائی اس کے اندر بھر دیتیں اور وہ پھر سے پرعزم ہو کر کاغذ قلم تھام لیتی۔ گریجویشن کے امتحانات کے بعد عروبہ فارغ تھی اور امی کی کڑی نظروں کے حصار میں تھی کہ کہیں وہ کچھ من گھڑت کہانیاں لکھنے میں وقت نہ برباد کرنے لگے۔

ڈائجسٹ پڑھنے اور کہانیاں لکھنے کے علاوہ اسے تقریباً ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ وہ سخت حیران ہوتی تھی کہ "امی نے تو کبھی بھی کوئی رسالہ نہیں پڑھا تو وہ بنا پڑھے رسالوں کو برا کیوں سمجھتی ہیں۔" جبکہ وہ خود ٹی وی پر انڈین چینلز دیکھتی ہیں اور بے باکی سے بھرپور مناظر پر توبہ استغفار کرنے کے باوجود نہ خود ٹی وی دیکھنا ترک کرتی ہیں اور نہ ہی اسے دیکھنے سے منع کرتی ہیں اسے یہ تضاد سمجھ نہیں آتا تھا۔ اب تو امی نے اس کی پاکٹ منی بند کر دی تھی کیونکہ وہ جان گئی تھیں کہ وہ سارے پیسے کتابیں اور ڈائجسٹ خریدنے میں خرچ کر دیتی ہے وہ بہت بے چین اور خود کو ادھورا محسوس کرنے لگی تھی' بات بے بات اپنے چھوٹے بہن

بھائیوں سے الجھ پڑتی‘ دن بہت سست اور بے زار گزر رہے تھے کہ انہی دنوں اس کی سالگرہ پر بڑے بھیا نے اسے لیپ ٹاپ گفٹ کیا تو وہ خوشی سے نہال ہوگئی کیونکہ اب وہ امی کی نظروں میں آئے بغیر آن لائن ہر اس کتاب کا مطالعہ کرسکتی تھی جو اس کی پہنچ سے دور تھی اور اپنی من پسند مصنفین سے رابطہ بھی کرسکتی تھی اور اس نے ایسا ہی کیا۔ فیس بک جوائن کرنے کے بعد اس نے بہت سی رائٹرز کو فرینڈ ریکوئسٹ سینڈ کی اور بہت سے ادبی گروپ جوائن کیے جہاں اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملا‘ بہت جلد اس کا نام فیس بک پر پہچانا جانے لگا تھا۔

وہ اب اپنی پسندیدہ مصنفہ نگینہ گل کے پیج اینڈ گروپ کی ایڈمن تھی اور نگینہ گل کی منظور نظر بننے کے لیے اس نے بہت محنت کی تھی اور اس محنت کے عوض وہ ان سے صرف اپنی تحریروں کی اصلاح چاہتی تھی۔



”غضب خدا کا‘ جسے دیکھو اسی کے سر پر لکھاری بننے کا بھوت سوار ہے۔“ معروف مصنفہ نگینہ گل نے ایک نو آموز لکھاری کا افسانہ پڑھ کر ڈائجسٹ پٹخا۔

”کیا ہوا بیگم‘ مزاج گرامی کیوں برہم ہیں۔“ ہمدانی صاحب نے انہیں بڑبڑاتے دیکھ کر استفسار کیا۔

”ہمدانی! مجھے ابھی اپنی نئی کتاب کی تقریب رونمائی کے لیے تیار ہونا ہے اور آج ہی مجھے اپنے دو ڈراموں کی اقساط بھی مکمل کرنی ہیں کہ ابھی میرا اتنا وقت برباد ہوگیا۔ دراصل میری ایک قاری کی فرمائش تھی کہ میں اس کا پہلا شائع ہونے والا افسانہ پڑھوں اور اس پر مکمل تبصرہ بھی کروں۔“ نگینہ گل کی زبان ہی نہیں اب لیپ ٹاپ پر انگلیاں بھی تیزی سے چل رہی تھیں۔

”چار لفظ شائع بعد میں ہوتے ہیں اور اپنے نام کے ساتھ ”رائٹر“ کا ٹیگ پہلے سجالیتے ہیں یہ لوگ۔“ وہ ہتک آمیز لہجے میں کہتے ہوئے بالکل بھول گئیں کہ کبھی انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

”بیگم یوں غصہ کرنے سے بہتر تھا کہ تم افسانہ نہ ہی پڑھتیں اور اسے اپنی مصروفیت کا بتادیتیں۔“ ہمدانی صاحب نے کہا تو وہ بے زاریت سے بولیں۔

”مجھے فرصت ملتی ہی کہاں ہے‘ مہینہ بھر سے تو ٹالتی آرہی ہوں‘ آج اس کا اصرار بڑھا تو سوچا پڑھ ہی لوں‘ میں سمجھی تھی کہ ایک دو صفحات ہوں گے مگر نہیں یہاں تو کہانی نے جلد ختم ہونے کا نام ہی نہ لیا۔ بے جا طوالت‘ گھسا پٹا موضوع‘ نہ انداز بیاں خاص‘ نہ مکالمات میں جان‘ کہانی میں بہت جھول تھا‘ کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جو دلچسپی کا سبب بنتا۔“ نگینہ گل نے کہا اور کچھ ٹائپ کرکے پوسٹ کیا۔

”مگر بیگم! تم تو فیس بک پر اپنا ریویو دیتے ہوئے اس نئی لکھاری کے افسانے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی ہو جبکہ تمہیں اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔“ ہمدانی صاحب نے اسکرین کی جانب دیکھ کر حیرت سے کہا تو نگینہ گل ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔

”ہمدانی آج کل کم لوگ ہی اصلاح ہضم کرتے ہیں‘ وہ نئی لکھاری عروہ میری مستقل قاری ہے۔ میرے ہر ناول‘ ہر کتاب اور ہر ڈرامے پر بھرپور تبصرہ کرتی ہے اور وہ میرے فیس بک فین پیج اینڈ گروپ کی ایکٹو ایڈمن ہے سو میں اسے ناراض کرکے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارسکتی اور ویسے بھی میں نے اصلاح کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اس کام کے لیے آنچل وحجاب ادارے کی مدیرہ قیصر آرا ہیں ناں وہ خود ہی اصلاح بھی کردیں گی اور اگر یہ ان الفاظ کی قدر کرے گی تو ہماری طرح بری رائٹر بن جائے گی ورنہ میں تو ہوں ہی اس کے لیے...... اور وہ میرا کام کرنے کے لیے......“

نیکنہ گل نے لیپ ٹاپ شیڈ ڈاؤن کرتے اس نئی مصنفہ کا موضوع بھی کلوز کردیا تھا۔



اسلام اور آج کی سائنس

اقراءلیاقت

ہر انسان کا مذہب سے گہرا تعلق ہوتا ہے' مسلمانوں کے لیے اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے دین اسلام فطرت ہے۔ قرآن پاک اور اسلام نہ صرف مسلمانوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے سرچشمہ وہدایت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ عقل رکھنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں (مفہوم)۔ چودہ سو سال پہلے نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جب آج سائنس ثابت کرتی ہے تو اہل عقل دنگ رہ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا ان تعلیمات پر پختہ یقین ہے جیسا کہ کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ......

پھیلائے ہوئے گوشۂ دامان تجسس
سائنس میرے محمد ﷺ کا پتا پوچھ رہی ہے

حدیث نبوی ہے کہ ''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے'' اس حدیث سے تقریباً تمام مسلمان ہی واقف ہیں۔ سائنس آج چودہ سو سال بعد یہ پروف کر رہی ہے کیونکہ موجودہ تحقیق یہ بات ثابت کرتی ہے کہ جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو زمین پر پوزیٹو چارج ہوتا ہے اس لیے ہمارے ذہن کی نگیٹیوٹی زمین کے پوزیٹو چارج کے ساتھ اٹریکٹ ہوتی ہے اور ہماری سوچ پازیٹو ہو جاتی ہے اور ہم برے کاموں سے بچ جاتے ہیں۔

دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے انسان اپینڈکس کی تکلیف سے محفوظ رہتا ہے۔ موجودہ تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے سے اندھا ہونے کے چانسز اسی فیصد کم ہو جاتے ہیں بے شک ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی وجہ سے آنکھوں کا نور بڑھتا ہے۔

نفسیات دان مذہب سے دوری کو بھی نفسیاتی مسائل کی بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل یہ واضح کر دیا تھا کہ قرب اللہ سکون کا باعث ہے تبھی تو متقین آج پرسکون اور پریشانیوں سے آزاد زندگی گزار رہے ہیں یہی صفت انبیاء کرام کی تھی۔

ماہر طب کہتے ہیں کہ پانی ٹھہر ٹھہر کر پینے سے معدے کی بیماریوں سے کم واسطہ پڑتا ہے جبکہ یہی بات میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے تمام مسلمانوں اور انسانوں کو سکھا دی کہ پانی تین سانسوں میں ٹھہر ٹھہر کر بیٹھ کر پیو۔ ماہرین جسمانی تعلیم کے مطابق صحت مند جسم کے لیے ورزش انتہائی ضروری ہے جبکہ نماز سے بڑھ کر بہترین کوئی اور ورزش ہو ہی نہیں سکتی۔

قرآن میں آج سے چودہ سو سال قبل لوہے کے ہوا میں اڑنے کے متعلق بتایا گیا تھا لیکن انجینئرز نے آج اسے عملی جامہ پہنایا ہے۔ بے شک قرآن پاک ایک زندہ معجزہ ہے ایک قرطبی جریدے میں شائع ہونے والی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق کسی بھی زخم پر شہد لگایا جائے تو وہ دو گھنٹے میں پچاسی فیصد تک ٹھیک ہو جاتا ہے۔ شہد میں جراثیم کش خصوصیات حیرت انگیز حد تک پائی جاتی ہیں اسے پٹیوں اور ڈریسنگ وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ منو کا شہد ناسور کے لیے بھی فائدہ مند ہے حالانکہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے اسے باعث شفاء قرار دیا۔

اکثر سیکولر اسٹیٹس میں حضرت عمر فاروقؓ کے عدل کے نظام کو اپنا رکھا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ مسلمانوں کے بہت سے ممالک (بشمول پاکستان) میں درست اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہو سکا یعنی چراغ

تلے اندھیرا۔ اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوگی کہ ہمارے پاس ایک ایسانمونہ ہے جس پر عمل کر کے ہم دنیا پر چھا جائیں اور ہماری آخرت بھی سنور جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے ''بے شک تم کو پیغمبر خدا ﷺ کی پیروی کرنی ہے'' اس واضح نصیحت پر بھی اگر ہم عمل نہ کریں تو ہم ناقص العقل ہیں تو کیا ہم ان میں سے نہیں جن کے کانوں پر اللہ نے مہریں لگادی ہیں۔ آج ہمارا ضمیر ایسے بے فکری کی چادر اوڑھ کر سوگیا ہے جیسے پھر کبھی اٹھنا نہ ہو بقول شاعر......

اپنی وجہ بربادی سنئے بڑے مزے کی ہے
زندگی سے یوں کھیلے جیسے دوسرے کی ہے

اللہ اکبر کی صدا کانوں میں پڑتی ہے تو میں صدق دل سے کہتی ہوں کہ بے شک اللہ سب سے بڑا ہے' بے شک اللہ سب سے بڑا حاکم ہے اس سے بڑا حاکم کون ہے کہ وہ کن کہے تو ناممکن بھی ممکن ہو جائے۔ اس سے بڑا عادل کون ہے کہ فرعون جیسے ظالم کو عبرت کا نشان بنادے' بے شک اللہ سب سے بڑا رحم کرنے والا عدل کرنے والا اور حکمت والا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑا انجینئر نہیں دیکھا کہ زمین آسمان پہاڑ ندیاں سب کچھ بنا دیا' اس سے بڑا ڈاکٹر نہیں دیکھا کہ سورہ رحمٰن وسورہ فاتحہ کو بیماریوں سے شفاء کا ذریعہ بنادے۔ اس سے بڑا انفسیات دان نہیں دیکھا جو دلوں کی بات کو بخوبی جان لے' اس سے بڑا معلم نہیں جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو قرآن سکھادے' ان کا سینہ روشن کردے۔ اس سے بڑا جج نہیں دیکھا جو بہترین انصاف کرے اس سے بڑا مصور کون ہے کہ تمام انسان مختلف صورتوں میں پیدا کیے لیکن کہیں کوئی یکسانیت نہیں' اس سے بڑا پینٹر کون ہے کہ ہر انسان کے فنگر پرنٹس الگ ہیں اس سے بڑا مصنف کون کہ دنیا کی سب سے اعلیٰ کتاب قرآن پاک لکھی ہے جسے کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔ اس سے بڑا محافظ کون کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ لے اور وہ چودہ سو سال کے بعد بھی اصلی صورت میں موجود ہو اور اس میں زیر زبر کا فرق بھی نہ آئے' اس سے بڑا عالم کون کے تمام باتوں کا علم رکھے اور ان سے ہمیں آگاہ کرے۔

بے شک اللہ سب سے بڑا ہے (اللہ اکبر) اور اللہ جلد تمام قوموں سے اسلام کو منوائے گا اسے سب سے افضل ثابت کرے گا (ان شاء اللہ)۔ اکثر و بیشتر تو اب بھی اس کی اہمیت سے آگاہ ہیں لیکن اقرار نہیں کرتے۔ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ اتنا علم کہاں سے آیا کہ ہر عالم نئی بات کرتا ہے ہر مصنف نئی بات لکھتا ہے۔ ہر شاعر نئی نعت لکھتا ہے یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کا ذکر بلند کرے گا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''ورفعنا لک ذکرک'' (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا) یہ علم وادب کا سلسلہ کم نہیں ہوگا اور نہ ہی ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کم ہوگا کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ سچ ہوگا

وہ وقت دور نہیں جب دنیا کا ہر انسان نقش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر چلنے کی کوشش کرے گا کیونکہ یہ نقش ہی ذریعہ نجات ہے' سائنس کی جتنی بھی ایجادات ہوئی ہیں تمام اسلام کی مرہون منت ہیں اور آنے والی تمام ایجادات کی بنیاد اسلام ہی فراہم کرے گا (ان شاء اللہ عزوجل) اور وہ وقت دور نہیں جب ہر انسان اسلام کی عظمت کا اعتراف کرے گا۔ اللہ ہمیں اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حق کہنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔



اکیسویں صدی اور مشرقی استاد

عائشہ تنویر

پچھلی صدی میں والدین کے بچوں پر حقوق ہوا کرتے تھے‘ جن میں سے کچھ وہ اساتذہ کو منتقل کردیتے‘ پھر والدین اور اساتذہ مل کر پیار محبت سے بچوں کی ’’عملی‘‘ تربیت کرتے تھے۔ سیانے کہہ گئے ہیں کہ ڈانٹ‘ مار دراصل پیار کا ہی عملی اظہار ہے تو والدین سے زیادہ بچوں کو کون پیار کرسکتا ہے۔ اساتذہ جہاں پیار کے اظہار میں یہ احتیاط کیا کرتے تھے کہ نشانی نہ رہے اور نظر بد نہ لگے۔ تو والدین پیار کے اظہار میں یہ خیال ضرور کرتے کہ دوا دارو کا خرچہ نہ ہو۔

’’گوشت آپ کا‘ ہڈیاں ہماری......‘‘ والے اس دور میں ملنے والی مراعات کا جب اساتذہ نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا اور حقیقی والدین کے حصے کی ہڈیاں بھی خود ہی توڑ دینے کے درپے ہوئے تو والدین بلبلا اٹھے۔ آخر کبھی ان کے ہاتھ میں بھی خارش ہوتی ہے تھپڑ لگانے کے لیے ان کو بھی تو مار پیٹ کا حق ہے۔

اپنے حقوق کے لیے جب والدین نے آواز اٹھائی تو بھاری فیس لینے والے اسکولوں میں بچوں کو مارنا تو درکنار ڈانٹنا بھی استاد کے لیے جرم بن گیا۔ ان کا کام خاموشی سے اچھے بچوں‘ اوہ معذرت اچھے استاد کی طرح آکر سبق دہرانا رہ گیا۔ پہلے چونکہ انسان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی تو والدین اور اساتذہ کے ساتھ دیگر گلی‘ محلے کے یا رشتہ دار بزرگ بھی بچوں کی تربیت میں حسب توفیق حصہ ڈالیا کرتے تھے‘ ڈانٹ ڈپٹ دیتے۔ مواصلاتی ذرائع بڑھنے سے جہاں والدین کی معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا‘ وہاں وہ مار پیٹ کے بچوں کی نفسیات پر اثرات جان کر دنگ رہ گئے۔ یوں مار کی بجائے پیار سے بچے پالنے کے دور کا آغاز ہوا۔

ہمارے بچے آج کے دور کے ہیں اور انہیں سنبھالنا کتنا مشکل ہے‘ اس کا اندازہ ہمارے آباء نہیں لگا سکتے۔ پہلے ہمارے والدین ہمیں سکھاتے تھے‘ تو ہم سیکھتے نہ تھے۔ اب ہمارے بچے ہمیں سکھاتے ہیں تو سیکھے بناء چارہ نہیں ہے۔ بچپن میں ذرا ہم نے اچھل کود کی اور کوئی نہ کوئی ڈانٹنے آگیا۔

’’قیامت کے دن زمین شکایت کرے گی اللہ سے۔‘‘ اور ہم بیچارے وہیں سہم کر بیٹھ جاتے۔

آج کل کسی بات پر ذرا زیادہ سیخ پا ہوگئے تو سہمنے کی بجائے دھمکی مل گئی۔

’’جو مما اپنے بچوں کو ڈانٹتی رہتی ہیں‘ اللہ تعالیٰ انہیں گناہ دیتے ہیں۔‘‘ اپنے تین سالہ بیٹے کے منہ سے یہ فرمان سن کر ہم ششدر رہ گئے۔ فوراً دل ہی دل میں اللہ سے استغفار شروع کی۔

صد افسوس کہ حقوق اللہ‘ حقوقِ والدین کے بعد حقوق اولاد کی ادائیگی میں بھی ہم ناکام ہی رہ گئے۔

ہم بہن بھائی بھی آپس میں لڑتے تھے لیکن اپوزیشن اور حکومت کی طرح بیان بازی کی سمجھ اس دور میں ہم معصوموں کو کہاں تھی۔ دھرنے کے دور میں بڑی ہونے والی ہماری پانچ سالہ صاحب زادی نے ماہ رمضان میں بے نیازی سے خود سے دو سال چھوٹے بھائی کے بارے میں بیان داغا۔

’’مما طلحہ تو کبھی روزہ نہیں رکھ سکتا۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ کم عمری ایک الگ بحث تھی لیکن اس ’’کبھی نہیں‘‘ کے پیچھے کا راز ہم نے بہت تجسس سے دریافت کیا۔

’’روزہ صرف کھانا پینا چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ گندے کام بھی چھوڑنے پڑتے ہیں اور یہ تو ہر وقت ہم سے لڑتا رہتا ہے۔‘‘ تمام جنگوں کو یک طرفہ قرار دیتے انہوں نے جو جملہ کسا‘ وہ حملے سے کم نہ تھا۔ یہ جملہ ہم نے ہی شاید انہیں روزے کے بارے میں سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

طلحہ صاحب غصے سے جواب دینے آئے۔

''تم بھی روزہ نہیں رکھ سکتی۔'' اس سے قبل کہ جملہ در جملہ' حملہ در حملہ میں تبدیل ہوتا' ہم نے کیا' کیوں کا سوال اٹھائے بناء موضوع بدل کر صلح کا پرچم لہرایا۔ البتہ اس جملے پر بڑے صاحب زادے کا سوال ضرور دماغ پر ہتھوڑے برساتا رہا۔

''روزے میں گندے کام چھوڑ دیتے ہیں' بعد میں تو کر لیتے ہیں نا مما۔'' اس سوال پر ہم بس چلو بھر پانی ہی ڈھونڈتے رہ گئے۔

دیکھا جائے تو قصور بچوں کا بھی نہیں' فرق تو طرز زندگی کا ہے۔ والدین بچے کی محبت میں ایک جگہ اس کی پسند کا خیال کرتے ہیں اور فرماں بردار بچے دس جگہ خود کروا لیتے ہیں۔

ان بچوں کو فرمائش کرنے اور من پسند چیز حاصل کرنے کی یوں عادت ہوتی ہے کہ جب عیدالاضحیٰ پر ہم نے دلار سے کہانیاں سنا کر اور فوائد سنا کر انہیں گوشت کھانے کے لیے راضی کیا تو فرمایا۔

''ٹھیک ہے لیکن بوٹی چھوٹے والے' بغیر سینگ کے بکرے کی ہو۔'' اور ہم آہ بھر کر وہ زمانہ یاد کر کے رہ گئے جب ابو جی کے سامنے ٹنڈے کھانے سے انکار کیا تو انہوں نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ بے اختیار کئی خوش کن خیالات نے دل میں جگہ بنائی لیکن دماغ بہر حال جیت گیا۔

ابو جی کو ہمارا ساتھ مطلوب نہیں تھا بلکہ انہوں نے رزق کی ناقدری اور نخرے دکھانے کے جرم میں سارا سالن ہمارے لیے مختص کر دیا تھا۔ اب جب تک ٹنڈے کا سالن ختم نہ ہو جاتا' ہمیں کچھ اور نہیں ملنا تھا۔ اس دن سے ٹنڈوں کا ایسا احترام دل میں پیدا ہوا کہ کبھی کسی کے سامنے ٹنڈے کھانے سے انکار کی ہمت نہیں ہوئی۔

کاش ہم ان کیش آن ڈیلیوری والے بچوں کے ساتھ ایسا کر سکتے جو ایک کال پر پزا منگوا سکتے ہیں۔ ہمیں تو پڑوس والی خالہ کڑھی بھی اس لیے نہیں دیتی تھیں کہ تمہاری ماں منع کر گئی ہے گلا خراب ہوگا۔

کسی کے گھر مہمان جاتے تو امی کی گھوریاں مسلسل چائے کے سامان پر یلغار سے منع کرتی نظر آتیں' پھر بھی دل للچانے پر تیز مرچوں والے کباب سی' سی کرتے یہ سوچ کر کھا لیتے کہ کوئی بات نہیں گھر جا کر تھوڑی ڈانٹ بھی کھا لیں گے' کھانے والی چیز سے کیسا پرہیز۔ آج کل کے بچے کہیں مہمان بن کر جائیں تو پہلے والدہ ان کی پسند' ناپسند سے آگاہ کرتی ہیں۔ والدہ کچھ مروت کا مظاہرہ کر لیں تو میزبان کے اصرار پر بچے کمال اعتماد سے بتا دیتے ہیں۔

''یہ جو میکرونی میں شملہ مرچ ڈالی ہے آپ نے' یہ مجھے بالکل پسند نہیں۔'' میزبان یا تو شرمندہ ہو جاتی ہیں یا مہمان کو شرمندہ کرنے والی نظروں سے گھورتی اپنی اچھی تربیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے بچوں میں سے کسی کو آواز دیتی ہیں۔ یہ اور بات کہ ان کے بچے بھی اکیسویں صدی کے ہی ہوتے ہیں سو پورے ادب سے بے ادبی کر کے ماں کو فخر کرنے کا موقع نہیں دیتے۔

بات صرف یہ ہے کہ ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے دیگر اشیاء کی طرح اب ادب و تمیز کے معیارات بھی معیاری نہیں رہے۔

ہمیں یاد ہے کہ بچپن میں ہم نے ابو کے دستخط کرنے کی بہت مشق کی تا کہ ٹیسٹ کاپیوں پر خود دستخط کر کے والد محترم پر سے اضافی کاموں کا بوجھ ہٹایا جا سکے۔ ہمارے بچوں کو اس محنت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ متعدد بار پاس ورڈ بھولنے اور پھر صاحب زادے کی مدد سے دوبارہ حاصل کرنے کے بعد ہمارا ای میل باکس ان کی دسترس میں ہے اور ماشاء اللہ آج تک ان کے تعلیمی اداروں سے عام معلوماتی ای میل کے علاوہ کوئی شکایتی ای میل موصول نہیں ہوئی۔ عہدِ جدید کے بچے چونکہ ایجادات کے دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کے والدین ان کی نگرانی کرنے میں ناکام رہ جاتے ہیں بلکہ اب اولاد والدین کو سوشل

میڈیا اکاؤنٹ بنا کر دیتی ہے اوران کے استعمال پر نظر رکھتی ہے۔
یہاں ہم کمنٹ میں قیمت معلوم کرتے وہاں سے صاحب زادے فرما دیتے۔
''یہ گھٹیا برانڈ میں نہیں پہنوں گا یا اس شرٹ کا ڈیزائن اچھا نہیں۔'' ہم دل مسوس کر رہ جاتے۔
سوشل میڈیا پر ہمارا کام یہی رہ گیا تھا کہ اپنے بچوں کی بھیجی نت نئے ناموں والی کھانوں کی فرمائش پرانی تراکیب سے گھر میں پکانے کی کوشش کریں۔
جب بھی ہم ذرا اپنی چادر سے باہر نکلنا چاہتے' کوئی سیلفی' کوئی اسٹیٹس اپلوڈ کرنا چاہتے تو ہمارا پچھلی صدی کا چہرہ اس بات کی اجازت نہ دیتا۔ اپنے سامنے پلے بڑھے بچوں کی سوشل میڈیا پر تصاویر دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ جب ان سے اس کایا پلٹ کی وجہ دریافت کرو تو وہ پھر کسی نئی ایپ سے متعارف کروا دیتے۔ جتنی ایپس آج کل کے بچے استعمال کرتے ہیں' اتنے تو ہمارے اسکول میں روم نہیں تھے۔ حتیٰ کہ ان بچوں کو کچھ بھی نیا سیکھنے کے لیے ایک نئی ایپ درکار ہوتی ہے۔
پرانے زمانے کے بدتمیز بچوں کی طرح' یہ بچے والدین کے آگے یا پیچھے زبان ہرگز نہیں چلاتے بلکہ زیادہ تر وقت خاموشی سے اپنے موبائل فون کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ انہیں پارک میں جا کر کھیلنے کا بھی بہت شوق ہوتا ہے لیکن ایک تو آج کل پارک کی تعداد بہت کم ہے۔ دوسرا امن وامان کی ناقص صورت حال کے باعث عوامی مقامات پر جانے کی بجائے گھر میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔
یہ بچے انسانیت کی مدد اور اتحاد بین المسلمین کے قائل اور ذات پات کے نظام کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہماری طرح کولہو کا بیل بن کر اپنے گھر اور محلے کے چند لوگوں تک اپنی خدمات محدود کرنے کی بجائے ان کا دائرہ احباب پوری دنیا میں پھیلا ہوتا ہے۔ کبھی امریکہ میں کسی دوست کو بریک اپ کے بعد تسلی دے رہے ہوتے ہیں تو کبھی کسی دور دراز گاؤں کے ساتھی کو فصل اچھی ہونے پر مبارک باد سے نوازتے ہیں۔
ہمارے بچے صرف ماں یا باپ کا عالمی دن ہی نہیں مناتے بلکہ مشرقی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اکثر ہمیں اپنی ڈسپلے پکچر پر بھی جگہ دیتے ہیں۔ سیلبریٹنگ مائی مدرز برتھ ڈے کا اسٹیٹس ڈالتے ہیں بلکہ جس دن ہمارا آپریشن تھا' اس دن تو انہوں نے نہ صرف دعا کی اپیل کی بلکہ ایک ایک کمنٹ کا جواب بھی دیا۔ چند حاسد رشتہ داروں نے ہمیں یہ کہہ کر بھڑکانے کی کوشش کی کہ اولاد کو تمہاری پروا ہی نہیں' خدمت کی بجائے موبائل میں لگی ہے۔ اب جدید اولاد کے تربیت یافتہ ہم جیسے ماڈرن والدین' ان پرانے دور کے لاعلم والدین کو کیا جواب دیتے سو مسکرا کر ٹال دیا۔
اپنی تمام جدیدیت کے باوجود ہمارے بچے تو اتنے روایتی تھے کہ آج تک گرینڈ پیرنٹس کا دن بھی مناتے ہیں۔ ناسازطبع کے باعث جتنے دن ان کے نانا ہسپتال میں رہے' روزانہ ان کے ساتھ ایک نئی سیلفی لینے جاتے ورنہ دیگر بہت سے لوگ تو یہ زحمت بھی نہیں کرتے۔ نانا کے لیے تیار پرہیزی کھانا منگوانے کا طریقہ بھی انہوں نے بتایا۔ نانا کی بیماری کے دوران گٹ ویل سون کا ایونٹ منایا اور پھر ان کے غسل صحت کے لیے جگہ تجویز کرنے تک آگے آگے رہے۔ اب اتنی تگ ودود کے بعد بھی ان کی محبت پر شک کیا جائے تو وہ منہ بگاڑ کر یہی کہیں گے۔
"Who Cares"



جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

اور کئی
کوفۂ عشق میں
میری بیچارگی
اپنے بالوں سے چہرہ چھپائے ہوئے
ہاتھ باندھے ہوئے
سر جھکائے ہوئے
زیر لب ایک ہی اسم پڑھتی ہوئی
یاغفورالرحیم
یاغفورالرحیم (صد برگ)

دسویں محرم کی اداس اور غمگین شام ہر گھر میں اتر آئی تھی ٹی وی کے ہر پاکستانی چینل پر نوحے اور مرثیے پڑھے جا رہے تھے پروین دن بھر ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہی، ہم دونوں نے دسویں محرم کا روزہ بھی رکھا تھا اور روزہ کھلنے کا انتظار بھی بے چینی سے تھا پروین حضرت علیؓ کی عظمت اور بہادری کی داستانیں سناتی رہی اور میں بھی دلچسپی سے سنتی رہی، میں شیعہ فرقے سے تعلق تو نہیں رکھتی لیکن مجھے ماضی کے اس المیے کا ہمیشہ سے دکھ و کرب رہا ہے اور حضرت علیؓ کی دور اندیشی اور دانشمندی سے متاثر بھی بہت ہوں، اس لیے پروین محرم کی چھٹیاں بلاخوف وخطر میرے پاس گزارنے آجایا کرتی تھی، آج تک اس موضوع پر ہماری گفتگو نے بحث ومباحثے کی شکل اختیار نہیں کی تھی روزہ کھولنے کے بعد پروین اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں نماز پڑھنے لگی پروین نماز بہت کم پڑھا کرتی تھی جبکہ جوں ہی اذان ہوتی تو مجھے فوراً نماز کی یاد دہانی کرایا کرتی تھی، حالانکہ اس میں خوف خدا کا جذبہ بہت تھا اپنے زیور کی زکواۃ دینے پر بھی یقین رکھتی تھی خدمت خلق میں بھی پیش پیش ہوتی تھی لیکن شیخی بگھارنے میں کیا مجال کہ زبان معمولی سی بھی بے قابو ہوجائے اسے اپنے انداز تخاطب پر پوری طرح سے غلبہ تھا۔

رات خاموش تھی سب سو چکے تھے کہ مجھے ایک دم سے ایک پرسوز نسوانی آواز نے چونکا دیا یہ خوب صورت آواز پروین کی تھی وہ دکھ میں سو نہ سکی تھی اور اپنے جذبات کا اظہار تڑپا دینے والے نوحہ گھبرائے گی زینب سے کررہی تھی دکھو درد میں ڈوبی ہوئی آواز کا اتار چڑھاؤ کسی صورت ناصر جہاں کی آواز سے کم نہ تھا اس کی شخصیت کا یہ روپ مجھ پر آج عیاں ہوا تھا میں دیر تک اس کی آواز میں کھوئی رہی، کافی دیر بعد اس کی آواز قدرے مدہم پڑگئی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ کچن کی طرف چلی گئی غالباً اس نے اپنے لیے چائے پکائی تھی رات بھر وہ سو نہیں پائی تھی صبح دیر تک سوتی رہی جب وہ سو کر اٹھی تو اس کی آنکھوں میں لال ڈورے اس کی رات بھر بیداری اشکباری کی غمازی کررہے تھے۔

علی مشکل کشا سے
مولا!
یہ کیسا دکھ ہے
جس کی گرہیں تجھ سے بھی کھلنے نہیں پاتیں
تیرے نام کا جادو اب تک
کیسے کیسے سحر کاٹتا آیا
کہاں کہاں گرنے سے بچایا
کیسے کیسے دشت بلا میں آب تیغ کی پیاس بنا
کس کس کوفے، کس کس شام میں پامردی کی اساس بنا
لیکن سورج خوروں کی اس بستی تک آ کر تو
تیرا نام بھی رک جاتا ہے
فاتح خیبر!
اپنے ہاتھوں کو پھر جنبش دے
ہم اپنی نامرادانا سے ہار چکے
ساقی کوثر
ایک دفعہ نظریں تو اٹھا
دیکھ کہ تیرے ماننے والے
ذراسی پیاس پہ کیسے فرات کو وار چکے (صد برگ)

فبای ء الآء ربکما تکذبان
دل کی آزادی بھی اک فن ہے
اور کچھ لوگ تو
ساری زندگی اسی کی روٹی کھاتے ہیں
چاہے ان کا برج کوئی ہو
عقرب ہی لگتے ہیں
تیسرے درجے کے پھیلے اخباروں پر یہ
اپنی یرقانی سوچوں سے
اور بھی زردی ملتے رہتے ہیں
مالا باری کیبن ہوں یا پانچ ستارہ ہوٹل
کہیں بھی قے کرنے سے باز نہیں آتے
اوپر سے اس عمل کو
فقرے بازی کہتے ہیں
جس کا پہلا نشانہ عموماً
بل ادا کرنے والا ساتھی ہوتا ہے
اپنے اپنے کنویں کو بحر اعظم کہنے اور سمجھنے والے
یہ ننھے مینڈک
ہر ہاتھی کو دیکھ کر پھولنے لگتے ہیں
اور جب پھٹنے والے ہوں تو
ہاتھی کی آنکھوں پر پھبتی کسنے لگتے ہیں
کوے بھی انڈے کھانے کے شوق کو اپنے
فاختہ کے گھر جا کر پورا کرتے ہیں
لیکن یہ وہ سانپ ہیں جو کہ
اپنے بچے
خود ہی چٹ کر جاتے ہیں
کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ
سانپوں کی یہ خصلت
مالک جن وانس کی، انسانون کے حق میں
کیسی بے پایاں رحمت ہے (خود کلامی)
ماں سے والہانہ لگاؤ
میری پیشانی کو دیکھ کے
میری ماں نے میرا نام

اک تارے کے نام پہ رکھا
جگمگ کرنے والا (خود کلامی)

پروین کو اپنی ماں کا تجویز کردہ نام بہت پسند تھا وہ مجھے کہا کرتی تھی کہ رف میرا نام اتنا عام ہے کہ ہر مذہب میں چیختا چلاتا ہوا پایا جاتا ہے اگر امی نے نہ رکھا ہوتا تو بدل لیتی مگر اب مجھے اپنے اسی نام پر فخر بھی ہے کیونکہ امی نے یہ نام میری شکل دیکھ کر تجویز کیا تھا میرے لیے کس قدر مبارک ثابت ہوا، وہ عقیدت واحترام سے بولی تو میں نے اس کا فقرہ مکمل کردیا اور آپ ایک تارے کی مانند جگمگانے لگیں۔ پروین کی والدہ ماجدہ افضل النساء پٹنہ میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھیں ان کے والد کا انتقال نوعمری میں ہی ہوگیا تھا اس وقت افضل النساء صرف سات برس کی تھیں وہ بڑی ہوئیں تو شاکر صاحب کے والد صاحب نے افضل النساء کا رشتہ مانگا کیونکہ یہ لڑکی ان کی فرسٹ کزن کی بیٹی تھی، رشتہ فوراً منظور ہوگیا اور شاکر حسین 1949ء میں اس لڑکی کو بیاہ کر کراچی رضویہ کالونی میں منتقل ہوگئے آپس میں دونوں کی اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہوئی کہ ازدواجی زندگی کامیابیوں کی جانب گامزن ہوگئی۔ 16 مارچ 1950ء کو بڑی بیٹی نسرین پیدا ہوئی اور پھر 1952ء میں پروین شاکر اس کارجہاں میں تشریف لے آئی، ماں کو دونوں بیٹیاں بہت عزیز تھیں صحت کی خرابی کی وجہ سے ان کا پیدا ہوجانا کسی معجزے سے کم نہ تھا، اس لیے ماں ہر وقت ان کے پیچھے بھاگتی رہتی تھیں، ماں کے صبر وتحمل اور شکر گزاری کی وجہ سے ان کا گھرانہ جنت کا گہوارہ تھا بہت دانشمندی، جہاندیدہ اور صوم وصلواۃ کی پابند خاتون تھیں شوہر ان کے قدر دان تھے اس لیے ان پر خاندانی سیاست کا وار چلنا ناممکن تھا مذہبی اور اپنے فرقے کے اصولوں پر چلنے والی ماں محرم کے دنوں میں مجالس پر باقاعدگی سے شرکت کرنا اور پروین کو منی ذاکرہ کی حیثیت سے ہر مجلس میں لے کر جانا انہیں بھلا لگتا تھا۔



بزم سخن

سمیہ عثمان

یسریٰ نیازی......کہروڑپکا

عمر بھر سینۂ فگار سے بہتا ہے لہو
تب کہیں جا کر کوئی لفظ مہک دیتا ہے

ملیحہ خان......لاہور

اب اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہو وراثت فقیر کی
بچوں کو اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

سعیدہ نشاط......کراچی

لے دے کر وہی شخص ہے اس شہر میں اپنا
دنیا اس کو بھی سمجھدار نہ کر دے

اقراٗ......گجرات

تیری فراق کے لمحے گزارنے کے لیے
ہمیں ہر کسی سے بنا کر رکھنی پڑی

نازیہ جمال......ڈگری

وہ جو گزرے تھے تیرے ساتھ کبھی
وہی لمحے میری حیات بنے

سمیرا فرید......میر پور خاص

بے گناہی کی سزا کاٹ رہا ہوں
بس اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں لاش پڑی ہے

کرن خان......کراچی

دیے میں ڈھل گئی تو دیکھ لینا
یہ مٹی روشنی دینے لگے گی

نائمہ طارق......اسلام آباد

وہ بھی سادہ ہے کبھی چال بدلتا ہی نہیں
ہم بھی پاگل ہیں اسی چال میں آ جاتے ہیں

صبا شوکت......پاک پتن

بڑھ رہی ہے اندھیروں کی سلطنت چار سو
دیکھو وہ آ رہی ہے اجالوں کی فوج ہار کر

میمونہ آغاز......کنری، سندھ

پھر وہی رات وہی درد وہی خاموشی
اتنا سناٹا ہے کہ کان پھٹے جاتے ہیں

روبینہ عامر......جہلم

تم میری آنکھ کے بارے میں بہت پوچھتے ہو
یہ وہ کھڑکی ہے جو دریا کی طرف کھلتی ہے

ایمان فاطمہ......کراچی

تمہیں بھی نیند سی آنے لگی ہے، تھک گئے ہم بھی
چلو ہم آج یہ قصہ ادھورا چھوڑ دیتے ہیں

نزہت کاشف......کراچی

وہ مجھ کو دیکھنے میرے قریب آیا ہے
یہ دھند سارے مہینوں میں کیوں نہیں پڑتی

حنا کاشف......پنگریو

کچھ اس ادا سے اس نے پوچھا میرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

شہلا تبسم......ملتان

کون کہتا ہے وقت مرتا نہیں
ہم نے سالوں کو ختم ہوتے دیکھا ہے دسمبر میں

منیزہ ظہیر......جھڈو

دل نے ہزار بار صاف کر دیا
لیکن تمہاری یاد کے جالے نہیں گئے

نازش خان......پشاور

تو میرے دل پر ہاتھ تو رکھ
میں تیرے ہاتھ میں دل نہ رکھ دوں تو کہنا

امبرین ارسلان......جہلم

میں تو ایک درد ہوں صاحب
اور درد بھلا کون سہتا ہے

انعم گل......کراچی

تجھ سے چاہتا ہوں محبت، محبت کے بدلے
میں نہیں چاہتا تجھ پر میرا کوئی احسان رہے

مہک جاوید......نواب شاہ

روایتوں کی قطاریں توڑ کر بڑھو ورنہ

جو تم سے آگے ہیں وہ راستہ نہیں دیں گے
جویریہ عامر...... حیدرآباد
تم سوچ بھی نہیں سکتے
میں کتنا سوچتا ہوں تمہیں
ماہ رخ سیال...... ڈسکہ
اس نے ہر چیز بدل دی اپنی
جسم کا گھاؤ پرانا رکھا
شبینہ رانا...... میانوالی
اپنے دروازے پر خود ہی دستک دیتا ہے وہ
اجنبی لہجے میں پھر پوچھتا ہے کون ہے
زارا گل...... واہ کینٹ
مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
میرے قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے
حمیرا آفتاب...... شیخوپورہ
پسند آیا ہمیں بہت پیشہ
خود ہی اپنے گھروں کو ڈھانے کا
اقرا آرزو...... فیصل آباد
دوست مصروف ہوگئے اتنے
ہم نے دشمن سے راز کہہ ڈالا
عابدہ طلحہ...... چک ورکاں
اس کی آنکھیں جو کبھی شعر سنانے لگ جائیں
جتنی غزلیں ہیں زمانے میں ٹھکانے لگ جائیں
یمنیٰ نور...... گاؤں بدر مرجان
اب میرے پاس تیری نشانی نہیں کوئی
ایک خط بچا تھا دریا کو دے دیا
صدف افضل...... گلگت بلتستان
کتنے رنگین نظاروں میں چلی جاتی ہے
سانس بکنے کو غباروں میں چلی جاتی ہے
شبنم عامر...... ماڈل ٹاؤن، لاہور
میری اپنی بھی مجبوریاں ہیں بہت
میں سمندر ہوں پینے کا پانی نہیں
افشاں عدنان...... کراچی

میری آنکھوں کے راستے سے میرے دل میں نہیں اترا
گزر گاہوں میں پانی تھا وہ بزدل ڈر گیا ہوگا
شرمین شہزاد...... عارف والا
برسات کے موسم میں کبھی میرے گھر آ کر دیکھ
خوشبو عجیب ہوتی ہے کچے مکان کی
شاہدہ انجم...... کراچی
بہت دیر کردی تم نے میری دھڑکن محسوس کرنے میں
وہ دل نیلام ہوگیا جس کو کبھی حسرت تمہاری تھی
صوفیہ جیلانی...... لاڑکانہ
ملاقاتیں نہیں ممکن ہمیں احساس ہے لیکن
تمہیں ہم یاد کرتے ہیں بس اتنا یاد رکھنا
کرن خان...... اسلام آباد
تیری محفل سے اٹھے تھے کسی کو خبر تک نہ تھی
بس تیرا مڑ مڑ کر دیکھنا ہمیں بدنام کر گیا
نائمہ رحمان...... ایبٹ آباد
بہت ناز تھا مجھے اپنے چاہنے والوں پر
میں عزیز تھا سب کو مگر ضرورتوں کے لیے
انا زاہد...... منگلا ڈیم
کریں گے ترک تعلق یہ تم سے وعدہ رہا
بدن سے سانس کا رشتہ تو ٹوٹ جانے دو
زرین کامران...... بہاول نگر
مجھ سے کیا گلہ تم کو اتنے بدگمان کیوں ہو تم
میں نے تم کو چاہا ہے تم سے تو کچھ نہیں چاہا
جویریہ خان...... روہڑی
انہیں بے وفا جو بولوں تو توہین ہے وفا کی
وہ تو وفا نبھا رہے ہیں کبھی اِدھر کبھی اُدھر



bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

اچاری لوکی

اجزاء:۔

لوکی (باریک کٹی ہوئی)	آدھا کلو
کلونجی	آدھا چائے کا چمچ
میتھی دانے	چوتھائی چمچ
کڑھی پتے	دس عدد
ٹماٹر (چوپ کیے ہوئے)	دو عدد
پسی ہوئی ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	چھڑکنے کے لیے
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
سونف	آدھا چائے کا چمچ
کٹا اور بھنا ہوا سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
سوکھی گول لال مرچ	چھ عدد
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
پانی	آدھی پیالی
تیل	چوتھائی پیالی

ترکیب:۔

دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کریں۔ اس میں لال مرچیں، کڑھی پتے، کلونجی، سونف، میتھی دانے، زیرہ، ہلدی، ٹماٹر اور نمک مل کر بھونیں اس میں لوکی اور پانی ڈال کر لوکی کو گلنے تک پکائیں اور ڈش میں نکال لیں، مزیدار لوکی ہرا دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

مادر اطلحہ...... گجرات

سرسوں کا ساگ

اجزاء:۔

سرسوں کا ساگ	ایک کلو
مکئی کا آٹا	ایک پیالی
ہری مرچیں	آٹھ عدد
لہسن	آٹھ عدد
سوکھی گول لال مرچ	دس عدد
پسی ہوئی ہلدی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	ایک پیالی

بگھار کے لیے اجزاء:۔

لہسن (باریک کٹے ہوئے)	چار عدد
مکھن	آدھی پیالی
تیل	تین کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

ساگ کو باریک کاٹ کر ہلدی والے پانی میں بھگو دیں پھر دھو کر دیگچی میں ڈالیں اس میں آٹے اور مکھن کے علاوہ باقی اجزا ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکالیں ٹھنڈا ہوجائے تو چوپر میں پیس لیں ساگ کو واپس دیگچی میں ڈال کر چند منٹ تک پکائیں اس میں آٹا اور مکھن ملا کر بھون کر ڈش میں نکالیں پین میں بگھار کے اجزاء تل کر ساگ پر ڈالیں اور گرما گرم پیش کریں۔

صبا ایشل...... بھاگووال

آلو میتھی

اجزاء:۔

تازہ میتھی کے پتے	تین کپ
آئل	چار کھانے کے چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لہسن کٹا ہوا	ایک چائے کا چمچ
ادرک کٹا ہوا	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سالم خشک مرچ	دو عدد
آلو ابلے ہوئے	ایک کپ
سبز مرچیں	ایک چائے کا چمچ

پسا ہوا سوکھا دھنیا	دو چائے کے چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

میتھی کے پتوں کو دھوئیں، میتھی کے پتوں کو کاٹ لیں ان پر کسی قدر نمک چھڑک دیں انہیں تقریباً گھنٹہ تک ایک جانب رکھ دیں، ان کا تمام تر پانی نچوڑ لیں پانی نچوڑنے کے بعد انہیں ایک جانب رکھ دیں ایک پین میں آئل گرم کریں آئل میں زیرہ شامل کریں زیرہ جب چٹخنے لگے تب اس میں لہسن، ادرک، نمک، سرخ مرچ آلو شامل کریں تقریباً پانچ منٹ تک فرائی کریں، میتھی کے پتے، پسا ہوا سوکھا دھنیا، پسی ہوئی ہلدی اور ہینگ شامل کریں، بخوبی یکجا کریں ڈھکن کے ساتھ ڈھانپ دیں دھیمی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں گرما گرم کھانے کے لیے پیش کریں۔

میزاب......قصور

چپلی کباب

اجزاء:۔

قیمہ	ایک کلو
پودینہ (کٹا ہوا)	تین کھانے کے چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
بیسن	دو کھانے کے چمچ
انار دانہ	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
ثابت دھنیا	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	تین چائے کے چمچ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

تمام مصالحوں کو قیمے میں ڈال کر پیس لیں، کٹا ہوا دھنیا انار دانہ بعد میں ڈالیں، بیسن ہلکا سا بھون کر ملائیں یا کارن فلور بھی ڈال سکتے ہیں، اس کے بعد قیمے کے کباب بنالیں، ایک انڈا پھینٹ لیں انڈا لگا کر کباب سنہرے تل لیں۔ مزیدار چپلی کباب، سلاد، چٹنی اور تندوری روٹی کے ساتھ کھائیں۔

طلعت نظامی......کراچی

مٹن کڑاہی

اجزاء:۔

ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ہری مرچ	چار سے پانچ عدد
نمک	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
کڑاہی مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
ادرک (کٹی ہوئی)	تین سے چار کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	گارنش کے لیے

ترکیب:۔

مٹن کو اُبال لیں اور یخنی کو ایک طرف رکھ دیں۔ اب آدھا کلو میں سے آدھے ٹماٹر آدھا کپ یخنی کے ساتھ گرائینڈ کرلیں اور پین میں ڈال کر ایک کھانے کا چمچ تیل اور کڑاہی مصالحے کے ساتھ پکالیں۔ جب تیل الگ ہوجائے تو نکال کر ایک طرف رکھ دیں۔ پھر باقی تیل کو پین میں گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کرلیں اور گولڈن براؤن کرلیں۔ اب باقی کے آدھے ٹماٹر ڈال کر گلالیں اور ہلدی، نمک، لال مرچ اور لہسن کا پیسٹ ڈال کر دو سے تین منٹ کے لیے گلالیں۔ اس کے بعد مٹن، ادرک، پسا دھنیا اور پسا زیرہ ڈال کر مکس کرلیں۔ پھر ٹماٹر کا پیسٹ، ہری

مرچ، ادرک، پسا گرم مصالحہ اور پسی کالی مرچ ڈال کر آدھا کپ پانی شامل کریں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر دَم پر رکھ دیں۔ آخر میں ڈش میں نکال کر ہرے دھنیے سے گارنش کریں اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

فیاض اسحاق مہانہ......سلانوالی

افغانی قورمہ

اجزاء:۔

گوشت بکرے کا (ابلا ہوا اور یخنی کے ساتھ)	آدھا کلو
تیل	ایک چوتھائی کپ
پیاز (کٹی ہوئی)	دو عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
دہی	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ
کیوڑا	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

تیل گرم کر کے اس میں پیاز کو ہلکا سنہرا کر لیں۔ پھر اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک اور پسی لال مرچ شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اس کے بعد گوشت کو یخنی، ثابت لال مرچ اور دہی کے ساتھ شامل کر کے دس منٹ پکائیں اور مسلسل چمچ چلاتے رہیں۔ اب اسے ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ کے لیے دم پر رکھیں۔ آخر میں لیموں کا رس، کیوڑا اور گرم مصالحہ ڈال کر نکال لیں۔

اریبہ منہاج......کراچی

بونگ اسٹو

اجزاء:۔

بونگ کا گوشت	آدھا کلو
آلو	ایک عدد
گاجر (کٹی ہوئی)	ایک عدد باریک
چکن کیوب	ایک عدد
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	دو عدد
لونگ	تین سے چار عدد
چھوٹی الائچی	تین سے چار عدد
ثابت لال مرچ	چھ سے آٹھ عدد
براؤن پیاز	آدھا کپ
دار چینی	دو سے تین ٹکڑے
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
تیل	چار کھانے کے چمچ
ہری مرچ	گارنش کے لیے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ایک پین میں حسب ذائقہ پانی، بونگ کا گوشت، چھوٹی الائچی، دار چینی، ادرک لہسن کا پیسٹ، لونگ، ثابت لال مرچ اور تیل ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں کالی مرچ، پسا گرم مصالحہ، نمک اور پسی لال مرچ، ڈال کر بھون لیں۔ پھر اس میں براؤن پیاز، باریک کٹا ٹماٹر، آلو، باریک کٹی گاجر، چکن کیوب اور حسب ضرورت پانی ڈال کر مکس کر لیں اور اتنا پکائیں کہ گوشت اور سبزیاں گل جائیں۔ جب گریوی گاڑھی ہو جائے تو ڈش میں نکالیں اور ہری مرچ سے گارنش کر کے سرو کریں۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

سندھی بھری مچھلی

اجزاء:۔

مچھلی	ایک کلو
نمک	حسب ضرورت
ہلدی	چائے کا چمچ

لیموں	۲ چائے کا چچ

استفنگ کیلئے

پیاز	۲ عدد
ہری مرچ	۳/۴ عدد
پسی لال مرچ	چائے کا چچ
املی کا گودا	۳ کھانے کے چچ
لہسن	۴/۶ جوئے
تازہ دھنیا	ایک کپ
پسا دھنیا	ایک کھانے کا چچ
نمک	حسب ذوق
ادرک	۲ انچ کا ٹکڑا
ہلدی	آدھا چائے کا چچ
تیل	ای ک کھانے کا چچ

سلاد کے لئے

پیاز	۲ عدد
ٹماٹر	۲ عدد
لیموں	۲ عدد
کھیرا	ایک عدد

ترکیب:۔

مچھلی کو نمک، ہلدی اور لیموں کا رس لگا کر میری نیٹ کریں۔ دھنیا، ہری مرچ لہسن اور ادرک کو پیس لیں۔ ساتھ میں پسی پیاز شامل کر کے خوب مکس کر لیں۔ پھر پسا مصالحہ، املی کا گودا اور ایک کھانے کا چمچہ گھی ڈال کر پکائیں۔ اب مچھلی پر لگائیں اور فوئل سے لپیٹ دیں۔ اوون میں ۱۸۰ ڈیگری سینٹی گریڈ پر ۲۵ سے ۳۵ منٹ تک بیک کریں۔ جب گولڈن ہو جائے تو نکالیں اور سرو کریں۔

ہالہ و عائشہ سلیم......کراچی

چکن ٹماٹو سوپ

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
گاجر	ایک عدد (کش کی ہوئی)
ٹماٹر	آدھا کلو
مکھن	ایک کپ
لہسن	ایک جوا (پسا ہوا)
ادرک	ایک چچ (پسا ہوا)
ہری مرچ	دو عدد
اجوائن	ایک چٹکی
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	حسب ذائقہ

ترکیب:

سوس پین میں مکھن کو گرم کریں اور اس میں باریک کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں جب پیاز تھوڑی سی سبز ہو جائے تو چکن ڈال کر فرائی کریں چکن ہلکا سا فرائی ہو جائے تو کش کی ہوئی گاجر، لہسن اور پسا ہوا ادرک ڈال کر مزید فرائی کریں سبزیاں اور گوشت فرائی ہو جائے تو ٹماٹر ڈال کر ڈیڑھ لیٹر پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر سوپ تیار ہونے دیں سوپ گاڑھا ہونے لگے تو اجوائن، نمک سیاہ مرچ اور سفید زیرہ ڈال کر سبز مرچ کٹی ہوئی (بیج نکال کر) شامل کریں اور گرم گرم سوپ نوش فرمائیں۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ



آرائش حسن

حدیقہ احمد

گھریلو ماسک استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو اپنی جلد کی نوعیت سے بخوبی آگاہی ہو، بہت سے ماسک پھلوں، سبزیوں، انڈوں، دودھ اور وٹامن سے بھی تیار کیے جاتے ہیں۔

انڈوں کو ماسک کے طور پر استعمال کرنے کا رجحان اس لیے زیادہ ہے کہ انڈے ہر قسم کی جلد پر ملے جاسکتے ہیں اور اس کا طریقہ استعمال بھی آسان ہوتا ہے تازہ پھلوں مثلاً اسٹرابیری کو بھی ماسک کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اسٹرابیری کو کاٹیے یا اسے اچھی طرح کچل کر چہرے پر ملیے اس طرح کیلے کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کیلے میں وٹامن کیلشیم، فاسفورس اور پوٹاشیم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا انہیں استعمال کرنے کا رجحان بھی عام ہے عام طور پر کیلے حساس جلد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، ٹماٹر، پپیتے، دہی، بالائی والے دودھ، شہد کو بھی چہرے کی جلد کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بازار میں دستیاب ماسک استعمال کرنے میں بہت سہولت رہتی ہے گھر میں ماسک کی تیاری کے لیے اجزائے ترکیبی کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی ہے اور وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے بہرحال ماسک بازار سے خریدنے کے بجائے بیوٹی سیلون سے بھی منگوا سکتی ہیں، اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ آپ کی جلد سے واقف ہوگی۔

اسٹرابیری کا ماسک

نرم اور چمک دار جلد کے لیے یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں مٹھی بھر تازہ پکی ہوئی اسٹرابیری لیں ایک کپ میں ڈال کر انہیں اچھی طرح گاڑھا کریں پھر اسے چہرے اور گردن پر مل کر سوکھنے دیں بعد میں اسے نیم گرم پانی سے صاف کرلیں اس سے جلد میں تازگی اور چستی پیدا ہوگی یہ ماسک بازار میں تیار صورت میں بھی دستیاب ہے۔

ککڑی کا ماسک

ککڑی میں سلفر اور سلی کان کی مقدار زیادہ ہوتی ہے شام کے وقت جلد میں پیدا ہونے والی تھکن اور پژمردگی کو دور کرنے کے سلسلے میں یہ بہت مفید ہے، ککڑی کے چند ٹکڑے لے کر دو چمچ پاؤڈر ملک اور ایک انڈے کے ساتھ اسے پھینٹیں اسے چہرے اور گردن پر اچھی طرح ملیں سوکھنے پر اسے گرم پانی سے دھولیں بعد میں چہرے اور گردن پر ٹھنڈا پانی ڈالیں اور سوکھنے دیں۔

خمیر کا ماسک

یہ رطوبت زرد چہروں کے لیے مفید ہوتے ہیں اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک چمچہ خمیر لے کر تھوڑے سے دہی میں اچھی طرح ملائیں پھر اسے اپنے چہرے کے رطوبت زدہ حصوں پر لگائیں پندرہ منٹ تک سوکھنے دیں اور پھر پہلے گرم اور بعد میں ٹھنڈے پانی سے صاف کرلیں۔

کھیرے کا ماسک

کھیرے میں سلفر اور سلیکون بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے اس ماسک کا استعمال دن بھر کی تھکن کے اثرات چہرے سے زائل کرنے کے لیے بہترین ہے کھیرے کی قاشیں بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں دو چائے کے چمچ دودھ اور ایک انڈے کی سفیدی اچھی طرح اس میں ملالیں اور پھر اسے چہرے اور گرن پر بطور ماسک استعمال کریں خشک ہونے کے بعد اسے گرم پانی سے دھولیں۔

قہوے اور دہی کا ماسک

قہوے کا ماسک چکنی جلد کی خواتین کے لیے ایک اچھا ماسک ہے یہ ماسک ایک چمچ قہوہ ایک چمچ خمیر میں دہی کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے اس کو لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے پورے چہرے اور گردن پر پھیلا لیا جائے اور پندرہ منٹ بعد پہلے گرم پانی اور کچھ دیر بعد ٹھنڈے پانی سے چہرے کو دھولیا جائے۔

اناس کا ماسک

اس ماسک کے استعمال سے چہرے کے مردہ خلیے زندہ ہوجاتے ہیں اور یہ چہرے کی شادابی میں اہم کردار ادا کرتا ہے ایک پیالی میں چوتھائی کپ اناس کا رس جوسر سے نکال لیں اور اس رس کی دو تہیں اپنے چہرے پر لگالیں پندرہ منٹ بعد اسے گرم پانی سے دھولیں۔

خشک خوبانی کا ماسک

یہ ماسک تمام اقسام کی جلد کے لیے موثر ہے اس کی تیاری کے لیے دو خشک خوبانیاں لے کر تمام رات کے لیے پانی میں بھگو دیں اگلے دن اسے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب اچھی طرح گل جائیں تو انہیں مسل لیں اور اس مرکب کو بطور ماسک چہرے پر استعمال کریں دس منٹ بعد اسے پانی سے دھولیں۔

ٹماٹر کا ماسک

ٹماٹر کا گودا نکال لیں اور اچھی طرح کچل لیں پھر اس میں ایک چمچ خالص شہد بھی شامل کریں اسے چہرے پر پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں پھر چہرہ دھو ڈالیں چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

گاجر کا ماسک

گاجر کا پانی نکال لیں اور فریج میں رکھ دیں جب ٹھنڈا ہو جائے تو روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں یہ عمل دن میں تین مرتبہ کریں رنگ گورا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

انڈے کا ماسک

ایک انڈہ لیں ایک لیموں میں انڈہ توڑ کر اس کی سفیدی اچھی طرح پھینٹ لیں اس میں لیموں نچوڑ کر اچھی طرح مکس کریں اور چہرے پر لگائیں پندرہ منٹ تک لگائیں بات چیت بالکل نہ کریں پھر دھو ڈالیں یہ ماسک خشک جلد کے لیے ہے۔

شہد کا ماسک

یہ ماسک نرم جلد اور جھریوں کے لیے ہے اس کے لیے شہد میں چند قطرے لیموں کا عرق اچھی طرح سے ملا لیں اور بیس منٹ کے لیے چہرے پر لگا رہنے دیں پھر اسکن ٹانک کی مدد سے روئی صاف کر دیں۔

حساس جلد کے لیے ماسک

ایک حصہ کولین اور ایک حصہ کیلا مائن لوشن میں عرق گلاب ملائیں اور صرف دس منٹ چہرے پر لگائیں جلد خشک ہونے پر اتار لیں۔

خشک جلد کے لیے ماسک

ملتانی مٹی ہلدی اور تین قطرے زیتون کا تیل اسکن ٹانک کے چند قطرے ملا کر پندرہ منٹ تک چہرے پر لگا رہنے دیں یا بادام کو پیس کر دودھ میں ملا کر چہرے پر لگائیں بیس منٹ بعد چہرہ دھوئیں۔

نارمل جلد کے لیے ماسک

ایک حصہ کولین اور ملتانی مٹی ملا کر کریم کی صورت میں استعمال کریں اور پندرہ منٹ تک چہرے پر لگائیں۔

چھائیوں کے لیے ماسک

بادام، ہلدی، دودھ اور لیموں استعمال کریں بادام پیس کر اس میں ہلدی اور دودھ ملا پیسٹ بنالیں اور چند قطرے لیموں کے ڈال لیں یہ ماسک بہت مفید ہے۔

کیلوں کے لیے ماسک

لیموں کے رس کو نچوڑ کر شہد ملا کر چہرے پر ملیں پندرہ منٹ بعد چہرہ دھولیں یا زیتون کے تیل میں بالائی کریم ملا کر دس منٹ مالش کریں یا پھر بادام پیس کر لیپ کریں بہت مفید ماسک ہے۔

مولی کے بیجوں کا ماسک

حسب ضرورت مولی کے بیجوں کا پاؤڈر بنالیں اور پھر اس میں ہم وزن بیسن کی مقدار شامل کرلیں اور دودھ میں گھول کر چہرے پر لگائیں اس سے چہرے کے داغ دھبے دور ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ نیم گرم دودھ حسب ضرورت مقدار لے کر روئی کی مدد سے چہرے پر لگانے سے داغ دھبے ختم ہو جاتے ہیں۔

چہرے کی جھریاں دور کرنے کا ماسک

مٹی کی ایک کوری پیالی میں ایک چمچ بالائی اور دو تین بادام اچھی طرح پیس کر ملا لیں اس کے بعد اس سے چہرے کی ہلکی پھلکی مالش کریں پھر روئی کو آہستہ آہستہ چہرے پر پھیریں اور پھر باقی آمیزہ مرہم لگا کر سو جائیں صبح اٹھ کر بیسن سے منہ دھولیں۔

یا پھر بکری کا کچا دودھ لے کر اس میں آدھا لیموں نچوڑ لیں۔ دودھ پھٹ جائے گا اس پھٹے ہوئے دودھ کو سوتے وقت اچھی طرح چہرے پر مل لیں یہ چہرے کی جھریاں دور کرنے کا شرطیہ طریقہ ہے۔



عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

اب تو ممکن ہی نہیں ان سے ملاقات وصی
اب تو عروج پر پہنچی ہے اس کی ذات وصی
وہی وعدے ہیں اور رسموں کی زنجیریں باقی
کب بدلتی ہیں زمانے کی روایات وصی
ایک وہ دن تھے کہ اک دوسرے کو سوچتے تھے ہم
اب ملتے نہیں دونوں کے خیالات وصی
میری ہر صبح کا آغاز تیرے نام سے ہو
تیری یادوں میں کٹی میری ہر اک رات وصی
تم کہاں اور میرے پیار کا معیار کہاں
وہ کتنی سادگی سے کہہ گئے یہ بات وصی

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: مدیحہ نورین مہک، گجرات

غزل

باندھ لیں ہاتھ پہ سینے پہ سجائیں تم کو
جی میں آتا ہے تعویذ بنائیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
کیا عجب خواہش اٹھتی ہیں میرے دل میں
کر کے منا سا ہاتھوں میں اچھا لیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلائیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کے تم پر ہمیں پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھریں مار ہی ڈالیں تم کو

شاعر: وصی شاہ

مشی خان، پھیر کنڈ

غزل

کاش ایسے بھی یاد آؤں میں
تیری پلکوں پہ جھلماؤں میں
پھر تجھے بھی تلاش کرلوں گا
پہلے خود کو تو ڈھونڈ لاؤں میں
کوئی بات ان کہی نہ رہی
کیا سنو اور کیا سناؤں میں
خط بھی لکھوں اسے غزل کی طرح
کچھ کہوں اور کچھ چھپاؤں میں
وہ اگر پیار سے کہے عارف
چاند تارے بھی توڑ لاؤں میں

شاعر: عارف شفیق

انتخاب: گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

غزل

پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے
پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے
پھر کاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی تم یاد آئے
پہلے تو میں چیخ کے رویا اور پھر ہنسنے لگا
بادل گرجا بجلی چمکی تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا
جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی تم یاد آئے

شاعر: ناصر کاظمی

انتخاب: کرن شہزادی...... مانسہرہ

غزل

کل تیرے گھر قیام کس کا تھا
نہ تھا کوئی مہمان تو اہتمام کس کا تھا
لکھ لکھ کے چومتے رہے جس کو رات بھر
ہمیں بھی بتاؤ وہ نام کس کا تھا
جس کو سن کے رو پڑے اہل محفل
اتنا بھگتا ہوا کلام کس کا تھا

ہائے ساقی ہمیں پی کر ہوش نہ رہا
وہ جام ہلانے والا ہاتھ کس کا تھا
شاعر:ساقی صاحب
انتخاب:نجم انجم اعوان......کراچی

غزل

جو ہوسکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا
محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا
الگ کرنا رقیبوں کا الٰہی تجھ کو آساں ہے
مجھے مشکل کہ میری بے کسی سے ہو نہیں سکتا
کیا ہے وعدہ فردا انہوں نے دیکھیے کیا ہو
یہاں صبر و تحمل آج ہی سے ہو نہیں سکتا
یہ مشتاق شہادت کس جگہ جائیں کسے ڈھونڈیں
کہ تیرا کام قاتل جب تجھی سے ہو نہیں سکتا
لگا کر تیغ قصہ پاک کیجیے داد خواہوں کا
کسی کا فیصلہ گر منصفی سے ہو نہیں سکتا
مرا دشمن بظاہر چار دن کو دوست ہے تیرا
کسی کا ہو رہے یہ ہر کسی سے ہو نہیں سکتا
دم پرسش کہو گے کیا وہاں جب یہاں یہ صورت ہے
ادا اک حرف وعدہ نازکی سے ہو نہیں سکتا
نہ کہیے گو کہ حال دل مگر رنگ آشنا ہیں ہم
بظاہر، آپ کی، کیا خاموشی سے ہو نہیں سکتا
کیا جو ہم نے ظالم کیا کرے گا غیر منہ کیا ہے
کرے تو صبر ایسا آدمی سے ہو نہیں سکتا
چمن میں ناز بلبل نے کیا جب اپنے نالے پر
چٹک کر غنچہ بولا کیا کسی سے ہو نہیں سکتا
نہیں گر تجھ پر قابو دل ہے پر کچھ زور ہو اپنا
کروں کیا یہ بھی تو ناطاقتی سے ہو نہیں سکتا
نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا
ہوا ہوں اس قدر محجوب عرض مدعا کر کے
کہ اب تو عذر بھی شرمندگی سے ہو نہیں سکتا
غضب میں جان ہے کیا کیجیے بدلہ رنج فرقت کا
بدی سے کر نہیں سکتے خوشی سے ہو نہیں سکتا
مزا جو اضطراب شوق سے عاشق کو حاصل ہے
وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا
خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ
ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا
شاعرہ:داغ دہلوی
انتخاب:ماوراطلحہ......گجرات

غزل

ہم اپنے آپ میں گم تھے ہمیں خبر کیا تھی
کہ ماورائے غم جاں بھی ایک دنیا تھی
وفا یہ سخت گراں ہے تیرا وصال دوام
کہ تجھ سے مل کے بچھڑنا مری تمنا تھی
ہوا ہے تجھ سے بچھڑنے کے بعد اب معلوم
کہ تو نہیں تھا ترے ساتھ ایک دنیا تھی
خوشا وہ دل جو سلامت رہے بزعم وفا
نگاہ اہل جہاں ورنہ سنگ خارا تھی
دیار اہل سخن پر سکوت ہے کہ جو تھا
فراز میری غزل بھی صدا بصحرا تھی
شاعر:احمد فراز
انتخاب:صباء ایشل......بھاگووال

غزل

تقدیر منزلوں کی جگاتے چلے چلو
اے رہروان راہ محبت بڑھے چلو
گو رہبری سکوت ابد کی ہے عشق میں
گر سن سکو تو بانگ جرس بھی سنتے چلو
منزل عدم کی راہ کٹھن رات کا سفر
تا صبحدم فسانہ ہستی کہے چلو
لو آ گئی یہ منزل جاناں کی سرزمیں
کھوئے ہوئے دلوں کے لگاتے پتے چلو
اے رہروان عشق ہے جام فنا میں بھی

وہ نشہ حیات کہ بس جھومتے چلو
جاتی ہے ہو کے زیر فلک راہ عشق بھی
جو بار ہو اٹھاؤ، پڑے جو سہے چلو
راز شنا وری ہے یہی بحر عشق میں
ساحل کی یادوں سے بھلا کر بہے چلو
اس بزم بے خودی میں یہ راز حیات ہے
ہر گردش نظر کے سہارے مٹے چلو
جب چل پڑے فراق تو منزل کی فکر کیا
جو کچھ دکھائے دور فلک دیکھتے چلو

شاعر:فراق گورکھپوری

انتخاب:ہالہ وعائشہ سلیم......کراچی

غزل

میں کیا ہوں، اس خیال سے لگتا ہے ڈر مجھے
کیوں دیکھتے ہیں غور سے اہل نظر مجھے
لے جاؤ ساتھ ہوش کو اے اہل ہوش جاؤ
ہے خوب اپنی بے خبری کی خبر مجھے
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا ہوں میں
دینے لگے پھر آپ فریب نظر مجھے
گم ہوگیا ہوں بے خودی ذوق عشق میں
اے عقل جا کے لا تو ذرا ڈھونڈ کر مجھے
اے روشنی طبع، تو بر من بلا شدی
پھر یہ نہیں تو کھا گئی کس کی نظر مجھے
میں اپنی زندگی کو برا کیوں کہوں حفیظ
رہنا ہے اس کے ساتھ میاں عمر بھر مجھے

شاعر:حفیظ جالندھری

انتخاب:سپاس گل......رحیم یار خان

غزل

یہ شب یہ خیال و خواب تیرے
کیا پھول کھلے ہیں منہ اندھیرے
شعلے میں ہے ایک رنگ تیرا
باقی ہیں تمام رنگ میرے
آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
دیتے ہیں سراغ فصل گل کا
شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے
منزل نہ ملی تو قافلوں نے
رستے میں جما لیے ہیں ڈیرے
جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو
بستی سے چلے تھے منہ اندھیرے
روداد سفر نہ چھیڑنا ناصر
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

شاعر:ناصر کاظمی

انتخاب:سدرہ شاہین......پیرووال

غزل

لحد میں سامنے جب دفتر حساب آیا
گناہ دیکھ کے کیا کیا مجھے حجاب آیا
جگہ نہ پائی جو کثرت میں سانس لینے کی
میان بحر فنا دم بخود حباب آیا
جب آفتاب میں نکلے محمد عربی ﷺ
تو چتر بن کے سر پاک پر سحاب آیا
الٹ کے سب مرے مضموں پڑھے مرے آگے
مزا تو یہ ہے کہ اس پر مجھے حجاب آیا
ورق الٹ گیا دنیا کا یک بیک کیوں چرخ
یہ کس طرح کا زمانہ میں انقلاب آیا
نہ موت آتی ہے مجھ کو نہ نیند آتی ہے
اجل کو آئی اجل خواب کو بھی خواب آیا
جہاں میں رہتی ہے روشن دلوں کی آمد و رفت
سحر کو چاند چھپا دن کو آفتاب آیا
کوئی بھی سوتا ہے پیری میں اس طرح غافل
اٹھو انیس اٹھو سر پہ آفتاب آیا

شاعر:میر انیس

انتخاب:ارم صابرہ......تلہ گنگ

غزل

یہاں کسی کو بھی کچھ حسب آرزو نہ ملا

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا
چمکتے چاند بھی تھے شہر شب کے ایواں میں
نگار غم سا مگر کوئی شمع رو نہ ملا
انہی کی رمز چلی ہے گلی گلی میں یہاں
جنہیں ادھر سے کبھی اذن گفتگو نہ ملا
پھر آج میکدہ دل سے لوٹ آئے ہیں
پھر آج ہم کو ٹھکانے کا ہم سبو نہ ملا

شاعر:ظفر اقبال

انتخاب:صائمہ مشتاق...... پھاگٹانوالہ، سرگودھا

محبت

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر تمہارے قدموں میں آ گرے تو
یہ جان لینا، وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں اوس قطروں میں خوشبوؤں میں نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمہیں ملوں گا
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا
کہ ہر پتنگے کے ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے ان پتنگوں کی خاک دریا میں ڈال دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی نہ دیکھے ہوئے جزیرے پہ رک کے تم کو صدائیں دوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اس جزیرے پہ بھی اترنا:

شاعر:امجد اسلام امجد

انتخاب:عروسہ پرویز......کاسی

غزل

جنگل جنگل شوق سے گھومو، دشت کی سیر مدام کرو
انشا جی ہم پاس بھی لیکن رات کی رات قیام کرو
اشکوں سے اپنے دل کی حکایت دامن پر ارقام کرو
عشق میں جب یہی کام ہے یارو لے کے خدا کا نام کرو
کب سے کھڑے ہیں بر میں خراج عشق لیے سر راہ گزار
ایک نظر سے شاد رکھو ہم سادہ دلوں و غلام کرو
دل کی متاع تو لوٹ رہے ہو حسن کی دہ ہے زکواۃ کبھی
روز حساب قریب ہے لوگو کچھ تو ثواب کا کام کرو
میر سے بیعت کی ہے تو انشا میر کی تبعت بھی ہے ضرور
شام کو رو رو صبح کرو، صبح کو رو رو شام کرو

شاعر:ابن انشاء

انتخاب:حنا اشرف......کوٹ ادو



alam@aanchal.com.pk



قیامت کی نشانیاں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! کیا میں تمہیں قیامت کی نشانیاں نہ بتاؤں؟" پس حضرت سلیمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے نمازوں کو ضائع کرنا، خواہشات کی طرف مائل ہونا، مال داروں کی تعظیم کرنا۔"

(ابن مردویہ، درِ منثور)

(حوالہ کتاب: مقالاتِ زوّاریہ: ترتیب، سید فضل الرحمٰن)

زہرہ ناز......لاہور

سردیوں کا قیام: اللہ تعالیٰ کی خوشی کا ذریعہ

ویسے تو نماز اپنی ذات میں نیکی ہے اور جب بھی ادا کی جائے اس کا اجر بہت بڑا ہے لیکن مشکل حالات میں ہر نیکی کی طرح نماز بھی زیادہ اجر اور اللہ تعالیٰ کی خاص خوشی کا باعث ہے ان مشکل حالات میں ایک موسم کی سختی بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ترجمہ: "ہمارا ادب دو بندوں پر بہت خوش ہوتا ہے ایک وہ آدمی جو (سردی کی رات میں) اپنے بستر اور لحاف سے نکلے اپنے محبوب اور اپنے اہل وعیال کے درمیان سے اٹھ کر نماز پڑھنے لگے تب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے دیکھو میرے اس بندے کو اس نے میرے انعام کے حصول اور میرے عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے بستر اور لحاف کو چھوڑا اور اپنے محبوب اور اپنے اہل وعیال سے الگ ہو کر نماز میں لگ گیا اور دوسرا بندہ وہ ہے جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے جنگ میں شکست ہوگئی لیکن راہ فرار اختیار کرنے کے گناہ سے بچنے اور ثابت قدم رہنے پر ملنے والے اجر کی امید پر وہ مقابلے میں ڈٹا رہا یہاں تک کہ اس راہ وفا میں اس کا خون تک بہا دیا گیا اس موقع پر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے میرے بندے کو دیکھو، یہ میرے انعام کے شوق اور میری سزا کے خوف کے سبب جنگ میں لگا رہا یہاں تک اس کا خون بہا دیا گیا۔"

اپنی ذاتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوب بندگی کرنا اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین کے قیام وتحفظ کے لیے جہاد کرنا اور اپنی جان تک نچھاور کردینا بندہ مومن کی "ایک ہی شخصیت" کے دو رخ ہیں جو اس حدیث قدسی میں یکجا بیان فرما دیے گئے اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں قسم کے لوگوں میں شامل فرمائے آمین یارب العالمین۔

جمیل الرحمٰن عباسی......کراچی

کرنیں

⌘ اگر تو گناہ پر آمادہ ہے تو کوئی ایسا مقام تلاش کر جہاں اللہ نہ ہو۔

⌘ جو شخص علم رکھے اور اس پر عمل نہ کرے وہ ایک بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر علاج نہیں کرتا۔

⌘ بعض لوگ اچھا بننے کے لیے اتنی کوشش نہیں کرتے جتنی کہ اچھا نظر آنے کے لیے کرتے ہیں۔

⌘ علم عمل کو آواز دیتا ہے پس اگر وہ جواب دے تو ٹھہرتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے۔

⌘ خوف خدا ہی تمام انسانی اعمال خیر کا سرچشمہ ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

محبت اور دوستی

⌘ یہ دو چیزیں ہر طوفان کا مقابلہ کرسکتی ہیں مگر ایک چیز ان دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکتی ہے اور وہ ہے۔ "غلط فہمی"

تانیہ جہاں......ڈسکہ

آہ......

پہاڑ سے ہوا نکلی
دل سے دعا نکلی
جس لڑکی سے پیار کیا
وہ دس بچوں کی ماں نکلی

علشبہ نور......بھیرکنڈ

کچھ لفظ میرے بھی

زیر بن زبر نہ بن کل کو تجھے پیش بھی ہونا ہے۔

بیٹیاں رحمت ہوتی ہیں اور رحمت کبھی بازاروں میں نہیں بکتی۔

خدا جب ناراض ہوتا ہے تو روٹی نہیں سجدوں کی توفیق چھین لیتا ہے۔

گلناز ابراہیم......جلالپور پیروالا

کارِ آمد ٹوٹکہ

مہمانوں کو گرین ٹی پلانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک تو گرین ٹی کے ساتھ بسکٹ اور نمکو نہیں رکھنے پڑتے اور دوسرا بندہ تھوڑا ماڈرن بھی لگتا ہے۔

انیقہ احمد......کوٹ سارنگ

یاد رکھنے کی باتیں

□ کپڑے انسان کے جسم کو ڈھانپتے ہیں اور گفتگو اس کی شخصیت کو۔

□ زندگی میں خیر خواہ کم اور خوامخواہ زیادہ ہوتے ہیں۔

□ خاموشی میں بڑی راحت ہے لفظوں کا سفر انسان کو تھکا دیتا ہے۔

□ نصیحت کیجیے مگر نصیحت شرمندہ کرنے کے لیے نہیں ہو مقصد دستک دینا ہو دروازہ توڑنا نہیں۔

□ دعائیں سمیٹنے والے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بھی دولت مند نہیں۔

مدیحہ نورین مہک......گجرات

منتظر

ایک دن وہ آٹوگراف بک کی بجائے ڈائری لے آئی اور کہا کچھ لکھیے جو یادگار ہو میں نے کورے کاغذ کو کورا چھوڑ کر سب سے نچلی سطر پر اپنے دستخط کر دیے اور ساتھ لکھا جو بھی اوپر لکھ دو میں اس سے متفق ہوں کہ میں خود تیرے فیصلے کا منتظر ہوں۔

وقاص عمر......بنگڑنو حافظ آباد

اچھی باتیں

☆ اگر کبھی دل میں کوئی رنجش ہو تو کھل کر گلہ کرنا کیونکہ تھوڑی دیر کی ناراضگی عمر بھر کی جدائی سے اچھی ہے۔

☆ خدا نے اگر دوستی کے رشتے نہ بنائے ہوتے تو انسان کبھی یقین نہ کرتا کہ اجنبی لوگ اپنوں سے بھی زیادہ پیارے ہو سکتے ہیں۔

☆ کہتے ہیں کہ عورت کا کوئی گھر نہیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کے بغیر کوئی گھر، گھر نہیں ہے۔

☆ ایسے شخص کو کبھی مت گنوانا جس کے دل میں تمہارے لیے محبت اور تمہارے لیے فکر ہو۔

☆ انسان تلوار سے نہیں طعنے سے مر جاتا ہے۔

☆ زہر مرنے کے لیے تھوڑا اور جینے کے لیے بہت سارا پینا پڑتا ہے۔

☆ جس کو تم سے محبت ہوگی وہ تم کو فضول اور ناجائز کاموں سے روکے گا۔

نجم انجم اعوان......کراچی

راج مستری کو ضرورت رشتہ

ایک راج مستری کو دوسری شادی کے لیے اینٹ سے اینٹ بجانے والی دوشیزہ کا رشتہ چاہیے جو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی حامی ہو اور کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ اکٹھا کر کے اپنا گھر بنانے کا فن جانتی ہو سنگ مرمر جیسی جلد اور چپس کے فرش کی طرح ملائم چہرے والی لڑکی کو ترجیح دی جائے گی لڑکے کے دل کا پلستر اکھڑ چکا ہے صرف وہی لڑکی رجوع کرے جس کی محبت گارے کی طرح گاڑھی اور کردار پختہ دیوار کی طرح مضبوط ہو۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

سنہری باتیں

❖ کوئی دولت عقل سے زیادہ منافع بخش نہیں اور کوئی تنہائی خود پسندی سے زیادہ وحشت ناک نہیں تدبیر جیسی

کوئی عقل نہیں اور پرہیز گاری جیسی کوئی شرافت نہیں حسن خلق جیسا کوئی ہم نشین نہیں اور ادب جیسی کوئی میراث نہیں۔

❖ کامیابی ایک ایسا انوکھا روغن ہے جس سے انسان کی بدصورتی بھی چھپ جاتی ہے۔

❖ اپنے ہمسائے سے محبت کرو مگر درمیان کی دیوار نیچی نہ کرو۔

❖ جو لوگ تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ با صلاحیت نہیں ہوتے۔

❖ بادلوں کی طرح رہو جو پھولوں پر ہی نہیں کانٹوں پر بھی برستا ہے۔

❖ حق پر قائم رہنے والے تعداد میں کم' مگر قدر و منزلت میں زیادہ ہوتے ہیں۔

❖ کوشش کر کے ناکام ہوجاؤ بجائے اس کے کہ کوشش ہی نہ کی جائے۔

شبنم حنیف......شہزادہ

کلام بابا بلھے شاہ

میرے عشق دے وچ معشوق نا ہو
نئی آج تک غلط نگاہ کیتی
تیری ہر ملاقات میں انج کیتی
جیویں موسیٰ نال خدا کیتی
نئی فرق کیتا تیری پوجا وچ
نئی خطریاں دی پروا کیتی
اک تینوں رب نئی کہہ سکدا
باقی ساری رسم ادا کیتی

تانیہ جہاں......ڈسکہ

پوائنٹس آف لائف

☆ تکلیف دکھ سے نہیں دکھ دینے والے سے ہوتی ہے۔

☆ خوابوں کے اندر زندہ مت رہو لیکن اپنے اندر خوابوں کو زندہ رکھو

☆ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی ہمیں چاہے۔

☆ محبت اس سے نہیں کی جاتی جو خوب صورت ہو خوب صورت وہ ہوتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے۔

☆ زندگی تب بہتر ہوتی ہے جب آپ خوش ہوتے ہیں لیکن زندگی تب بہترین ہوتی ہے جب آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے۔

☆ اگر تم ایسی باتیں سنو جو تمہیں ناگوار لگیں تو یہ جاننے کی کوشش کرو کہیں وہ سچی تو نہیں۔

☆ گلاب کی ان پتیوں کی طرح بنو جو اپنے مسلنے والے کے ہاتھوں میں بھی خوشبو دیتی ہیں۔

☆ جب تمہیں لگے کہ اب تم اور نہیں چل سکتے تو سمجھ لینا کہ تمہارا اگلا قدم تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دے گا۔

☆ تم میں اور تمہاری منزل میں صرف اتنا فاصلہ ہے جتنا تم سوچتے ہو کہ میری منزل اتنی دور ہے۔

نادیہ عباس قریشی......موسیٰ خیل

چلی سوس

انسان کا ضمیر جاگ جائے تو وہ اسے سونے نہیں دیتا شکوے' گلے' نفرتیں کدورتیں صرف سانس چلنے تک ہی رہتی ہیں بعد میں تو صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔

سباس گل......رحیم یار خان

ٹیکنالوجی کی جنگ

گوگل نے کہا۔ ایک لفظ لکھو ہزاروں رزلٹ دوں گا۔

وکی پیڈیا بولا۔ ایک لفظ لکھو ہزاروں پیجز دوں گا۔

انٹرنیٹ بولا۔ میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

کمپیوٹر بولا۔ تو کون سا میرے بغیر چل سکتا ہے۔ یہ سب سن کے بجلی ہنسی اور بولی لڑتے رہو۔ میں تو چلی۔

راشدہ جمیل راشی......صادق آباد

زیادتیاں

آیت کا ترجمہ ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ پس وہی لوگ اسی سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم

ہی ہیں۔(سورۃ ص38:24)

مسکان جاوید اینڈ ایمان نور.....کوٹ سمابہ

اللہ کی محبت ورحمت

بنی اسرائیل میں ایک نوجوان بہت زیادہ ظالم تھا۔ایک دفعہ وہ بہت زیادہ بیمار ہوگیا لوگوں نے شیر وشکر کیا اور اسے تپتے صحرا میں پھینک آئے۔اس نوجوان نے بے بسی سے اپنے دائیں طرف دیکھا اور پھر بائیں جانب' کوئی نظر نہ آیا' دور دور تک کسی بشر کا نام ونشان نہیں تھا۔پھر اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور بے بسی سے بولا۔یااللہ مجھے سب چھوڑ کر چلے گئے۔اگر تو مجھے سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر تو مجھے معاف کردے تو یہ تیرے لیے مشکل نہیں بس میں اتنا کہوں گا کہ سب تو مجھے چھوڑ گئے۔بس تو مجھے نہ چھوڑنا' مجھے معاف کردے اللہ مجھے معاف کردے آمین۔یہ کہتے کہتے وہ نوجوان مر گیا۔اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا موسیٰ فلاں صحرا میں میرا ولی مر گیا ہے۔لوگوں سے کہو اور اس کا جنازہ پڑھاؤ جو اس کے جنازے میں شرکت کرے گا۔میں اس کی بھی بخشش کردوں گا۔لوگ جب صحرا میں پہنچے تو بولے یہ تو ظالم ہے یہ ولی کیسے ہوسکتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی یا اللہ میں بندوں کی سنوں یا آپ کی؟ اللہ نے فرایا دونوں کی۔جب یہ شخص زندہ تھا تو ظالم تھا مگر جب مرنے لگا تو اس نے اس قدر صدق دل سے توبہ کی کہ مجھے میری عزت وجلال کی قسم اگر یہ شخص مجھ سے ساری دنیا کی بخشش بھی مانگتا تو میں ساری دنیا کو بخش دیتا۔یہ تھی اللہ کی بنی اسرائیل سے محبت اور امت محمد یہ ہے محبت ورحمت کی انتہا تو ہے ہی کوئی نہیں۔سبحان اللہ۔

نورین مسکان سرور.....سیالکوٹ ڈسکہ

کتے کے بسکٹ

رات کو ایک شخص کو بہت بھوک لگی وہ اٹھا اور فریج سے اسے دو بسکٹ ملے وہ کھا کر سو گیا۔صبح بیوی سے تذکرہ کیا کہ بڑے مزیدار بسکٹ تھے بازار جاؤ تو بہت سے لے آنا۔خاتون دکاندار کے پاس گئی اور وہ بسکٹ مانگے اور کہا کہ زیادہ دے دینا میرے خاوند کو بے حد پسند آئے تھے۔دکاندار بولا لیکن خاتون یہ تو خاص طور پر کتوں کے لیے بنائے جاتے ہیں انسانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔کچھ عرصہ بعد وہی خاتون اسی دکاندار سے کچھ لینے گئیں تو دکاندار نے پوچھا تازہ بسکٹ آئے ہیں کتنے دے دوں؟ خاتون نے جواب دیا اب نہیں چاہیے میرے خاوند فوت ہوگئے ہیں۔دکاندار نے کہا کہ دیکھیے میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ بسکٹ انسانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور انسان اسے کھا کر مر بھی سکتا ہے عورت نے جواب دیا لیکن میرے خاوند بسکٹ کھا کر نہیں مرے وہ تو بس کتے کے پیچھے بھونکتے ہوئے بھاگ رہے تھے کہ گر کر مر گئے۔

ثنا نور.....کراچی

تواضع و انکساری کا پھل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ایک بار منبر پر سے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تواضع ،انکساری اختیار کرو۔اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے!''جو اللہ کے لیے جھکتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے۔وہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے حالاں کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہے اور جس نے تکبر کیا اسے اللہ تعالیٰ گرا دیتا ہے،تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہے۔حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوجاتا ہے۔''

(مشکوٰۃ باب الغضب)

تہمینہ فیاض.....بہاولنگر



shukhi@aanchal.com.pk

حسن خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتداء ہے، جو وحدہ لاشریک ہے، کوشش تو یہ ہی رہتی ہے کہ اس محفل کو آپ کی بھرپور شرکت سے سجائیں لیکن کچھ ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کی صورت شامل نہیں ہو پاتی اس لیے اگر آپ قاری بہنیں ہر ماہ کی 24,25 تاریخ تک اپنی ڈاک ارسال کردیں تو آپ کے تبصرہ سے یہ محفل سج جائے گی اس بار بھی پہلے پسند کیے جانے والے تبصرے کو سرپرائز انعام ملے گا اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو سجارہی ہیں۔

گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ الفت وچاہت کے لبادے میں لپٹا، عقیدت ومحبت کی بارش میں بھیگا سلام قبول ہو آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتے ہیں ڈیئر جویریہ جی اسپتال کے زندان سے باہر رہائی ملی تو شام کی بکھرتی قرمزی کرنوں نے سلام کے ساتھ مہکتی ہواؤں کے سپرد کر کے جھٹ ویلکم بھی کردیا مسحور کن ہواؤں نے نشیلی اداؤں سے اپنی بانہوں میں بھر کر خوب حال چال دریافت کیا اور ہم نے خوشگوار ٹھنڈی سانسیں اندر اتار کر بغور اسپتال کی باہر سرگرمیوں پر نظر ڈالی جہاں بہت سے لوگ نظام زندگی میں مصروف ملے۔ روش پر چلتے نگاہ افلاک پر اٹھی تو چہکتے اڑتے پرندوں نے اپنی میٹھی صدا سے قلوب وجاں کی تھکن بھی اپنے ہمراہ اڑالی اپنے پیاروں کا ہجوم لیے اپنے اطراف نظر دوڑائی تو دل جیسے تھم گیا اور نظر جیسے جم گئی کیونکہ سامنے ہی بک شاپ پر حجاب ہمیں اپنی نظروں کے حصار میں لیے مسکرا رہا تھا اور ہمارا بے چین ومضطرب دھڑکتا دل بے قابو ہو کر اسے پانے کے لیے ہمک رہا تھا ہم نے بھی دل کی لے پر قدم بڑھائے تو دادی ماں اور بھائی جان کی سخت نگرانی کا خیال آیا لیکن ہم اپنے اڑیل من کا کیا کرتے جو کسی بھی طرح ماننے پر راضی نہ ہوا سو انجام کی پروا کیے بنا شاپ کی جانب بڑھے اور شاپ کیپر سے حجاب کی طرف اشارہ کیا شاپ کیپر نے ایک ہاتھ پر گلوز اور ایک ہاتھ پر کینولا چڑھائے پاگل نقاب پوش کو اپنی آنکھوں میں حیرت سموئے بڑی حیرانگی سے دیکھا اور میں نے ساتھ کھڑے بھائی جان کو جنہوں نے اخبار جہاں رسالہ خرید اور ساتھ میں کوئی اور میگزین لینا ہے پوچھ کر جیسے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا (پانچ دن اسپتال کی قید میں کاٹے تھے) اب اپنے پیاروں پر اتنا حق تو بنتا ہے (کیا خیال ہے) اس معاملے میں بھائی جان کی دریادلی اور دادی کی آنکھوں سے جھانکتی محبت پر دل عش عش کر اٹھا حجاب پر ہاتھ پھیرتے چشم وتصور میں اپنی امی کا پاکیزہ چہرہ جگمگا رہا تھا اور دل خوش ہو رہا تھا امی اور باقی ماندہ گھر والوں سے ملنے کو خیر اپنوں کی محبت پر پھر کبھی روشنی ڈالوں گی چلتی ہوں حجاب نگری کی طرف جہاں پریوں جیسی شان اور لبوں پر دھیمی مسکان لیے قیصر آپا بات چیت میں محو تھیں۔ سلام ودعا کا نذرانہ ان کے حضور پیش کر کے حمد ونعت کے لفظوں کو پلکوں پر سجا کر آنکھوں کو ٹھنڈی اور من کو مٹھاس سے بھر دیا روح کو سکون حاصل ہوا تو زینب احمد کی بزم میں انٹری دی۔ "ذکر اس پری وش کا" ایک پری پیکر سراپا محبت، حسن مجسم اس پر کمال دلکش انداز والی شرارتی لڑکی نے متاثر کردیا (او جی اپنی بات کررہی ہوں) کیا مستیک ہو گئی آپ سے نام گل مینا تعارف حسینہ (عجیب لگا نہ دوستوں اور مجھے بھی) گل مینا اور حسینہ دو الگ نام دو الگ ہستیاں ہیں اگر کچھ مشترکہ ہیں تو وہ ہیں عادات، ثمرانہ افضل اور آمنہ اکرم کا تعارف دلکشی کی حد پار کر گیا ثروت عزیز آپ اپنی امی کو باجی کہتی ہیں بچپن میں ہم بھی اپنی پھوپو کی دیکھا دیکھی اپنی امی کو بھابی کہتے تھے اب ہمارے بھتیجے بھی اپنی مما کو بھائی جان کہتے ہیں "رخ سخن" میں ادب کی دنیا کے نکھرتے پھول سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ساتھ ہی دریچہ ناج میں اضافہ ہوا آگے بڑھے تو ملاقات میں ملاقات کا ٹکٹ نصیب نہ ہوا تو بے ساختہ ایک شعر زبان سے سرد آہ لیے خارج ہوا۔

نہ جی بھر کے دیکھا نہ بات کی
بڑی آرزو تھی ایک ملاقات کی

ریحانہ آفتاب لفظوں کا ایک جہاں خود میں سموئے ملاقات کے تخت پر براجمان سوالات کے زرخیز باغ میں الجھی، بہنوں کے مان ومحبت پر جولبات کی تجوری و خزانہ محبت بانٹتی بے حد من کی مسند کے قریب ٹھہری دلفریب اداؤں سے مسکراتی جستہ برجستہ انداز لیے ہمیں اپنے سحر میں گرفتار کیا۔ "میرے خواب زندہ ہیں" "خوابوں میں کھوئے کھوئے ہم نے اس کا پہلی پہلی اینڈ بھی کردیا نادیہ آپی آپ بھی اینڈ کردیں" "پھوپو کا بیٹا" ایک منفرد تحریر فیس بک پر سب سچ تو نہیں چلتا ناویری گڈ صباحت جی "عشق دی بازی" میرے خیال میں تمام عاشقوں کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کر کے عشق کی بازی لگادی (ہاہاہاہا) ویسے یہ عشق کی بازی جیتے گا کون اور ہاں ریحانہ آپی اسی طرح زیادہ لکھنے والا سلسلہ برقرار رکھیے گا "میں تو مر کر بھی تجھے چاہوں گی" والدین کی محبت ملاوٹ سے پاک ہوتی ہے رشتے ہمیں مفت میں ملتے ہیں لیکن ان کی قیمت کا احساس ان کے کھو جانے کے بعد ہوتا ہے بہت دکھی کردیا اینڈ نے نگہت جی "شب ظلمت میں نکلا چاند" کرن نعمان کی دل کو چھو لینے والی تحریر بہت خاص لگی غفران کو اپنی دولت وجاہت پر بہت گھمنڈ تھا اس کی بے حسی نے ہی غرور چھین لیا اور اسے زبردست سبق سے ہمکنار ہونا پڑا اسے کہنا تقدیر پر ناز کرنا چھوڑ دے۔ ہم نے بارش میں بھی گھر جلتے دیکھے ہیں۔ البتہ شاہ بانو کا فیصلہ اچھا لگا اولاد کو ان کے باپ کے پاس بھیج کر گیا اعلیٰ ظرف ہونے کا ثبوت دیا۔ "محبت" آسیہ مظہر کی یہ تحریر حقیقت کے قریب لگی جو لڑکیاں والدین کی محبت کی قدر نہیں کرتیں تو محبت بھی انہیں زبردست ٹھوکر لگاتی ہے اور ویسے بھی یہ راہ چلتی محبتیں سوائے دکھاوا اور دھوکے کے کچھ نہیں دیتیں جو لڑکیاں ایسی محبت کی تال پر ناچتی ہیں تو ساری عمر انہی راستوں پر لڑکھڑاتی رہتی ہیں خیر ہم

تو یہی کہہ سکتے ہیں محبت کرنا جرم نہیں اگر کیا جائے اصول سے خدا نے بھی محبت کی ہے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے "انا کابت" حمئیلہ جی بڑے عرصے بعد دیدار کرلیا انا کی دیواریں بہت سخت ہوتی ہیں لیکن محبت کی نرمی انہیں بھی پگھلا دیتی ہے "ڈھل گیا ہجر کا دن" یہ کیا نادیہ آپی دو تین صفحے اور کہانی ختم تھوڑا زیادہ لکھا کریں جھئی اور سمیرا اور علینہ کو یک دم محبت بھی ہوگئی اب تو اس میں کون سا ٹوئسٹ آنے والا ہے "دل ناداں" یہ نادان لڑکیاں ہی کیوں ہوتی ہیں مرد کے چند تعریفی جملے اور دو میٹھے بول پر ہی خود کو انوکھی شے سمجھنے لگتی ہیں اتنی ارزاں بھی نہیں ہوتیں کہ جس کا دل کرے اسے اپنے بس میں کردیں مکمل ناول "دل آشنا" خوب صورت لفظوں کو اپنے دامن میں سمیٹے اس تحریر نے دل پر گہرے نقش قائم کیے ویری گڈ یمنیٰ اختر "نئے برس کی پہلی بارش" دو محبت کرنے والوں کا حیران کن ملن کیا واقعی محبت کا خمار اور نشہ بہت سخت ہوتا ہے کہ اس کے آگے کسی شے کا تاثر برقرار نہیں رہ سکتا کوئی تو بتائے، سحر نو اور عہد نشاط بھی زبردست تحریریں تھیں کسے الزام دوں، سمعیہ عثمان کی تحریر کا اینڈ بھی دلچسپ انداز میں اختتام پزیر ہوا اپنے پیارے حجاب کے تھرو اپنے بھتیجے حماد اور ہاشم کو سالگرہ وش کررہی ہوں اللہ آپ کو دنیا آخرت کی کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ دعاؤں کا نذرانہ قبول کرو۔

سدھر جاؤ بچو اور تنگ کرنا بھی چھوڑ دو ہولے ہولے مسکراتے گنگناتے "کارساز" پر دم لیا بے شک میرا رب اپنے آگے جھکنے والوں کو کسی اور کے آگے نہیں جھکنے دیتا بس خلوص دل سے اسے ایک بار پکار کر تو دیکھو رحمتیں بے شمار نچھاور کردے گا۔ "دوست کا پیغام آئے" اس بار ہما آپی کی دہلیز پر بنا دستک کیے آن وارد ہوئے ہمارا کپ کا بھیجا ہوا پیغام شائع کرکے محبت کی واضح مثال قائم کردی کہ چاہنے والوں کو بھی چاہت کا تحفہ ضرور ملتا ہے (سیلوٹ جی بڑا والا) ہما آپی کو ہمارا تھینکس بول دیجیے گا "بزم سخن" شاعری کی محبت عروج پر تھی۔ دل کو نکھار بخشتے اشعار ہصائمہ نور، ماہ رخ سیال، نسرین عالم، مہک ناز، طیبہ یوسف، صوفیہ غلام حسن، ماریہ توصیف ارم ناز، رابعہ کنول، کائنات اور جمیلہ غزل بٹ شاعری، "عالم میں انتخاب" واہ واہ کیا تڑکا دیا جی مزہ آگیا مجنم انجم، حنا اشرف اور ماورا طلحہ آپ کی نرم و ملائم انگلیاں چومنے کو جی چاہتا ہے جن سے یہ غزلیں لکھ کر آنکھوں کے رستے ہمارے دل میں جگہ بنا ڈالی شوخی تحریر سب نے کمال لکھا ارے ارے ناراض کیوں ہورہی ہیں جو ہی یہی ہمیں خیال آگیا ہے حسن خیال کا جہاں ستاروں کی مانند جھلملاتے تبصروں نے چونکا دیا شازیہ ہاشم، عنبر فاطمہ، اقرا جٹ اور دیگر قارئین میری تحریر کو پسند فرمانے کے لیے جزاک اللہ اور پروین افضل شاہین ہم نے غالباً آپ کا لکھا تھا معصوم سے شکوے سے لبوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی بے شک شکوے اپنوں سے ہی کیے جاتے ہیں اور ناراض بھی ان سے ہی ہوا جاتا ہے جن کو دل نے حق دیا ہوتا ہے ان شاء اللہ آنچل کی سالگرہ پر آپ کا شکوہ دور ہوجائے گا (اب تو مسکرا دیں کیا گدگدی کرنی پڑے گی) کچن کارنر کھانے کو تو بہت جی چاہتا ہے لیکن ان طعام خاص پر غور کون کرے اچھا جی آپ کے صبر کو بہت آزما لیا مجھے پتا ہے چاہتوں اور رحمتوں کی خوشبو میں بسا میرا نامہ محبت آپ کے من کے کسی مقام پر فٹ ہوگیا ہے جارہی ہوں لیکن وقت رخصت کوئی دعا تو دینے دیجیے اچھا لاسٹ شعر تو سن لیں پھر مجھے میڈیسن بھی کھانی ہیں۔

کیسے نہ ہوتے ہم تجھ پر فدا حجاب سر
کہ تمہارا انداز محبت ہی مختلف ہے

☆ پیاری گل مینا اور حسینا آپ کا مکمل تبصرہ پسند آیا آنچل کی سالگرہ میں انٹری دینے سے پہلے اپنا ایڈریس ارسال کردیں تاکہ آپ سے رابطہ ہوسکے آپ کا تبصرہ سرپرائز گفٹ کا حقدار ٹھہرا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔ السلام علیکم امید خداوندی ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے حسن خیال کی اس محفل میں اپنے اور ایک دوسرے کے عکس دیکھ رہے ہوں گے حجاب کا سال نو نمبر بہت زبردست تھا ماشاء اللہ اور دعا ہے کہ آئندہ سال اور زیادہ اچھا بنے آمین۔

حمد و نعت کے ہر لفظ سے عقیدت کے پھول جڑ رہے تھے۔ گل مینا کا تعارف جاندار لگا ایڈمن پینل میں ریحانہ آفتاب کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا عمدہ سوچ کی مالکہ ہیں ماشاء اللہ اب بات ہوجائے افسانوں پہ...... "محبتوں کا خراج" عمدہ تحریر واقعی ہی ہم بعض اوقات مصروفیت میں اپنوں کے لیے ان کے خاص دنوں کے حوالے سے کوتاہی برت جاتے ہیں اور اگر اس کوتاہی کا ازالہ جلد از جلد نہ ہو تو بہت دیر ہوجاتی ہے۔ "پھوپو کا بیٹا" یہ بات سچ ہے کہ سوشل میڈیا پر اس طرح کی فضول پوسٹس بہت ہوتی ہیں علیشبہ کے من میں پھوپو لفظ کے متعلق جو بھی غلط فہمیاں جمع تھیں زیبی نے بہت اچھے سے ان کو ختم کیا اور علیشبہ کا اس کے غصے سے ڈرنا مزے کا سین تھا۔ "محبت" شاندار تحریر ان کے نام جو محض میٹھے بولوں اور خوشامدی لہجوں کو محبت مان لیتے ہیں انجمن نے اس کھوتی اور حوس زدہ محبت کو پانے کے لیے اپنوں کی سچی اور کھوتی محبت کھو دی افسوس۔ "عہد نشاط" صبا کے قلم سے بکھرے موتی لاجواب ہاں یہ سچ ہی تو ہے کہ جب کوئی مر رہا ہو تب تو کسی کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر جب وہ انسان اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو لوگوں کی نظروں میں شک اور رویوں میں طنز آجاتا ہے نجانے کیوں؟ "انا کا بت" آج کل کے معاشرے کی عکاسی یہ تحریر اچھی تھی نسرین جیسی ساسیں کبھی بھی اپنی بہو سے سکھ لے کر خوش نہیں ہوسکتیں اور بیٹوں کو بھی خود سے دور کربیٹھتی ہیں۔ حنا بشریٰ کا افسانہ "عکس" نے دل کے تار چھوئے ہائے عارفین اور گل رخ کی محبت کیا ایسی محبت حقیقت میں بھی ہوتی ہے کمال کا لکھا اور کمال کردیا اس افسانے میں عارفین کی طرف سے گل رخ کے حسن پہ میرا یہ شعر حاضر ہے۔

جب تک سرے محفل وہ نہ آئیں پری پیکر
جو خود کو حسیں سمجھے وہ سمجھتا ہی رہے

"کوئی تو بتائے" ہاہاہاہا مزیدار تحریر ہاں جی آپ کو بتاتی چلوں کہ لو میرج کرنا سنگین ترین جرم ہے آہو جی۔ "دل ناداں" ہائے اور ربابیہ ایف ایم کے

آرجیز اور ان کی فیملز انف جب کسی کے نرم لہجوں کو محبت کالمس سمجھ کر ان کی جانب بڑھ جائے تو نمرہ کی طرح ہوتا ہے شکر ہے کہ اسے عقل آ گئی تھی "نئے برس کی پہلی بارش" لمان اور منشیٰ کی محبت دس سال تک اس نئے سال کی بارش کو ترستی رہی جس بارش نے ان کا ملاپ کرانا تھا خوب تر اچھا لگا دونوں کا ملاپ حیا بخاری گڈ ورک۔ "سحر نو" میں شیراز کی محبت سیرت کے لیے نئی زندگی لائی اچھا افسانہ تھا۔ "کارساز" بے شک اللہ ہی کارساز ہے اس افسانے کا مضبوط ترین کردار ذکیہ کا تھا جس نے آسائش کے لیے اپنی انا غرور مان نہیں کھویا اللہ سب کو ایسا ہی پختہ کردار دے آمین۔ "کسے الزام دوں" سمیہ عثمان کا ناولٹ بہت اچھا اور سبق آموز تھا بے شک شزا جس عمر میں تھی اس عمر میں ذہن کو بہلانا و بہکانا آسانا ہوتا ہے مگر یہاں جذباتیت اور جلد بازی بہت بری ثابت ہوئی ہے شزا کی ماں نے اپنی بیٹی کو بربادی سے بہت اچھے طریقے سے بچایا اللہ سب کو سکندر جیسے مردوں سے بچائے آمین۔ "دل آشنا" یہ تحریر یمنیٰ اختر نے لکھی معذرت کے ساتھ اس تحریر میں نام مجھے پسند نہیں آئے اس میں بس پیکر اور کفل کا سین اچھا تھا ٹھیک سمجھ بھی اسی کی آئی پلیز نام تو اچھے رکھا کریں "بزم سخن" میں سب کے اشعار اچھے تھے۔ "عالم میں انتخاب" میں پروین افضل اور نورین مسکان کا انتخاب عمدہ تھا۔ "شوخی تحریر" میں سب کا انتخاب بہترین تھا۔ تمام پڑھنے والوں کے نام بہت سی دعائیں اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے

نہ رہی تو قیامت کے دل ملیں گے

☆ڈیئر مدیحہ آپ کا مکمل تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی محفل میں شامل رہیے اپنا مکمل پتا ارسال کریں تا کہ آپ کو انعامی پرچہ بھیجا جاسکے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی جو ہی احمد صاحبہ السلام علیکم اس بار بھی پچھلے ماہ کی طرح حجاب بارہ تاریخ کو ہی ملا سرورق پر نازیہ بٹ نے قبضہ کیا ہوا تھا ان کی تصویر دیکھ کر یہ شعر یاد آنے لگا۔

تم جیسی حسین آنکھوں والے جب آتے ہیں ساحل پر

لہریں بھی شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوبے گا

حمد و نعت پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا بات چیت میں آپی قیصر آرا فرما رہی تھیں کہ نئے سال پر عہد کریں کہ ان لوگوں کو معاف کردیں جن کی باتیں آپ کو بری لگی ہوں جی ہاں واقعی معاف کرنے میں ہی بڑائی ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ کہانیوں میں محبتوں کا خراج عہد نشاط، دل نادان، سحر نو، پھوپو کا بیٹا میں تو مر کر بھی تجھے چاہوں گا پسند آئیں، بزم سخن میں صائمہ نور، بینش سحر، ہالہ تسلیم، ارم صابرہ امبرین کوثر، عالم میں انتخاب میں مادرا طلحہ، سدرہ شاہین، نجم انجم اعوان، ندا رضوان، نورین مسکان سرور، شوخی تحریر میں ارم کمال، شزا بلوچ، صبا زرگر، زکا زرگر، حسن خیال میں شازیہ ہاشم میوانی، اقرا جٹ، عنبر فاطمہ چھائے رہے، بہت خوشی کی خبر ہے کہ بہترین خطوط پر گفٹ دیے جائیں گے لیکن آپ نے یہ تو بتایا نہیں کہ گفت کس شکل میں ہوگا کیونکہ کچھ عرصہ پہلے میرے خط کو انعام کا حقدار ٹھہرا لیا گیا تھا لیکن اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مجھے انعام نہیں ملا ہے پھر بھی ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب کو خوش رکھے آمین۔ خدا حافظ

☆ڈیئر پروین افضل صاحبہ، تبصرے پر سرپرائز گفٹ ہے اگر بتا دیا تو پھر سرپرائز کیسا لیکن تبصرہ بھرپور ہونا چاہیے مصنفین کی تحریر پر تنقید بھی ہو اور تحریر پسند آنے کی وجہ بھی امید ہے آئندہ آپ کا تبصرہ مکمل ہوگا۔

نگہت غفار...... کراچی۔ السلام علیکم جیتی رہو پیاری جو ہی سلامت رہو شاد و آباد رہو (آمین ثم آمین) بھئی آپ کہیں گی نگہت باجی (آنٹی اب یہ آپ کو بتانا ہوگا کہ آپ مجھے کیا کہیں گی میں ماشاءاللہ الحمدللہ نانی دادی ہوں)

ہاں جی تو آپ کہیں گی کہ بھئی انہوں نے تو بسم اللہ شکایت سے کی مگر چندا کیا کروں؟ 13 تاریخ تک میں بہت ٹینشن میں رہی کئی جگہ فون اور میسج کیے مگر...... ہر طرف ناکامی پھر طاہر بیٹے کو میسج کیا پتا چلا کہ 4 جنوری کو رسالہ پوسٹ کردیا گیا دو چار فون کھڑکھڑائے مگر نہ جی کوئی تسلی بخش جواب موصول نہیں ہوا چلو جی آج ملیر گئے تو نزہت ضیاء (بہن) سے ادھار "حجاب" مانگ کر لائے ہیں اور اب ڈھائی بجے رات میں آپ سے مخاطب ہیں جبکہ اس وقت ہمارے گھر والے ہی نہیں آپ بھی سو رہی ہوں گی۔

ماشاءاللہ ٹائٹل اچھا لگا اللہ ان کو اپنی امان میں رکھے۔ بڑے عرصے بعد یعنی کئی سال بعد (زیب باجی مرحومہ) کے بعد قیصر آرا صاحبہ کی بات چیت پڑھی بالکل صحیح کہا میڈم نے واقعی ایسا ہی ہوتا اصل میں انسان کی فطرت میں صبر و تحمل نہیں ہے ہم بھی ایسے ہی ہیں ایک بات سچ کہوں میں ایک سال تک انتظار کرنے کی عادی ہوں مگر یاد دہانی کراتی رہتی ہوں ہمارے آنچل میں پہلے ایسے نہیں ہوتا تھا اکثر لوگ مجھ سے یہی کہتے ہیں ہاں ہم نے آپ کو پڑھا بہت پڑھا مگر آنچل میں......

حمد باری تعالیٰ نعت رسول مقبول ﷺ کی اس مقدس تحریر کو روح میں اتارتے ہوئے آگے بڑھے تو "پری وش" نے روک لیا پھر ان کی باتیں سنیں اچھی لگیں۔

ریحانہ آفتاب سے ملے نام کی طرح اچھی لگی اللہ انہیں ادب کی دنیا میں مزید اور ترقی عطا کرے پیاری ریحانہ بیٹا فیس بک پر تو تم سے باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر آج جب حجاب میں تم سے ملاقات ہوئی بالمشافہ تو نہیں غائبانہ ہی سہی بہت اچھا لگا بہت خوشی ہوئی بہت ہی ڈھیر ساری دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلیں، میں نے قلم کے سپرد کیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں "زندگی" کے اور "ادب" کے امتحان میں سدا کامیاب و کامران کرے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، بھئی تمہاری مخالفت ابو جان نے کی میری مخالفت میری مرحومہ ساس نے کی تو میں ان کی موجودگی میں نہیں لکھتی تھی چاہے کتنی بھی آمد ہو جب وہ دوسری بہو کے پاس جاتیں میرے مزے آجاتے اور پھر ہوا یہ کہ ایک دن انہوں نے میری امی سے کہا آخر تمہاری بیٹی یہ کیا لکھتی ہے ذرا مجھے پڑھ کر سناؤ پھر امی نے ایک روز افسانہ سنایا تو مرحومہ بہت خوش ہوئیں اللہ تعالیٰ تم کو ادب کی بلندیوں پر پہنچائے۔ "کہانیاں" سچی بات کہوں کی کہانی

ایک بھی نہیں پڑھی ان شاءاللہ اگلے ماہ حجاب جلدی مل گیا تو تفصیلی تبصرہ کروں گی اب مجھے بہت جلدی ہے کہ آج 13 ہوگئی کل پوسٹ کرادوں گی۔
"شوخئ تحریر" میں پروفیسر محمد یونس، مشی خان، ارم کمال، نادیہ تبسم، پروین افضل، صبا زرگر، نادیہ بخاری، سباس گل، نورین مسکان خط خاصہ طویل ہوگیا ہے اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ رب العزت اس ادارے اور آپ تمام پر آپ کی فیملیز پر رب اپنی عنایتیں اور رحمتیں نازل فرمائے ہمارے وطن عزیز پر دشمن کی نظر پڑنے سے پہلے ان پر قہر خداوندی نازل ہو اور اللہ آپ سب کا حامی و مددگار ہو۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ جو ہی جی السلام علیکم۔ حجاب فیملی کو نیا سال مبارک ہو اور ہمیں بھی دو تحفے مبارک ہو گئے دسمبر 2017ء ہمارے ہاتھوں میں اپنی نئی کتاب "ہر تسلیم" تھما گیا، جنوری 2018ء ہماری بیٹی کی منگنی کا تحفہ لائی ابھی مارچ یا اپریل میں شادی کی تاریخ کا فیصلہ ہوگا آج اس کی نند اور دیور کی شادی کی مہندی ابھی اختتام پزیر ہوئی ہے شہر شہر ڈھونڈا مگر شہزادہ سامنے ہی گلی میں پیدا ہوگیا، ہمارے شاگردوں کا بڑا بھائی جو پہلے باہر رہتا تھا پچھلے سال آیا بچوں سے تعریف سنی ہوگی شاگرد ہی رشتہ لائی میرا بیٹا یہاں ماننا نہ تھا میں نے خوب ڈرامے کر کے آخر منالیا آب زم زم اور کھجوروں پر بات پکی ہوگئی بعد میں دعوت اور بچوں کو تحائف کا تبادلہ سب کام نبیلہ عذرا، شمع (پھوپو)، میری بہو، میری بہن نے کیا بات چیت دوسروں نے طے کی ہم فقط دعا کرتے رہے ان کے گھر بھی نہیں گئے رشتے دار گئے آج ان لوگوں کی مہندی پر رضا اکیلا گیا اور کھانا کھائے بغیر دوست کی مہندی پر چلا گیا ہم نے چھپ کے اپنا دلہا دیکھا چھت سے بس اب تبصرہ کریں۔ حجاب ماڈل کو بھی سال نو مبارک اللہ تمام لوگوں پر سبز چھاؤں اور چہروں پر مسکان سارا سال عطا کیے رکھے غم بھی آتے ہی ہیں تو حوصلہ مضبوط ہی رہے آمین، بات چیت، بھئی قیصر آراء ہم تو سب کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اب خود بھی کم کم آتے ہیں کہ دوسروں کو موقع ملے اور شازیہ ہاشم نے ہماری جگہ خوب بہتر پوری کی ہے اسے پڑھ کر تو ہمارا دل ہی نہیں کرتا کہ ہم حصہ لیں نہ ہی ہم انعام لینا چاہتے ہیں ہمارے سارے ڈائجسٹ خود ہی گھر آ جاتے ہیں اور ہر سال پرانے ڈائجسٹ دوسروں کو دے دیتی ہوں قیصر آپا کی اعلیٰ ظرفی کو سلام حمد و نعت بڑے رائٹر جامع اوزان، خاص انداز کاش ہم بھی۔ "پری وش" عین فجر کے سمے نظر آئی کل مینا نے خوب ہنسایا بعد میں ندامت ہوئی۔ سر ننگے گھروں میں ہم پھرتے ہیں شرم ہم کو مگر نہیں آتی مینا آپ کی برجستگی و ذہانت کو سلام خوشی کہ بچے آگے نکل گئے ثمرانہ واہ جی موجاں کروں آمنہ آپ کی آوارہ گردی کا گہوارہ لفظ پر ہم فدا ہو گئے طیبہ کی تحریر تو سنجیدہ ہے بچپنا تو معصومیت کی علامت ہے "رخ سخن" اور شاعری کے بغیر ملاقات۔ ریحانہ کی ہر بات جامع بس ایک بات اچھی نہ لگی بھئی یاد رکھیں ہم بھی کبھی نئے تھے اور حوصلہ افزائی بڑی ضروری ہے سارہ یہ چوہدری والا سب سے اچھا جواب مزہ آ گیا میرے خواب زندہ ہیں یا اللہ ان کی حفاظت کرنا محبتوں کا خراج، دعاؤں کی صورت دیں گے پھوپو کا بیٹا نہیں بھئی وہ ہماری خالہ کے بیٹے تھے عشق دی بازی جس نے کھیلی زندگی ہاری ہر کر جا ہوں گا عجیب داستاں ہے یہ شب ظلمت میں نکلا چاند بدی کی پرتیں کر گیا ماند، احساس کمتری کا شکار غفران حمیرا نے حماقت کی قسم کا کفارہ دے لیتی مگر ایسا نہ کرتی اور بات پوچھے بنا قسم نہیں کھانی چاہیے کاش سب خضر جیسے ہوں معاف کرنے والے محبت ہنہہ یہ محبت نہیں ہے اللہ ایسی محبت سے بچائے محبت تو قربانی کا دوسرا نام ہے "شب آرزو تیری چاہ میں" "نیا سال کیسا گزرے گا" "عہد نشاط" صبا زندہ باد صبا ہم نے سوچا ہے نصیحت کرنا چھوڑ دیں بتاؤ چھوڑیں؟ "انا کا بت" نصیحت نے توڑا کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز، کسے الزام دوں غلطی ہماری اپنی ہوتی ہے مگر لکھا تقدیر میں ہوتا ہے زندگی امتحان کا دوسرا نام ہے "ڈھل گیا ہجر کا دن" کچھ کچھ میرا درد یہ دنیا ہے اور یہاں کیا نہیں ہوتا ماں باپ لڑکی کی شادی اس کے کزن سے کرنے لگے اس نے کزن کے بھانجے سے کورٹ میرج کرلی بڑی بھابی جوان بچوں کی ماں بیوہ سے دیور نے شادی کرلی اپنی بیوی کو طلاق دے کر بے اولاد تھے دوست کا بچہ گود لے رکھا تھا بچہ دل گیا قصور تھا کسے الزام دیں یہاں "کوئی تو بتائے" بھئی اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ویسے نام شانی سے یاد آیا ہم نے بیٹے کے دوست شانی کے بھی سگریٹ چھڑا دیے، سبزی والے کی نسوار بھی چھڑائی ہے بچپن میں ابا کے سگریٹ چھڑائے تھے مگر سوچا ہے اب نصیحت کرنا چھوڑ ہی دوں کچھ لوگ چالو ہو گئے مجھ سے اب صرف دعاؤں سے ٹھیک کروں گی لوگوں کو ان شاءاللہ، "دل ناداں" کسی سے ملا نہ کر جوانی میں بھی خدا خدا ہی کر۔ "نئے برس کی پہلی بارش" "محبت ایسا رشتہ ہے جسے اگر قید کرلو تو صبر کا پانی ڈالو پھر تو ایک دن آن ملتا ہے "سحر نو" سمیرا کی کہانی جذبوں بھری پاک محبت سے مشروط ہے اور ہاں تم نے القاب لکھا میری جان حیات، سنو میری اگلی کتاب کا نام لکھ رکھا ہے میں نے "محمد ﷺ جان حیات" (تیسری کتاب 2019ء تک بن جائے) "کارساز" اللہ اتنا کارساز ہے کہ دھوکے سے بچاتا ہے اور استاد صبا ز ہے کہ غیب سے کھلاتا ہے میری کتاب کا خرچہ نبیلہ اٹھا رہی ہے الحمدللہ "دل آشنا" قلم آشنا ہو جاؤ نا علم آشنا۔ "جیسا میں نے دیکھا" ایسا کبھی نہ دیکھوں، "بزم سخن" عائشہ سلیم کا یہ شعر صرف پسند آ گیا "اناؤں، نفرتوں، خود غرضیوں کے ٹھہرے پانی میں محبت کھو لنے والے بڑے درویش ہوتے ہیں" کاش یہ درویشی ہمیں نصیب ہو۔ "آرائش حسن" خالق مصور جمیل بھی کبھار کلینسرین بس۔ "عالم میں انتخاب" اول شورش کاشمیری دوم اصغر گونڈوی سوم رحمت ندودی چہارم افتخار عارف شوخئ تحریر سب اچھے مگر اقراء کی مبارک پروین کے لطیفے اور نورین مسکان نے واقعی پرانا نئے انداز میں لکھا "حسن خیال" پوری محفل جھلمل جھلمل ہوتی ہے آج 19 کو خط لکھ رہی ہوں پتا نہیں شائع ہو نہ ہو، دوستو یہ بھی وجہ ہے تم سے نہ ملنے کی اور شازیہ ہاشم کو مبارک اس نے میری جگہ سنبھال لی ہے۔ مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر میں آؤں نہ آؤں شازیہ یونہی آنا نعت کا انتخاب بہترین لائی ہو کس کتاب سے پڑھتی ہو بھئی لکھاری کا نام بھی لکھا کرو۔ نظم حجاب واہ بھئی خوب صورت شاعرہ بھی بن گئی ہو کتنے وقت میں خط لکھتی ہو میں نے تو آدھے دن میں دو خط لکھے بس اقراء کو بھی مبارک ثناء میں بھول کر بھی نہیں بھولتی جانو لیٹ کر خط لکھتی ہوں جناب۔ لیٹ کر ٹیوشن پڑھاتی ہوں تمام عمر مریضوں کے سنگ مریض تھکاوٹ بن گئی ہوں، بلکہ مریض جھنجھلاہٹ بھی بن جاتی ہوں جب دادی روٹی کھانے کے فوراً بعد روٹی اور پانی پینے کے فوراً بعد پانی طلب کرتی ہیں اور ہاں بھئی ہم نے کبھی انعام کا نہیں سوچا آخرت کے انجام کی فکر ہے اگر ادارہ کو میرا خط بالغرض انعامی لگے تو عنبر فاطمہ کو دے دیجیے گا ڈائجسٹ کی بجائے حمد و نعت کی کتاب ہوتی تو انعام حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرتی بذریعہ دعا۔ "دوست کا پیغام" اقراء

کا اعلیٰ ام فاطمہ کادم اور عظمیٰ مریم چاروں کو بھابی کی سالگرہ پر دعائیں حاضر ہیں گل کلیاں اتریں آنگن میں، کڑیاں چھکیں آنگن میں، آخر میں میری کتاب کے پس ورق پر لکھی گئی نعت سن لیں دو شعر۔

دیوانگی پہ دوش پر زنار بھی نہیں
زمانے میں چلن اپنا دشوار بھی نہیں
اک پل میں ان ﷺ کے در پر حاضر ہیں ہم ہوئے
بے شک کہ آقا ﷺ جیسی رفتار بھی نہیں

اس کے ساتھ ہی اجازت پروین افضل، شبنم کنول، فریدہ فری سے لے کر دلکش مریم، ارم کمال، نجم انجم کے درمیان ہزاروں دوستوں کو دعائے خیر جویریہ سمی رسالہ آنچل نکل جائے تو اطلاع دینا رابعہ شاہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب چاہو بات کرو خط لکھو تو لطف آئے گا پاس موجود بھی رہے گا انتظار کروں گی ایڈریس ادارہ سے لے لو اللہ حافظ۔

اقراء جٹ..... منچن آباد میرا حرف حرف، میرا لفظ لفظ تیرے ہی نام ہیں حجاب ڈیئر ہم وطنوں، عزیزوں، دوستوں سب کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے؟ ٹائٹل ہی ذہن کا تھا نازیہ بٹ کی دلنشین آنکھیں، چمکتا مکھڑا، ماتھے پر بندیا کیا ہی رونق بخش رہے تھے، مدیرہ صاحبہ کی سرگوشیاں سنیں (کان لگا کر) حمد ونعت کی زینت سے حجاب میں ایک سحر ساتھ ذکر اس پری وش کا، گل مینا خان (ونڈرفل) ثمرانہ افضل (زبردست) آمنہ اکرم (گریٹ) طیبہ اور منا اہل ایس (گڈ) چاروں پرنسز کے انٹرویو کمال کے لگے "رخ سخن" آپی سباس گل، لائی تھیں، سنبل احمد کو بہت اچھا رہا، انٹرویو "ملاقات" آپی ریحانہ آفتاب، الفاظ نہیں، تعریف کے لیے، آپ کا ناول "عشق دی بازی" آغاز ہی بہت اسٹرونگ ہے، شاہ زرسمعون کو پڑھ کر لگا آپ نے میرے پاپا جانی کے بارے لکھا ہے سیم ویسا غصہ سب میرے پاپا جانی میں ہیں، آپ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مخالف والد محترم تھے، آپ چھپ چھپ کر لکھتی تھیں۔ یہ تو سیم میرا ہی کہہ لیں نہ میرے پاپا پڑھنے دیتے نہ لکھنے، پھر بھی ہم نے چھپ چھپ کر آنچل وحجاب میں انٹری دے ڈالی، بج مینوں وی مرن دا شوق وی سی، اور مجھے جینے کا حق دو پر دونوں ہی مجھے نہیں بھولیں لاجواب، آپ کی پسند ناپسند سیم میرے جیسی ہے، اس لیے آپ اب ہمیں کچھ اور بھی اچھی لکھنے لگی ہیں، لفظ "عشق" سے ویسے ہی مجھے عشق ہے، اور دوسرا ریحانہ آفتاب، آفتاب سے بھی عشق ہی سمجھیں تو کیسے آپ کی کہانی دل میں نہ اترتی، آپی پروین افضل نے نیا ڈائجسٹ نکالنے کا کہا، (میرے دل دی گل کہہ چھوڑی) ایک اور ڈائجسٹ نکالیں اس کا نام اقراء ڈائجسٹ چمکنے والا آفتاب بن جائے گا، (غور کیجئے گا ہمیں بھی فخر ہوگا ادارے والوں نے ہماری بات نہیں موڑی ہاہاہا) میرے خواب زندہ ہیں، نادیہ آپی ماریہ کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونا چاہیے اور میرو کے ساتھ بھی الف اللہ ہو، بٹو کو مرنا نہیں چاہیے تھا نیکسٹ قسط کا شدت سے انتظار ہے، "عشق دی بازی" ریحانہ آفتاب بیسٹ وشز، مبارک ہو، ایک کتاب کے لیے اور دوسرا اتنا پیارا ناول شروع کرنے کے لیے آپ چاہیں تو اپنی پہلی کتاب "بیری پیا" مجھے گفٹ کر سکتی ہیں، مجھے پڑھنے کا شوق ہے مفت کا، جنون کی حد تک مگر بابا جانی سخت مزاج اجازت نہیں دیتے، چلیں مت گفٹ کریں، مگر میری باتوں کا جواب ضرور دیجئے گا؟

شب آرزو تیری چاہ میں، نائلہ طارق بھی زبردست کیری آن بیسٹ وشز فاریو، بس زنائشہ اور عرش کو ملا دیں، آپ نے نام تمام ہی بہت زبردست چنے ہیں، ڈھل گیا ہجر کا دن، نادیہ احمد جی تعریف کے لیے الفاظ نہیں، آسیہ بھی مان جائے، سمیرا اور علینہ تو بنے ہی ایک دوسرے کے لیے ہیں الگ نہیں کرے گا، شب ظلمت میں نکلا چاند، کرن نعمان بہت بہت زبردست موتی چنے آپ نے، قابل الفاظ نہیں آپ کی تحریر کے، میں تو مر کر بھی تجھے چاہوں گا، نگہت غفار جی ویری اسٹرانگ، کمال کی تحریر تھی۔

توں سمجھ نہ سمجھ
تو جان نہ جان
یہ میرا عشق ہی ہے
تیرے لیے تڑپنا
تیرے لیے ہی جینا
ساری دنیا کو چھوڑ کر
ایک تیرے ہی سپنے بننا
اے حجاب!!
یہ میرا عشق ہی ہے
یہ میرا عشق ہی ہے
محبت کے اس دن میں
میں بھی تجھے چاہتی ہوں
تجھ ہی سے پیار کرتی ہوں
تیرے ولائے ولاسے
تیرے ولائے حوصلے

تیری دی ہوئی ہمت
تیرے پڑھائے ہوئے سبق
یہ جگہ ہی میرے کام آئے
اگر اب مجھے کوئی یاد ہے
تو اک تو ہی ہے
اے حجاب!
یہ میرا عشق ہی ہے
یہ میرا عشق ہی ہے!

لوگ میری تعریف کرتے ہیں مگر میں کسی کی نہیں کرتی عشنا کوثر سردار کا ناول اور کچھ خواب مجھے بہت پسند آیا اس کے بعد عشنا آپی مجھے اچھی لگی ہر تحریر محبت پر شروع محبت پر ختم انہوں نے تو کوئی رسپونس نہیں دیا اور آج کسی کی تعریف دل کھول کر رہی ہوں ریحانہ آفتاب آپی ضرور رسپونس دیجیے گا، کچھ لوگوں میں لکھنے کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے کچھ لوگ اس کو مزید نکھار لیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی اس صلاحیت کو یوز نہیں کر سکتے، ان کے پاس وسائل نہیں ہوتے، ان کو کوئی سپورٹ کرنے والا نہیں ہوتا، لائک می، کبھی کبھی میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں، پتہ ہے کیوں؟ وہ اس لیئے کہ میرے بابا جانی کو خواب میں تین مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور میرے فیوچر میں ہونے والے لائف پارٹنر کو بھی (سبحان اللہ) دونوں ایک ہی عادات کے مالک ہیں اور کبھی کبھی میں خود کو بہت بڑا سمجھتی ہوں، جب دیکھتی ہوں کہ میرا کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں، جب دیکھتی ہوں میرے پاس کچھ نہیں بچا میرا ہر خواب ریزہ ریزہ ہوگیا ہے، لو جی میں کدھر پہنچ گئی آتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف ویسے ایک خاص بات میری دعا دوسروں کے حق میں بہت جلد قبول ہوتی ہے (الحمد اللہ) دل آشنا یمنیٰ اختر کمال لکھا، پیکر اور کفل نام بہت پسند آئے انداز بیاں محبت کے انداز بھی بہت دلکش لگا، کسا الزام دوں، سمیہ عثمان زبردست، پھوپو کا بیٹا، صباحت بی ویلڈن فرسٹ افسانے پر مبارک، بائی دا وے فیس بک پردہ لوگ بھی مل جاتے ہیں جو ہمارے کبھی رشتہ دار تھے ہی نہیں، ہاہاہا، "محبت" آسیہ مظہر ویلڈن نام ہی کمال ہے، "محبت کا خراج" نزہت آپی حرف بہ حرف، ٹائٹ لگا، صبا ایشل جی عہد نشاط، زبردست انا کا بت، ثمثیلہ، حنا بشریٰ، میرا درد نغمہ بے صدا، بہت نائس، کوئی تو بتائے، نظیر فاطمہ ونڈرفل، دل ناداں، فرح بھٹو، الفاظ نہیں ہیں تعریف کے لیے، نئے برس کی پہلی بارش، حیاء بخاری، چھا گئی، سحر نو، سمیرا غزل صدیقی، نائس، کارساز، سنبل خان بٹ، بہت بہت اعلیٰ، جیسا میں نے دیکھا، ڈھیر ساری دعائیں، بزم سخن، تعریف کے لیے الفاظ نہیں، سب کے اشعار سے ایک بڑھ کر ایک، حدیقہ جاوید، ماہ رخ، حنا، ناہید، حبیبہ الرشید، ثمرین خان، مباعہ نور، مہک، ورشہ ہنیا (نائس نیم) ننیش سحر، خدیجہ ندیم، مہرین اکبر ہنساء، زمین، زینب، نادیہ گل جی بہت بہت ہی زبردست اشعار آپ کے، امبرین، شہانہ، فرحانہ، تہمینہ، نسرین، سدرہ شاہین، ارم صابرہ، عائشہ سلیم (ہالہ اور عائشہ سسٹر ہیں) طیبہ اور شاد، رخسانہ اقبال اور جویریہ ضیائی، ونڈرفل، انعم خان جی آپ کشمیری چائے، کچن کارنر میں چنکی لگی (پھر کب پلا رہی ہو؟) آرائش حسن، ماورا طلحہ، بہت وسیع معلومات، ونڈرفل، عالم بیں انتخاب، نادیہ فاطمہ رضوی، پروین افضل، ماورا طلحہ، ہالہ سلیم (کیوٹ) نجم انجم اعوان اور صبا ایشل، نورین مسکان بہت زبردست جواس، شوخی تحریر، پروفیسر محمد یونس جنجوعہ، مشی نجم انجم (فرینڈ بن جائیں) ارم کمال جی (فرینڈ بنانا پسند کریں گی؟) شبنم، علیشہ، سمیرا سوانی، شزا بلوچ اور اقراء جٹ (یعنی میری نظم بھی نا ہاہاہا) پروین افضل، سحرش، فردا، نادیہ عباس، سپاس گل، آپی (قابل تعریف) راشد اور نورین مسکان سرور (ہر وقت مسکراتی ہو؟) ونڈرفل، حسن جمال، واہ واہ کیا بات، شازیہ جی مبارک ہو میدان مار گئی ہیں آپ تو، وہ بھٹی میں؟ مجھے یقین نہیں آرہا، پروین افضل جی، آپ کے تبصرے لاجواب تھے اچھے لگے، حرا قریشی جی آپ اتنے مشکل ورڈ کہاں سے چرالی ہیں؟ ہم غریب سے فرینڈ شپ کر سکتی ہیں کیا؟ آنی کوثر خالد جی کہاں گم ہوگئی ہیں آپ؟ آپی فریدہ فری آپ کہاں غائب؟ آنٹی ارم کمال لوٹ آئیں حجاب کی پہچان کی جان؟ باقی ساری کہاں غائب ہیں، عائشہ رحمن، آمنہ رحمن، مدیحہ نورین مہک وغیرہ وغیرہ بھی کدھر غائب ہیں؟

دوست کا پیغام آئے! واہ جی وہ ادھر بھی ہم؟ شکریہ مینہ جی، سب دوستوں کو "ویلنٹائن ڈے"!

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ پاک ہم سب کی پریشانی دور فرمائے اور وطن عزیز کو ترقی کی جانب گامزن کر کے اسے دشمن کی بدنظر سے محفوظ رکھے آمین۔

قابل اشاعت:

یاد فراق، مزمین زاد، تاج محل، تو میرے مقدر کا ستارہ۔

ناقابل اشاعت:

تبدیلی، پرنیہ اور حبیبہ، شب الم کی سحر



husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

نظر کی کمزوری

جسم کے محسوس کرنے والے اعضا میں سب سے اہم اور قیمتی چیز ہماری آنکھیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ہم دنیا کے دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں انہی آنکھوں سے ہر چیز کی پہچان ہوتی ہے پڑھتے لکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں اسی لیے ہمیں اپنی آنکھوں کی حفاظت ہر ممکن کرنی چاہیے۔

نظر کی کمزوری کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں عام کمزوری پر عینک کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے اس کے لیے آنکھوں کے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے بچوں کی آنکھیں کمزور ہوں تو چھوٹی عمر سے ہی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اگر کمزور نظری میں اوائل عمری سے عینک نہ لگائی جائے تو آنکھوں کی بینائی آہستہ آہستہ کمزور ہوتی جاتی ہے جسے بعد میں ٹھیک کرنا مشکل ہوجاتا ہے نظر کمزور ہو تو آنکھوں پر زور پڑتا ہے جس سے اکثر سر درد کی شکایت ہوجاتی ہے یہ شکایت بھی صحیح نمبر کی عینک لگانے سے دور ہوسکتی ہے پینتیس، چالیس سال کی عمر کے بعد زیادہ تر لوگوں کی قریب کی نظر کمزور ہوجاتی ہے جس سے سوئی میں دھاگہ ڈالنے یا باریک کام کرنے میں دقت ہوتی ہے یہ ایک عام بات ہے اور عمر کا تقاضہ ہے اس کے لیے بھی عینک لگائی جاتی ہے جسے صرف پڑھنے اور باریک کام کرنے کے لیے لگاتے ہیں بینائی کی کمزوری کی چند خطرناک وجوہات بھی ہوسکتی ہیں مثلاً کالا موتیا (Glavcoma) یا اندرونی پردے کا ہل جانا (Detached Retina) دونوں صورتیں خطرناک ہیں اس صورت حال میں جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے کیونکہ دیر کرنے سے بینائی کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا تدارک ناممکن ہے۔

نظر کی کمزوری

Asthenupia

وجوہات:۔

دماغی یا عصبی کمزوری کثرت دماغی محنت باریک بینی یا مختلف وٹامن کی کمی نظر پر برے اثرات ڈالتی ہے۔

علامات مرض:۔(ClinicalFeactures)

تھوڑی دیر لکھنے یا پڑھنے سے یا کوئی اور نظر کا کام کرنے سے آنکھیں تھک جاتی ہیں اور ان کے سامنے اندھیرا سا آجاتا ہے کتاب وغیرہ پڑھتے ہوئے حروف گنجلک ہوجاتے ہیں آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگتا ہے۔

ضروری ہدایات:۔

اصل سبب کو رفع کریں زیادہ باریک بینی کا کام نہیں کرنا چاہیے آنکھوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے نیز وقتاً فوقتاً آرام دینا چاہیے صبح شام ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیں ہر روز غسل کریں صبح شام ہریالی کو دیکھنے اور گھاس پر ننگے پاؤں پھرنے سے بھی نظروں کو تراوٹ ملتی ہے غذا زود ہضم اور غذائیت سے بھرپور کھائیں مرچ مصالحہ اور چٹپٹی اشیا اور دیگر منشیات مثلاً تمباکو نوشی سے پرہیز لازمی ہے۔

نظر کا کم ہونا:۔(Amblyopia) دھند غبار۔

اس مرض میں نظر رفتہ رفتہ کم ہوکر دھندلی ہوجاتی ہے اگر یہ مرض بڑھ جائے تو پھر زہاب Amaurosis ہوجاتا ہے (نظر چلی جاتی ہے)

اسباب مرض:۔ کثرت تمباکو نوشی خصوصاً کڑوا تمباکو، سیگا یا سگریٹ کا زیادہ پینا، کثرت شراب نوشی، کثرت چائے نوشی، سر پر چوٹ لگنا، جسم سے زیادہ خون نکل کر کمزوری ہوجانا ایام حمل میں مرض ایلبیومی نوریا کا ہونا یا مڑل باؤ کولہ اور کبھی کونین کھانے سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے اور کبھی یہ مرض پیدائشی بھی ہوتا ہے۔

علامات مرض:۔

دونوں آنکھوں کی نظر آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگتی ہے اور تھوڑے عرصے میں بہت گھٹ جاتی ہے یہاں تک کہ مریض روزمرہ کے کام کرنے سے بھی عادی ہوجاتا ہے۔ جو چیزیں آنکھ کی سیدھ میں ہوتی ہیں وہ دکھائی نہیں دیتیں اور دور کی چیزیں بھی دھندلی نظر آتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں، سبز اور سرخ رنگ کی شناخت نہیں ہوسکتی روشنی سے طبیعت گھبراتی ہے لیکن صبح شام جب یہ روشنی کم ہوتی ہے تو بے چینی کم ہوتی ہے سر میں درد ہوتا ہے نیند کم آتی ہے اور بھوک بھی کم لگتی ہے۔

نظر کا جاتے رہنا

(Amaurosis) اندھا پن

اسباب مرض:۔ اس مرض کے بھی وہی اسباب ہیں جو

(Amblyopia) کے ہیں جیسے سر پر چوٹ لگنا دماغ میں رسولی یا پھوڑا یا تشکر ابھار یا جریان خون یا اجتماع رطوبت ہونا، عصبی خراش، وبائی خناق، سرخ بخار، سوزش گردہ، دردسر، عصبی کمزوری، پیٹ کے کیڑے تمباکو شراب نوشی، جسم میں بعض زہروں کا پھیلنا مثلاً بیلاڈونا یا زہر کا ہونا عورتوں میں بندش حیض و ایام حمل وغیرہ۔

علامات مرض:۔

کبھی تو مرض رفتہ رفتہ اور کبھی بہت جلد ہوجاتا ہے نظر روز بروز کمزور ہوکر اور کبھی دفعتاً زائل ہوجاتی ہے مختلف قسم کی علامات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً کبھی نظر دھندلی ہوجاتی ہے کبھی ایک شے نصف دکھائی دیتی ہے۔ کبھی ایک چیز کی دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں کبھی مریض اپنے ہی لکھے کو نہیں پڑھ سکتا، آنکھ دیکھنے میں بالکل صحیح سالم دکھائی دیتی ہے مگر میدان بصارت میں نقص یا زوال آجاتا ہے بینائی میں نقص کے باعث مریض کسی چیز کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا آنکھ کی پتلیاں پھیلی ہوئی یا ساقط ہوتی ہیں اندھیرے میں مریض کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اس لیے وہ اندھوں کی طرح چلتا ہے ہسٹریا وغیرہ اور کونین کے بکثرت استعمال کرنے سے یہ عارضہ ہوجاتا ہے کبھی یہ مرض پیدائشی بھی ہوتا ہے۔

علاج:۔

اصل سبب کو معلوم کرکے اسے دور کریں منشیات تمباکو، سگریٹ وغیرہ سے قطعی پرہیز کریں۔

چائنا:

جب مرض بوجہ اخراج خون یا بوجہ اخراج رطوبت زندگی وغیرہ سے پیدا ہو۔

ایسڈ فاس:۔

جسمانی کمزوری سے جب یہ مرض ہوجائے۔

نکس وامیکا:۔

جب شراب نوشی یا تمباکو نوشی کے باعث یہ عارضہ پیدا ہو۔

روٹا:۔

جب آنکھوں سے زیادہ کام لینے کے باعث یہ عارضہ ہوا ہو۔

نیٹو نائٹم:۔ جب باریک بینی کا کام کیا گیا ہو اور آنکھوں کے آگے رنگ دکھائی دیتے ہوں۔

ایکونائٹ:۔

موسم گرما میں سرد غسل کرنے سے یکا یک اندھا پن ہوجانا۔

جلی میم:۔

یکا یک نظر کا زائل ہوجانا۔

بیلاڈونا:۔

چمکیلی اشیا کی چمک کے باعث نظر کا جاتے رہنا۔

فاسفورس:۔

نکس وامیکا کے بعد فاسفورس کا استعمال مفید ہوا کرتا ہے مریض کو مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں پڑھتے وقت حرف سرخ نظر آتے ہوں۔

ہیپر سلف:۔

موم بتی کی روشنی میں مریض ٹھیک طرح نہ دیکھ سکے، پڑھتے وقت نظر دھندلی پڑجائے روشنی سے ڈر لگے۔

اس کے علاوہ فیرم میٹ اور پلم بم ایٹی کم وغیرہ بھی اپنی اپنی علامات میں کام آتے ہیں۔

رتوندا

اندھراتا (Hemeralopia)

اس مرض میں مریض کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ مرض درحقیقت ایماروسس کی ہی قسم ہے۔

اسباب مرض:۔

کبھی یہ مرض موروثی ہوتا ہے اور کبھی عام سی جسمانی کمزوری یا آنکھ پر تیز دھوپ کی شعاع پڑنا یا تھکن وغیرہ اس کے اسباب ہوتے ہیں غالباً ملیریا کا زہر بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔

علاج مریض کو تیز دھوپ میں نہیں جانا چاہیے اور غذا مقوی کھانی چاہیے۔

کونیم اور نکس وامیکا کا استعمال اس میں مفید ہوا کرتا ہے۔



دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

اپنوں کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں سب یقیناً ٹھیک ہوں گے اللہ سب کو ٹھیک ہی رکھے آمین، میری پیاری نانی امی کی ڈیتھ ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین اور میری امی خالہ اور ماموں جان کو صبر عطا کرے آمین انسان عمر کے جس حصے میں مرضی پہنچ جائے ماں کی کمی کوئی نہیں پوری کرسکتا میری ماں سمیت اللہ سب کی ماؤں کو سلامت رکھے آمین اور میرے پیارے بھائی آپ کی شادی تھی آپ کو اور بھابی شیرین کو شادی کی بہت مبارک ہو بھائی عدیل اور عائشہ آپ کو بھی شادی کی مبارک قبول ہو۔ اللہ نئے شادی شدہ جوڑوں کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے آمین اور پیارے چاچوں قیصر آپ کی شادی میری زندگی کی یادگار ترین شادی ہے آپ کو بھی اور چچی صبا کو شادی کی بہت مبارک باد خوش رہیں ہمیشہ۔ اوہو سدرہ اداس مت ہو یار تمہیں بھی شادی کی مبارک ہو سدرہ رضوان بنا مبارک ثابت ہو تمہارے لیے آمین پیاری زرقا تبسم تمہاری سالگرہ ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بہت خوش رکھے آمین۔ جویریہ فرید آپ کو بھی سالگرہ بہت مبارک ہو اللہ تمہیں خوشیوں کے ساتھ ہدایت بھی دے آمین قابل احترام سر شہباز احمد خان آپ کو سالگرہ مبارک اللہ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ عزت بھری زندگی عطا کرے آمین جن بہنوں نے مجھے سالگرہ وش کی ان کا بے حد شکریہ۔ رقیہ ناز آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو بہت بہت سمیرا سواتی آپ بھی بہت اچھی ہیں طاہرہ منور علی ہاں جی آپ کی دوست ہوں بس اب خوش ہو جاؤ نا روبی علی ہم تو کہیں نہیں غائب یار ذرا چشمہ تو لگاؤ نا ہائے پروین آپی طیبہ خاور شکریہ کہہ کر شرمندہ مت کرو نا اب تمام آنچل و حجاب فرینڈز کو نیا سال مبارک ہو دعاؤں میں یاد رکھیے گا زندگی رہی تو پھر ملیں گے، نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے۔ رب راکھا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

اپنوں کے نام

میری پیاری نند فریدہ جاوید فری آج کل آپ آنچل و حجاب میں بہت کم کم نظر آرہی ہیں مجھے آپ کی فل حاضری چاہیے دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ تندرست اور خوش و خرم رکھے، آمین آپی نازیہ کنول نازی اب آپ کی اور اہلخانہ کی طبیعت کیسی ہے اللہ آپ کو بھی تندرست رکھے مدیحہ کنول سرور، شبنم کنول، ارم کمال، انجم انجم اعوان، اقرا جٹ آپ سب کیسی ہیں آپ سب کے لیے بھی ہمارے دل سے دعائیں نکلتی ہیں اللہ آپ سب کو بھی خوش رکھے آمین۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

انوسینٹ سسٹر معظمہ کے نام

یکم فروری کی صبح کہ شام یہ میری مما کو بھی کنفرم نہیں اپنی ویز ایک ننھی پری ہمارے گھر آئی وہ بھی روتے ہوئے جاہے جس اسٹیج میں چلے جائیں روتا ہوا انسان کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا ہمیں بہت برا لگا ہماری بہن رو رہی ہے ہم نے جیسے تیسے اسے چپ کرایا اور خوشی سلیبریٹ کی کہ ہمارے گھر ہماری بنو، بہن آئی ہے یکم فروری کو ہماری معظمہ کا برتھ ڈے ہے جس طرح فرسٹ ڈے ہمارے گھر آئی تھی سلیبریٹ کیا تھا برتھ ڈے پر بھی ایسے ہی سلیبریٹ کریں گے۔ ماما، پاپا، بھائی بلال اجمل، عثمان علی کی طرف سے سالگرہ بہت بہت مبارک ہو معظمہ تمہارے لیے مریم نے بریانی پکائی ہے اور ماریہ نے کوفتے باقی بچے ہم تو سوہنی بہن شادی کے بعد سسٹرز مہمان ہوتی ہیں میں اور آپی سمیرا ایز آ گیسٹ آئیں گی اوہو خالی ہاتھ نہیں آئیں گی گفٹ بھی لائیں گی موزی ہم سب کی ایک آئیڈیل بہن ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے کوئی کمی نہیں میری بہن میں کہتے ہیں ناں زندگی میں بھی کوئی پرفیکٹ نہیں ہوتا لیکن یہ میری بہن پرفیکٹ ہے اگر یہ ہمارے گھر میں نہ ہوتی تو ہم سب پتا نہیں کہاں ہوتے صبر، شکر، قربانی اینڈ بیوٹی کا نام ہے معظمہ ہم سب کا دل ہے بس اللہ سے دعا ہے کہ اللہ میری بہن کے نصیب اچھے کرے اور ہر بری نظر سے بچائے ڈھیروں خوشیاں دے چاند ستاروں کی طرح آسمان پر چمکے لو یو آ لاٹ کہاں ہم ایک دوسرے کے بغیر رہتی نہیں تھیں اکٹھے سوتی تھیں شادی کے بعد سب ختم ہوگیا اموشنل کر دیا ناں خوش رہو۔ تمہاری بیسٹ سسٹر پلس فرینڈ۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

اپنوں کے نام

السلام علیکم امید ہے سب آنچل فرینڈز خیریت سے ہوں گے یکم اپریل کو عدنان بھائی کی ویڈنگ اینی ورسری ہے بھائی اور بھابی آپ کو شادی کی دوسری سالگرہ مبارک ہو اللہ آپ کو ہمیشہ

خوش و خرم رکھے۔ بارہ اپریل کو عمران بھائی کی ویڈنگ اینی ورسری ہے بھائی اور بھابی آپ کو شادی کی دوسری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو صحت تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے۔ تیرہ اپریل کو نسیم آپی کی ویڈنگ اینی ورسری ہے آپی آپ کو اور بھائی کو شادی کی دوسری سالگرہ بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے آپ کی زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے۔ ارے آپ لوگ سرپرائزڈ کیوں ہیں خوش ہوں نا اور میں تو بہت خوش ہوں آپ کو آنچل کے تھرو وش کر کے وہ بھی ایڈوانس میں (سمجھا کریں ناں گفٹ کے پیسے بچ گئے) اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

شبنم حنیف......لاہور

پیارے، ہم وطنوں لکھاریوں اور قاریوں خصوصاً رابعہ شاہ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ جنت حلالہ و دوزخ حرامہ۔ دعاؤں سے ملاقات مانگتی ہوں ہوگئی تو خوش' نہ ہوئی تو راضی برضا، فریدہ فری، پروین افضل، ارم کمال، نجم انجم سے لے کر وقاص عمر، حرا قریشی، ملالہ اسلم، انیلا طالب، رقیہ ناز، دلکش، عائشہ، لائبہ، روشنی، نینا مینا، کشمالے اور فون پر رابطے والے تمام دوستوں کو اطلاع کر رہی ہوں کہ میری تنہا (اکلوتی) بیٹی شمع خالد کی چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کا معاملہ بڑی سنگینیوں کے بعد آخر کار طے پا گیا پھوپو نے عمرے پر دعا کی ہم نے ادھر کسی کو جائے نماز عطا' کی کوشش بار آور ثابت ہوئیں وظائف اور نفل الگ، مارچ کی کوئی تاریخ رکھی جائے گی دھما کہ خیز خبر یہ ہے کہ منگنی پر ہمارے سوا سارے رشتے دار گئے ساس اور پوتا اور قرآن مابدولت کے ہمراہ گھر رہے اللہ تمام بیٹیوں کو وقت پر خوشیاں عطا کرے اور ہر طرح کی آزمائشوں سے بچائے۔ دلکش مریم صبر کا دامن پکڑے رہو گی تو پاپا خواب میں آئیں گے اللہ تمام مسلمانوں کے ساتھ میرے جیسے معاملات کرے اور ہم اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایک گمشدہ مسرت نگر دوبارہ حاصل کر لیں۔ رابعہ شاہ آپ تو کیا ہم ہر ایک ضرورت مند اور وفاداروں کے لیے دل کے دروازے وا کیے بیٹھے ہیں اور بے وفاؤں کے لیے گھر کے دروازے کھلے رہتے ہیں تاکہ کسی دن انہیں دل کے دروازے تک لے جاسکوں امید ہے تمام چاہنے والوں کو جواب مل گیا ہوگا جنہیں حجاب میں آئے دیر ہوئی انہیں ہم یاد کرتے ہیں اور منتظر بیٹھے ہیں ان کی آمد کے۔ فائزہ بھٹی

زندہ دلی برقرار رکھنا خوشیاں دل کے آنگن میں رقصاں رہیں گی۔ میری کتاب "ہر تسنیم" چند روز میں ہاتھوں میں ہوگی۔ اس کے ساتھ اجازت۔

کوثر خالد جڑانوالہ......گیلانی محلہ

نٹ کھٹ بھتیجیوں کے نام

السلام علیکم کیسی ہو طبیعت و صحت کیسی ہے مزاج مبارک کیسے ہیں کبھی اپنی پیاری پھوپو کو بھی یاد کر لیا کرو پڑھائی بھی کرتی ہو یا سارا دن حجاب میں سر گھسائے رکھتی ہو، اچھا سب سے پہلے سعدیہ محسن کو ہماری فیملی کا ممبر بننے پر مبارک باد، آئی مس یو سعدیہ جی ہم بہت خوش ہیں آپ کو بھابی بنا کر بس اب پل پل انتظار ہے کب آئیں گے آپ پیا کے سونے آنگن کو رونق زندگی بخشنے اللہ رب العزت آپ کی جوڑی کو سدا سلامت رکھے نظر بد سے محفوظ رکھے اور سناؤ جی مشعل محسن شازیہ حفصہ کیسی ہو آپ سب دیکھو آپ لوگوں کو شوق تھا نا کہ ہمارے حجاب میں ہمارا نام آئے تو آپ کی پھوپو نے آپ کو سرپرائز دے ہی دیا چلو اب خوش ہو جاؤ اور فرینڈز کو بتاؤ سدرہ خورشید سنا ہے آپ تو بہت پیاری بن گئیں ہو ہم نے تو تب دیکھا تھا جب آپ منی سی ہوا کرتی تھی اولیٰ کلاس میں باجی ام الخیر کے سامنے صرف ونحو کے باب اور گردانیں پڑھا کرتی تھی مگر اب تو بڑا قد نکال لیا ہے بھئی یہ سب آپ کو آپ کی پھوپو (نند) ثمینہ کی طرف سے تھا مگر اب میں اپنی پیاری سی جان ثمینہ کا حال پوچھ لوں تو آئی لو یو مس یو اور پلیز برا نہ مان جانا میری مبالغہ آرائی کا۔ ثمینہ جی نیا سال مبارک۔ ہو مگر معاف کرنا دیر ہوگئی' پتا ہے کیا دعا ہے میری کان ادھر کرو اللہ کرے اس سال تمہاری شادی ہو جائے اور تم پیا دیس سدھار جاؤ جب بھی یہ خط پڑھو تو فون ضرور کرنا بس ایک شعر آپ کی نذر کرتی ہوں (آپ شگفتہ کی طرف سے خالہ بننے والی ہو)

دل میں وہم وگمان نہ تھا تیری جدائی کا
اب حشر تک دید کو ترسیں گی میری آنکھیں
کون کہتا ہے مرہم ہے وقت ہر گھاؤ کا
قیامت تک رہ رہ کر برسیں گی میری آنکھیں

ثمینہ مصری خان......ملتان





فریج کی دیکھ بھال اور استعمال

فریج کچن کا ایک ضروری حصہ بن چکا ہے اور کچن میں ہونے والے کاموں میں اس کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس لیے فریج کی ضروری دیکھ بھال اور اس کے استعمال کے طریقے جاننا بھی بڑا ضروری ہے تاکہ کچن میں آپ کا یہ مددگار ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتا رہے، فریج کو تھرمامیٹر کے ذریعے اکثر و بیشتر چیک کرتے رہنا چاہیے اس طرح آپ کو فریج کی کارکردگی اور اس میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہیں گی اگر فریج کو چیک نہیں کیا جائے گا تو آپ کا فریج خراب ہوکر بند بھی ہوسکتا ہے اور یا غلط ٹمپریچر کی وجہ سے اس میں رکھی ہوئی چیزیں خراب بھی ہوسکتی ہیں فریج کا ٹمپریچر پچاس ڈگری سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے اور جب اسے چیک کرنا ہو تو فریج کا ٹمپریچر چالیس ڈگری تک رکھیں چیک کرنے کے لیے تھرمامیٹر فریج کے ہر خانے میں کم ازکم ایک گھنٹہ تک پڑا رہنے دیں اس طریقے سے آپ کو فریج کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہوسکتی ہے اور فریج کی دیکھ بھال مناسب طریقے سے ہوسکتی ہے۔ فریج میں آئس کیوب ٹرے عموماً زیادہ برف بننے کی وجہ سے منجمد ہوکر چپک جاتی ہے اور اسے اکھاڑنا مشکل ہوجاتا ہے اس تکلیف دہ مسئلے سے بچنے کے لیے آپ آئس کیوب ٹرے کو فریج میں جہاں اسے رکھنا ہو وہاں مومی کاغذ رکھ دیں اور مومی کاغذ پر آئس ٹیوب ٹرے رکھیں ایسا کرنے سے آئس کیوب ٹرے فریج میں چپکے گی نہیں۔ فریج کا اندرونی دروازہ پانی ڈال کر نہیں دھونا چاہیے اس طرح دھونے سے چاروں طرف لگا ہوا ربڑ خراب ہوجاتا ہے اسے گیلے کپڑے سے پونچھ کر صاف کرنا چاہیے فریج کو اندر سے دھونے کے لیے صابن کا استعمال نقصان دہ ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے فریج میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اس سے بہتر ہے کہ پانی میں سہاگہ (بوریکس) ملا کر دھوئیں ایک سیر پانی میں ایک درمیانہ چمچ سہاگہ کافی ہے فریج کے اندر بہت زیادہ برف جمنے نہ دیں کیونکہ اس طرح فریج جلدی خراب ہوجاتا ہے ہر مہینے فریج بند کرکے اندر جمی ہوئی برف پگھلنے دیں اگر برف بہت زیادہ جمی ہو تو دھونے سے پہلے برف والے خانے کے نچلے حصے میں کھولتے ہوئے پانی کی دیگچی رکھ کر دروازہ بند کردیں برف چند لمحوں میں پگھل جائے گی، برف سے جمے ہوئے برتن آسانی سے نکالنے کے لیے برف خانے میں تھوڑا سا نمک چھڑک دیں پھر اس کے اوپر پانی کے سانچے رکھیں اس طرح برف بھی جلدی بنے گی اور سانچا بھی آسانی سے باہر نکل آئے گا برف جمانے والے ڈبوں یا سانچوں کے نیچے اگر مومی کاغذ بچھادیں تو سانچے فریزر میں جمیں گے نہیں اور آسانی سے باہر نکل آئیں گے فریج کی چمک دمک برقرار رکھنے کے لیے تھوڑے سے پانی میں ایمونیا کے چند قطرے ملا کر صاف کریں فریج کو بار بار کھولنے اور بہت سی چیزیں بھرنے سے فریج کی کارکردگی بہت متاثر ہوتی ہے، جب مارکیٹ سے کھلا گوشت آئے تو اسے دوبارہ مومی لفافے یا کاغذ میں لپیٹ کر فریج میں رکھیں اس طرح گوشت کے چھیچھڑے اور خون کے دھبے کاغذ پر نہیں چپکیں گے چاہے گوشت فریج میں کافی دنوں تک پڑا رہے، مچھلی کو فریج میں محفوظ رکھنا ہو تو مچھلی کے سائز کا ایک ڈبہ لیں مچھلی کو اس میں ڈال کر اتنے پانی سے بھر دیں کہ مچھلی اس میں ڈوب جائے پھر اس ڈبے کو فریج میں رکھیں اس کے بعد جب ضرورت پڑنے پر مچھلی نکالیں گے تو پہلی حالت جتنی تروتازہ ہوگی۔ جب آپ گھر سے زیادہ دیر تک باہر رہنا چاہتی ہوں تو ایسے موقعوں پر فریج میں موجود خوراک کو ان کی مختلف کیمیاوی حالتوں کے مطابق مختلف خانوں میں رکھیں اور اس کام کے لیے پلاسٹک کے یا مومی لفافے استعمال کریں تاکہ محفوظ کی جانے والی خوراک پگھل کر خراب نہ ہوجائے۔ چکن کے مختلف پیس کرکے کم سے کم جگہ زیادہ سے زیادہ پیس رکھنا مقصود ہو تو انہیں آئس کیوب ٹرے میں بھی رکھا جاسکتا ہے اور بعد میں جب جمے ہوئے چکن کو مختلف بلاکوں کی صورت میں مضبوط پیکنگ کے باوجود نکالا جاسکتا ہے۔ پیٹیز اور سموسے اس طرح فریج میں رکھیں کہ وہ آپس میں نہ کو جڑیں اور جونہی وہ ذرا سخت ہو

جائیں تو انہیں فریج سے نکال لیں پھر انہیں کسی کاغذ میں لپیٹ دیں اور دوبارہ فریج میں رکھ دیں اس طرح پیٹیز اور سموسے آپس میں جڑیں گے نہیں فریج میں پھلوں کو محفوظ اور ٹھنڈا رکھنے کے لیے مضبوط سیلوفین کے لفافوں میں بند کریں تیز آئی فروٹ علیحدہ رکھیں کیونکہ تیز ابی پھل سے کاغذ وغیرہ گل جاتے ہیں اور دوسرے پھلوں کی خوشبو اور ذائقے کو خراب کرتے ہیں۔

بجلی سے کام کرنے والی اشیا

۱۔بجلی سے کام کرنے والی اشیا کے تاروں کا وقتاً فوقتاً معائنہ کرتے رہیے خصوصیات سے ان حصوں کا جہاں ان کا کنکشن ہوتا ہے اگر تار بوسیدہ ہو چکا ہے یا اس کا انسولیشن خراب ہوگیا ہے تو بالا تاخیر یا تو اس کی مرمت کرلیجیے یا پھر پورا تار ہی بدل ڈالیے۔

۲۔اپنے بجلی کے ٹوسٹر کے حرارت پیدا کرنے والے حصے کی صفائی کا خاص خیال رکھیے اور اس کے اردگرد ہرگز روٹی کے ریزے یا گردوغبار جمع نہ ہونے دیجیے اس حصے کی صفائی کے لیے نرم بالوں کا برش استعمال کیجیے۔

۳۔بجلی کی استری کا نچلی سطح کو ہمیشہ صاف رکھیے اس کی صفائی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک موٹے کاغذ پر نمک چھڑک کر گرم گرم استری کو اس پر خوب زور سے پھیریے لیکن یہ نسخہ بھاپ سے کام کرنے والی استری پر استعمال نہ ہوگا اس قسم کی استری کی صفائی اسفنج اور صابن کے جھاگ کے ساتھ کیجیے اور اس کے بعد اچھی طرح خشک کرلیجیے۔

۴۔بجلی کی کیتلی کو کبھی خالی نہ گرم ہونے دیجیے اگر آپ آٹو میٹک کیتلی خریدیں تو وہ زیادہ بہتر ثابت ہوگی اس میں ایک گھنٹی لگی ہوتی ہے جو آپ کو عین وقت پر اطلاع دے دیتی ہے کہ کافی یا چائے تیار ہو چکی ہے۔

۵۔آپ کا ریفریجریٹر یا فریزر یقیناً ایک طویل عمر پائے گا اگر آپ یہ دھیان رکھیں کہ اس کے دروازے پر لگا ہوا ربڑ درست حالت میں رہے اس پر کبھی گردوغبار روغن تیل یا کسی قسم کی چکنائی نہ لگنے دیجیے ورنہ یہ بہت جلد خراب ہوجائے گا اور اس کے خراب ہونے سے باہر کی ہوا اندر اور اندر کی ہوا باہر جانی شروع ہوجائے گی ریفریجریٹر میں چیزیں ایک مناسب مقدار میں رکھیے ڈھیروں چیزیں رکھنے سے آپ اپنے فریج سے صحیح کام نہ لے سکیں گے اس میں رکھی اشیا کے درمیان ہمیشہ اتنا فاصلہ ضرور ہونا چاہیے کہ سرد ہوا بآسانی ان کے درمیان سے گزر سکے۔

۶۔اپنے بجلی کے پنکھے کے پر یا بلیڈ باقاعدگی کے ساتھ صاف کرتے رہیے ان پر جمی ہوئی گرد پنکھے کی صحیح کارکردگی پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

۷۔گھر میں استعمال ہونے والی بجلی کے تاروں کا ہمیشہ خیال رکھیے ان کو نہ توڑیے مروڑیے نہ ان میں کسی قسم کا فرنیچر رکھیے اور بجلی کے ساکٹ میں سے انہیں کھینچ کر نہ نکالیے تار کو کھینچنے کے بجائے ہمیشہ پلگ کو کھینچ کر نکالیے۔

ربڑ کی اشیا:

ربڑ کی اشیا کے سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ وہ چکنائی والی اشیا مثلاً تیل گھی گریس اور مکھن وغیرہ سے آلودہ نہ ہونے پائیں نہ ہی تانبا زیادہ دیر تک ان کے ساتھ لگا رہنا چاہیے لیکن اگر اس طرح کی کوئی چیز لگ جائے تو صابن اور نیم گرم پانی کے ساتھ دھوڈالیے اور خشک کرلیجیے۔

۱۔ربڑ کی بنی ہوئی تمام اشیاء بوٹ سے لے کر بچے کے نپل تک یقیناً لمبی عمر پائیں گی اگر آپ انہیں ہمیشہ ٹھنڈی اور تاریک جگہ پر رکھیں گے۔

۳۔ربڑ کی اشیا کو سنبھال کر رکھنے سے پہلے دیکھ لیجیے کہ وہ پوری طرح خشک ہیں۔

۴۔ربڑ کے دستانے پچکاریاں کوٹ یا کوئی بھی دوسری چیز رکھنے سے پہلے اگر آپ اس کی تہوں یا سلوٹوں پر تھوڑا سا ٹالکم پاؤڈر چھڑک دیں تو آپ کی چیزوں کی عمر میں اضافہ ہوجائے گا۔

